

سیرۃ النبیؐ پر منفرد انداز میں لکھی گئی ایک جامع کتاب

سیرۃ

النبیؐ

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

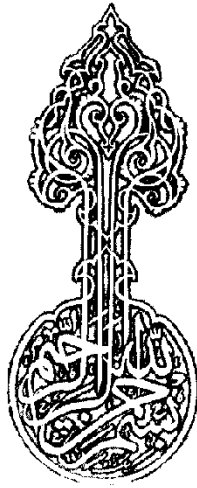
← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)





سیرتِ نبویؐ پر مفرد انداز میں کبھی کبھی ایک جامع کتاب

# سیرت کتابِ سیرتِ نبویؐ

رسول  
الله

احسن  
سیرتہ



Ph: 92-42-7230549

Fax: 92-42-7242639

www.dar-ul-andalus.com

اسلام کی نشر و اشاعت کا عالمی مرکز

دارالاندلس

محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتاب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



تمام حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

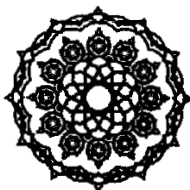
# سیرتِ پیغموتی

تالیف

احسینہ

تحقیق و تخریج ..... سید تنویر الحق شاہ  
تہذیب و تخریب ..... محمد اشتیاق اصغر، حافظ یوسف سراج

سرواق	ضیاء الرحمن
کپورنگ	محمد شفیق
ناشر	دارالاندلس
قیمت	.....



پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

دارالاندلس® اسلام کی نشر و اشاعت کا عالمی مرکز  
۳۔ لیک روڈ، چوہدرت لاهور، پاکستان

Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



## نبیوت کے پندرہ سو فی

- 29 ..... کیسے ہیں یہ موتی.....؟ ❀
- ❀ آمد آمد کے چرچے اور زندگی کے چالیس سال ❀
- 35 ..... روجوں کا اجتماع ..... ❀
- 35 ..... رسولوں کی خاص مجلس ..... ❀
- 36 ..... محمد (ﷺ) ام الکتاب میں آخری نبی لکھ دیے گئے ..... ❀
- 37 ..... رسول کریم ﷺ کے آباؤ اجداد ..... ❀
- 38 ..... عبدالمطلب کی داستان عجیب ..... ❀
- 41 ..... تورات میں آپ ﷺ کی صفات ..... ❀
- 42 ..... تورات میں آپ ﷺ کی امت کی صفات ..... ❀
- 43 ..... نئی ملنے والی تورات میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفات ..... ❀
- 44 ..... عرب کی بابت بارنبوت ..... ❀
- 48 ..... انجیل میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفت ..... ❀
- 51 ..... تاریخ پیدائش ..... ❀
- 52 ..... دودھ پینے کے دن اور بچپن کی یاد ..... ❀
- 53 ..... جبریل نے سینہ چیر دیا اور دل پر ”ختم نبوت“ کی مہر لگا دی ..... ❀
- 55 ..... والدہ کی وفات ..... ❀
- 56 ..... دادے کا پوتے کے لیے اضطراب ..... ❀



- 57 ..... محمد کریم ﷺ، بکریاں چرانے والے ..... ❁
- 57 ..... پتھر نے رسول کریم ﷺ کو سلام کیا ..... ❁
- 58 ..... مظلوم کی مدد کا معاہدہ ..... ❁
- 58 ..... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں شادی نہیں کی ..... ❁
- 59 ..... وہ دیکھو! چکر امانت آ گیا ..... ❁
- 60 ..... غیر اللہ کا ذبیحہ کھانے سے انکار ..... ❁

### نبوت اور دعوت

- 63 ..... پہلی وحی آنے سے پہلے محمد کریم ﷺ کی کیفیت ..... ❁
- 64 ..... چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی ..... ❁
- 64 ..... پہلی وحی ..... ❁
- 66 ..... حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں کرسی پر تشریف فرما ہو گئے ..... ❁
- 66 ..... سخت سردی میں پیشانی مبارک سینے سے شرابور ..... ❁
- 67 ..... سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ..... ❁
- 68 ..... کوہ صفا پر چڑھ کر اعلانیہ دعوت ..... ❁
- 70 ..... توحید کی دعوت سے باز نہ آؤں گا چاہے سورج کا کوئی شعلہ لے آؤ ..... ❁
- 71 ..... لا الہ الا اللہ کی بدولت عرب و عجم کی فتح ..... ❁
- 72 ..... قریشو! سن لو! میں تمہیں ذبح کرنے آیا ہوں ..... ❁
- 74 ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک اجنبی پر دیسی ..... ❁
- 76 ..... حکیم ضحاک و محمد کریم ﷺ کا علاج کرنے آیا مگر.....؟ ..... ❁
- 78 ..... عورت اور دولت کے ڈھیر کی پیشکش ..... ❁
- 81 ..... جنوں نے قرآن سنا اور مسلمان ہو گئے ..... ❁
- 83 ..... تیرے لیے سونے کا محل ہو تو ایمان لائیں گے ..... ❁

- 84 ..... روح کیا ہے؟ ❧
- 85 ..... چاند دو ٹکڑے ہو گیا ..... ❧
- 85 ..... وہ آگ کا گڑھا اور پروں والے ..... ❧
- 86 ..... توحید کا وعظ اور ابولہب کی کینگی ..... ❧
- 87 ..... فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باپ کی کمر سے اوجھڑی ہٹانا ..... ❧
- 89 ..... جس جس پر کنگر گرا وہ میدان بدر میں مردار ہوا ..... ❧
- 90 ..... لوہے کا لباس اور دھوپ مگر بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر احد، احد ..... ❧
- 91 ..... مشرک نے موحد کو آرے سے چیز کر دو ٹکڑے کر دیا ..... ❧
- 92 ..... حبشہ کی طرف ہجرت ..... ❧
- 94 ..... محمد (ﷺ) کا انکار کر دے، تب قرض لوٹاؤں گا ..... ❧
- 95 ..... ہم بتوں کو غلاظت میں لت پت کر دیتے ..... ❧
- 95 ..... رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بت شکنی ..... ❧
- 97 ..... اے اللہ! ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے ایک کو مسلمان کر دے ..... ❧
- 97 ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا میڈیا کو استعمال کرنا ..... ❧
- 100 ..... شعب ابی طالب کی صعوبتیں ..... ❧
- 101 ..... مذاق کرنے والوں کے لیے دنیا ہی میں عبرت ناک سزائیں ..... ❧
- 102 ..... عاص کا تمسخر کہ کیا اللہ اس کو زندہ کرے گا؟ ..... ❧
- 103 ..... اللہ نے ایک نابینے شخص کی خاطر پوری سورت نازل کر دی ..... ❧
- 104 ..... مسلمانوں کی خواہش کہ عیسائی مجوسیوں پر غالب آجائیں ..... ❧
- 106 ..... جناب ابوطالب کی لا الہ الا اللہ سے محرومی ..... ❧
- 110 ..... اللہ کے رسول ﷺ طائف کی گھاٹی میں ..... ❧
- 112 ..... حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما سے نکاح ..... ❧

- 115 ..... اپنی پناہ اپنے پاس رکھو، مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے
- ﴿ آسمانوں کی سیر اور مکہ چھوڑنے کی تیاریاں ﴾
- 119 ..... محمد ﷺ: ذی وقار، سفید براق کے سوار
- 120 ..... براق کی اگلی پرواز، آسمان کے بعد آسمان
- 125 ..... جنت کی نہر کوثر
- 125 ..... سدرة المنتہی
- 128 ..... بیت المعمور اور سفید مشروب
- 128 ..... پچاس کی بجائے پانچ نمازوں کی فرضیت
- 130 ..... تین تحفے
- 131 ..... اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا
- 131 ..... عورتوں والی بیعت
- 132 ..... ہم رسول اللہ ﷺ کو مصائب میں دیکھیں، آخر کب تک؟
- 135 ..... ”عقبہ“ یعنی گھاٹی میں جنگ والی بیعت
- ﴿ ہجرت کا سفر اور مدینہ میں مرحبا ﴾
- 143 ..... خواب میں سر زمین ہجرت کی جھلک
- 144 ..... سب سے پہلے مدینے جانے والے
- 145 ..... رسول ہاشمی ﷺ کو ہجرت کی اجازت اور ابو بکر کو معیت مل گئی
- 146 ..... مشرکوں کی تدبیر نا کام
- 146 ..... اپنے بستر پر علیؑ کو سلایا اور خود گھیرا توڑ کر نکل گئے
- 147 ..... غار میں کی ہوئی وہ گفتگو جس کا انکشاف قرآن نے کیا
- 147 ..... غار میں دودھ بھی ملتا رہا اور مکہ کی خبریں بھی



- 148 ..... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا کردار ❁
- 149 ..... خالی خزانے میں پتھر بھر کر تانبے بزرگ کا ہاتھ رکھوا دیا ❁
- 150 ..... چرواہے نے محمد کریم ﷺ کو اوشنی کا دودھ دوہتے دیکھا تو مسلمان ہو گیا .. ❁
- 151 ..... سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے ..... ❁
- 154 ..... راستے میں ملنے والوں کو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا جواب ..... ❁
- 154 ..... ام معبد کے خیمے میں آپ ﷺ کا معجزہ ..... ❁
- 157 ..... سفید لباس کا تحفہ ..... ❁
- 157 ..... عرب کے لوگو! دیکھو! تمہارا سردار آ گیا ..... ❁
- 159 ..... تلوار بردار محافظوں کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ کا والہانہ استقبال ... ❁
- 160 ..... رسول کریم ﷺ کی آمد پر حسیوں کا کھیل ..... ❁
- 160 ..... مسجد کے لیے دو یتیم بچوں کی زمین ..... ❁
- 161 ..... رسول ہاشمی ﷺ مہمان، ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان ..... ❁

### مدینہ میں مصروفیات ❁

- 165 ..... مسجد نبوی کا سنگ بنیاد ..... ❁
- 165 ..... رسول کریم ﷺ صحابہ کے ہمراہ اینٹیں ڈھور رہے ہیں ..... ❁
- 166 ..... منبر رسول بنوانے کا شرف ایک خاتون نے حاصل کر لیا ..... ❁
- 167 ..... پیشاب کر لینے دو ..... ❁
- 168 ..... مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ..... ❁
- 169 ..... سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ مل گئے مگر کیسے .....؟ ..... ❁
- 171 ..... عیسائی پادری کا خزانہ، سونے چاندی کی سات بوریاں ..... ❁
- 171 ..... آخری نبی کے کندھے پر مہر نبوت ہوگی ..... ❁

- 174 ..... میں رسول کریم ﷺ کو چومتا اور روتا چلا جا رہا تھا
- 177 ..... بچہ باپ اور ماں کی صورت پر کیسے جاتا ہے؟
- 179 ..... مدینہ میں بخار اور مکہ کی یاد
- 181 ..... میرا آدھا مال لے لو اور بیوی، جو پسند ہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں ..
- 182 ..... کہیں انصار آخرت کا سارا اجر ہی نہ سمیٹ لیں
- 183 ..... یہ اپنے مسکین رشتہ داروں کو دے دو
- 184 ..... انصار اور مہاجرین کی فراخ دلانہ معاشرت
- 186 ..... مدینہ میں مہاجرین کے پہلے بچے کی پیدائش
- 187 ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی
- 188 ..... سردار یثرب کی بادشاہت نابود ہو گئی
- 189 ..... نماز کے لیے گھنٹی نہیں اٹھا کر آوازہ بلند کرو

### گو سیلا کارروائیاں اور معرکہ بدر

- 193 ..... شہروں کا سردار شہر
- 194 ..... قتال کی باقاعدہ اجازت
- 195 ..... دھاوے اور معرکے
- 196 ..... اڑھائی ہزار اونٹوں کے قافلے کا تعاقب
- 196 ..... مشرکوں کے تجارتی قافلے کا تعاقب
- 197 ..... تجارتی راستہ بند کرنے کی دھمکی
- 198 ..... مجاہدین کے ہاتھوں پہلی بار کافر کا قتل
- 201 ..... صحابہ نے رکوع ہی میں رخ بدل لیا
- 203 ..... مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ کا آغاز
- 203 ..... طاقت کے مجاہد 313، بدر کے جاں نثار بھی 313

- 205 ..... ثواب کا حریص ہوں، پیدل چلوں گا ☼
- 205 ..... مشرک نے کہا ”میں آپ کی کمان میں لڑ کر مرنا چاہتا ہوں“ ☼
- 206 ..... ابوسفیان کا خوف اور مکہ میں خطرے کا سائرن ☼
- 207 ..... حالت جنگ میں بھی عہد کی وفا ☼
- 208 ..... ابو جہل کے اصرار پر امیہ جنگ کے لیے نکل کھڑا ہوا ☼
- 209 ..... مجاہدو! دونوں میں سے ایک آج تر نوالہ بنے گا ☼
- 209 ..... یہودی موسیٰ علیہ السلام کو پیٹھ دکھا گئے، لیکن ہم آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے .. ☼
- 210 ..... ملت نیند میں، مگر رہبر کھڑا جاگ رہا تھا ☼
- 211 ..... بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کے ساتھ مجاہدین کی مدد ☼
- 211 ..... یا اللہ! اپنے وعدے پورے کر ..... ☼
- 213 ..... رب رحمان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھوں گا ☼
- 214 ..... اسلحہ کے استعمال کی عسکری ہدایت ☼
- 215 ..... عمیر رضی اللہ عنہ واہ! واہ! کراٹھے اور پھر .....؟ ☼
- 216 ..... فرشتے نے مشرک کے منہ پر کوڑا دے مارا ..... ☼
- 216 ..... معاذ اور معوذ باز کی طرح چھپنے ..... ☼
- 217 ..... قرآن کے مفسر نے ابو جہل کا سرتن سے جدا کر دیا ..... ☼
- 218 ..... مشرک مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد ..... ☼
- 218 ..... مال غنیمت کی تقسیم ..... ☼
- 218 ..... مکہ میں نوحہ گری سے ممانعت ..... ☼
- 219 ..... مدینہ میں فتح کی بشارت ..... ☼
- 219 ..... مجھے بھی بتلاؤ، تاکہ میں بھی آنسو بہاؤں ..... ☼
- 221 ..... جواں سال حارثہ، جنت الفردوس میں ..... ☼
- 222 ..... بدری صحابہ ہی نہیں بدری فرشتے بھی بلند مقام ہیں ..... ☼



- 222 ..... بیٹی نے خاوند کو رہا کروانے کے لیے قیمتی ہار بھیجا
- 223 ..... ایک درہم بھی مت چھوڑو
- 224 ..... حضرت عمرؓ کی بیٹی مومنوں کی ماں بن گئیں
- 225 ..... حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی
- 226 ..... یہودیوں کے شرارتی سردار کا قتل

### احد پہاڑ کے دامن میں جنگ

- 231 ..... غزوہ احد کا منظر سالار صحابہؓ کے خواب میں
- 232 ..... تیرا انداز و ایہاں سے نہ ہٹنا
- 233 ..... کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا؟
- 234 ..... تلوار عورت کا سر چیرنے لگی مگر.....؟
- 235 ..... احد میں مبارزت کا نظارہ
- 236 ..... تلوار سونپی جا چکی تھی کہ
- 237 ..... دوڑتی ہوئی عورتوں کی تنگی پنڈلیاں اور پازتیں
- 237 ..... فتح شکست میں بدل گئی
- 238 ..... حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے
- 240 ..... رسول اللہؐ پر ہر جانب سے دھاوا
- 240 ..... تجھ پر میرے ماں باپ قربان!
- 242 ..... چہرہ انور زخمی اور دانت مبارک شہید
- 242 ..... مجھے تو دامن احد سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے
- 243 ..... توحید اور شرک کے نعروں کا مقابلہ
- 245 ..... حضرت فاطمہؓ باپ کی مرہم پٹی کرتی ہیں
- 245 ..... خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی ہیں

- 246 ..... کان اور ناک دھاگے میں پرو دیے گئے ..... ❁
- 247 ..... محمد کریم ﷺ کی حفاظت میں غفلت نہ کرنا ..... ❁
- 248 ..... کافر میدان جنگ میں مومن بنا، شہید ہوا اور.....؟ ..... ❁
- 249 ..... حضرت خظلمہ رضی اللہ عنہما کو فرشتوں کا غسل ..... ❁
- 249 ..... حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کٹی پھٹی لاش پر رسول اللہ ﷺ رو دیے ..... ❁
- 251 ..... حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے کفن و دفن کا منظر ..... ❁
- 252 ..... لاش پر فرشتے اپنے پروں کا سایہ کیے رہے ..... ❁
- 252 ..... شہداء کی لاشیں واپس میدان جہاد میں ..... ❁
- 253 ..... شہید بھی اور قرآن کا عالم بھی ..... ❁
- 254 ..... اللہ نے عبداللہ کو اپنے سامنے بٹھا کر بات کی ..... ❁
- 256 ..... مولا! ہم پر جو انعامات کیے ان کی خبر دنیا والوں کو پہنچا ..... ❁
- 257 ..... اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی کا محبت آمیز انداز ..... ❁
- 258 ..... سالار صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے اللہ کی حمد اور شکر کے بکھرتے موتی ..... ❁
- 260 ..... باپ شہید کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعائیں ..... ❁
- 261 ..... شہدائے احد کی عاتبانہ نماز جنازہ ..... ❁
- 262 ..... مشرکوں کا تعاقب ..... ❁
- 263 ..... اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کے مجاہد کو لاشی کا تحفہ دیا ..... ❁
- 266 ..... حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت ..... ❁
- 271 ..... کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ..... ❁

### ❁ اہل صفہ کے احوال ❁

- 275 ..... صفہ کے فقیر سکا لرا اور مجاہد ..... ❁
- 279 ..... علم، عبادت اور جہاد ..... ❁

- 280 ..... اہل صفہ کا لباس ❧
- 281 ..... اہل صفہ کا کھانا ❧
- 282 ..... رسول کریم ﷺ کی محبت اہل صفہ کے ساتھ ❧

### ❧ یہود کا انخلاء اور قوم پرستی کا گولہ ❧

- 285 ..... بنو نضیر کی جلا وطنی ❧
- 287 ..... مصطلق قبیلے پر رسول کریم ﷺ کی یلغار ❧
- 288 ..... قوم پرستی کی لہر ❧
- 289 ..... قومیت پرستی کا بد بخت داعی ❧
- 290 ..... لوگ کہیں گے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے ❧
- 292 ..... حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں ❧
- 295 ..... زید سچا ہے اور عبد اللہ بن ابی جھوٹا ❧
- 296 ..... منافقوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان ❧

### ❧ احزاب (اتحادی فورسز) کی یلغار..... شکست سے دوچار ❧

- 303 ..... خندق کھودتے ہوئے جہادی ترانے ❧
- 304 ..... رسول اللہ ﷺ کا مٹی ڈھونا اور سپر پاوروں کی چابیاں ❧
- 307 ..... خندق کے موقع پر کھانے میں برکت ❧
- 310 ..... یہودی معاہدے سے پھر گئے ❧
- 311 ..... جی ہاں! کلیجے منہ کو آ گئے ❧
- 311 ..... عصر کی نماز قضا ہونے کا غم ❧
- 312 ..... غطفان کے سردار نے بھاگنا چاہا، مگر ❧
- 313 ..... فتح کے لیے دعا ❧

- 313 ..... حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا خون رک گیا \*  
 315 ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوا کے ذریعے مدد \*  
 316 ..... جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں \*  
 317 ..... مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا \*  
 318 ..... اتحادی فورسز کی شکست \*  
 319 ..... آپ نے ہتھیار اتار دیے! ہم نے تو نہیں اتارے \*  
 319 ..... عصر کی نماز، عہد شکن یہودیوں کی بستی میں \*  
 320 ..... ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ \*  
 320 ..... عہد شکن یہودیوں کے قتل کا فیصلہ \*  
 322 ..... یہودی بچے، کیسے بچے؟ \*  
 322 ..... یہودن کو جب قتل کے لیے آواز دی گئی \*  
 323 ..... جن یہودیوں نے اسلام قبول کیا، وہ بچ گئے \*  
 324 ..... سعد رضی اللہ عنہ کی تمنائیں اللہ نے پوری کر دیں \*  
 325 ..... فرشتوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازے کو کندھا دیا \*  
 \* \* \* \* \*

### دوبارہ دھاک بیٹھ گئی

- 327 ..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زنب بنت جحش سے نکاح \*  
 330 ..... یہودی سردار ابورافع کے پیٹ میں تلوار \*  
 334 ..... نجد کا سردار مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا \*  
 336 ..... مرتد اور قاتل ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے \*  
 338 ..... دیوبہکل مچھلی فاقہ کش مجاہدین کے سامنے \*  
 \* \* \* \* \*

### حدیبیہ میں صلح..... شاندار اور واضح فتح

- 341 ..... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ میں پڑاؤ کرنا پڑا \*  
 \* \* \* \* \*

- 343 ..... اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی \*  
 344 ..... رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکلنے لگا \*  
 346 ..... اس دین کی خاطر لڑوں گا حتیٰ کہ میرا سر جسم سے الگ ہو جائے \*  
 347 ..... ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑیں گے؟ \*  
 349 ..... مغیرہ بنت شعبہ نے تلوار کا دستہ اپنے چچا کے ہاتھ پر دے مارا \*  
 350 ..... حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا عجیب انداز \*  
 352 ..... قربانی کے جانور آگے کر دو \*  
 353 ..... بھڑکتی جنگ کے شعلوں کو اللہ نے بجھا دیا \*  
 354 ..... درخت کے نیچے بیعت \*  
 356 ..... سہیل آیا اور صلح کا راستہ سہل ہو گیا \*  
 357 ..... صلح حدیبیہ کی شرائط \*  
 358 ..... ابو جندل بیڑیاں گھسیٹا مسلمانوں کے درمیان آن گرا \*  
 359 ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشانی میں مبتلا \*  
 360 ..... صحابہ کا غم میں ڈوبنے کا منظر \*  
 361 ..... جب مشرک کی مومنہ بیٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئی \*  
 363 ..... ستاروں کی تاثیر کے عقیدہ پر کاری ضرب \*  
 365 ..... (Star Buzz) ستارے کیا کہتے ہیں؟ \*  
 365 ..... تعارف برج عقرب \*  
 367 ..... عورتوں سے مصافحہ نہیں، زبانی بیعت \*  
 369 ..... اللہ کا واسطہ، ابو بصیر کو روک لو \*  
 \* رسول عربی ﷺ کے پیام ..... شاہوں کے نام \*  
 371 ..... تبلیغ کا نیا اسلوب، بادشاہوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت \*  
 \* \* \* \* \*

- 372 ..... آپ ﷺ نے چاندی کی مہر بنوائی ❧
- 373 ..... دجیہ کلبی ﷺ خط لے کر جاتے ہیں ❧
- 374 ..... ہرقل کی پریشانی ❧
- 376 ..... ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان مکالمہ ❧
- 378 ..... بادشاہ کا تبصرہ ❧
- 380 ..... یہاں عنقریب محمد (ﷺ) کی حکمرانی ہوگی ❧
- 382 ..... خط مبارک کے الفاظ ❧
- 382 ..... خط مبارک کی موجودہ دور میں دستیابی ❧
- 384 ..... بادشاہ کے دربار میں غلغلہ ہو گیا ❧
- 384 ..... روم کے پوپ نے اسلام قبول کر لیا ❧
- 385 ..... ہرقل نے اسلام قبول کرنا چاہا، مگر ❧
- 387 ..... ایرانی بادشاہ کو خط عبداللہ بن حذافہ ﷺ نے پہنچایا ❧
- 387 ..... ایران کے بادشاہ کے نام خط کا متن ❧
- 388 ..... ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے خط پھاڑ دیا ❧
- 389 ..... شاہ مجوس اور مجوسیوں کی بربادی ❧
- 390 ..... رسول کریم ﷺ کا پھاڑا گیا خط مل گیا ❧
- 393 ..... شاہ حبش نجاشی کے نام خط ❧
- 397 ..... شاہ مصر جرتج بن مینا کے نام ❧
- 398 ..... خط مبارک کا انکشاف ❧
- 400 ..... رسول کریم ﷺ اور حاکم بحرین کا رابطہ ❧
- 401 ..... رسول کریم ﷺ کا جوانی خط منذر بن سادہ کے نام ❧
- 402 ..... خط مبارک کا انکشاف ❧



## ❁ خیبر میں یہودی ادھیڑ دیے گئے ❁

- 405 ..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر خیبر کی طرف ❁
- 406 ..... شہادت پکی ہے ..... ❁
- 407 ..... اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) اور لشکر ❁
- 408 ..... تلوار مڑ کر اپنی ہی شہ رگ پہ جا لگی ..... ❁
- 410 ..... خیبر کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ..... ❁
- 411 ..... مرحب کی کھوپڑی اڑ گئی ..... ❁
- 413 ..... یہودیوں نے خزانہ چھپایا اور معاہدہ توڑا ..... ❁
- 414 ..... خیبر کے سردار کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں ..... ❁
- 415 ..... یہود نے زہر آلود گوشت کھلا دیا ..... ❁
- 416 ..... منصوبہ ہم سب نے بنایا تھا ..... ❁
- 416 ..... شہادت پر مبارکباد دینے کا کلچر ..... ❁
- 418 ..... دلہن کا بناؤ سنگھار ..... ❁
- 418 ..... اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کو ولیمہ کھلایا ..... ❁
- 419 ..... چاند میری گود میں آگرا ..... ❁
- 420 ..... صفیہ رضی اللہ عنہا کا پاؤں شوہر کے گھٹنے پر ..... ❁
- 420 ..... ساری رات رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ ..... ❁
- 421 ..... جس رب نے مجھے سلائے رکھا اسی نے ..... ❁
- 423 ..... قصواء نے ٹھوکر کھائی ..... ❁
- 425 ..... مالِ غنیمت کی وجہ سے مجاہدین خوشحال ہو گئے ..... ❁
- 425 ..... یہودیوں نے رشوت کی پیشکش کر دی ..... ❁

## چند غزوات اور لچسپے واقعات

- 427 ..... قیدی لڑکی کے بدلے دوسرے قیدی چھڑوا لیے گئے
- 430 ..... کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا؟
- 432 ..... راہِ جہاد میں پاؤں زخمی ہو گئے، ناخن جھڑ گئے
- 432 ..... مجھے تیری تلوار سے اللہ بچائے گا
- 434 ..... پہرا دیتے ہوئے نماز پڑھتا رہا، تیر کھاتا رہا
- 436 ..... جفا کا جواب مسکراہٹ
- 437 ..... مجاہد کے ساتھ سپریم کمانڈر کی دل لگی
- 439 ..... اللہ کے رسول ﷺ اور عمرہ کی ادائیگی
- 440 ..... محافظوں کا حصار
- 442 ..... مکہ میں رسول اکرم ﷺ کا نکاح
- 443 ..... خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

## سپر پاور کے ساتھ پہلی جنگ

- 445 ..... تین کمانڈروں کی شہادتیں
- 446 ..... جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا منفرد بہادرانہ انداز
- 446 ..... اللہ کی تلوار خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پرچم
- 447 ..... حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں رومی سپر پاور کی شکست
- 448 ..... 9 تلواریں ٹوٹ گئیں
- 448 ..... جعفر کے گھر والوں کو کھانا کھلاؤ
- 449 ..... لشکر کے استقبال کا حکم
- 450 ..... جنت کے بادشاہ کی جنت میں پرواز

451 ..... نیکی سے کمایا ہوا مال اور نیک آدمی کون ہے؟ ❊

### ❊ مکہ فتح ہو گیا ❊

455 ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گندم چھاننا شروع کر دی ❊

456 ..... تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لوں گا ❊

458 ..... لشکر جرار، عہد شکنوں کی سرکوبی کے لیے پابکاب ❊

460 ..... اسلامی لشکر کی رہنمائی ❊

462 ..... ابوسفیان کا اعزاز ❊

463 ..... اسلام کے لشکر مکہ میں داخل ہوتے ہیں ❊

464 ..... اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں ❊

465 ..... ”بیت اللہ“ میں آمد ..... اور بت ٹوٹتے ہیں ❊

466 ..... پیغمبروں کی تصویریں مٹا دی جاتی ہیں ❊

468 ..... کعبہ میں نماز اور عام معافی کا اعلان ❊

470 ..... وہ جن کو قتل کرنے کا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا ❊

472 ..... انصاریو! مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے ❊

473 ..... اپنے امام کا ستر تو ڈھانپ لو ❊

475 ..... بزرگوں کو تکلیف کیوں دی، میں خود ہی حاضر ہو جاتا ❊

476 ..... اسلامی قانون کا فوری نفاذ ❊

### ❊ حسنین کی لڑائی میں توحید اور انکساری کا سبق ❊

479 ..... دشمن کی جاسوسی ❊

481 ..... کوئی آستانہ ہمارا بھی تو ہو جہاں مرادیں پوری ہوں ❊

483 ..... ہوازن کا سارا مال کل غنیمت ہوگا (ان شاء اللہ) ❊

- 485 ..... مجاہد دوڑتا ہوا جھپٹا اور جاسوس کی گردن اڑادی ❄
- 486 ..... مشرکین کی صفیں ❄
- 487 ..... حنین میں ہر جانب سے تیروں کی بوچھاڑ ❄
- 489 ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصاری مجاہد نے جھنڈا بردار کو ڈھیر کر دیا ❄
- 491 ..... اللہ نے فتح سے ہمکنار کر دیا ❄
- 492 ..... پیٹ پھاڑ دوں گی ❄
- 493 ..... انھیں اونٹ مل گئے، انصار کو رسول اللہ ﷺ ❄
- 497 ..... ہوازن مسلمان ہو کر آگئے ❄

### ❄ تبوک میں صلیبیوں پر دہشت کی دھاک ❄

- 499 ..... مسلمانو! صلیبیوں پر یلغار کرو ❄
- 500 ..... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جہاد فتنہ ❄
- 501 ..... مزدوری کا ایک کلو اناج ❄
- 503 ..... آپ ﷺ صلیبیوں کے خلاف نکل کھڑے ہوئے ❄
- 503 ..... تیز رفتار مجاہد میدان تبوک میں ❄
- 504 ..... لشکر تبوک جا پہنچا، چشمہ ایلنے لگا ❄
- 506 ..... لشکر کی دہشت پھیل گئی، سپر پاور بھاگ گئی ❄
- 507 ..... سپر پاور کے حاشیہ بردار حکمران سرنڈر ❄
- 508 ..... جہاد سے پیچھے رہ جانے والا پیش ہوتا ہے ❄
- 512 ..... منافقوں کا سردار صدے سے مر گیا ❄

### ❄ جزیرۃ العرب پر اسلام کا پھیرا ❄

- 515 ..... مشرکوں سے عہد و پیمان کے خاتمے کا اعلان ❄

- 516 ..... حضرت علیؑ کا اعلان ❧
- 518 ..... قافلے اور ونود..... فوج در فوج ❧
- 524 ..... نجران کے عیسائی وفد کو مباہلے کا چیلنج ❧
- 536 ..... آخری حج ❧
- 537 ..... مردوں اور عورتوں کے حقوق پر تاریخ ساز خطبہ ❧
- 539 ..... خون کی معافی کا اعلان اور آغاز گھر سے ❧
- 539 ..... رنگ و نسل کے تعصب کا خاتمہ ❧
- 540 ..... عورتوں سے نرمی ❧
- 540 ..... کسی کے جرم کا دوسرا ذمہ دار نہیں ❧
- 540 ..... فرائض کی ادائیگی ❧
- 542 ..... کتاب و سنت پر ڈٹ جاؤ ❧
- 542 ..... ختم نبوت ❧
- 543 ..... حوض کوثر کا منظر ❧
- 545 ..... ہم اس دن کو عید قرار دیتے ❧
- 547 ..... لشکر اسامہ کی روانگی ❧

### ❧ فردوس بریں کی جانب ❧

- 549 ..... اللہ سے ملاقات ❧
- 550 ..... سر درد ❧
- 550 ..... شہدائے احد کی غائبانہ نماز جنازہ ❧
- 551 ..... شدید ترین بخار ❧
- 552 ..... پانی کی مشکیں انڈیلی گئیں ❧
- 552 ..... جدائی کی بات سن کر ابو بکرؓ رو پڑے ❧

- 553 ..... بار بار بے ہوشی ❧
- 554 ..... طبیعت قدرے سنبھلی تو.....؟ ❧
- 555 ..... آپ ﷺ کے بعد کس سے مسئلہ پوچھوں؟ ❧
- 555 ..... وفات سے پانچ روز قبل وصیت ❧
- 557 ..... یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت ہو..... ❧
- 557 ..... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رو دیں، پھر نپس پڑیں ❧
- 558 ..... آخری آیت، جو آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی ❧
- 559 ..... شہادت کی موت ❧
- 560 ..... مجھے یہ مسواک دینا..... ❧
- 560 ..... جب حضور ﷺ کا تاباں چہرہ دیکھا..... ❧
- 561 ..... اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے..... ❧

### ❧ یہ گھر..... یہ گلشن ❧

- 563 ..... پہلی اور دوسری شادی ❧
- 563 ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعزاز ❧
- 564 ..... دوڑ کا مقابلہ ❧
- 565 ..... پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ❧
- 569 ..... پہلی بیوی نہیں بھولتی ❧
- 570 ..... پیالہ ٹوٹ گیا ❧
- 571 ..... میں کن خیالوں میں گم تھی مگر.....؟ ❧
- 573 ..... روحانی مائیں ❧
- 575 ..... دکھوں اور غموں کی وادی ❧
- 577 ..... یہود کے ساتھ بھی تکریم انسانیت ❧



- 580 ..... رسول رحمت، جانوروں کے لیے بھی رحمت ❀
- 582 ..... گھریلو مصروفیات ❀
- ❀ جسم اطہر ..... قبر مبارک میں ❀
- 583 ..... وفات اور جذبات ❀
- 585 ..... غسل ❀
- 586 ..... کفن ❀
- 586 ..... جنازہ ❀
- 587 ..... دفن ❀
- 588 ..... خوف اور خدشہ ❀
- 589 ..... امت سے خلیفہ اول کا پہلا خطاب ❀
- 590 ..... اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملاقات ❀





## عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ !

کتاب اللہ کے بعد سیرت نبوی اور اسوۂ محمدی ہی وہ واحد منبع ہے جس سے مسلمانوں کی زندگی سنورتی اور انسانی معاشرے میں سعادت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ سیرت کے مطالعہ سے نبی ﷺ کی مکمل شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا اخلاق، رہن سہن، عادات و اطوار، انداز تربیت اور دعوت کا طریق کار کیسا بے مثال تھا۔ آپ کی عائلی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کا کیا اسلوب تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ صرف شیریں مقال اور خوش اطوار ہی نہیں محمد رسول اللہ ﷺ تلوار دے کر اور نبی جہاد بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ کی زندگی بہترین جہادی زندگی تھی، جسے پڑھ کر اخلاقی و معاشرتی تربیت کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے دل میں جذبہ جہاد بھی انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

سیرت ہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کس جانفشانی سے کام لیا، اس راہ میں کیسے کیسے مصائب جھیلے اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے انعامات سے بہرہ ور ہوئے۔ اس نے پردہ غیب سے فرشتے بھیج کر، ظاہری اسباب کے برعکس برکات نازل فرما کر، معجزات ظاہر کر کے کس عظیم الشان نصرت و تائید سے نوازا، یہ ساری باتیں سیرت مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اس مقدس موضوع کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا بالخصوص اہتمام ہوتا آیا ہے، مگر عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا، بلکہ افکار و خیالات اور لاپرواہیوں اور اسی سیرت کے ہالہ جو چیزیں مکتبہ سے غفلت کتاب کتبیا گیا خواہ

صحت و ثبوت کے لحاظ سے وہ صفر ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات وہ باتیں بھی قبول کر لی گئیں جو اصول دین سے متصادم اور مقبول کے دائرے سے خارج ہیں۔ ایسا اس لیے بھی ہوا کہ عموماً سیرت کو تاریخ سے مرتب کیا گیا حالانکہ قرآن حکیم اور رسول اکرم ﷺ کی صحیح احادیث ہی سیرت کا بیان ہیں۔

اسی سوچ نے یہ شوق پیدا کیا کہ اردو زبان میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جو محدثین کی تحقیق کے مطابق ہو۔ حرمین کی زیارت کے موقع پر ”صحیح السیرۃ النبویہ“ کتاب کا نسخہ دیکھا تو مجھے اپنا خواب پورا ہوتا دکھائی دیا، میں نے محترم مولانا امیر حمزہ سے ایسی ہی ایک کتاب اردو میں لکھنے کا تقاضا کیا جسے انھوں نے سعادت سمجھتے ہوئے قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ تین سال کی شبانہ روز کاوش کے نتیجے میں آج صحیح احادیث پر مشتمل ”سیرتِ پیغمبری“ پیش خدمت ہے۔ الحمد للہ کتاب ایسی ہے کہ ایک دفعہ آدمی پڑھنا شروع کرے تو پڑھتا ہی چلا جائے پھر رکنے کو جی نہیں چاہتا۔

دارالاندلس کے رفقاء ابو عمر اشتیاق اصغر اور حافظ یوسف سراج نے بھر پور محنت کر کے اس کی تہذیب و تحمیں کی، سید تنویر الحق شاہ نے تحقیق و تخریج اور محمد شفیق بھائی نے کمپوزنگ کا فریضہ سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عظیم کاوش کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ خصوصاً مؤلف محترم اور ان کے والدین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ ادارہ دارالاندلس کے تمام رفقاء خصوصاً شعبہ تحقیق کے احباب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے شب و روز ایک کر کے احباب کے لیے یہ خوبصورت تحفہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فردوس بریں میں اپنے حبیب ﷺ کا پڑوس نصیب فرمائے۔ (آمین)

شیخ الحدیث

مدیر دارالاندلس

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

5 ستمبر 2007ء

## ❁ کیسے ہیں یہ موتی.....؟ ❁

محدثین نے حدیث بیان کرنے والے راویوں کی چھان بھنگ کے لیے جس احتیاط کا اہتمام کیا، تاریخ لکھنے والوں نے اس کے برعکس اس میدان میں نری اور تساہل سے کام لیا، تاریخ نگار ایسیپ راویوں سے بھی روایت لیتے ہیں جن کی عدالت و ثقاہت محدثین کے ہاں معتبر نہیں۔ ایسے مؤرخین میں محمد بن سائب الکلی، سیف بن عمر التمیمی اور محمد بن عمر الواقدی وغیرہم شامل ہیں۔ یہ تمام مؤرخین محدثین کے ہاں سخت ضعیف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«الْإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ وَ لَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ فَإِذَا قِيلَ لَهُ مَنْ حَدَّثَكَ بَقِيَ»

[ العلل الصغیر للترمذی الملحق بسننہ، ص: ۸۹۰ و إسناده صحیح۔ مقدمة صحیح مسلم، ناب بیان أن الإسناد من الدین..... الخ: ۳۲ ]

” (حدیث کی) سند بیان کرنا دین کا حصہ ہے اور اگر اسناد کا اہتمام نہ ہوتا تو پھر جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔“

قارئین کرام! یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر جو کتابیں اسلام کے اولین دور میں سامنے آئیں انھیں ”مغازی“ کے نام سے ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔ ”مغازی“ کا لفظ ”غزوہ“ سے ہے یعنی قتال اور جنگ و جہاد۔ اس سلسلہ میں صدر اوّل کی ایک معتبر ترین کتاب امام ابن اسحاق کی ”مغازی“ ہے جو بعد کے ادوار میں ”سیرت ابن اسحاق“ کے نام سے معروف ہوئی۔

یاد رہے! ابن اسحاق رضی اللہ عنہ کو ”امام المغازی“ کہا جاتا ہے اور یہ نام اور مقام انھیں اس لیے ملا کہ مغازی یعنی سیرت پر ان کی کتاب کا درجہ علماء کے ہاں معتبر اور مسلمہ ہے۔ سیرت پر صدر اول کی ایک اور معتبر ترین کتاب جناب موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ہے، یہ ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے، امام زہری رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ثقہ محدث تھے۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب کا نام ”مغازی“ رکھا۔ یہ کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ جیسے بلند پایہ امام اس کتاب کو مغازی کی تمام کتب میں صحیح ترین قرار دیتے ہیں۔

[الطیوریات: ۳/۸۵۳، ۸۵۴، ح: ۱۷۶۸ و إسناده حسن لذاته]

برادر مولانا سیف اللہ خالد مدیر دارالاندلس سعودیہ گئے تو میرے لیے سیرت کے موضوع پر ڈاکٹر ابراہیم العلی کی کتاب لائے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے صحیح اور حسن احادیث لانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح میرے دوسرے برادر عزیز مولانا قاری محمد یعقوب شیخ سعودیہ سے واپس آئے تو وہ سیرت پر میرے لیے ایک اور کتاب لائے جسے ڈاکٹر ضیاء العمری نے لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب عراق کے شہر موصل کے رہنے والے ہیں، بیس سال تک بغداد یونیورسٹی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء صاحب نے بھی اپنی کتاب میں صحیح اور حسن احادیث و روایات کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ عربی میں ان مبارک کاوشوں کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی اردو زبان میں صحیح اور حسن احادیث و روایات پر مشتمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے کا ارادہ کر لیا، قرآن مجید، احادیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے استفادہ شروع کر دیا، ڈاکٹر العلی اور العمری کی کتب سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ ڈاکٹر العلی نے اپنی کتاب لکھتے ہوئے موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ”مغازی“ سے خوب استفادہ کیا۔ میں نے سیرت پر صحیح اور حسن احادیث و روایات لاتے ہوئے ساتھ ساتھ تشریح بھی کر دی ہے۔ بحمد اللہ سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح اور حسن احادیث پر مشتمل یہ کتاب منفرد نوعیت کی علمی اور تحقیقی دستاویز بن گئی ہے۔

قارئین کرام! عام ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کہ

سند اور راوی کے کہتے ہیں؟ صحیح حدیث اور ضعیف روایت کا مطلب کیا ہے؟ تو آئیے! ہم معروف علمی اصطلاحات کے بجائے سادہ اور عام فہم طریقے سے اس علمی فن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لحہ بھر کے لیے فرض کریں کہ اللہ کے رسول کریم ﷺ نے ایک مجلس میں ایک بات ارشاد فرمائی۔ اس بات پر سننے والے سب افراد نے عمل کیا۔ ان میں پانچ افراد ایسے تھے جنہوں نے عمل بھی کیا اور اس بات کو آگے بھی پہنچایا۔ جن تک وہ بات پہنچی ان میں سے پانچ افراد نے اس بات کو خوب اچھی طرح حفظ کر لیا اور وہ پانچوں مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ ایک مدینہ ہی میں رہا..... دوسرا مکہ چلا گیا، تیسرا دمشق، چوتھا بغداد اور پانچواں یروشلم میں رہنے لگ گیا۔ ان پانچوں نے اپنے اپنے شہر میں اس حدیث کو آگے بیان کر دیا۔ اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے رسول ﷺ کا ایک فرمان سننے کے لیے بغداد کا سفر کیا۔ وہاں مذکورہ بندے سے ملاقات کی، حدیث سنی۔ سنانے والے نے کہا میں نے بغداد کے فلاں آدمی سے اس حدیث کو سنا اور اس نے مدینہ کے فلاں شخص سے سنا اور اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا۔ اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت چار آدمیوں کی ایک لڑی بن گئی۔

جی ہاں! یہ ہے وہ لڑی جس کے ذریعے سے اللہ کے رسول ﷺ کی بات سامنے آئی۔ اس لڑی کو سند کہتے ہیں اور جو چار آدمی بیان کرنے والے ہیں ان کو راوی یعنی روایت کرنے والے کہا جاتا ہے۔ اگر یہ تمام راوی جھوٹے نہیں سچے ہیں، ان کے حالات زندگی معلوم ہیں، نیک لوگ ہیں، ان کی ملاقاتیں بھی ایک دوسرے سے ثابت ہیں اور حافظے ان کے بہتر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ راوی ثقہ و صدوق ہیں اور راویوں کی سند درست ہے تو اب جو حدیث ہے وہ بھی صحیح اور حسن ہے۔

اس کے برعکس اگر سند کا حال یہ ہے کہ اس کا کوئی راوی جھوٹا ہے یا کسی راوی کی دوسرے سے ملاقات ہی ثابت نہیں کہ جس سے یہ سن کر روایت کر رہا ہے وہ تو مدتیں ہوئیں فوت ہو گیا اور یہ تو اس کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا یا پھر کسی راوی کا حافظہ ہی ٹھیک نہ تھا یا درمیان میں کوئی مجہول راوی ہے تو ایسی روایت ضعیف یعنی کمزور ہوتی ہے اور بعض اوقات



اتنی کمزور ہوتی ہے کہ اس کی حیثیت من گھڑت کی ہو جاتی ہے۔ محدثین نے یہ کام کیا کہ اصل اور نقل یعنی صحیح اور من گھڑت کو الگ الگ کر دیا۔ صحیح وضعیف کا فرق واضح کر دیا اور راویوں کی زندگیوں پر کتابیں لکھ دیں۔ ان کتابوں کو ”اسماء الرجال“ کا نام دیا گیا یعنی حدیث بیان کرنے والے لوگوں کے نام، تو اس انداز سے ان لاکھوں لوگوں کے نام اور زندگیاں بلحاظ جرح و تعدیل محفوظ ہو گئیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا نام لے کر حدیث بیان کی۔ یوں ایک ایسا علم معرض وجود میں آیا جسے ”فن رجال“ کہا جاتا ہے۔ اس علم کے موجد صرف محدثین کرام ہیں۔ یہ وہ علم ہے جس کی ایجاد ہی اس لیے ہوئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین کو کامل صحت اور درستی کے ساتھ محفوظ کیا جائے..... اسی لیے انگریز مورخین اور مستشرقین کو یہ کہنا پڑا کہ ”اسماء الرجال“ کا علم وہ علم ہے کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے ہاں نہیں ملتی۔ جی ہاں! میں کہتا ہوں اللہ کے رسول ﷺ سے پہلے تو لاریب ایسی مثال نہ تھی، بعد میں اس وقت بھی یہ مثال کسی شخص پر فٹ نہ ہو سکی جب کاغذ کا وجود پیدا ہوا، چھاپہ خانہ ایجاد ہوا، جدید پرنٹنگ پریس وجود میں آیا، پھر ٹیپ ریکارڈر وجود میں آیا اور آج گھر گھر ویڈیو ہے، لمحہ لمحہ محفوظ کرنے کے لیے ویڈیو کیمرے موجود ہیں، مگر..... مگر اللہ کی قسم! آج بھی کسی مذہبی، سیاسی اور بین الاقوامی عسکری لیڈر کی زندگی، قطع نظر اس کے کہ وہ کن کن آلودگیوں سے آلودہ ہے، محفوظ نہیں ہے۔

تو پھر ماننا پڑے گا کہ جناب رسول کریم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور زبان سے نکلے ہوئی ایک ایک بات ”اسماء الرجال“ کے باکمال اور بے نظیر فن کے ذریعے اس طرح محفوظ اور صدق و تيقن کے ساتھ اس طرح مامون ہے کہ یہ ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ دنیا کی تاریخ میں ایک ہی بار اور ایک ہی شخصیت کے لیے رونما ہوا ہے اور اس شخصیت کا نام نامی اور اسم گرامی جناب محمد ﷺ) ہے۔

قارئین کرام! آخر میں ہم آتے ہیں پھر راویوں اور سند کی باتوں کی طرف..... غور کیجیے! وہ جو پانچ راوی پانچ مختلف شہروں میں چلے گئے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی بغداد میں گئے تھے۔ جی ہاں! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بغداد میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ایک سند کے ساتھ مل گیا

تھا پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو پتا چلا کہ یہی حدیث سنانے والا ایک شخص دمشق میں بھی ہے۔ امام بخاری وہاں کا سفر کرتے ہیں۔ وہاں اسی حدیث رسول (ﷺ) کو اللہ کے رسول (ﷺ) تک پہنچانے کے لیے پانچ راویوں کا واسطہ ہے۔ اب ایک ہی فرمان رسول (ﷺ) کے لیے دو سندیں ہو گئیں۔ تیسری سند یروشلیم سے، چوتھی مکہ سے اور پانچویں مدینہ سے۔ اب فرمان رسول (ﷺ) ایک ہی ہے مگر سندیں پانچ ہو گئیں۔ راوی پانچوں سندوں کے ستائیس یا اٹھائیس ہو گئے۔ شہر پانچ ہو گئے۔ فرمان رسول (ﷺ) ایک ہے، اس میں کسی لفظ کی کمی بیشی نہیں ہے۔ سبحان اللہ! کیا التزام اور اہتمام ہے اللہ کے رسول گرامی (ﷺ) کی بات کے حفظان کا..... یہی وجہ ہے کہ امام بخاری ایک ہی حدیث کو کئی کئی سندوں کے ساتھ لاتے ہیں۔ امام مسلم اور دیگر محدثین بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا پیار اور محبت ہے اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی اور حدیث کے ساتھ ان محدثین کو..... اللہ کی قسم! تصور محال ہے۔

لوگو! ان محدثین کے ہاتھوں ایسا اس لیے ہوا کہ اللہ ایسا چاہتا تھا۔ اللہ نے اپنی اس چاہت کا اظہار قرآن میں یوں کیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱/۲۳]

”تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔“

قارئین کرام! میں تو کہوں گا، اللہ تعالیٰ نے اپنی چاہت کا عملی اظہار محدثین کرام کے ہاتھوں کر دیا، علم حدیث محفوظ کروا دیا۔ زندگی دو ہی چیزوں کا تو نام ہے، زبان سے نکلی ہوئی بات کا اور وجود میں آئے ہوئے عمل کا، اللہ کے رسول (ﷺ) کی بات ”حدیث“ بن گئی اور عمل ”سنت“ ٹھہرا۔ یوں حدیث اور سنت آپ کی زندگی ہے۔ یہ سیرت النبی (ﷺ) ہے۔ اللہ کے نبی (ﷺ) کی زندگی ایسی زندگی ہے کہ جس کی قسم اللہ کریم نے قرآن میں کھائی۔ سورۃ الحجر (۱۵/۷۲) میں ﴿لَعَمْرُكَ﴾ کہہ کر قسم کھائی۔

الغرض، جس زندگی اور سیرت کی قسم مولا کریم کھا رہے ہیں، اس سیرت النبی (ﷺ) کو اردو قالب میں ”سیرت کے سچے موتی“ کے نام سے محمد اللہ میں نے پیش کر دیا ہے۔ اللہ کے حضور دعا ہے کہ مولا کریم اس عمل کو خالص اپنے لیے کر لے اور جن جن لوگوں کا اس میں حصہ

ہے، اللہ تعالیٰ سب کی محنتوں کو قبول فرمائے۔

خاص طور پر میں شکریہ ادا کرتا ہوں جناب سید تویب الحق شاہ صاحب کا جنہوں نے تحقیق و تخریج میں بہت محنت کی، اسی طرح ابو عمر محمد اشتیاق اصغر صاحب اور مولانا حافظ یوسف سرانج نے مسودوں کو بار بار پڑھا اور مفید مشوروں کے ساتھ ”سیرت کے سچے موتیوں“ کی چمک میں اضافہ کیا۔ کمپوزنگ میں عزیزم محمد شفیق الرحمن نے خوب محنت کی۔ ٹائٹل اور رنگین تصاویر کے چار چاند ضیاء الرحمن نے لگائے۔

مسودہ فائل ہو کر پریس میں جانے کو تیار تھا کہ پروفیسر ظفر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ کیا اور حد درجہ خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

اے اللہ! ان سب بھائیوں کو اپنے پیارے رسول (ﷺ) کے ہاتھوں سے قیامت کے دن حوض کوثر کے جام نصیب فرماتا۔ (آمین یا رب العالمین!)

امیر حمزہ بن نذیر احمد

رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

برطانیق اکتوبر 2007ء

## آمد آمد کے چرچے اور زندگی کے چالیس سال

روحوں کا اجتماع:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَوِيلِينَ﴾

[الأعراف: ۱۷۲/۷]

”اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنا کر پوچھا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ وہ کہنے لگے: ”کیوں نہیں! ہم یہ شہادت دیتے ہیں۔“ (عہد لینے کا مقصد یہ ہے) کہ کہیں قیامت کے دن تم کہنے نہ لگ جاؤ کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے۔“

قارئین کرام! یہ تھا روحوں کا اجتماع۔ روحوں کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخری فرد تک، جو اس دنیا میں آنے والا ہے، ان سب کی روحوں کو جمع کیا اور اپنی توحید کا عہد لیا۔ سب نے اللہ کی توحید پر قائم رہنے کا اقرار کیا۔ اس اجتماع میں تمام انبیاء موجود تھے، نیک لوگ بھی تھے اور وہ بھی تھے جنہوں نے دنیا میں آ کر بدکاریاں کرنا تھیں، بتوں کی پوجا کرنا تھی، اللہ کے ساتھ شرک کرنا تھا اور مظلوم اور کمزور بندوں پر ظلم کرنا تھا۔ عالم ارواح میں یہ سارے جمع تھے اور عہد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہم تیری وحدانیت پر قائم رہیں گے۔ رسولوں کی خاص مجلس:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ﴾

إِصْرِي قَالُوا أَفَرَزْنَا قَالَ فاشهدوا وَاَنَا مَشْكُورٌ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾

[آل عمران: ۸۱/۳]

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے، تب تمہیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور اس کی نصرت کرنا ہوگی۔“ اللہ نے پوچھا: ”کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟“ نبیوں نے کہا: ”ہم اقرار کرتے ہیں۔“ فرمایا: ”گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔“

رسولوں اور نبیوں کی اس خاص مجلس میں کم و بیش ایک لاکھ چوالیس ہزار کے قریب وہ تمام پیغمبر موجود تھے جو اس دنیا میں تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے عہد لیا کہ اگر تم میں سے کسی کے دور میں میرا آخری رسول محمد کریم (ﷺ) آجائے تو تمہیں اپنی نبوت چھوڑ کر میرے اس رسول (ﷺ) پر ایمان لانا ہوگا اور دعوت و جہاد کے میدان میں میرے اس رسول (ﷺ) کو جو مدد اور تعاون درکار ہوگا وہ بھی بہر صورت کرنا ہوگا اور ضرور بالضرور کرنا ہوگا۔ محمد (ﷺ) ام الکتاب میں آخری نبی لکھ دیے گئے:

حضرت میسرہ الفجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے نبی کریم (ﷺ) سے سوال کیا: ”آپ (ﷺ) اللہ کے ہاں کب سے نبی ہیں؟“ آپ (ﷺ) نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: ”میں اس وقت سے اللہ کے ہاں نبی ہوں جب آدم روح و جسد کے درمیان تھے۔“

[مسند أحمد: ۵/۵۹، ۳۷۹، ح: ۲۰۵۹۶، ۲۳۲۱۲ و إسناده صحيح - مستدرک

حاکم: ۲/۲۰۸، ۲۰۹، ح: ۴۲۰۹ و إسناده صحيح ]

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ (ﷺ) سے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ اپنے متعلق بتائیں۔“ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا:

«دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبُشْرَى عَيْسَى وَرَأَتْ أُمِّي جِئِنَ حَمَلْتُ بِي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ بُصْرَى مِنْ أَرْضِ الشَّامِ»

[مستدرک حاکم: ۲/۲۰۹، ح: ۴۱۷۴ و إسناده حسن لذاته - مسند أحمد:

۱۸۴/۴، ح: ۱۷۶۴۸ و إسناده حسن لذاته۔ بقية، وصدق حسن الحديث إذا  
صرح بالسماع وثقه الجمهور]

” میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا  
خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام  
کے محلات روشن ہو گئے۔“

رسول کریم ﷺ کے آباؤ اجداد:

آپ ملاحظہ کر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام نبیوں سے اپنے آخری نبی ﷺ کی  
نبوت کا عہد لے لیا۔ اب دنیا میں جو پہلا نبی اور انسان آیا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔  
حضرت آدم علیہ السلام سے انسانی نسل دنیا میں پھیلنے لگی۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ حضرت آدم علیہ السلام  
کی نسل میں منتقل ہوتے رہے تا آنکہ اس دنیا میں اپنے وقت پر جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے کر  
رکھا تھا، تشریف لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ  
نے فرمایا:

” مجھے اولاد آدم میں بہترین لوگوں کے اندر ایک صدی کے بعد دوسری صدی  
میں منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ مجھے اس صدی میں مبعوث کیا گیا جس میں میں  
اب موجود ہوں۔“

[ بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ: ۳۵۵۷ ]

داثلہ بن اسحاق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:  
” بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد سے اسماعیل (علیہ السلام) کا انتخاب فرمایا،  
اولاد اسماعیل سے کنانہ کا انتخاب کیا اور کنانہ کی اولاد سے قریش کا انتخاب فرمایا،  
قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔“

[ صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ..... الخ: ۲۲۷۶ ]

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے جناب رسول کریم ﷺ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:



”محمد (ﷺ) بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لؤی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار بن معد، بن عدنان۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبی ﷺ، قبل ح: ۳۸۵۱]

امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”سیرۃ النبی (ﷺ)“ میں لکھتے ہیں کہ اس بات پر علماء کا اجماع یعنی اتفاق ہے کہ عدنان جناب اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور جو اختلاف ہے وہ جناب عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان آباء کے ناموں کا ہے۔ امام ابن قیم بھی ”زاد المعاد“ میں اسی موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں رومی بادشاہ ہرقل اور ابوسفیان کے مکالمے کا ذکر کرتے ہیں، جو شام میں ہوا تھا۔ ابوسفیان ان دنوں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گئے تھے۔ اس دور کی ”سپر پاور“ رومی عیسائی تھے۔ ان کا بادشاہ ہرقل تھا، اس نے سن رکھا تھا کہ مکہ کے ایک شخص محمد (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مکہ کا ایک رئیس ابوسفیان یہاں شام آیا ہوا ہے تو ہرقل نے حصولِ معلومات کی غرض سے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ وہاں دیگر باتوں کے علاوہ ہرقل نے ابوسفیان سے جناب رسول کریم ﷺ کے نسب کے بارے میں بھی پوچھا کہ محمد (ﷺ) تم میں نسب کے اعتبار سے کیسے ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا: ”وہ ہم میں بہترین نسب والے ہیں۔“ اس پر ہرقل نے کہا: ”انبیاء اپنی قوم کے بہترین نسب میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔“

عبد المطلب کی داستانِ عجیب:

حضرت علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بیان کرتے ہیں کہ جناب عبد المطلب نے بتلایا: ”میں حجر اسود کے پاس سویا ہوا تھا کہ میرے خواب میں ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے کہا: ”طیبہ (یعنی پاکیزہ کنواں) کھو دیے!“ میں نے پوچھا: ”طیبہ کیا ہے؟“ مگر وہ میرے پاس سے غائب ہو گیا۔ اگلا دن آیا تو میں اپنے بستر پر لیٹنے گیا اور سو گیا، وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ”بڑہ (یعنی خیر اور پاکیزگی والا کنواں) کھو دیے!“ میں نے کہا: ”بڑہ کیا ہے؟“ وہ

پھر غائب ہو گیا۔ اس سے اگلے روز میں اپنے بستر پر سویا تو وہ تیسری بار آیا اور کہنے لگا: ”مضونہ (یعنی قیمتی اور عمدہ کنواں) کھو دیے!“ میں نے پوچھا: ”مضونہ کیا ہے؟“ لیکن وہ اس دفعہ بھی غائب ہو گیا۔

اس سے اگلے دن جب میں اپنے بستر پر سویا تو پھر وہ آنے والا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ”زم زم کھو دیے!“ پھر اس نے کہا: ”اس کا پانی نہ خشک ہوگا اور نہ نیچے اپنی گہرائی کی سطح تک جائے گا، حاجیوں کی بہت بڑی تعداد اسے پیتی رہے گی..... اس کنویں کی جگہ کا نشان یہ ہے کہ اس کے ایک طرف گوبر پڑا ہے، دوسری جانب خون اور ان دونوں کے درمیان یہ کنواں ہے۔ پاس ہی سفید ٹانگوں والے کوئے کے انڈے دینے کی جگہ ہے۔ چوہنیوں کی بستی بھی اس کے قریب ہے۔“

پھر جب زم زم کے کنویں کے مذکورہ نشانات واضح ہو گئے، وہ جگہ مل گئی اور ثابت ہو گیا کہ خواب میں آنے والا سچا تھا تو اگلے دن جناب عبدالمطلب زمین کھودنے والا آلہ لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا حارث بھی تھا اور ان دنوں عبدالمطلب کا یہی ایک بیٹا تھا۔ اب انھوں نے کھودنا شروع کیا تو کنویں کی گولائی ظاہر ہو گئی۔ اس گولائی یا منڈیر کے ظاہر ہوتے ہی عبدالمطلب نے ”اللہ اکبر“ کہا۔ قریش نے سمجھ لیا کہ عبدالمطلب کو اس کا مقصود مل گیا ہے، چنانچہ وہ عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”اے عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل (علیہ السلام) کا ہے اور ہمارا بھی اس پر حق ہے لہذا آپ ہمیں بھی اپنے ساتھ اس میں شامل کر لیں۔“ عبدالمطلب نے کہا: ”میں ایسا نہیں کروں گا، یہ تو ایسا معاملہ ہے کہ تم سب کو چھوڑ کر میرے لیے خاص کیا گیا ہے، ہاں البتہ میں تمہیں پانی ضرور دوں گا۔“ قریش نے کہا: ”اچھا پھر کنویں کو آدھا آدھا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھ لینا ہم اپنا حصہ نہیں چھوڑیں گے اور متواتر آپ سے جھگڑا کریں گے۔“ اس پر عبدالمطلب نے کہا: ”ایسا کرو کہ میرے اور اپنے درمیان کسی کو منصف بنا لو اور جس کو چاہو منصف بنا لو، میں تمہیں اس کا اختیار دیتا ہوں۔“ قریش نے کہا: ”ٹھیک ہے، بنو سعد بن ہذیم کے کاہنوں کو منصف بنا لیتے ہیں۔“ عبدالمطلب نے کہا: ”مجھے منظور ہے، وہ شام کے معزز لوگ ہیں۔“

اب عبدالمطلب سوار ہوئے اور ان کے ساتھ بنو امیہ کا ایک شخص بھی شامل ہوا۔ قریش کے ہر قبیلے کا ایک ایک فرد قافلے کے ساتھ ہو لیا۔ شام کی طرف سفر شروع ہو گیا حتیٰ کہ وہ ایسے مقام پر پہنچے کہ عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا۔ پیاس نے اس قدر ستایا کہ انھوں نے یقین کر لیا کہ اب تو موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اب کے انھوں نے اپنے قریشی ہم سفروں سے پانی طلب کیا مگر انھوں نے یہ کہہ کر پانی دینے سے انکار کر دیا کہ اب تو ہم ہلاکت والے علاقے میں ہیں اور ہمیں بھی اپنی جانوں کے ضیاع کا خطرہ اسی طرح درپیش ہے جس طرح آپ کو ہے۔ اس پر عبدالمطلب نے کہا: ”اس صورتحال میں میرا خیال ہے کہ ہر شخص قبر کے لیے اپنا اپنا گڑھا کھودنا شروع کر دے کیونکہ اب تو ہم میں گڑھا کھودنے کی طاقت ہے پھر یہ بھی باقی نہیں رہے گی، پھر جو نبی کوئی پیاس سے مرے تو اسے اس کے ساتھی اس کے کھودے ہوئے گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دیں۔ آخر میں ایک ہی آدمی رہ جائے گا جسے گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈالنے والا کوئی نہ ہوگا تو بجائے اس گے کہ سب کی لاشیں ننگی رہیں بہتر ہے کہ سب کی لاشیں پردہ پوش ہو جائیں اور ایک ہی لاش باقی رہ جائے۔“

اب ہر شخص نے اپنا اپنا گڑھا کھود لیا اور پھر سارے مل کر بیٹھ گئے اور مارے پیاس کے موت کا انتظار کرنے لگے..... کچھ وقت گزرا تو عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اللہ کی قسم! زمین پر ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اپنے ہاتھوں گڑھے کھود کر موت کا یوں انتظار کیا جائے، ہمیں یوں عاجز ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہیے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی علاقے میں ہمیں پانی دے دے، لہذا چلو اور یہاں سے کوچ کرو۔“ جب سب کوچ کرنے لگے اور عبدالمطلب نے اپنی سواری کو اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے بیٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ عبدالمطلب نے ”اللہ اکبر“ کہا اور ان کے ساتھیوں نے بھی ”اللہ اکبر“ کہا۔ عبدالمطلب اپنی سواری سے اترے، انھوں نے پانی پیا، ان کے ساتھیوں نے بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور اپنی مشکوں کو بھی بھر لیا، پھر قریشی قبائل کے لوگوں کو بلایا جو دور سے یہ سارے احوال دیکھ رہے تھے۔ عبدالمطلب نے انھیں کہا: ”آ جاؤ یہ پانی ہے، اللہ نے ہمیں پلایا ہے۔“ لہذا وہ آئے، پانی پیا، سواریوں کو پلایا، مشکوں کو بھرا اور پھر کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کے حق میں اور ہمارے خلاف فیصلہ کر دیا۔ اللہ کی قسم! ہم زم زم کے بارے میں اب آپ سے محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کبھی جھگڑا نہیں کریں گے کیونکہ وہ اللہ جس نے آپ کو اس بیابان میں پانی پلایا، اسی اللہ نے آپ کو زم زم کا پانی پلایا۔ اب بھلائی کے ساتھ واپس چلیے، پانی پلانے کا حق آپ کا ہے۔“ لہذا عبدالمطلب بھی واپس پلٹ آئے اور باقی سارے لوگ بھی ان کے ساتھ واپس چلے آئے۔ اب وہ کانہوں کے پاس نہیں گئے اور اہل قریش عبدالمطلب سے زم زم کے متعلق جھگڑا کرنے سے پیچھے ہٹ گئے۔“

[ البدایہ والنہایہ : ۱/۶۴۴، إسناده حسن لذاته۔ سیرة ابن ہشام : ۱/۱۶۴، ۱۶۵ ]

إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة : ۱/۹۳ تا ۹۵، إسناده حسن لذاته، احمد بن عبدالحبار

العطار دی صدوق حسن الحدیث ربما خلف، تحریر تقریب : ۱/۶۷، ۶۸، ۶۹ [ ۶ ]

رسول کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی داستان اللہ کی طرف سے اس لیے وجود میں آئی کہ اس وقت رسول کریم ﷺ کے والد محترم جناب عبد اللہ پیدا نہ ہوئے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے جناب عبدالمطلب کو عزت و کرامت سے نوازا۔ جان پچائی اور پھر ان کے ہاں جناب عبد اللہ پیدا ہوئے۔ مستدرک حاکم میں روایت ہے: ”آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے شکم میں تھے کہ آپ ﷺ کے والد محترم جناب عبد اللہ فوت ہو گئے۔“

[ مستدرک حاکم : ۲/۶۰۵، ح : ۴۱۹۱ و إسناده حسن لذاته ]

ثقفہ و صدوق تابعی امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے جناب عبد اللہ کو یرب میں کھجوروں کی تجارت کے لیے بھیجا تھا اور وہ وہیں فوت ہو گئے۔“

[ دلائل النبوة للبیہقی : ۱/۸۵، ۸۸ و إسناده حسن لذاته۔ ابو عبد اللہ الأصہبانی و

الحسن بن جہم صدوقان و تقہما الحاکم والنہبی بتصحیح حدیثہما۔ مستدرک :

[ ۱۱، ۷، ۶، ۳ ]

تورات میں آپ ﷺ کی صفات :

﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَتَذَكَّرُونَ فَضَلَّاهُمْ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْطًا فَازْرَعَهُ فَاسْتَفْظَأَ فَاسْتَوَى عَلَى سَوْقِهِ يُغْجِبُ الزَّرَّاعَ لَغِيظِ يَوْمِ الْكُفَّارِ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وَمِنْهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ [ الفتح : ۲۹/۴۸ ]  
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت جبکہ آپس میں رحم دل ہیں، تم انھیں رکوع میں پڑے ہوئے سجدے میں گرے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کے فضل اور رضا کے متلاشی ہیں۔ (کثرت) سجدہ سے ان کی پیشانیوں پر امتیازی نشان ہیں، ان کی یہی صفت تورات میں بیان ہوئی ہے اور یہی انجیل میں ہے۔ (ان کی مثال ایسے ہے) جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی، اس کی مضبوطی کسانوں کو خوش کرتی ہے یہ منظر اس لیے بپا ہوا ہے تاکہ کافروں کو ان (مضبوط ہوتے ہوئے مسلمانوں) کی وجہ سے غصہ دلائے۔ ان میں سے جو ایمان لائے انہوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔“

تورات میں آپ ﷺ کی امت کی صفات:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُعَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۗ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبِشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۗ ۝ التَّكَايُفُ الْعِيدُونَ الْعِيدُونَ السَّاجِدُونَ الرَّكْعُونَ الشُّكْرُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

[التوبة: ۹، ۱۱۱، ۱۱۲]

”اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن سب کتابوں میں اللہ کے ذمہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو وفا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ لہذا اے مسلمانو! تم نے جو سودا کیا ہے اس پر خوشی مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ (وہ مومن) توبہ کرنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے والے، روزہ دار، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک کام کا حکم دینے والے، برے کام سے روکنے والے اور اللہ کی حمد و ثنا کو برابری میں سے برابری میں (انہیں سودا کرنے والے) ایسے مومنوں کو (اے

میرے نبی! جنت کی) خوشخبری دے دیجیے۔“

نبی ملنے والی تورات میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفات :

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي بَعَدَ مِنْهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ  
وَإِنْجِيلٍ يَا مُرَّهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ  
عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَنْهَاهُمْ عَنْهُمُ إِضْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا  
بِهِ وَعَزَّوْا وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[الأعراف: ۱۵۷/۷]

”اللہ کی رحمت انھی لوگوں کے حصے میں آئے گی) جو اس رسول اور امی نبی ﷺ کے پیروکار بن جائیں گے، وہ نبی کہ جس کا تذکرہ یہ لوگ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ یہ نبی ان لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک اور عمدہ اشیاء حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان پر لدے ہوئے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور ان بندشوں کو توڑتا ہے جن میں یہ لوگ جکڑے ہوئے تھے لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لے آئیں گے، اس کو مضبوط کریں گے، اس کی مدد کریں گے اور اس نور کے پیچھے چلیں گے جو اس کے ساتھ نازل کر دیا گیا ہے، تو یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح یاب ہیں۔“

قارئین کرام! ہماری اس کتاب میں قرآن کا یہ تیسرا مقام ہے جس میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بار بار یہ فرما رہے ہیں کہ تورات اور انجیل میں جناب محمد کریم ﷺ ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھیوں کی صفات بھی بیان ہوئی ہیں، تو آئیے! تورات دیکھتے ہیں اور سردست جناب محمد کریم ﷺ کی صفات ملاحظہ کرتے ہیں۔ پہلے ہم وہ تورات دیکھیں گے جو اس وقت مروج ہے اور پھر وہ تورات دیکھیں گے جس کے طومار (رول) کی طرح لپٹے ہوئے صفات) اسرائیل کے اندر جدید کھدائی میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

یاد رہے! عیسائیوں کے ہاں تورات کو عہد نامہ قدیم اور انجیل کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں دونوں کتابیں دو عہد ناموں کی شکل میں ایک ہی جلد میں ملتی ہیں

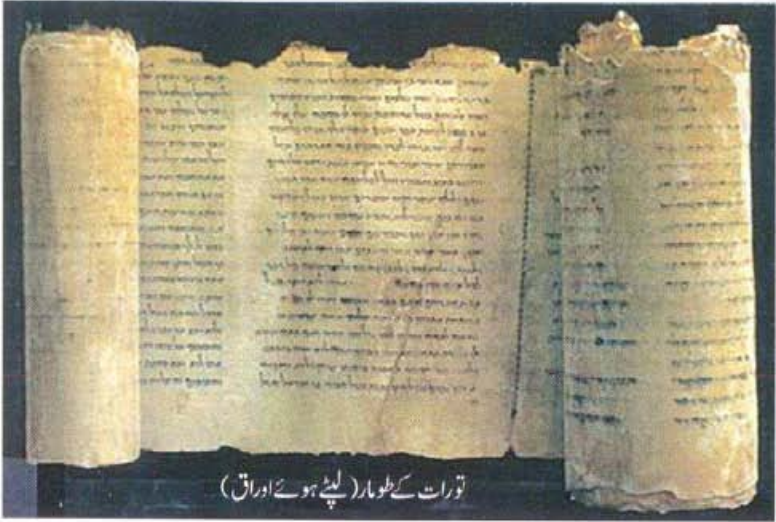
کیونکہ ان کے ہاں دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے جبکہ یہودیوں کے ہاں جو کتاب ملتی ہے وہ صرف تورات ہے کیونکہ وہ انجیل کو نہیں مانتے اور نہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں، تو پھر وہ انجیل یا عہد نامہ جدید کو اپنے ساتھ نہ تھی کیوں کریں گے.....؟ میرے سامنے اس وقت بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور کی شائع کی ہوئی ”کتاب مقدس“ یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ ہے۔ پرانے عہد نامے یعنی تورات کا چپٹر ”یسعیاہ“ کھلا پڑا ہے، باب نمبر ۴۱، آیات ۱۳ تا ۱۶ ہے، صفحہ نمبر ۶۷ ہے، زبان اردو ہے، لکھا ہے:

عرب کی بابت بار نبوت:

”اے دو اینوں کے قافلوا! تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے، تیما کی سر زمین کے باشندے روٹی لے کر بھاگنے والے سے ملنے کو نکلے کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلواروں سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی حشمت جاتی رہے گی۔“

قارئین کرام! ”عرب کی بابت بار نبوت“ یہ سرفنی اور عنوان تورات کا ہے۔ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس میں اس عنوان کا واضح مطلب یہی ہے کہ بنو اسرائیل کے پیغمبر جناب موسیٰ علیہ السلام بتلا رہے ہیں کہ اب کے نبوت کی باری عربوں کی ہے اور یہ بار نبوت ان کے کندھوں پہ رکھا جانے والا ہے..... اس عنوان کے بعد عربوں کو ”دوانی“ کہہ کر بتلایا گیا ہے کہ جب تم نبوت ملنے کے بعد ہجرت کرو گے تو جنگل میں راتیں کٹیں گی۔ ہجرت کے سفر میں لوگ ان کے سامنے پانی لائیں گے اور جب مکہ چھوڑنے والے یہ مہاجرین ”تیمنا“ یعنی مدینے میں جائیں گے تو وہاں کے باشندے یعنی انصار ان کے سامنے کھانے پیش کرنے اور ضیافتیں کرنے کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکل کر ان کے پاس جائیں گے، ان سے ملیں گے کیونکہ یہ مکہ چھوڑنے والے، وہ آئے ہیں کہ جب وہ مکہ سے نکلے تھے تو سوتی ہوئی ننگی تلواروں کے سامنے سے بھاگے تھے۔ تیروں کی کمانیں کھینچی رہ گئیں اور یہ مہاجرین بحفاظت نکل آئے۔





تورات کے طومار (لپٹے ہوئے اوراق)



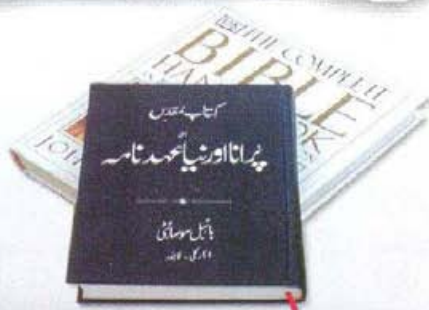
غاریں جہاں سے وہ برتن ملے جن میں تورات محفوظ تھی



بحر مردار کے کنارے دریافت ہونے والا تاریخی شہر قرآن جہاں سے تورات کا نسخہ ملا



وہ برتن جن میں دو ہزار سال قبل محفوظ کیے گئے تورات کے طومار (لپٹے ہوئے اوراق) ملے



برطانیہ سے شائع ہونے والی آگہش بائبل اور لاہور کی بائبل سوسائٹی سے شائع ہونے والی اردو بائبل



مکہ کے سارے عرب قبیلے یہاں جمع تھے۔ اس کے بعد ہجرت کا اگلا مرحلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں بیان کرتے ہیں کہ خداوند نے مجھ سے فرما دیا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق یعنی اللہ کے برسوں کے مطابق نہیں کہ دنیا کے ہزار سال ہوں تو اللہ کا ایک دن بنتا ہے بلکہ مزدور یعنی انسانوں کے برسوں کے مطابق ایک سال ہی میں یہ منظر پیا ہو جائے گا کہ قیدار یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کی حشمت ختم ہو جائے گی..... جی ہاں! بدر کا معرکہ ایک سال بعد ہوا اور جناب قیدار کی عرب اولاد جو بت پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی اور اب لڑنے کے لیے آئی تھی، اس کی قوت و حشمت اور شان و شوکت کا جنازہ بدر کے میدان میں نکل گیا اور اس (محمد ﷺ) کے ہاتھوں نکلا جو مکہ سے ہجرت کر کے آیا تھا۔

قربان جاؤں ہجرت کر کے آنے والے اس محمد کریم ﷺ پر کہ جو ان پر ایمان لایا اس کے بھاگ جاگ اٹھے اور جو ایمان نہ لایا اس کے بھاگ یوں سو گئے جیسے مردہ موت کی نیند سو جاتا ہے۔

قارئین کرام! آئیے! اب میں تورات کے ایک ایسے نسخے سے آپ کو آگاہ کروں کہ جس کا انکشاف حال ہی میں ہوا ہے۔ تورات کے اس نسخے نے بھی قرآن کے دعوے کی تصدیق کر دی ہے..... تو لیجیے جناب! یہ انگریزی کی بائبل یعنی تورات اور انجیل کا مجموعہ میرے سامنے ہے۔ لندن میں پبلشنگ کے معروف عالمی ادارے ”DK“ نے ۱۹۹۹ء میں اسے شائع کیا۔ یہ کتاب پانچ سو یہودی اور عیسائی اسکالروں کی مشترکہ کاوش ہے۔ ٹیم کے سربراہ مسٹر جان بوکر ہیں جو مذہبی پروفیسر اور عیسائیت کے ماننے ہوئے اسکالر ہیں۔ ان کی کتاب کا نام ”The Complete Bible“ ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۹۰ پر جدید دور میں سامنے آنے والی تورات کے مخطوطوں کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ یہ مخطوطے اسرائیل سے برآمد ہوئے تھے، لکھا ہے:

”یہ مخطوطات بحر مردار کے قریب ”قمران“ کے علاقے میں پہاڑی غاروں سے ملے ہیں۔ یہ مخطوطات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء کے درمیان ملنے رہے ہیں۔ ان مخطوطوں کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور ان کے دور سے ہے..... وہ دور کہ جب

یہودیوں کا ایک فرقہ یروشلم چھوڑ کر یہاں آسا تھا۔ اس فرقے کے لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ یروشلم کے لوگ تورات کے اصل دین کو چھوڑ چکے ہیں اور یروشلم کا جو بیکل یا عبادت خانہ ہے، وہ سیاست اور خرافات کا گڑھ بن چکا ہے لہذا اس فرقے کا ایک استاد جو بڑا متقی تھا، اس نے یروشلم کے عبادت خانے کو چھوڑ دیا اور حضرت عیسیٰ ﷺ سے کوئی ۱۵۲ سال پہلے وہ یہاں ریگستان میں آ کر بس گیا۔ اس متقی استاد اور اس کے ساتھیوں نے یہ عزم کیا کہ وہ حضرت یرمیاہ ﷺ کے عہد کو یہاں عملی شکل میں قائم کریں گے اور یہاں خالص اور صداقت پر مبنی ایک مرکز قائم کریں گے چنانچہ یہ لوگ یہاں انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے رہے۔“

تورات کے اس طومار، کہ جس کے یہ لوگ پیروکار تھے، کا مطالعہ کر کے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ تورات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے قانون پر عمل کرتے تھے۔ پینمبروں کے احکامات مانتے تھے۔ ان کے نظریات دوسرے لوگوں سے الگ اور ممتاز تھے۔ یہ اپنے نظریات پر اس طرح کار بند تھے کہ انھوں نے اپنا کیلنڈر بھی الگ بنایا ہوا تھا۔ تقویٰ اور طہارت کے اصولوں پر بھی یہ کار بند تھے۔ قربانی کرتے تھے اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے تھے:

“And the end-time, which was their antecipation of the Imminent arrival of The messiah to lead his People in victory against The romans and other infidels.”

”جیسا کہ ان کی پیشگوئی تھی، آخری زمانے میں ایک نجات دہندہ کا ظہور قریب ہے جو اپنی قوم کی قیادت کرے گا، جو رومیوں اور دوسرے مشرکین کے خلاف فتح حاصل کرے گا۔“

قارئین کرام! غور فرمائیے، اسرائیل کو بحر مردار کے کنارے قمران (Qumran) اور مساڈا (Masada) کے ریگستانی علاقوں کے خشک پہاڑوں کی غاروں سے تورات کے جو مخطوطات ملے، وہ مسلمانوں نے نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے نکالے ہیں..... ان مخطوطوں میں ان کے اپنے دور میں جو تحریف ہوئی سو ہوئی مگر بعد کے دو ہزار سال تک ان میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ وہ مخطوطے بھی یہی تھے جس کے اس دور کے بہترین لوگوں کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ

آخری زمانے میں ایک نجات دہندہ آئے گا جو جہاد و قتال کرے گا۔ لاریب وہ نجات دہندہ جناب محمد کریم ﷺ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مخطوطات کو دیکھ کر یہودی تو خاموش ہیں کہ وہ مسوائے خاموشی کے کربھی کچھ نہیں کہتے، وہ اتنا ہی کر سکتے تھے کہ ان پاکباز لوگوں کے گروہ کو ”فرقہ“ کہہ دیں، چنانچہ انھوں نے کہہ دیا۔ رہے عیسائی تو وہ پریشان ہیں کہ ان مخطوطات میں جس نجات دہندہ کی بات کی گئی ہے تو وہ کس شخصیت کو نجات دہندہ کہیں؟..... اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کو کہیں تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو تو ان عیسائیوں کے بقول رومی گورنر نے صلیب پر لٹکایا تھا۔ اب رومیوں اور دیگر مشرکوں پر فتح حاصل کرنا اور خود ان کے ہاتھوں صلیب پر لٹکانا بالکل متضاد باتیں ہیں لہذا یہ پیشگوئی پوری اترتی ہے تو جناب محمد کریم ﷺ پر کہ جنھوں نے اپنی قوم، جو عرب ہے، کے ساتھ مل کر رومیوں کو بھی اور باقی مشرکوں کو بھی شکست دی اور اپنی عرب قوم کو فتح سے ہمکنار کیا۔

قارئین کرام! قرآن نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے ساتھیوں کے بارے میں بھی بتلایا کہ تورات میں ان کی صفات بھی موجود ہیں چنانچہ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری موصلی عراقی اپنی سیرت کی کتاب ”السيرة النبوية الصحيحة“ میں لکھتے ہیں:

”رچرڈ وائٹس نے تورات کا جو نسخہ لندن سے شائع کیا اس میں اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں واضح لکھا ہے: ”وہ جبل فاران سے نمودار ہوگا اور اس کے ساتھ ہزاروں پاکباز لوگ ہوں گے۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فِي رِجَالٍ مُّجْتَمِعِينَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى اللَّهِ عِيْنًا﴾ [التوبة: ۱۰۸/۹]

”اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں کہ جنھیں پسند ہے کہ وہ پاکباز رہیں اور اللہ پاک باز رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اللہ اکبر! یہ دس ہزار پاکباز مجاہدین اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا۔ جی ہاں! حسب معمول تحریفوں اور تبدیلیوں کے ساتھ آج تک شائع ہونے والی تورات کے مختلف ایڈیشن بھی گواہی دیتے ہیں کہ آخری رسول محمد کریم ﷺ ہیں، رسول جہاد

ہیں اور دو ہزار سال پہلے کی جو تورات آج دریافت ہوئی ہے، وہ بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ آخری نجات دہندہ رسول جہاد و رسول قتال ہے اور وہ ہیں جناب محمد ﷺ۔

انجیل میں رسول کریم ﷺ کی واضح صفت:

﴿وَاذْ قَالِ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِيَتَّبِعَنِي اِسْرَائِيلَ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اَلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اِسْمًا اَحْمَدًا﴾ [الصف: ۶۱/۶۲]

”ذرا مریم کے بیٹے عیسیٰ کی وہ بات تو یاد کرو جب اس نے کہا تھا: ”اے

اسرائیل کے بیٹو! میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، اس تورات کی

تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور اپنے بعد اس

رسول کی خوشخبری دینے والا بھی ہوں جس کا نام احمد (ﷺ) ہوگا۔“

بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہونے والی انجیل کا چپٹر ”یوحنا“ میرے سامنے کھلا پڑا ہے،

باب نمبر ۱۶ اور آیت نمبر ۷ اور ۸ ہے۔ عیسیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر

میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے

تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے

بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔“

قارئین کرام! یہ انتہائی واضح پیشگوئی ہے کہ عیسیٰ ﷺ کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے

کے بعد دنیا میں ایک ہی رسول آیا ہے اور وہ ہیں محمد کریم ﷺ ..... نیز دوسری آیت میں

عیسائیوں کے ہاں ”کفارے“ کا جو عقیدہ رائج ہے، اسے جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔

عیسائی تو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ ﷺ مصلوب ہو کر ہم سب انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے

ہیں لیکن عیسیٰ ﷺ کہہ گئے ہیں کہ وہ رسول آئے گا تو وہ واضح کر دے گا کہ گناہ، راست بازی

اور عدل و انصاف کے بارے میں دنیا کے لوگ ہی اپنے اعمال کے قصور وار ہوں گے یعنی جو

گناہ کرے گا وہ اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا، یہ نہیں ہوگا کہ گناہ کوئی کرتا رہے اور صلیب پر کوئی

اور لٹکتا رہے۔

”یوحنا“ کے اسی چیپٹر میں باب نمبر ۱۴ کی آیت نمبر ۱۶ بھی واضح طور پر بتلاتی ہے کہ آخری رسول آئیں گے..... حضرت عیسیٰ ﷺ اپنے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“

مسٹر جان بوکر انگریزی زبان میں جو انجیل لائے ہیں، اس کے چیپٹر جان (John) یعنی ”یوحنا“ صفحہ ۳۱۳ میں وہ آیت کو اس طرح لکھتے ہیں:

”And I will ask the father, and he will give you another Advocate, to be with you forever.“

”میں باپ سے عرض کروں گا اور وہ تمہیں ایک دوسرا وکیل عطا فرمائے گا جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔“

قارئین کرام! بات یہاں بھی وہی ہے کہ وہ رسول جو عیسیٰ ﷺ کے بعد آئے گا وہ قیامت تک کے لیے رسول ہوگا۔ اس رسول کے لیے اردو انجیل نے جو نام لیا وہ ہے ”مددگار“ اور جو نام جان بوکر کی انگریزی انجیل نے لیا وہ ہے ”ایڈووکیٹ“ یعنی ”وکیل“..... یہ بات تو طے شدہ ہے کہ وہ رسول آئے گا اور قیامت تک کے لیے رسول ہوگا۔ وہ ابھی چکا ہے اور وہ خاتم النبیین ہے۔ اب بات صرف نام کی رہ گئی تو نام کے بارے میں ظاہر ہے کہ جو نام حضرت عیسیٰ ﷺ نے لیا وہ اصل نام ترجموں کی شکل میں ملتا ہے کیونکہ انجیل اپنی اصل زبان میں دنیا میں موجود ہی نہیں، انجیل کا ترجمہ جو دنیا کی سب سے قدیم زبان میں موجود ہے، وہ یونانی ہے۔ یونانی زبان والی قدیم انجیل میں جو نام آیا ہے وہ ”پیرا کلیٹ“ ہے، جسے عربی میں ”فارقلیط“ بولا جاتا ہے۔ جناب جان بوکر اپنی انجیل میں لکھتے ہیں:

”پیرا کلیٹ (Paraclete) کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ہے (To help) مدد کرنا۔ یہ یونانی لفظ پیرا کلیٹس (Parakletos) سے آیا ہے۔ اس لفظ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے: ① Comforter (تسلی دینے والا)، ② Counsellor (صلاح کار، سینئر سفارتی عہدہ دار) ③ Teacher (استاد) ④ Advocate (وکیل)۔“

قارئین کرام! جناب جان بوکر ”پیر اقلیٹ“ کا اصلی اور صحیح ترجمہ نہیں لائے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ پیر اقلیٹ کا یہ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ”پیر اقلیٹ“ کا اصل ترجمہ تلاش کرنا ہوگا کیونکہ ”ہو سکتا ہے“ کا جملہ جب بولا جاتا ہے تو اس جملے میں شک کا شائبہ ہوتا ہے۔ جی ہاں! شک کے اس شائبے کو دور کرنے کے لیے جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو سیرت رسول ﷺ پر ”مغازی“ کے نام سے محمد بن اسحاق کی معتبر ترین کتاب سامنے آتی ہے، اسی کے حوالے سے ابن ہشام اپنی بلند پایہ سیرت کی کتاب ”تاریخ ابن ہشام“ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے انجیل کی مندرجہ بالا آیت کا جب ترجمہ کیا تو وہ اس ترجمے میں ”سریانی زبان“ کا لفظ لائے اور یہ وہ زبان ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بولی جاتی تھی اور نویں صدی عیسوی تک فلسطین کے باشندوں میں یہ زبان بولی جاتی تھی پھر عربی حاوی ہو گئی تو امام ابن اسحاق نے یہاں سریانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا وہ ”الْمُنْحَمَّنَا“ ہے، امام ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ ”الْمُنْحَمَّنَا“ کے معنی سریانی میں احمد اور یونانی میں ”بِرْقَلِطُس“ ہیں۔

[سیرة ابن ہشام : ۲۶۲/۱]

قارئین کرام! واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخری رسول ﷺ کا جو نام لیا وہ ”احمد“ ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا نام محمد (ﷺ) بھی ہے اور احمد (ﷺ) بھی ہے۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

«أَنَا مُحَمَّدٌ وَ أَحْمَدُ ..... وَالْحَاشِرُ»

[مسلم : ۲۳۵۰۔ طبقات ابن سعد : ۸۳/۱۔ و اسنادہ حسن لذاتہ]

”میں محمد بھی ہوں، احمد بھی ہوں..... اور حاشر بھی ہوں۔“

یوں قرآن نے عیسیٰ علیہ السلام کا جو فرمان نقل کیا وہ آج بھی ثابت ہے۔ انجیل میں اگرچہ بہت زیادہ تحریف ہو گئی ہے مگر قرآن نے جو بات کہی وہ آج بھی انجیل سے ثابت ہے۔ انجیل برتاباس سے تو اور زیادہ واضح انداز سے ثابت ہے اور یہ وہ انجیل ہے جس پر عیسائیوں کے کلیسا نے اللہ کے رسول ﷺ کی آمد سے پہلے ہی پابندی عائد کر دی تھی۔ پابندی اس لیے

عامد کی تھی کہ یہ انجیل بتلاتی تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ اللہ کے بیٹے نہیں اور یہ کہ انھیں صلیب پر نہیں چڑھایا گیا۔ بلکہ انھیں فرشتوں نے اٹھالیا اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد یہود اسکریوتی صلیب پر چڑھا، جس نے رومیوں سے پیسے لے کر اپنے استاد کی مخبری کی۔ اس کا چہرہ عیسیٰ علیہ السلام جیسا ہو گیا اور وہ صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ ان باتوں کی وجہ سے انجیل برناباس پر پابندی لگ گئی۔ برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا..... یہ انجیل موجودہ دور میں اطالوی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوئی مگر اس کی کاپیاں فوراً ضبط کر لی گئیں۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ”تفہیم القرآن“ میں واضح کیا ہے کہ انھوں نے اس انجیل کا انگریزی ترجمہ جو فوٹو سٹیٹ کی شکل میں تھا، دیکھا اور اس سے انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلنے والی پیش گوئیاں بھی اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں، جن میں واضح طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیا گیا ہے حتیٰ کہ ڈاکٹر ضیاء عمری موصلی عراقی نے اپنی کتاب ”السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ : ۱/۱۸۸“ میں انجیل برناباس سے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے:

”شاگردوں نے سوال کیا: ”اے استاد! وہ شخص کہ جس کے بارے میں آپ گفتگو کرتے ہیں کہ وہ عنقریب دنیا میں آئے گا، وہ کون ہوگا؟“ تو عیسیٰ علیہ السلام نے دل کی خوشیوں کے ساتھ جواب دیا: (( اِنَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ )) ”بلاشبہ وہ اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔“

جی ہاں! قربان جاؤں، اس رسول احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کہ تاریخ میں اس نام کا کوئی شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے نہیں گزرا..... احمد کا معنی سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد بیان کرنے والا..... اور محمد کا معنی اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ تعریف کیا گیا..... بحمد اللہ..... اللہ نے مجھے اپنے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے اس گوشے پر تحقیق کی توفیق سے نوازا جس کا اعلان رب کے قرآن نے کیا۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

تاریخ پیدائش:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں

اور اکثر کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول کی بارہویں رات کو پیدا ہوئے۔

[ ابن ہشام : ۱۸۳/۱، اسنادہ حسن لذاتہ من قول ابن اسحاق، البداية والنهاية :

۶۶۳/۱۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۷۴/۱ اسنادہ حسن لذاتہ ]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔“

[ طبقات ابن سعد : ۸۱/۱ و اسنادہ صحیح ]

خليفة بن خياط کہتے ہیں: ”اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ ”عام الفیل“ (یعنی

ہاتھیوں والے سال، جس سال ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا اور تباہ ہوا) میں پیدا ہوئے۔“

[ السيرة النبوية لابن كثير، ص: ۱۳ بتحقيق الشيخ الصدوق الالباني رحمه الله ]

پیر کے دن کے روزے کے بارے میں حضرت ابوقادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ

کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور یہی وہ دن ہے جس میں مجھ

پر وحی کا نزول ہوا۔“

[ مسلم، کتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة..... الخ : ۱۱۶۲/۱۹۸ ]

دودھ پینے کے دن اور بچپن کی یاد:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا۔“

[ بخاری، کتاب النکاح باب ﴿ و أمهاتکم التي أرضعنکم ﴾ : ۵۱۰۱ ]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”میں نے زندگی میں صرف دو بار کسی بے مقصد محفل میں شریک ہونے کا قصد کیا، جس

طرح اہل جاہلیت کرتے تھے مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ ایک رات میں نے

اپنے ساتھی چرداہے سے جو مکے کے بالائی حصے میں میرے ساتھ ہماری بکریاں چراتا تھا، کہا:

”میری بکریوں کا ذرا خیال رکھنا تاکہ میں مکہ میں دوسرے نوجوانوں کی طرح داستان گوئی کی

محفل میں شریک ہو سکوں۔“ اس نے ہامی بھری تو میں چل پڑا اور جب میں مکہ کے گھروں

میں سے ایک گھر کے قریب پہنچا تو میں نے موسیقی و گانے کی آوازیں سنیں، میں نے پوچھا:

”یہ کیسی آوازیں ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”فلاں قریشی کی فلاں عورت سے شادی

ہے۔“ میں جب موسیقی اور گانے کی آواز سننے لگا تو مجھے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا، میں



سویا رہا، یہاں تک کہ سورج کی کرنوں نے مجھے بیدار کیا تو میں اپنے ساتھی کے پاس چلا آیا۔ اس نے مجھ سے رات کا واقعہ پوچھا تو میں نے اسے ساری روداد کہہ سنائی، پھر میں نے ایک دوسری رات ایسا ہی کیا کہ میں وہاں سے نکلا تو پہلے کی طرح کسی محفل موسیقی کے قریب جا پہنچا اور مجھے پہلے کی طرح ہی کسی کی شادی کی خبر دی گئی، مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا، میں ساری رات سویا رہا، یہاں تک کہ مجھے سورج کی کرنوں نے بیدار کیا، پھر میں لوٹ کر اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اس نے میری شب بیتی کے بارے پوچھا، میں نے بتایا کہ میں کسی محفل میں شریک نہیں ہو سکا۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ”اللہ کی قسم! ان دو واقعات کے بعد کبھی بھی میں نے اہل جاہلیت کی فضول محفلوں میں شریک ہونے کا قصد نہیں کیا، یہاں تک کہ مجھے اللہ رب العزت نے شرف نبوت سے نوازا۔“

[ ابن حبان : ۶۲۷۲ إسنادہ حسن لذاتہ۔ مستدرک حاکم : ۲۴۵/۴، ح : ۷۶۱۹ ]  
 إسنادہ حسن لذاتہ محمد بن عبد اللہ صدوق حسن الحدیث وثقہ الحاکم والذہبی  
 و ابن حبان بتصحیح حدیثہ ]

### جبریل نے سینہ چیر دیا اور دل پر ”ختم نبوت“ کی مہر لگا دی :

عتبہ بن عبد المسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا :  
 ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! (بسلسلہ نبوت) آپ کا اولین معاملہ کس طرح ظاہر ہوا؟“  
 آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں بنو سعد بن بکر کے ہاں پرورش پا رہا تھا، میں اور میرا رضاعی بھائی اپنی بھیڑ بکریوں کی طرف چلے گئے، ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان نہ تھا لہذا میں نے اپنے بھائی سے کہا: ”جاؤ اور اماں جان سے کھانے پینے کا سامان لے آؤ۔“ میرا بھائی چلا گیا اور میں بھیڑ بکریوں کے پاس ہی ٹھہرا رہا پھر یوں ہوا کہ دو سفید پرندے گویا وہ دو ستارے (فرشتے) ہوں، میرے پاس آئے۔ ان دونوں (جبرائیل و میکائیل) میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ”کیا یہ وہی ہیں؟“ دوسرے نے کہا: ”ہاں!“ اب دونوں میری طرف تیزی سے لپکے۔ انھوں نے مجھے پکڑ لیا اور کمر کے بل لٹا دیا، پھر میرا سینہ چیر دیا اور میرے دل کو نکال کر اسے چیر ڈالا اور اس سے دو سیاہ توہڑے نکالے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی

سے کہا: ”مجھے برف کا بخ بستہ پانی پکڑاؤ۔“ پھر دونوں نے اس پانی کے ساتھ میرے اندر کا سارا حصہ (سینہ اور پیٹ) دھو دیا۔ پھر کہا: ”اب مجھے ٹھنڈا پانی دو۔“ پھر اس ٹھنڈے پانی کے ساتھ دونوں نے میرا دل دھویا اور کہا: ”سکینت (اطمینان اور وقار) لاؤ۔“ اب اسے ان دونوں نے میرے دل پر چھڑک دیا، پھر دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

« حِصُّهُ فَحَاصَةٌ وَ خَتَمَ عَلَيْهِ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ »

”اس کو سی ڈالو، لہذا اس نے اسے سی دیا اور اس (دل) پر ”ختم نبوت“ کی مہر لگا دی۔“

پھر ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ”اس کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھو اور اس کی امت میں سے ایک ہزار کو ایک پلڑے میں رکھو۔“ اس وقت میں اپنے اوپر ایک ہزار کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ ان میں سے بعض لوگ مجھ پر گرنے پڑیں۔ پھر کہا: ”اگر محمد (ﷺ) کو ایک پلڑے میں اور اس کی ساری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو تب بھی محمد (ﷺ) کا پلڑا بھاری رہے گا۔“ اس کے بعد وہ دونوں فرشتے چلے گئے اور مجھے انھوں نے وہیں چھوڑ دیا۔

مجھے سخت خوف لاحق ہوا، میں اپنی ماں (حلیمہ) کی طرف گیا۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ سارا کچھ بتلایا۔ وہ ڈر گئیں کہ کہیں یہ شیطان کی کارستانی نہ ہو، لہذا انھوں نے کہا: « أَعِيذُكَ بِاللَّهِ » ”میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں“ اس کے بعد اونٹ کی سواری تیار کی گئی۔ انھوں نے مجھے سواری پر سوار کر دیا اور خود میرے پیچھے بیٹھ گئیں حتیٰ کہ میں اپنی والدہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں حلیمہ نے میری ماں آمنہ سے کہا: ”میں نے اپنی امانت اور ذمہ ادا کر دیا۔“ پھر میری والدہ کے سامنے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو میرے ساتھ بیٹا تھا۔ والدہ نے اس واقعہ کو کسی ان ہونے انداز میں نہیں لیا بلکہ کہا:

« إِنِّي رَأَيْتُ خَرَجَ مِنِّي نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ »

”میں نے دیکھا کہ میرے اندر سے ایک روشنی نکلی جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔“

[ مسند أحمد : ۴ / ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ح : ۱۷۷۹۸ ، إسنادہ حسن لذاتہ ، مستدرک حاکم :

۶۱۶، ۶۱۷، ح: ۴۲۳۰ و إسناده حسن لذاته۔ سنن الدارمی: ۱۳ إسناده حسن لذاته ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”میں آپ ﷺ کے سینہ (اقدس) پر بیٹے جانے کا نشان دیکھا کرتا تھا۔“

[ مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء، بر رسول اللہ ﷺ ..... الخ: ۱۶۲/۲۶۱ ]

وزن میں ساری امت سے آپ ﷺ کا پلڑا بھاری ہونے کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقام بہت بلند اور انتہائی وزنی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے جہاں آپ ﷺ کی بات یعنی حدیث آجائے وہاں امت کے علماء، ائمہ اور فقہاء کی اس بات کا کوئی وزن نہ ہوگا جو حدیث رسول ﷺ کے مخالف ہو یا مطابق نہ ہو اور تیسرا مطلب یہ بھی ہے کہ حدیث رسول ﷺ کی مخالف بات پر جو شخص عمل کرے گا، اس عمل کی قیامت کے دن کوئی وقعت نہیں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَقْبَلُمْ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْنًا﴾ [الكهف: ۱۸/۱۰۵]

”ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو رکھیں گے ہی نہیں۔“

شام کے محلات روشن ہونے کا مطلب ہے کہ ابھی آپ ﷺ اس دنیا میں آئے بھی نہ تھے کہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کے ذریعے دنیا کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ یہ بچہ جو پیدا ہونے والا ہے اس کے مجاہد صحابہ جہاد کرتے ہوئے شام فتح کریں گے، عیسائی مغلوب ہوں گے، صلیب کے اندھیرے چھٹیں گے اور عیسائی علاقے اسلام کے نور سے جگمگائیں گے۔

والدہ کی وفات:

ثقة تابعی عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو ابن حزم (التوتونی: ۱۳۵ھ) فرماتے ہیں:

”جب اللہ کے رسول ﷺ چھ سال کے تھے تو آپ ﷺ کی والدہ فوت ہو گئیں، ان کا انتقال ”ابواء“ کے مقام پر ہوا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ کی والدہ اپنے بیٹے کو نضیال سے ملانے کے لیے لائی تھیں۔ نضیال بنو عدی بن نجار میں سے تھے۔ آپ وہاں سے واپس آ رہی تھیں کہ سفر میں وفات پا گئیں۔“

[ سیرة ابن ہشام: ۱۹۳/۱ و إسناده حسن لذاته ]

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے جو چند افراد آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ کو وہیں دفن کر دیا اور آپ ﷺ کو لے کر مکہ آ گئے۔  
دادے کا پوتے کے لیے اضطراب:

کندیر بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بتلاتے ہیں: ”میں نے جاہلیت کے دور میں حج کیا، وہیں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیدل بیت اللہ کا طواف کیے جا رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے:

میرے رب! میری سواری کو محمد (ﷺ) سمیت لوٹا

محمد کو مجھ سے ملا، اپنی جناب سے احسان فرما

میں نے پوچھا: ”یہ شخص کون ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”عبدالمطلب بن ہاشم ہے، اس کا اونٹ کہیں چلا گیا ہے، چنانچہ اس نے اپنے پوتے کو اونٹ کی تلاش کے لیے بھیجا ہے اور وہ آیا نہیں، لیٹ ہو گیا ہے۔“

صورت حال یہ ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو جس ضرورت کے لیے بھی بھیجا وہ پوری ہو گئی۔ راوی کہتا ہے عبدالمطلب کعبہ کے طواف اور رب کے حضور فریاد کرنے سے اس وقت تک نہیں بٹے جب تک محمد (ﷺ) اونٹ سمیت واپس نہیں آ گئے اور جب آئے تو عبدالمطلب نے دیکھتے ہی کہا:

”پیارے بیٹے! میں تو تیری جدائی میں اتنا غمزدہ ہو گیا تھا کہ کبھی کسی چیز پر نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم! آئندہ تجھے کبھی کسی کام کے لیے نہیں بھیجوں گا، تو مجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہوا کر۔“

[ مستدرک حاکم: ۲/۶۰۳، ۶۰۴، ح: ۴۱۸۴؛ إسناده حسن لذاتہ۔ طبرانی کبیر:

۶/۶۴، ح: ۵۵۲۴۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۲/۲۰، ۲۱۔ مسند أبي يعلى: ۲/۳۲،

ح: ۱۴۷۴؛ إسناده حسن لذاتہ ]

جب اللہ کے رسول ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو ماں کی طرح لاڈ پیار دینے والا انتہائی مشفق دادا بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب نگہداشت کی ذمہ داری جناب ابوطالب پر آ گئی

جو رسول کریم ﷺ کے مشفق چچا تھے۔

محمد کریم ﷺ..... بکریاں چرانے والے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس نے بکریاں چرائیں۔“ اس پر آپ ﷺ کے صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ نے بھی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں درہم و دینار کے معاوضے پر چرائی ہیں۔“

[بخاری، کتاب الإحارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط: ۲۲۶۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے، جنگلی پھل یعنی کپے ہوئے پیلو چن رہے تھے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ”کالے کالے اتارتا کیونکہ کالا پیلو بڑا عمدہ ہوتا ہے۔“ ہم نے کہا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا آپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے (کیونکہ یہ پہچان تو بکریاں چرانے والوں ہی کو ہوتی ہے)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔“

[بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الکبایث وهو [نسر] الأراك: ۵۴۵۳]

دنیا کا سب سے مشکل کام یہ ہے کہ لیڈر اپنے پیروکار یا کارکنوں کو سنبھال کر رکھے، بکھرنے نہ دے اور بکریوں کو سنبھال کر رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے لہذا اللہ نے نبیوں کی ابتدائی تربیت بکریاں چرانے سے کی تاکہ وہ بندوں کے رہنما بننے کے قابل ہو جائیں۔

پتھر نے رسول کریم ﷺ کو سلام کیا:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”میں مکہ کے اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو مجھے نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا۔“

[مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ..... الخ: ۲۲۷۷]

پتھر کے سلام کی نوعیت اللہ کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے تھے کہ جنھیں اللہ نے پتھر کے سلام سے آگاہ فرمایا۔

## مظلوم کی مدد کا معاہدہ:

قریش کے پانچ قبیلوں بنو ہاشم، بنو عبد المطلب، بنو اسد، زہرہ اور تیم نے مل کر معاہدہ کیا کہ مکہ کا کوئی مظلوم ہو یا مکہ میں باہر سے آنے والا کوئی مظلوم، جس کا مدد کریں گے، اس معاہدے کو ”حلف الفضول“ اور ”حلف المطیین“ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں جب نوجوانی میں قدم رکھ رہا تھا تو میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ حلف المطیین میں حاضر ہوا۔ مجھے اس معاہدے کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اس معاہدے کو میں کیسے توڑ سکتا ہوں؟“

[ ابن حبان : ۴۳۷۳، ۴۳۷۴ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۱/۱۹۰، ح : ۱۶۵۵۔ أبو یعلیٰ : ۱/۳۴۹، ۳۵۰، ح : ۸۴۰، ۸۴۱۔ مستدرک حاکم : ۲/۲۱۹، ۲۲۰، ح : ۲۸۷۰۔ بیہقی : ۶/۳۶۷، ۳۶۶، ح : ۱۳۰۷۷، ۱۳۰۷۹ ]

## حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں شادی نہیں کی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی شادی نہیں کی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔“

[ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة ام المؤمنين رضی اللہ عنہا : ۲۴۳۶ ]

جمہور کے ہاں ثقہ و صدوق محدث امام المغازی محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی شادی نہیں کی حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔“

[ طبرانی کبیر : ۲۲/۴۵۰، ح : ۱۰۹۳ و إسناده حسن لذاته ]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ سے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟“ صحابہ نے کہا: ”اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خویلد کی بیٹی خدیجہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ، عمران کی بیٹی مریم اور مزاحم کی بیٹی آسیہ ہے جو فرعون کی بیوی تھیں۔“

[ مسند أحمد : ۱/۲۹۳، ح : ۲۶۶۸، إسناده صحيح۔ مسند أبي یعلیٰ : ۲/۵۵۷، ح : ۵۵۷ ]

ح : ۲۷۱۴ و إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم : ۱۸۵/۲ إسناده صحيح۔ ابن حبان :  
۷۰۱۰ إسناده حسن لذاته ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب جبریل علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس برتن میں سالن اور کھانا پینا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو انھیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہہ دیجیے اور انھیں جنت میں ایسے محل کی خوشخبری دے دیجیے جو ایک ہی موتی سے بتایا گیا ہے، اس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ مشقت و تھکاوٹ ہوگی۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ و فضلہا، رضی اللہ عنہا : ۳۸۲۰۔ ابن حبان : ۷۰۰۹ إسناده صحيح ]

وہ دیکھو! پیکر امانت آ گیا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب قریش نے حجر اسود کو اٹھا کر (کعبہ کے کونے میں نصب کرنے کا) ارادہ کیا تو وہ اس معاملے میں جھگڑا کرنے لگے (کہ کون سا قبیلہ اس سعادت کو حاصل کرے) اس کے بعد انھوں نے کہا: ”ہمارے درمیان (اس جھگڑے) کا فیصلہ وہ کرے گا جو اس راستے سے سب سے پہلے (کعبہ کی جانب) نکلے گا۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”سب سے پہلے جو شخص ان لوگوں پر نکلے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو ایک چادر میں ڈالا پھر اس چادر کو تمام قبائل نے اٹھایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں نوجوان تھے اور ابھی نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔“

[ مستدرک حاکم : ۴۵۸/۱، ۴۵۹، ح : ۱۶۸۴ إسناده حسن لذاته۔ مسند أبی داؤد الطیالسی : ۱۰۸/۱، ح : ۱۱۵ إسناده حسن لذاته، خالد بن عرعرة صدوق حسن الحدیث وثقه العجلی وابن حبان والحاکم والذہبی بتصحيح حدیثہ۔ مستدرک : ۲۹۱/۲، ح : ۳۱۵۴ ]

ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جب قریش نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ پکاراٹھے: (( قَدْ جَاءَ الْأَمِينُ ))

[ طبرانی اوسط : ۵۰/۳، ح : ۲۴۴۲ و إسناده حسن۔ مسند أحمد : ۴۲۵/۳، ح : ۱۵۵۱۰ و إسناده حسن لذاته ]

”وہ امانتدار آ گیا۔“

سیرت نگار مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تمام قبائل چادر اٹھا کر نصب کرنے کی جگہ کے قریب لے آئے تو رسول کریم ﷺ نے حجرِ اسود اٹھا کر مقررہ جگہ رکھ دیا اور یوں قریش کا جھگڑا جناب رسول امین ﷺ نے ختم کروا دیا۔

غیر اللہ کا ذبیحہ کھانے سے انکار:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے شام کی طرف سفر کیا تاکہ وہ دین حق اور اس کے پیروکاروں کا پتا چلائیں چنانچہ وہ وہاں یہودیوں کے ایک بڑے عالم سے ملے۔ اس عالم سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ شاید میں تمہارا دین قبول کر لوں لہذا مجھے اپنے دین کے بارے میں بتلائیے۔ یہودی عالم نے کہا: ”آپ ہمارا دین اختیار نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اللہ کے غضب میں سے اپنا حصہ نہ لے لیں۔“ اس پر جناب زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ کے غضب سے تو بھاگتا ہوا یہاں آیا ہوں، مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اللہ کے غضب میں سے معمولی سا حصہ بھی لوں لہذا آپ براہ کرم! کسی اور کی طرف میری راہنمائی کر دیجیے۔“ اس پر یہودی عالم کہنے لگا: ”میں سوائے دین حنیف کے کسی دین کو نہیں جانتا۔“ حضرت زید نے پوچھا: ”دین حنیف کیا ہے؟“ یہودی عالم نے کہا: ”ابراہیم علیہ السلام کا دین کہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے اور نہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتے تھے۔“

اب یہاں سے حضرت زید نکلے اور سیدھے ایک عیسائی عالم سے جا ملے۔ اس سے بھی اسی طرح ہم کلام ہوئے جس طرح یہودی سے ہوئے تھے۔ عیسائی عالم نے کہا: ”آپ ہمارے دین کو اختیار نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اللہ کی لعنت میں سے اپنے حصے کی لعنت نہ لے لو۔“ حضرت زید نے کہا: ”میں تو اللہ کی لعنت سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں اور میں اللہ کی لعنت میں سے کچھ بھی اٹھا نہیں سکتا اور نہ اللہ کے غضب سے کچھ بھی اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں لہذا بہتر ہے کہ آپ میری راہنمائی کہیں اور کر دیجیے۔“ عیسائی عالم نے کہا: ”میں کسی دین کو نہیں جانتا سوائے دین حنیف کے۔“ جناب زید نے کہا: ”وہ دین حنیف کیا ہے؟“ عیسائی عالم نے جواب دیا: ”ابراہیم علیہ السلام کا دین کہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے اور نہ وہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت کرتے تھے۔“ چنانچہ جب زید نے یہود و نصاریٰ کی باتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سنا تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور جب باہر آئے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:



«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ»

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب زید بن عمرو بن نفیل: ۳۸۲۷]

”اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔“

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا وہ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے کھڑے کہہ رہے تھے: ”اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم! تم لوگوں میں سے میرے علاوہ کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔“ اسی طرح بیٹی پیدا ہونے پر جو کوئی اسے اپنی بے عزتی خیال کرتا اور اسے زندہ درگور کرنے کی کوشش کرتا تو حضرت زید اس آدمی سے کہتے: ”اس بچی کو قتل نہ کر، میں اس بچی کے تمام اخراجات برداشت کرتا ہوں۔“ پھر وہ ایسا بھی کرتے کہ اس بچی کو باپ سے لے لیتے، جب بچی پرورش پا کر جوان ہو جاتی تو حضرت زید اس بچی کے باپ سے کہتے: ”اگر تو چاہے تو میں اس بچی کو تیرے حوالے کر دیتا ہوں اور اگر چاہے تو تجھے اس کے تمام اخراجات بھی دینے کو تیار ہوں۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل: ۳۸۲۸]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی وحی کے نزول کا آغاز نہ ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریب بلدح کے نشیب میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان پر آنے والے کھانے کو تناول کرنے سے انکار کر دیا، پھر جناب زید (جو وہاں موجود تھے وہ بھی) کہنے لگے:

«إِنِّي لَسْتُ أَكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا أَكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ»

”میں بھی اس چیز کو نہیں کھاؤں گا جس کو تم اپنے آستانوں پر ذبح کرتے ہو، میں تو

صرف اسی چیز کو کھاتا ہوں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔“

قریش جو اپنے جانور ذبح کرتے تھے حضرت زید ان کے بارے میں انھیں خوب لتاڑتے اور کہتے: ”اللہ نے بکری کو پیدا کیا، اسی اللہ نے بکری کے لیے آسمان سے پانی اتارا، اسی اللہ نے اس بکری کے لیے زمین سے چارا اگایا، پھر تم لوگ اللہ کے غیر کا نام لے کر اس بکری کو

ذبح کرتے ہو۔“ زید یہ بات قریش کی اس (شرکیہ) حرکت کا انکار کرتے ہوئے اور اسے ایک بڑا گناہ سمجھتے ہوئے (بغرض تبلیغ کہتے)۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل: ۳۸۲۶]

قارئین کرام! توحید انسان کی فطرت میں ہے جبکہ شرک غیر فطری عمل ہے۔ انسان اللہ کی دی ہوئی سوچ اور محض دماغ ہی کو کام میں لائے تو وہ شرک نہیں کر سکتا۔ حضرت زید نے اپنے دماغ سے کام لیا تو وہ شرک سے بچ گئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ سوچے کہ آخر وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے؟ کائنات کا خالق کون ہے؟ جو شخص یہ نہیں سوچتا وہ حیوان ہے اور جو انسان سوچے گا وہ بالآخر توحید کو پالے گا لیکن اللہ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے نبوت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شخص جس تک نبوت کی روشنی نہیں پہنچی اور اس نے اپنی فطرت کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا اور وہ حق تلاش کرنے کے لیے کوشاں ہوا، اسے اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت سے نوازے گا کیونکہ اللہ اپنے بندے پر مہربان ہے، ظلم نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کی فضیلت میں فرمایا:

«يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحِدَةً»

[مسندرك حاکم: ۲۱۶/۳، ۲۱۷، ح: ۴۹۵۶] سنادہ حسن لذاتہ۔ مسند ابی یعلیٰ:

۴۱۷/۱، ۴۱۸، ح: ۹۶۹] سنادہ حسن لذاتہ۔ کشف الاستار عن زوائد البزار:

[۲۸۲/۳، ح: ۲۷۵۳]

”وہ قیامت کے دن ایک امت بن کر آئے گا۔“

یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ کی پہچان ہو جائے وہ اللہ کی مخلوق کے لیے نرم ہو جاتا ہے اور ان کے حقوق کی پاسبانی کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت زید بچپوں کے حقوق کے لیے سرگرم ہوئے جبکہ مشرک انتہائی سنگ دل ہوتا ہے۔

## نبوت اور دعوت

پہلی وحی آنے سے پہلے محمد کریم ﷺ کی کیفیت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ”میں روشنی دیکھتا ہوں، آواز سنتا ہوں، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مجھے جنون نہ ہو جائے۔“ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اے عبداللہ کے بیٹے! اللہ کریم ایسا نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے۔“ پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ ورقہ کے سامنے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے صورتحال بیان کی، جسے سن کر ورقہ کہنے لگے: ”اگر محمد (ﷺ) سچے ہیں تو پھر یہ (روشنی دکھلانے والا اور آواز سننے والا) وہی ناموس (جبریل علیہ السلام) ہے جیسا ناموس موسیٰ علیہ السلام کا تھا، اگر یہ رسول بنا دیے گئے اور میں زندہ رہا تو:

فَسَأَعِزُّهُ ..... ”میں ان کو مضبوط کروں گا۔“

وَأَنْصُرُهُ ..... ”اور ان کی مدد کروں گا۔“

وَأُوْمِنُ بِهِ ..... ”اور ان پر ایمان لاؤں گا۔“

[مسند احمد: ۳۱۲/۱، ح: ۲۸۵۴ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ طبرانی کبیر: ۱۴۴/۱۲، ح:

۱۲۸۳۹ و اسنادہ حسن لذاتہ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”پہلی چیز جس کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا، وہ سچا خواب تھا۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ اسی طرح ظاہر ہوتا جس طرح رات میں سے صبح کی روشنی پھوٹ کر پھیل جاتی ہے، پھر آپ ﷺ کی طبیعت میں خلوت کی محبت بٹھا دی گئی چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت نشین ہو جایا کرتے اور وہاں کئی کئی راتیں عبادت میں مصروف رہا کرتے۔ وہاں رہنے کے لیے اپنی ضروریات کا سامان لے جاتے اور پھر جو کبھی

دوبارہ حضرت خدیجہؓ کی طرف لوٹ کے آتے تو پہلے کی طرح ضروریات زندگی کا سامان ساتھ لے جاتے۔ آخر کار حق آپ ﷺ کے پاس آ گیا اور اس وقت بھی آپ ﷺ غار حرا ہی میں تھے۔“

[ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی ..... الخ : ۳ ]

### چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا اور آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ مکہ میں تیرہ سال رہے، مدینہ میں دس سال گزارے اور جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب محررة النبی ﷺ ..... الخ : ۳۸۵۱، ۳۹۰۲ ]

### پہلی وحی:

حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں: ”پھر آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آ گیا، جناب جبریلؑ نے آ کر آپ ﷺ سے کہا: «اقْرَأْ» ”پڑھیے۔“ آپ ﷺ نے کہا: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ آپ ﷺ بتلاتے ہیں: ”اس نے مجھے پکڑ کر بھیجا یعنی زور سے دبا یا، اس سے میری ہمت جاتی رہی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ”پڑھیے۔“ میں نے پھر وہی بات کہی: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ اب اس نے مجھے دوسری بار پکڑا اور بھیجا حتیٰ کہ میری طاقت جواب دے گئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ تو دیا لیکن پھر وہی بات: «اقْرَأْ» ”پڑھیے۔“ میں نے بھی وہی بات دہرا دی «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ اب اس نے مجھے تیسری بار پکڑ کر بھیجا اور پھر چھوڑتے ہوئے کہا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝﴾

[ العلق : ۱۹۶ / ۳۶۱ ]

”اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے

پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔“

اللہ کے رسول ﷺ رسالت کا یہ پیغام لے کر لوٹے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا، آپ

حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا:

« زَمَلُونِي زَمَلُونِي »

”مجھے کبل اوڑھا دو، مجھے کبل اوڑھا دو۔“

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کبل ڈال دیا حتیٰ کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی،

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساری صورتحال بتلائی اور کہا:

« لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ! مَا يَحْزُنُكَ

اللَّهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَ تَقْرِي

الضَّيْفَ وَ تُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ »

”مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔“ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”ہرگز نہیں! اللہ

کی قسم! اللہ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن

سلوک کرتے ہیں، آپ در ماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے وسیلہ لوگوں کو کما کر

دیتے ہیں، مہمان کی خدمت و تکریم کرتے ہیں اور ظالم و زور آور غاصبوں کے دباؤ

کے باوجود آپ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔“

اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لیا اور اپنے چچا کے بیٹے ورقہ بن نوفل بن

اسد کے پاس لے گئیں۔ ورقہ وہ شخص تھے جنہوں نے جاہلیت کے دور میں عیسائیت کو اختیار

کر لیا تھا۔ وہ عبرانی زبان کے کاتب تھے، چنانچہ بتوفیق الہی انجیل کو بھی عبرانی زبان میں لکھا

کرتے تھے۔ اب بوڑھے اور نابینا تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:

”اے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنا۔“

ورقہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ”اے میرے بھائی کے بیٹے! آپ نے جو دیکھا

وہ بتلایئے۔“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا تھا وہ سارا بتلا دیا۔ اب ورقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

مخاطب کر کے کہنے لگا: ”یہ تو وہی ناموس (خیر کارزدان) ہے جس کو اللہ نے موسیٰ عليه السلام پر

اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں گے) جوان

ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔“  
 آپ ﷺ نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا: ”کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے (حالانکہ میں تو ان میں معزز، سچا اور امانتدار معروف ہوں)؟“ ورقہ نے کہا: ”ہاں! ایسا ہی ہوگا کیونکہ جو شخص بھی آپ ﷺ کی طرح حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ دور (جس میں لوگ آپ کے دشمن بنیں گے) مل گیا تو میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا۔“ پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ورقہ فوت ہو گئے اور کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ بھی رکا رہا۔“  
 [بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء ..... الخ : ۳]

حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں کرسی پر تشریف فرما ہو گئے :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وحی کا وقفہ ہوا تو وقفے کے حالات اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کرتے ہوئے ہمیں بتلایا:

”ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، میں نے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہے۔ میں اس سے دہشت زدہ ہو کر گھر لوٹ آیا اور کہا: ”مجھے کبل اوڑھا دو، مجھے کبل اوڑھا دو۔“ پھر اللہ نے یہ آیتیں نازل کیں:

﴿يَا أَيُّهَا الْمَدْيَنِيُّ ۖ قُمْ فَاذْكُرْ ۚ وَرَبِّكَ فَكَلِّمْ ۚ وَيَا بَلَكَّ فَطَهِّرْ ۚ وَالزُّجَّجَ قَاهُمْ ۚ﴾

[المدثر: ۱۷۳ تا ۱۷۵]

”اے (محمد!) جو کبل اوڑھے سو رہے ہو، اٹھیے اور ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ..... الخ : ۴]

سخت سردی میں پیشانی مبارک پسینے سے شرابور:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا:

”اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟“ آپ ﷺ نے بتلایا:

”وحی نازل ہوتے وقت کبھی مجھ کو گھنٹی کی سی آواز محسوس ہوتی ہے اور وحی کی یہ کیفیت مجھ پر بڑی شاق ہوتی ہے، جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میرے دل و دماغ پر (جبریل کے ذریعے سے) نازل شدہ وحی محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”میں نے سخت سردی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور جب اس کا سلسلہ موقوف ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پینا بہنے لگ گیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی..... الخ: ۲]

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا مَعَهُ إِلَّا خُمْسَةَ أَعْبُدِ  
وَامْرَأَتَانِ وَابُوبَكْرٍ»

[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم «لو كنت متخذًا  
خليلاً»: ۳۶۶۰]

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے ساتھ (ایمان لانے والوں میں صرف) پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔“  
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”سب سے پہلے سات آدمیوں نے اسلام کا اظہار کیا:

- ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- ② ابوبکر رضی اللہ عنہ
- ③ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
- ④ سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا
- ⑤ صہیب رضی اللہ عنہ
- ⑥ بلال رضی اللہ عنہ
- ⑦ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۸/۷، ح: ۳۶۵۸۲، إسناده حسن لذاته]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«أَوَّلُ مَنْ صَلَّى مِنَ النَّاسِ بَعْدَ خَدِيجَةَ عَلِيٌّ»

”حضرت خدیجہ کے بعد سب سے پہلے علی نے نماز ادا کی۔“

[طبقات ابن سعد: ۱۵/۳، اسنادہ حسن لذاتہ۔ مسند أحمد: ۱/۳۳۱، ۳۳۲، ح:

۳۰۶۲ و اسنادہ حسن لذاتہ ابوبلج صدوق حسن الحدیث، وثقہ الجمهور]

بعض علماء نے ان مختلف دلائل میں یوں تطبیق دی ہے کہ بڑوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، لڑکوں میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ جناب علی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور غلاموں میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

[ترمذی، کتاب مناقب، باب (أول من صلى على ..... الخ)، قبل ح: ۳۷۳۵۔ البداية

والنهاية: ۳۳/۳]

کوہ صفا پر چڑھ کر اعلانیہ دعوت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ۲۶/۲۱۴]

”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے یہاں تک کہ کوہ صفا پہ چڑھ گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز لگائی: ((يَا صَبَا حَاهَا!)) (یہ جملہ ایسے موقع پر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے بولا جاتا تھا جب کوئی عظیم واقعہ رونما ہو جاتا) اب لوگوں نے کہا: ”یہ کیا ہے؟“ اور پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

”لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ گھوڑوں کا ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے نکلنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟“

سب نے کہا:



﴿ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا ﴾

”ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔“

یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر میں تمہیں سخت ترین عذاب سے ڈراتا ہوں۔“  
یہ سن کر ابولہب کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”تیری تباہی ہو! کیا تو نے ہمیں اس کام کے لیے جمع کیا تھا؟“ تب اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی:

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۚ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ  
وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۗ ﴾ [اللب: ۱۱۱/۱ تا ۱۵۱]

”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو۔ نہ اس کا مال اس کے کسی کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا، وہ جلد ہی بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے، اس کی گردن میں مضبوط عٹی رسی ہوگی۔“

[بخاری، کتاب التفسیر سورة ﴿ تبت يدآ ابي لهب ﴾ : ۴۹۷۱۔ مسلم کتاب الايمان، باب في قوله تعالى: ﴿ و انذر عشيرتک الاقرین ﴾ : ۲۰۸]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ پر ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگے:

﴿ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا - اِشْتَرَوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِي عَنْكُمْ  
مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ ! لَا اُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. يَا عَبَّاسُ  
بَنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَ يَا صَفِيَّةُ ! عَمَّةَ رَسُولِ  
اللّٰهِ، لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا. وَ يَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ! سَلْبِيْنِي مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِي لَا اُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ﴾

[بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ و انذر عشيرتک ..... ﴾ : ۴۷۷۱]

”اے قریش کے لوگو! اللہ کی اطاعت کے ذریعے اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ، (اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے عبد مناف کی اولاد! اللہ کے ہاں میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔“

اے عباس بن عبدالمطلب! اللہ کی بارگاہ میں..... میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔  
اے اللہ کے رسول کی پھوپھی، صفیہ! میں اللہ کے یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا  
سکوں گا۔ اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مجھ سے  
لے لو لیکن اللہ کی جناب میں میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔“

توحید کی دعوت سے باز نہ آؤں گا چاہے سورج کا کوئی شعلہ لے آؤ :

حضرت عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ”قریش کے لوگ میرے  
باپ ابوطالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: ”تیرے بھائی کے بیٹے نے ہماری مجلسوں میں  
اور کعبہ میں ہمارا جینا حرام کر دیا ہے لہذا وہ جو ہمیں دعوت دیتا ہے اسے اس سے روک لو۔“ ابو  
طالب نے اپنے بیٹے سے کہا: ”اے عقیل! جاؤ اور محمد (ﷺ) کو بلا کر لاؤ۔“ اب میں وہاں  
سے نکلا اور آپ (ﷺ) کو سخت گرمی میں ظہر کے وقت لے آیا۔ آپ (ﷺ) جب تشریف لے  
آئے تو جناب ابوطالب نے آپ (ﷺ) سے مخاطب ہو کر کہا: ”اے میرے بھتیجے! تیرے ان  
پچا زاد بھائیوں کا خیال ہے کہ آپ ان کی مجلسوں اور ان کی عبادت گاہوں میں ان کو تکلیف  
پہنچاتے ہو لہذا اس سے رک جاؤ۔“ اس پر اللہ کے رسول (ﷺ) نے اپنی نگاہیں آسمان کی  
طرف اٹھائیں اور کہا: ”اس سورج کو دیکھ رہے ہو؟“ قریش نے کہا: ”ہاں!“ تب آپ (ﷺ)  
نے جواب دیا:

« مَا أَنَا بِأَقْدَرُ أَنْ أَدْعَ لَكُمْ ذَلِكَ عَلَى أَنْ تَسْتَشْعِلُوا لِي مِنْهَا شُعْلَةً »  
”میں تمہیں یہ دعوت دینے سے رک جاؤں، اس کا تو مجھے اختیار ہی نہیں، خواہ تم  
میرے لیے سورج کا ایک شعلہ روشن کر دو۔“

اور ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

« وَاللَّهِ! مَا أَنَا بِأَقْدَرُ أَنْ أَدْعَ مَا بَعَثْتُ بِهِ مِنْ أَنْ يَسْتَعِيلَ أَحَدُكُمْ مِنْ هَذِهِ  
الشَّمْسِ شُعْلَةً مِنْ نَارٍ »

[طبرانی اوسط: ۲۵۲/۸، ۲۵۳، ح: ۸۵۵۳ و إسناده حسن لذاته، ابراہیم ابن ابی

سويد من ثقات المسلمين (الحرث والتعديل: ۲/۷۰، ۳۷۷]

”جس دعوت توحید کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے میں اس سے باز آ جاؤں، اللہ کی قسم! مجھے تو اس کا اختیار ہی نہیں، خواہ کوئی اس سورج کی آگ سے کوئی شعلہ روشن کر دے۔“

جناب رسالت مآب ﷺ کے اس دو ٹوک اعلان پر ابو طالب قریش مکہ سے کہنے لگے:

”ہم اپنے بھتیجے کو نہیں چھوڑیں گے لہذا تم واپس چلے جاؤ۔“

[مسند ابی یعلیٰ: ۳۹/۶، ح: ۶۷۷۱ و إسناده حسن لذاته۔ التاريخ الكبير للبخاری: ۳۶۲، ۳۶۱/۶، ح: ۹۵۶۷۔ طبرانی کبیر: ۱۷/۱۷۴، ح: ۵۱۱۔ طبرانی أوسط: ۲۵۲/۸، ۲۵۳، ح: ۸۵۵۳ و إسناده حسن لذاته]

لا اله الا الله کی بدولت عرب و عجم کی فتح:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جناب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی جناب ابو طالب کے پاس عیادت کو آئے۔ ابو طالب کے سر کے قریب ایک نشست تھی چنانچہ ابو جہل آیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اس نے بیٹھتے ہی جناب ابو طالب سے کہا: ”کیا آپ نے اپنے بھتیجے کو نہیں دیکھا کہ ہمارے مشکل کشاؤں کی توہین سے باز آتا ہی نہیں۔“ اس پر جناب ابو طالب نے رسول کریم ﷺ سے کہا: ”میرے بھائی کے بیٹے! تیرا اپنی قوم سے کیا مطالبہ ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِنِّي أُرِيدُ مِنْهُمْ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَ تُؤَدِّي الْعَجَمُ إِلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ »

”میں ان سے صرف ایک کلمے کا تقاضا کرتا ہوں، اگر یہ اسے تسلیم کر لیں تو سارا عرب ان کے سامنے ڈھیر ہو جائے گا اور عجم ان کی خدمت میں (مفتوح ہو کر) جزیہ لے کر حاضر ہوگا۔“

انھوں نے پوچھا: ”صرف ایک ہی کلمہ ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! صرف ایک

کلمہ ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے چچا! تم سب کہہ دو: (( لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ))“ اس پر قریش کے لوگ کہنے لگے: ”کیا سارے مشکل کشاؤں کی بجائے صرف ایک ہی مشکل کشا؟“ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

﴿ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزِّهِمْ وَشِقَاقِهِمْ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَُوا وَآلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۝ وَحَسِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ الْإِهَاءَ وَاحِدًا ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾

[ص: ۳۸/۵ تا ۵۱]

”ص، قرآن کی قسم! جو سراسر نصیحت ہے، بلکہ یہ کافر تو تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان سے قبل ہم کئی قومیں ہلاک کر چکے ہیں پھر ایسا ہوا کہ (عذاب کے وقت) وہ پکارنے لگے، حالانکہ وہ نجات کا وقت نہ تھا۔ کافر متعجب ہیں کہ انھی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا ہے اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو ساحر ہے بڑا جھوٹا، اس نے تو سب الہوں کو ایک ہی اللہ بنا ڈالا، یہ کیسی عجیب بات ہے۔“

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳۳/۷، ح: ۳۶۵۵۳ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد: ۲۲۷/۱، ۲۲۸، ح: ۲۰۰۸۔ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۶۶۸۶، إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۴۳۲/۲، ح: ۳۶۱۷۔ السنن الكبرى للنسائي: ۲۳۵/۵، ح: ۸۷۶۹ و إسناده حسن لذاته]

اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیا کہ ”لا الہ الا اللہ“ کا کلمہ دعوت و تبلیغ بھی ہے اور تلوار اور جہاد بھی ہے۔

چنانچہ مشرکین مکہ تو حید کی دعوت سے بھی خائف تھے اور اس بات سے بھی ڈر رہے تھے کہ اگر یہ دعوت پھیل گئی تو اسلام کی حکمرانی قائم ہو جائے گی اور ہماری چودھراہٹ ملیا میٹ ہو جائے گی کیونکہ محمد ﷺ تو ابھی سے عرب و عجم فتح کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ قریشیو! سن لو! میں تمہیں ذبح کرنے آیا ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”کعبہ کے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار جمع تھے۔ میں بھی ان کے پاس وہاں موجود تھا۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں

شروع کر دیں۔ کہنے لگے: ”اس شخص نے ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں اور ہم نے نہیں دیکھا کہ ان تکلیفوں پر جس قدر ہم نے صبر کیا کسی اور نے بھی کبھی کیا ہو یہ شخص ہمارے دانشوروں کو بے عقل کہتا ہے، ہمارے باپ دادا کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین میں عیب جوئی کرتا ہے، ہمارے اتحاد میں اس نے تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے مشکل کشاؤں کو گالیاں دیتا ہے، ہمیں تو اس شخص نے ایک بہت بڑی مصیبت سے دو چار کر دیا ہے۔“

یہ لوگ ایسی ہی باتیں کر رہے تھے کہ کعبہ میں ان کے پاس اللہ کے رسول ﷺ بھی آگئے۔ آپ ﷺ سیدھے چلنے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو ہاتھ لگایا اور کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ طواف کرتے ہوئے جب آپ ﷺ ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر ازاراہ مذاق باہم آنکھوں سے اشارے کیے۔ اس حرکت کا جو رد عمل اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک پر ہوا، اسے بھی ان لوگوں نے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ دوسری بار بھی گزر گئے مگر جب آپ ﷺ تیسری بار گزرے اور انھوں نے وہی حرکت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ»

”اے قریش کے لوگو! کیا تم سنتے نہیں، اس رب کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں تمہیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں۔“

یہ جملہ قریشی سرداروں پر ایسا تازیانہ ثابت ہوا کہ وہ سب یوں ساکت و جامد ہو گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، حتیٰ کہ صورتحال یہ تھی کہ ان سرداروں میں سے جو سب سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ کو دعائیں دینے لگا، نرمی اور اطمینان سے باتیں کرنے لگا اور آخر میں کہنے لگا: ”اے ابو القاسم (ﷺ)! آپ کوئی نادان تھوڑے ہی ہیں، آپ تو بھلائی والے ہیں لہذا ان کو چھوڑ دیجیے۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ جب اگلا دن ہوا تو یہ قریشی سردار پھر وہیں

جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا تو اب یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ”ذرا کل کا منظر یاد کرو جو تم نے محمد (ﷺ) کے ساتھ کیا اور محمد (ﷺ) نے تمہیں جو جواب دیا.....؟ اور یاد کرو پھر جب تمہاری درگت بنی تو تم نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔“ الغرض، وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ جناب رسول کریم ﷺ تشریف لے آئے، اب آپ ﷺ کو دیکھتے ہی سارے مل کر آپ ﷺ کی طرف لپکے۔ آپ ﷺ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کہنے لگے: ”تو ہی وہ شخص ہے نا جس نے یہ بات کہی اور یوں بھی کہا، مشکل کشاؤں کی عیب چینی کی اور ہمارے دین میں بھی کیڑے نکالے؟“ آپ ﷺ نے یہ سن کر کہا: ”ہاں! میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ کہتا ہے۔“ چنانچہ میں نے اس وقت ایک شخص (عقبہ بن ابی معیط) کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر پکڑے مجمع میں گھس کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس خطرناک صورتحال میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قریب کھڑے ہو گئے، وہ رو رہے تھے اور قریشی سرداروں کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے:

﴿ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ ؟ ﴾

”کیا تم اس آدمی کو اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟“  
اس پر وہ لوگ آپ ﷺ سے پیچھے ہٹ گئے۔ یہ تھا وہ سخت منظر جس کا مشاہدہ میں نے کیا۔

[ مسند أحمد: ۲/۲۱۸، ح: ۷۰۳۶ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۶۵۶۷ و

إسناده حسن لذاته ]

صحیح بخاری (۳۶۷۸، ۳۸۱۵) کی ایک روایت میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط بدبخت نے اللہ کے رسول ﷺ کے گلے میں چادر ڈالی جس سے آپ کا گلا مبارک گھٹ کر رہ گیا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے اور اس بدبخت کو دفع کیا اور قریش کو مخاطب کر کے مندرجہ بالا الفاظ کہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک اجنبی پر دیسی:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب جناب ابوذر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی انیس سے کہا: ”مکہ جانے کے لیے سواری تیار کرو اور اس شخص کے متعلق میرے لیے خبریں حاصل کر کے لاؤ، جو نبی ہونے کا

مدعی ہے اور کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔ اس کی باتوں کو خود غور سے سنتا اور پھر میرے پاس آتا۔“ ان کے بھائی اپنے علاقے سے روانہ ہوئے، مکہ حاضر ہو کر رسول کریم ﷺ کی باتیں خود سنیں پھر واپس جیا کر انھوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرتے ہوئے بتلایا: ”میں نے انھیں خود دیکھا، وہ لوگوں کو اچھے اخلاق کا حکم کرتے ہیں اور میں نے ان سے جو کلام سنا وہ شعر نہیں۔“ اس پر ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”جس مقصد کے لیے میں نے تمہیں بھیجا تھا مجھے اس پر پوری طرح تشفی نہیں ہوئی۔“

آخر انھوں نے خود توشہ باندھا، پانی سے بھرا ہوا ایک پرانا مشکیزہ ساتھ لیا اور مکہ آ گئے، مسجد الحرام میں حاضری دی اور یہاں نبی کریم ﷺ کو تلاش کیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے انھوں نے کسی سے آپ ﷺ کے متعلق پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا، کچھ رات گزر گئی..... وہ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حالت میں دیکھا اور سمجھ گئے کہ کوئی مسافر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ”آپ میرے گھر چل کر آرام کیجئے۔“ ابو ذر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے چلے لیکن کسی نے ایک دوسرے کے بارے میں بات نہیں کی۔ جب صبح ہوئی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اپنا مشکیزہ اور توشہ اٹھایا اور مسجد الحرام میں آ گئے۔ یہ دن بھی یونہی گزر گیا اور وہ نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ شام ہوئی تو سونے کی تیاری کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ پھر وہاں سے گزرے اور سمجھ گئے کہ ابھی اپنے ٹھکانے پر جانے کا وقت اس شخص پر نہیں آیا، وہ انھیں وہاں سے پھر اپنے ساتھ لے آئے اور آج کے دن بھی کسی نے ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کی۔ جب تیسرا دن ہوا اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ یہی کام کیا اور اپنے ساتھ لے گئے تو ان سے پوچھا: ”کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟“ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اگر تم مجھ سے پختہ وعدہ کر لو کہ میری راہ نمائی کرو گے تو میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا۔“ علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا تو انھوں نے انھیں اپنے خیالات کی خبر دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بلاشبہ وہ حق پر ہیں اور اللہ کے سچے رسول (ﷺ) ہیں۔ اچھا! صبح تم میرے پیچھے پیچھے میرے ساتھ چلنا، اگر میں (راستے میں) کوئی ایسی بات دیکھوں جس سے مجھے تمہارے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو میں کھڑا ہو جاؤں گا (کسی دیوار کے قریب) گویا مجھے پیشاب کرنا

ہے، اس وقت تم میرا انتظار نہ کرنا اور جب میں پھر چلنے لگوں تو میرے پیچھے آجانا تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے کہ یہ دونوں اکٹھے ہیں اور اس طرح جس گھر میں داخل ہوا تم بھی داخل ہو جانا۔“ انھوں نے ایسا ہی کیا اور پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ علیؑ کے ساتھ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ابوذرؓ نے آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور وہیں اسلام لے آئے پھر رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اب اپنی قوم غفار میں واپس جاؤ اور انھیں میرے بارے میں بتاؤ یہاں تک کہ جب ہمارے غلبے کا علم تم کو ہو جائے (تو پھر ہمارے پاس آ جانا)“ ابوذرؓ نے عرض کیا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان قریشیوں کے مجمع میں پکار کر کلمہ توحید کا اعلان کروں گا۔“ چنانچہ جناب ابوذرؓ یہاں سے واپس مسجد حرام میں آئے اور بلند آواز سے کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“ یہ سنتے ہی سارا مجمع آپ پر ٹوٹ پڑا، ظالموں نے اتنا مارا کہ آپ کو زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں عباس (ؓ) آ گئے۔ انھوں نے ابوذرؓ کے اوپر اپنے آپ کو جھکا کر قریش سے کہا: ”افسوس! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ شخص قبیلہ غفار سے ہے اور شام جانے والے تمہارے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے جاتا ہے۔“ اس طرح انھوں نے مشرکین کے ہاتھوں سے ان کو بچایا۔ جناب ابوذرؓ نے دوسرے دن دوبارہ کعبہ میں آ کر پھر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ لوگ بری طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس دن بھی عباسؓ ان پر جھک گئے (اور انھیں بچایا)۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب اسلام أبي ذر رضي الله عنه : ۳۸۶۱۔ مصنف ابن

أبي شيبة : ۳۳۹/۷، ۳۴۰، ح : ۳۶۵۸۷، إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۷۱۳۳ صحیح ]

حکیم ضامد محمد کریم ﷺ کا علاج کرنے آیا مگر.....؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ضامد مکہ آیا۔ اس کا تعلق ”ازد شنوءہ“ قبیلے سے تھا اور وہ جنات کے آسیب کا علاج کیا کرتا تھا۔ مکہ کے احمق مشرک ضامد ازدی سے کہنے لگے: ”بے شک محمد (ﷺ) مجھوں ہے۔“ اس پر ضامد ازدی کہنے لگا: ”اگر میں اس بندے



(محمد ﷺ) کو دیکھ لوں تو شاید اسے اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے شفا دے دے۔“ چنانچہ ضماذ ازدی اللہ کے رسول ﷺ سے ملا اور کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) میں جنات کا دم کرتا ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا دے دیتا ہے، اگر آپ بھی رغبت رکھتے ہیں تو میں آپ کا علاج کر دیتا ہوں۔“ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے یہ خطبہ پڑھنا شروع کر دیا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمُدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. أَمَّا بَعْدُ!﴾

”بلاشبہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں کہ وہ اللہ جس کو ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو (اس کی کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ سن کر ضماذ ازدی اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگا: ”مجھے دوبارہ یہ کلمات سنائیے۔“ آپ ﷺ نے اسے دوسری بار یہ کلمات سنائے تو وہ کہنے لگا: ”میں نے کانوں کا کلام بھی سنا، جادوگروں اور شاعروں کا کلام بھی سنا مگر اے محمد! (ﷺ) میں نے تیرے اس کلام جیسا کلام آج تک نہیں سنا۔ یہ کلمات تو بلاغت کے سمندر کی گہرائیوں تک پہنچ گئے ہیں۔“ پھر کہنے لگا:

«هَاتِ يَدَكَ أَبَايَعُكَ عَلَى الْإِسْلَامِ﴾

”اپنا ہاتھ نکالے، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ نکالا تو ضماذ ازدی نے آپ ﷺ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آپ کی قوم کی بیعت بھی ہوگئی؟“ ضماذ ازدی نے کہا: ”جی ہاں! میری قوم کی بیعت بھی ہوگئی۔“ (یوں وقت گزرتا رہا پھر جب اللہ کے

رسول ﷺ مدینہ آ گئے) تو آپ ﷺ نے کہیں لشکر روانہ فرمایا، وہ لشکر ضماد ازدی کی قوم کے پاس سے بھی گزرا۔ لشکر کے کمانڈر تھے اپنے لشکر سے پوچھا: ”آپ لوگوں نے (مال غنیمت کے طور پر) ان لوگوں (ضماد ازدی کی قوم) سے تو کوئی چیز نہیں لی؟“ ایک شخص نے کہا: ”میں نے ان لوگوں سے ایک لوٹا لیا ہے۔“ کمانڈر نے کہا: ”لوٹا واپس لوٹاؤ، یہ ضماد کی قوم کے لوگ ہیں۔“

[ مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة ۸۶۸ - ابن حبان : ۶۵۶۸ و  
[إسناده صحيح]

### عورت اور دولت کے ڈھیر کی پیشکش:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ ایک روز قریش مکہ نے باہم مجلس کا انعقاد کیا تاکہ محمد (ﷺ) کا کوئی بندوبست سوچیں۔ گفتگو کے دوران قریشی کہنے لگے: ”کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو تم سب سے بڑھ کر جادو جاننے والا، تم سب سے زیادہ کہانت سے واقف اور تم سب سے زیادہ شاعری سے آگاہ ہو لہذا اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا ماہر شخص محمد (ﷺ) کے پاس جائے اور اسے باور کرائے کہ آپ نے ہماری جمعیت اور اتحاد ختم کر ڈالا ہے۔ ہمارے گھروں کے معاملات کو بکھیر کے رکھ دیا ہے اور ہمارے دین میں عیب اور نکتہ چینی کرنے کی انتہا کر ڈالی ہے۔ پھر ہمارا وہ نمائندہ محمد (ﷺ) سے مزید گفتگو کرے اور پھر دیکھے کہ اس کی گفتگو کا محمد (ﷺ) کیا جواب دیتا ہے؟“ اس تجویز کو تسلیم کرتے ہوئے سب کہنے لگے: ”عتبہ بن ربیعہ اس مقصد کے لیے زبردست دانشور ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اس مہم کا اہل ہو۔“ لہذا سب اتفاق کرتے ہوئے عتبہ بن ربیعہ سے کہنے لگے: ”اے ابو ولید! تو ہی اس کا اہل ہے۔“ اب ابو ولید عتبہ بن ربیعہ..... اللہ کے رسول گرامی جناب محمد کریم ﷺ کے پاس چلا آیا اور پھر نبی ﷺ اور اس کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:

عتبہ: ”اے محمد! (ﷺ) آپ بہتر ہیں یا آپ کے والد محترم عبد اللہ بہتر ہیں؟“

(آپ ﷺ خاموش رہے۔)

عتبہ: ”اچھا! تو پھر یہ بتلاؤ کہ آپ بہتر ہیں یا آپ کے دادا عبدالمطلب؟“

(آپ ﷺ خاموش رہے۔)

عتبہ: ”اے محمد! (ﷺ) اگر تو آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ سارے لوگ آپ سے بہتر ہیں تو پھر سن لیجئے! ان لوگوں نے ان بزرگ مشکل کشاؤں کی غلامی کی ہے جن پر آپ نکتہ چینی اور تنقید کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو پھر اس پر گفتگو کر لیجئے، تاکہ ہم بھی آپ کی گفتگو سے آگاہ ہو جائیں۔ باقی اے محمد! (ﷺ) اللہ کی قسم! بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں آج تک کوئی ایسا پیدا ہونے والا نہیں دیکھا کہ آپ (ﷺ) سے بڑھ کر جس سے اس کے گھروالوں نے محبت کی ہو۔ اسی طرح آپ سے بڑھ کر ہم نے ایسا بھی کوئی نہیں دیکھا کہ جو اپنی قوم کے لیے اتنا منحوس ثابت ہوا ہو۔ آپ (ﷺ) نے ہماری اجتماعیت کو پارہ پارہ کر دیا، ہمارے معاملات کو منتشر کر دیا، ہمارے مذہب کو نکتہ چینی کا محور بنا دیا۔ ہمیں ساری عرب دنیا میں رسوا کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں ایک بہت بڑا جادوگر اور کاہن ہے۔ اب ہماری قوم کی صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ جس طرح حاملہ عورت کے دن پورے ہو جاتے ہیں تو گھر کا ہر فرد منتظر ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت اس کی چیخ نکلے گی اور وہ بچہ کو جنم دے ڈالے گی..... یہی حال ہماری قوم کا ہو چکا ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر کسی بھی وقت تلواریں سونت لیں گے حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، اے محمد! (ﷺ) آپ نے ملاحظہ کیا کہ تمہارے عمل سے ہماری قوم کس قدر خطرناک صورت حال سے دوچار ہو چکی ہے؟ لہذا میری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ ضرورت مند ہیں تو ہم آپ کے لیے دولت اکٹھی کرتے ہیں، اتنی دولت کہ آپ سارے قریش کے لوگوں سے بڑھ کر امیر ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو شادی کی ضرورت ہے تو قریش کی عورتوں میں سے کسی کی طرف اشارہ کیجئے ہم اس جیسی دس دوشیزاؤں کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔“

اللہ کے نبی ﷺ نے یہ ساری گفتگو سن کر عتبہ سے کہا: ”کوئی بات رہ تو نہیں گئی، کیا آپ نے اپنی گفتگو مکمل کر لی ہے؟“ عتبہ نے کہا: ”ہاں! میں نے اپنی بات مکمل کر لی ہے۔“ اب اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور سورہ حم السجدہ کی پہلی تیرہ آیات

تلاوت فرمائیں۔

قرآن سن کر عتبہ کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) یہ جو تیرے پاس تھا یہ تو میں نے سن لیا، اس کے علاوہ کچھ اور بھی آپ کہیں گے۔“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”بالکل نہیں۔“

اب عتبہ یہاں سے اٹھا اور سیدھا قریش کی مجلس میں جا پہنچا۔ اہل مجلس نے عتبہ سے پوچھا: ”کیسی رہی بات چیت اور کیا جواب لایا ہے؟“ عتبہ کہنے لگا: ”باتیں تو میں نے بھی وہی کی ہیں جو تم محمد (ﷺ) سے کیا کرتے ہو، کوئی نئی بات تو نہیں کی۔“ اہل مجلس بولے: ”اچھا پھر یہ بتلا کہ محمد (ﷺ) نے تجھے کیا جواب دیا؟“ عتبہ کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا جو محمد (ﷺ) کہتا رہا، ہاں البتہ اتنا سمجھ میں آیا کہ جب محمد (ﷺ) نے یہ کہا:

﴿أَنْذَرْتُمْ صُحُفَةً قَبْلَ صُحُفَةِ عَادٍ وَنُوحًا﴾ [ختم السحرة: ۱۳/۴۱]

”میں تمہیں اس زبردست چنگھاڑ والے عذاب سے ڈراتا ہوں، جس طرح کے عذاب کا شکار قوم عاد اور ثمود ہوئے تھے۔“

اہل مجلس عتبہ سے کہنے لگے:

﴿وَيْلَكَ يُكَلِّمُكَ رَجُلٌ بِالْعَرَبِيَّةِ فَلَا تَدْرِي مَا قَالَ﴾

”تیرا استیانتاں! ایک شخص تجھ سے عربی میں باتیں کرتا رہا اور تجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہتا رہا؟“

عتبہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! بالکل نہیں، محمد (ﷺ) نے جو کہا مجھے ماسوائے ”صاعقہ“ کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۱/۷، ۳۳۲، ح: ۳۶۵۴۹، إسناده حسن لذاته۔

مسند ابی یعلیٰ: ۲/۲۰۳، ۲۰۴، ح: ۱۸۱۲، إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم:

۲/۲۰۳، ۲۰۴، ح: ۳۰۰۲، إسناده حسن لذاته۔ الذیال بن حرملۃ الأسدی صدوق

حسن الحدیث وثقہ ابن حبان والحاکم والذہبی بتصحیح حدیثہ ۲]

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ نے عتبہ کی بات کو پوری طرح سنا، جب وہ سنا چکا تو پھر بھی پوچھا کہ اگر کوئی بات رہ گئی ہے تو کر لے۔ اس سے سبق یہ ملا کہ مخاطب یا مخالف کی بات پوری طرح سنا چاہیے۔ بعض لوگ جلدی کرتے ہوئے درمیان ہی میں بولنا شروع کر دیتے

ہیں، پھر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا۔ رسول کریم ﷺ کا اسوہ آپ نے ملاحظہ کیا، دراصل مخاطب یا مخالف اپنے اندر جو مواد بھرے ہوئے ہے وہ اگل دے تو پھر اس گفتگو کی روشنی میں اسے سمجھانا آسان ہو جاتا ہے اور اپنی بات زیادہ بہتر انداز سے بیان کی جاسکتی ہے۔ نیز اس طرح مخالف کو چپ کرایا جاسکتا ہے اور وہ بھی آرام سے بیٹھ کر سنتا ہے۔ اب وہ اس مصیبت سے دوچار نہیں ہوتا کہ میری تو بات پوری ہی نہیں ہوئی، اگر اس کی بات پوری نہ سنی جائے گی تو وہ اسی خلجان میں مبتلا رہے گا کہ اس کی بات تو ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ حضرت بول پڑے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کی سیرت کے ہر پہلو پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

جنوں نے قرآن سنا اور مسلمان ہو گئے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے نہ تو جنوں کے سامنے قرآن پڑھا اور نہ انھیں دیکھا۔ ہوا اس طرح کہ اللہ کے رسول گرامی محمد کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ”عکاظ منڈی“ میں جانے کا ارادہ کیا (جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع تھی، یہاں میدان میں عربوں کا میلا لگتا تھا) شیطان جو آسمان کی خبریں چرا کر لاتے تھے اس دور میں انھیں آسمان کی خبریں چرانے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ جو نبی کوئی خبر چرانے کی کوشش کرتے تو ان پر شہاب چھوڑے جاتے۔ جب وہ جن اپنی قوم کے پاس پلٹ کر آئے تو ان کی قوم کے لوگوں نے ان سے پوچھا: ”تمہارا آسمان کا دورہ کیسا رہا؟“ انھوں نے جواب دیا: ”آسمان کی خبروں کے حاصل کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے اور ہم پر شہاب چھوڑے گئے ہیں۔“

انھوں نے کہا: ”یہ جو غیر معمولی صورتحال پیدا ہو گئی ہے، یہ ایسے ہی پیدا نہیں ہوئی بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خاص واقعہ رونما ہو چکا ہے، لہذا اے قوم کے لوگو! زمین کے مشرقوں میں بھی جاؤ اور مغربوں میں بھی جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا خاص واقعہ رونما ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں آسمان کی خبریں لینے سے روک دیا گیا ہے۔“ چنانچہ وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کی جانب نکل کھڑے ہوئے..... ان گھومنے والوں کا ایک گروہ ”وادی تھامہ“ کی طرف بھی

آنکلا۔ عکاظ منڈی کی طرف جاتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اس وادی ”نخلہ“ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں جنوں کے گروہ نے قرآن کی تلاوت سنی۔ اب وہ پورے انہماک سے سننے لگ گئے تو انہوں نے کہا: ”یہ ہے وہ شخص (محمد کریم ﷺ) جس کی وجہ سے آسمان کی خبریں (فرشتوں کی باتیں) سننے سے ہمیں روکا گیا ہے۔“ اب وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور وہاں جا کر کہنے لگے: ”اے ہماری قوم کے لوگو!

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾

[الحن: ۲۰۱/۷۲]

”ہم نے ایک عجب قرآن سنا ہے، وہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اب بات یہ ہے کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ فیصلہ یہ کر لیا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بتلانے کے مطابق اس واقعہ کے بارے میں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو وحی کے ذریعہ باخبر فرمایا اور اللہ نے محمد کریم ﷺ کو یوں مخاطب کیا:

﴿قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْمُكَ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ [الحن: ۱/۷۲]

”میرے نبی! لوگوں کو بتلا دو کہ مجھے وحی کے ذریعے آگاہ کیا گیا ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے قرآن کو غور سے سنا تو وہ پکار اٹھے کہ ہم نے تو بڑا عجب قرآن سنا ہے۔“

[بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ ﴿قل أوحى إلی﴾ [باب: ۴۹۲۱]

قارئین! سورۃ جن کے علاوہ سورۃ احقاف میں بھی جنوں کے قرآن سننے کا ذکر موجود ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو جنات کے قرآن سننے، مسلمان ہونے اور پھر اپنی قوم کو عذاب سے ڈرانے کی خبر سے یوں آگاہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْعِمِّنِ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصَتُوا

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ﴾ [الاحقاف: ۲۹/۴۶]

”میرے نبی! یاد کرو وہ وقت کہ جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کا رخ بدلا اور اس جماعت کو تمہارے پاس لے آئے، وہ قرآن کو بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔

جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے تو ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے خاموشی سے سو۔ پھر جب (قرآن سننے سنانے کا منظر) اختتام کو پہنچا تو یہ جن (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔“

تیرے لیے سونے کا محل ہو تو ایمان لائیں گے:

﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ ۖ كَمَا نَزَّلْنَا آلَٰهًا مِثْلًا لِّذٰلِكَ ۚ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي السَّمَاءِ مُّسَوِّمِينَ ۗ أَوَلَمْ يَكُن لَّكَ بَيْتٌ مِّن دُونِ الَّذِي بَنَيْنَا لَكُم مِّن بَنِي آدَمَ لِيُذَكَّرَ ۗ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَيْتُ مَعَ آدَمَ حَتَّىٰ إِذْ جَاءَهُمْ إِلَهَاهُمْ يُخَبِّرُهُمْ أَنَّ إِلَهُكُمُ الَّذِي بَنَىٰ لَكُم مِّن بَنِي آدَمَ لِيُذَكَّرَ ۗ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَيْتُ مَعَ آدَمَ حَتَّىٰ إِذْ جَاءَهُمْ إِلَهَاهُمْ يُخَبِّرُهُمْ أَنَّ إِلَهُكُمُ الَّذِي بَنَىٰ لَكُم مِّن بَنِي آدَمَ لِيُذَكَّرَ ۗ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَيْتُ مَعَ آدَمَ حَتَّىٰ إِذْ جَاءَهُمْ إِلَهَاهُمْ يُخَبِّرُهُمْ أَنَّ إِلَهُكُمُ الَّذِي بَنَىٰ لَكُم مِّن بَنِي آدَمَ لِيُذَكَّرَ ۗ أَلَمْ يَكُن لَّكَ الْبَيْتُ مَعَ آدَمَ حَتَّىٰ إِذْ جَاءَهُمْ إِلَهَاهُمْ يُخَبِّرُهُمْ أَنَّ إِلَهُكُمُ الَّذِي بَنَىٰ لَكُم مِّن بَنِي آدَمَ لِيُذَكَّرَ ۗ﴾ [الإسراء: ٩٠ تا ٩٥]

”اور کہنے لگے ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دیں، یا آپ کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو تو آپ اس میں جا بجا نہریں بہا دیں، یا آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دیں جیسے آپ کا دعویٰ ہے، یا اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں، یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو، یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے حتیٰ کہ آپ ہم پر کتاب اتار لائیں جس کو ہم پڑھ لیں۔ (میرے رسول!) انھیں بتلا دو! پاک ہے میرا رب، میں تو محض ایک انسان ہوں، پیغام پہنچانے والا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد انھیں ایمان لانے سے صرف یہی بات روکتی رہی کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آگاہ کر دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ان کے لیے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔“

روح کیا ہے؟:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش کے لوگوں نے یہودیوں سے کہا: ”ہمیں کوئی سوال بتلاؤ جو ہم محمد ﷺ سے کریں۔“ انھوں نے کہا: ”محمد ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کرو۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

[الإسراء: ۸۵/۱۷]

”لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، آگاہ کر دو! روح میرے رب کا حکم ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔“

اس پر یہودی کہنے لگے: ”ہمیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے؟ حالانکہ ہمیں تو تورات دی گئی ہے جس میں اللہ کا حکم ہے اور جس کو تورات دی گئی اسے خیر کثیر سے نواز دیا گیا۔“

یہود کے اس تبصرے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کا یہ مقام اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْعَرَبُ مَدَدًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْعَرَبُ قَبْلَ أَنْ تَقْدَمَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِبَيِّنَاتٍ مَدَدًا﴾ [الكهف: ۱۸/۱۰۹]

”کہہ دیجیے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا خواہ اتنی ہی اور سیاہی لائی جائے۔“

[ترمذی، کتاب تفسیر، القرآن (باب) و من سورة بنی اسرائیل : ۳۱۴۰ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ۲۵۵/۱، ح : ۲۳۰۹ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۵۳۱/۲، ح : ۳۹۶۰۔ ابن حبان : ۹۹ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ یہود کو باور کرا رہے ہیں کہ تمہاری سوچ انتہائی محدود ہے۔ تورات اپنی جگہ تمہاری ہدایت کے لیے خیر کثیر ہے لیکن اللہ نے یہ جو کائنات بنا رکھی ہے اور اس میں بے شمار مخلوقات کو آباد کر رکھا ہے تو ان میں کارفرما اللہ کے کلمات یعنی اللہ کی قدرتوں، حکمتوں اور عجائبات کو ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیا جائے تو وہ لکھے نہ جاسکیں جیسا کہ سورہ



لقمان میں بھی آگاہ کیا گیا کہ زمین پر موجود تمام درخت قلمیں بن جائیں اور زمین پر موجود سمندر کے علاوہ سات مزید سمندر سیاہی بن جائیں پھر ان سے اللہ کی قدرتوں کو لکھا جائے تو قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں، سیاہیاں ناپید ہو جائیں مگر اللہ کی قدرتیں اور حکمتیں ختم نہ ہوں۔ آج نت نئے انکشافات کی بنا پر سائنس کی اقسام میں متواتر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور اتنی ترقیوں اور سائنس کے بہت سارے نئے علوم کے باوجود سائنس دان کہتے ہیں کہ کسی علم کا ایک پردہ منکشف ہوتا ہے تو آگے بے شمار پردے منتظر ہوتے ہیں، یوں ہم تو ابھی کائنات میں موجود قدرتوں اور عجائبات کے آغاز ہی کو تکتے ہوئے محو حیرت ہیں۔

چاند دو ٹکڑے ہو گیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکہ کے لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں کوئی نشانی دکھائیں، اس پر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو چاند کا پھٹا دکھایا۔

[بخاری، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین أن یرہم النبی ﷺ..... الخ: ۲۶۳۷]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ کر تقسیم ہو گیا۔ اس پر جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم سب گواہ ہو جاؤ۔“

[بخاری، کتاب المناقب، باب سوال المشرکین أن یرہم النبی ﷺ..... الخ: ۲۶۳۶۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر: ۲۸۰۰]

وہ آگ کا گڑھا اور پروں والے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو جہل اپنے لوگوں سے پوچھنے لگا: ”کیا محمد ﷺ تم لوگوں کی موجودگی میں سجدہ کرتا اور اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”ہاں!“ اس پر ابو جہل کہنے لگا: ”لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے محمد ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی گردن کچل ڈالوں گا، یا اس کا چہرہ مٹی میں لت پت کر دوں گا۔“

چنانچہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ آ کر نماز پڑھنے لگے تو ابو جہل نے سجدے میں آپ ﷺ کی گردن مبارک کو کچلنا چاہا، وہ آگے بڑھا پھر لٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا اور ساتھ ہی وہ دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھے اپنا چہرہ بچا رہا تھا۔ لوگوں نے ابو جہل سے پوچھا: ”تجھے کیا

ہوا؟“ وہ کہنے لگا: ”میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کا گڑھا، خوف اور پروں والے حائل ہو گئے۔“ اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ دَنَا مِنِّي لَأَخْتَطَفْتُهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا»

[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب قوله «لَنْ يَأْتِيَ بِالنَّاسِ لِيُطْفِئُوا نَارَ اللَّهِ أَنْ رَأَوْا اسْتَفْتَنِي» : ۲۷۹۷۔ مسند أحمد : ۲/ ۳۷۰، ح : ۸۸۱۷۔ السنن الكبرى للنسائي : ۱۰/ ۳۳۹، ح : ۱۱۶۱۹۔ ابن حبان : ۶۵۷۱، إسناده صحيح]

”اگر وہ میرے قریب بھی آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔“

**توحید کا وعظ اور ابولہب کی کینگی :**

حضرت طارق بن عبد اللہ الحارثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ لباس پہنے ذوالحجاز کے بازار میں دیکھا جب کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔“ ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پتھر برسارہا تھا، جس نے آپ ﷺ کی ایڑیاں اور نٹخے لہو لہان کر دیے، وہ کہہ رہا تھا: ”لوگو! اس جھوٹے کی بات نہ مانو۔“ میں نے پوچھا: ”یہ شخص کون ہے؟“ مجھے بتایا گیا: ”یہ بنو عبدالمطلب کا جوان ہے۔“ میں نے پوچھا: ”یہ پیچھے سے پتھر مارنے والا شخص کون ہے؟“ مجھے بتایا گیا: ”یہ عبدالعزیٰ ابولہب ہے۔“

وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو ہم اپنے علاقے سے نکلے اور مدینہ منورہ کے قریب ٹھہرے جب کہ ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے کی ایک عورت بھی تھی۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ سفید لباس میں ملبوس ایک شخص نے ہمیں سلام کہنے کے بعد پوچھا: ”کہاں سے تشریف لائے ہو؟“ ہم نے بتایا: ”ہم ربذہ مقام سے آئے ہیں۔“ ہمارے پاس ایک اونٹ تھا، اس نے سوال کیا: ”کیا تم یہ اونٹ بیچو گے؟“ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا: ”کتنی قیمت کا دو گے؟“ ہم نے کہا: ”کھجور کے اتنے صاع کا بیچیں گے۔“ اس نے ہم سے قیمت کی کمی کا مطالبہ کیے بغیر اونٹ لے لیا اور بولا: ”میں نے یہ اونٹ خرید لیا ہے۔“ اس کے بعد وہ مدینہ کی گھاٹیوں میں چھپ گیا۔ ہم ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم نے ایک اجنبی شخص کو اونٹ فروخت کر دیا ہے۔ ہمارے قافلے میں شامل

ایک عورت نے کہا: ”آپس میں ملامت نہ کرو کیونکہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے، یہ تمہیں ذلیل نہیں کرے گا، میں نے اس کے چہرے سے بڑھ کر کوئی چیز چودھویں رات کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھی۔“ وہ بیان کرتے ہیں کہ سہ پہر کے وقت ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر سلام کہا اور بتایا: ”میں رسول اللہ ﷺ کا ایلچی ہوں، آپ ﷺ کا پیغام ہے کہ تم سیر ہو کر کھجوریں کھاؤ اور ماپ کر قیمت کا پورا حق وصول کرو۔“ صحابی کہتے ہیں: ”ہم نے سیر ہو کر کھجوریں بھی کھائیں اور کھجوریں ماپ کر قیمت کا پورا حق وصول کیا۔“

[ ابن حبان: ۶۵۶۲، مسندك حاکم: ۱۰۵/۱، ح: ۳۹، اسنادہ حسن

لذاتہ۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۳/۷، ح: ۳۶۵۵۴، اسنادہ صحیح ]

**فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باپ کی کمر سے اوجھڑی ہٹانا:**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول کریم ﷺ بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرما رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دن پہلے ہی اونٹوں کی قربانی ہوئی تھی۔ ابو جہل اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ”تم میں سے کون ہے جو اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائے تو وہ ان کے کندھوں پر اوجھڑی رکھ دے؟“ ایک بد بخت اٹھا، اونٹ کی اوجھڑی لایا اور جب اللہ کے رسول گرامی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی کو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ اس پر ابو جہل اور اس کے ساتھی ہنسنے اور ایک دوسرے کو ہنسانے لگے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش! مجھ میں ہمت ہوتی تو میں اللہ کے رسول ﷺ کی کمر مبارک سے اس اوجھڑی کو ہٹا دیتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ بدستور سجدے میں پڑے تھے۔ آپ ﷺ اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ ایک شخص جلدی سے گیا اور اس نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کم عمر بچی تھیں، وہ دوڑتی ہوئی آئیں، انہوں نے آتے ہی اپنے ابو پر سے اوجھڑی کو ہٹایا، پھر وہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کو برا بھلا کہنے لگیں، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی نماز پوری کر لی تو آپ ﷺ ابو جہل

اور اس کے ساتھیوں کو بد دعا دینے لگے۔ آپ ﷺ کی آواز اونچی ہو گئی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب دعا کرتے تو تین بار کرتے اور جب اپنے رب سے مانگتے تو تین بار مانگتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تین بار قریش کے لیے یہ کہتے ہوئے بد دعا کی:

«اللَّهُمَّ عَلَيكَ بِقُرَيْشٍ»

”اے اللہ! قریش سے نبٹ۔“

ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے جب رسول کریم ﷺ کی آواز کو سنا تو ان کی ہنسی عاب ہو گئی اور وہ آپ ﷺ کی بد دعا سے ڈرنے لگے۔ اب آپ ﷺ نے سب کا نام لے کر بد دعا کی:

«اللَّهُمَّ عَلَيكَ يَا أَبِي جَهْلٍ بِنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بِنِ رَبِيعَةَ وَ شَيْبَةَ بِنِ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدِ بِنِ عُتْبَةَ وَأُمِّي بِنِ حَلْفٍ وَعُتْبَةَ بِنِ أَبِي مُعَيْطٍ»

”اے اللہ! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابی بن

خلف اور عتبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر!“

آپ ﷺ نے ساتویں کا بھی نام لیا، وہ نام صحیح بخاری (۵۲۰) میں یوں ہے، اے اللہ! عمار بن ولید کو پکڑ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس رب کی قسم، جس نے محمد کریم ﷺ کو حق دے کر بھیجا! اللہ کے رسول ﷺ نے جن لوگوں کے نام لیے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ بدر کے میدان میں لاشیں بنے پڑے تھے، پھر یہ سب گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں، جس کا نام ”قلیب“ تھا، پھینک دیے گئے۔“

[ بخاری، کتاب الجہاد والسیرہ، باب الدعاء علی المشرکین ..... الخ : ۲۹۳۴،

۲۶۰۔ طبرانی اوسط : ۱/۲۳۲، ح : ۷۶۲ حسن ]

قارئین کرام! بیٹیوں کا باپ سے کچھ زیادہ ہی پیار ہوتا ہے، اسی محبت میں دوڑتی ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابو جان کے کندھوں سے اوچھڑی کو ہٹایا اور مشرکین کو برا بھلا کہا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بد دعا کا نتیجہ مولا کریم نے جہاد و قتال کے میدان میں دکھلایا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اوچھڑی رکھے جانے کے واقعہ کے گواہ تھے، وہ اس وقت تو ایک بے بس لڑکے تھے، آج عرش والے رب نے دو لڑکوں معاذ اور معوذ کے ہاتھوں ابو جہل کو

مروایا اور جب اسے ذبح کرنے کا وقت آیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کی چھاتی پہ بیٹھ گئے۔ اس وقت ابھی اس کا سانس چل رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ساتھ ابو جہل کی گردن کو ذرا نیچے سے کاٹا اور مغرور گردن کو کندھوں سے جدا کر دیا، مبارک کندھوں پر اوجھڑی رکھنے کا یہ کیا خوب بدلہ تھا، ہاں رب نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا نتیجہ بے شک کئی سال بعد دکھایا لیکن جہاد کے میدان میں مجاہدین کے ہاتھوں سے۔

جس جس پر کنگر گرا وہ میدان بدر میں مردار ہوا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش کے سردار حجر یعنی حطیم (وہ جگہ جو کعبہ تعمیر کرتے ہوئے کعبہ کی عمارت میں شامل نہ کی جاسکی) میں اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے لات، عزی، منات اور اساف و نائلہ کے بتوں کی قسمیں کھائیں اور عہد کیا کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو ہم سارے لوگ اکٹھے ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیک باہرگی جھپٹیں گے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک قتل نہیں کر لیں گے چھوڑیں گے نہیں۔ اس صورتحال کا پتا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چلا تو وہ رو کر اپنے ابا جان سے کہنے لگیں: ”قریش کے ان سرداروں نے آپ کے خلاف عہد کیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نبی دیکھیں گے، قتل کر دیں گے، ان میں سے ہر آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں اپنا حصہ ڈالے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی زبان سے یہ خبر سنی تو ان سے پانی منگوا کر وضو کیا اور پھر بیت اللہ شریف میں داخل ہو گئے، سرداران قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا: ”یہی ہیں وہ۔“ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں جھک گئیں، ان کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے جا لگیں، وہ جس جگہ مجلس جما کے بیٹھے تھے وہیں مارے خوف کے کاٹنے لگے۔ نہ تو ان میں سے کسی نے نگاہ اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے کو کھڑا ہوا۔ اس کے برعکس ہوا یہ کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چل کر ان کے پاس گئے اور ان کے سروں پہ جا کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کو مٹھی میں لیا اور بلند آواز سے کہا:

« شَاهَتِ الْوُجُوهُ »

”چہروں کا ستیاناس۔“

اور یہ کنکروں بھری مٹی کی مٹھی ان پر دے ماری۔ ان کنکروں میں سے جس جس کو بھی کوئی کنکر لگا وہ بدر کے دن کفر کی حالت پر قتل ہو گیا۔

[ مسند احمد : ۳۰۳/۱، ۳۶۸، ح : ۲۷۶۵ ] اسنادہ حسن لذاتہ، ح : ۳۴۸۴ و  
[ اسنادہ صحیح - ابن حبان : ۶۵۰۲، صحیح - مستدرک حاکم : ۱۶۳/۱، ح : ۵۸۳ ]

لوہے کا لباس اور دھوپ مگر بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر احد، احد :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”وہ پہلے لوگ جنہوں نے اعلانیہ کہا کہ ہم

مسلمان ہیں، وہ سات تھے :

- (۱) رسول کریم ﷺ
- (۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
- (۳) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
- (۴) حضرت عمار کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا
- (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ
- (۶) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ
- (۷) حضرت بلال رضی اللہ عنہ

جہاں تک رسول کریم ﷺ کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے چچا ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کی وجہ سے حفاظت میں رکھا۔ باقی جو مسلمان تھے انہیں مشرکوں نے پکڑا، لوہے کے لباس پہنائے اور تپتی ریت پر دھوپ میں ڈال کر سخت اذیت سے دوچار کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے کی انتہا کر دی گئی۔ مشرکین نے ان کی اہانت کے لیے دو لڑکوں کو ان کے ساتھ لگا دیا، وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کی گھاٹیوں میں گھماتے (تا کہ لوگ ان کا حشر دیکھیں کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کا انجام کیا ہے؟) مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے باوجود احد، احد کا اعلان کرتے جاتے۔“

[ مصنف ابن ابی شیبہ : ۳۳۸/۷، ح : ۳۶۵۸۲ ] اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان :  
۷۰۸۳ ] اسنادہ حسن لذاتہ۔ مستدرک حاکم : ۲۸۴/۳، ح : ۵۲۳۸ ] اسنادہ حسن  
لذاتہ۔ مسند احمد : ۴۰۴/۱، ح : ۳۸۳۱ ] اسنادہ حسن لذاتہ ]

مشرك نے موجد کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر لپیٹے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور ہمارے لیے دعا کیجیے اور مدد کی درخواست کیجیے۔“ اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

”تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر اس موجد بندے کو اس میں گاڑ دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اسے اس کے سر کے وسط میں رکھ کر سر دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ مصیبت کا یہ پہاڑ بھی اس توحید والے کو توحید سے برگشتہ نہ کر سکتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ گوشت کو اڈھیر دیا جاتا، نیچے ہڈیاں نظر آنا شروع ہو جاتیں مگر اہل توحید پھر بھی دین نہ چھوڑتے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَاللّٰهُ ! لَيَتَمَنَّ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوْ الذُّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَ لَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ »

[ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام: ۳۶۱۲، ۳۸۵۲ ]

”اللہ تبارک و تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا کرے گا حتیٰ کہ یہ وقت بھی آئے گا کہ کوئی سوار صنعاء سے لے کر حضرموت تک سفر کرے گا تو اسے سوائے اللہ کے کسی کا ڈرنہ ہوگا اور اسے اپنی بھینروں پر بھینڑیے کا خطرہ نہ ہوگا لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم جلدی کر رہے ہو۔“

قارئین! یاد رہے! جب اسلام اللہ کی زمین پر مکمل طور پر غالب ہوتا ہے، اللہ کی حدود کا نظام قائم ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں امن اور سکون معاشرے کا مقدر بنتا ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ چاہے کوئی تجارت کے لیے سونے سے بھری

اشرفیوں کی بوری ہمراہ لیے دور دراز کا سفر کرے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا صحابہ پر جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو اس دوران افریقہ کے ایک ملک حبشہ کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی، کیونکہ وہاں کا بادشاہ نیک دل اور خدا ترس تھا، آئیے! ہجرت حبشہ کے حالات ملاحظہ کرتے ہیں۔

### حبشہ کی طرف ہجرت:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ (حبشہ میں ہجرت کے دن ختم ہونے کے بعد مدینہ آنے پر) حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے (عیسائیوں کے) ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انھوں نے بتلایا کہ اس گرجے میں تصویریں تھیں۔ ان تصویروں کا ذکر جب انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَيْكَ إِذَا سَكَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ، بَنُوا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ فَأَوْلَيْكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

[بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیۃ..... الخ: ۴۲۷]

”ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے پھر وہاں ایسی تصویریں بنا دیتے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں شریر ترین ہوں گے۔“

قارئین کرام! آپ نے حبشہ میں ایک منظر ملاحظہ کر لیا، جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں اور ہماری روحانی ماؤں نے دیکھا، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تبصرہ بھی ملاحظہ کر لیا جو اپنے اندر سخت ترین وعید لیے ہوئے ہے۔ ہجرت حبشہ کے باقی مناظر حدیث کی دیگر کتب میں تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ مشرکین مکہ نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کی کوشش کی مگر نجاشی نے جب اپنے دربار میں مشرکوں کے نمائندوں کا موقف سننے کے بعد مسلمانوں کا موقف سنا تو مسلمانوں کو مشرکوں کے



حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا موقف پیش کیا اور واضح کیا کہ ہم توحید کو ماننے والے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ الغرض، مسلمان اچھے طریقے سے وہاں رہتے رہے تا آنکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ اس اولین قافلہ ہجرت کے امیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ مہاجرین کا یہ گروہ بحر احمر کی بندرگاہ شعبیہ سے دو کشتیوں کے ذریعے حبشہ میں داخل ہوا۔ یہ مقام جدہ کے قریب تھا۔ دوسری دفعہ مکہ سے جو لوگ ہجرت کر کے حبشہ پہنچے ان میں اسی افراد تھے۔

یمن کے رہنے والے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں کیسے پہنچے؟ ان کا تذکرہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی (۴۲۳۰، ۴۲۳۱، ۴۲۳۲، ۴۲۳۳) میں اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں اطلاع ملی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ) جانے لگے ہیں تو اس وقت ہم یمن میں تھے۔ ہم بھی ہجرت کی نیت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نکل کھڑے ہوئے۔ قافلے میں میں اور میرے دو بھائی بھی موجود تھے۔ میں دونوں سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی کا نام ابودرداء تھا اور دوسرے کا ابو رہم تھا ہماری تعداد پچاس سے اوپر تھی، باون یا تیرپن ہوں گے۔ میری قوم کے لوگ بھی اس قافلے میں تھے۔ ہم کشتی پر سوار ہو گئے لیکن (اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ حجاز کی بندرگاہ کی بجائے) ہماری کشتی نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لا پھینکا، وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ہو گئی۔ انھوں نے کہا ہمارے ساتھ ہی ٹھہر جاؤ چنانچہ ہم انھی کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے اور پھر ہم سارے اکٹھے ہی واپس (مدینہ منورہ) میں آئے، جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے۔

محمد (ﷺ) کا انکار کرو، تب قرض لوٹاؤں گا:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بتلاتے ہیں: ”میں لوہاروں والا کام کرتا تھا، عاص بن وائل نے میرا قرضہ ادا کرنا تھا۔ چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور اپنا قرض مانگا۔ عاص بن وائل مجھ سے کہنے لگا: ”تو محمد (ﷺ) کو نبی ماننے سے انکار کر دے میں تیرا قرض دے دوں گا۔“ یہ سن کر میں نے کہا: ”میں تو آپ (ﷺ) کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تو مرجائے اور تجھے دوبارہ اٹھایا جائے۔“

عاص بن وائل (مذاق کرتے ہوئے) کہنے لگا: ”کیا مرنے کے بعد بھی میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا؟ اچھا! تو تو پھر انتظار کر، جب میں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے مال اور اولاد کی طرف لوٹوں گا تو تب تجھے تیرا قرض دوں گا۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۗ أَلَمْ نَكُفِ بِأَمْرِ إِخْتِدَاعِ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۗ كَلَّا سَتَكُنُّ مَأْيُتًا وَمَنَّا لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدَدًا ۗ وَتَرَىٰ فِي مَقَابِلِكُم مَّا تَدْعُونَ وَيَأْتِينَا قُرُودًا ﴿٨٠﴾﴾ [مریم: ۱۹/۷۷ تا ۸۰]

”بھلا آپ نے اس شخص پر بھی غور کیا جو ہماری آیات کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد ضرور دیا جائے گا؟ کیا اسے غیب کا پتا چل گیا ہے، یا اس نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے؟ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اسے لکھ لیں گے اور اس کا عذاب بڑھا دیں گے اور جس (مال و اولاد) کی یہ بات کرتا ہے اس کے وارث تو ہم ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا۔“

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ.....﴾ الخ: ۴۷۳۲۔  
مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب سؤال اليهود..... الخ: ۲۷۹۵]

قارئین کرام! مسلمانوں کو جہاں جسمانی نقصان پہنچایا جا رہا تھا وہاں مالی نقصان سے بھی دو چار کیا جا رہا تھا، جس طرح کہ عاص بن وائل مشرک نے کیا۔ اس نے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے عقیدے کا مذاق اڑایا اور کہا کہ اچھا تو پھر جب میں زندہ ہو جاؤں گا تو قرض کے پیسے دے دوں گا۔ اللہ کے دین کی وجہ سے آج تک اہل دین کو مالی نقصان سے دو چار کیا جا

رہا ہے، کبھی اکاؤنٹ منجمد، کبھی اثاثے ضبط اور کبھی ان کی مالی امداد پر پابندی لیکن اللہ والے نہ پہلے کبھی باز آئے تھے، نہ آج آرہے ہیں اور نہ قیامت تک آئیں گے۔

ہم بتوں کو غلاظت میں لت پت کر دیتے:

حضرت علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اسامہ بن زید اور میں، ہم دونوں کعبہ کے گرد رکھے ہوئے قریش کے بتوں کی خبر لینے جایا کرتے تھے۔ ہم غلاظت لے کر قریش کے بچے بتوں کے پاس جاتے اور ان بتوں کو غلاظت سے لت پت کر دیتے۔ قریش مکہ یہ دیکھ کر سخ پا ہو جاتے اور کہتے: «مَنْ فَعَلَ بِالِهَيْتِنَا؟»

[المطالب العالیة: ۹/۴۵۷، ح: ۴۶۹۵، اسنادہ صحیح، قالہ الحافظ ابن حجر]

”ہمارے مشکل کشاؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟“

پھر وہ ان مشکل کشاؤں کو دودھ اور پانی سے دھو کر صاف کرتے۔“

قارئین کرام! جب کفار نے مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہوا تھا تو حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما جیسے بہادروں نے اپنے مذکورہ عمل سے مشرکوں کو باور کرایا کہ جن کی وجہ سے تم لوگ مسلمانوں کا جینا حرام کیے ہوئے ہو وہ تمہارے مشکل کشا تو اس قدر بے بس ہیں کہ ہم ان کے مونہوں پر گندگی ملتے ہیں اور وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے، چلو یہ نہیں تو وہ تمہیں اتا تو بتا دیتے کہ علی اور اسامہ (رضی اللہ عنہما) ہمارے ساتھ زیادتی کر گئے ہیں، مگر وہ تو اتا بتلانے سے بھی قاصر ہیں تو پھر یہ:

① حاجت روا کیسے ہوئے کہ جن کے مونہوں پر غلاظت مل دی گئی؟

② مشکل کشا کیسے کہ جو اپنی ہی مشکل دور نہ کر سکے؟

رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی بت شکنی:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ”میں اور اللہ کے رسول ﷺ نکلے اور چلتے ہوئے کعبہ کے پاس آئے۔ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا:

”بیٹھ جا!“ اور پھر آپ ﷺ میرے کندھوں پر چڑھ گئے۔ اب میں آپ ﷺ کو لے کر

اٹھنے لگا تو اٹھ نہ سکا۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ میں کمزور آدمی ہوں، اب آپ ﷺ میرے کندھوں سے اترے، خود نیچے بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا: ”تو میرے کندھوں پر چڑھ جا!“ میں آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ آپ ﷺ مجھے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ کر میرا تصور یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق پر جا پہنچوں، بہر حال! اب میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا، وہاں پیتل اور تانبے وغیرہ کے بت رکھے ہوئے تھے، میں نے انھیں اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے اکٹھا کر کے ایک جگہ ڈھیر لگا لیا۔ اب مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ”ان کو نیچے پھینک۔“

چنانچہ میں نے انھیں نیچے دے مارا۔ وہ ٹوٹے ہوئے ششے کی طرح کچی کچی ہو گئے۔ تب میں نیچے اتر آیا۔ اب میں بھی اور اللہ کے رسول ﷺ بھی دوڑنے لگے حتیٰ کہ ہم آبادی میں چھپ گئے۔ ڈر اس بات کا تھا کہ مشرکوں میں سے کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

بزار کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس کے بعد کعبہ کی چھت پر بت نہیں رکھے گئے۔

[ مسند أحمد : ۸۴/۱، ح : ۶۴۶ ] إسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة :

۴۰۴/۷، ح : ۳۶۸۹۶ ] إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۱/۱۵۵، ح : ۲۸۷

إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى للنسائي : ۱/۴۲۵، ۱/۴۳ ] إسناده حسن لذاته۔

كشف الأستار عن زوائد البزار : ۳/۱۲۸، ۱/۲۹، ح : ۲۴۰۱ ] إسناده حسن لذاته۔

مستدرک حاکم : ۳/۵۰، ح : ۴۲۶۵ ] إسناده حسن لذاته [

قارئین کرام! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اللہ کی زمین پر اللہ کی عبادت کا یہ پہلا گھر ہے۔ بنو جرہم یہاں آباد ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور یوں یہ معاشرہ اللہ کی توحید پر قائم تھا۔ مدتوں بعد جس شخص نے یہاں شرک کا ارتکاب کیا وہ عمرو بن لُحی الخزاعی ہے۔ یہ شخص شام سے مکہ میں بت لایا اور اس نے لوگوں کو ان کی عبادت پر لگا دیا۔ صحیح بخاری (۳۶۲۳) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا کہ یہ شخص جہنم میں اپنی انتزیوں کو گھیٹ رہا ہے۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ اب دوبارہ مکہ اور سرزمین عرب کو اسی طرح توحید کا گہوارہ بنا دینا چاہتے تھے جس طرح کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور میں تھا۔

قارئین کرام! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا اعجاز تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھوں

سے پھینکے ہوئے بتوں کو پاش پاش کر دیا حالانکہ وہ تانبے اور پتیل کے تھے وہ تو یوں کر پچی کر چکی ہو گئے جس طرح شیشہ ہوتا ہے۔

سنت یہی ہے کہ ایسا عمل وسیع پیمانے پر اس وقت کیا جائے جب حکومت اور اختیار موجود ہو جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ جب مسلمان کمزور اور محکوم ہوں تو حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت کا کام کریں اور ایسے عمل سے بچیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے عمل سے کمزور مسلمانوں کو نقصان سے دوچار ہونا پڑ جائے۔

بہر حال حسن تدبیر ضروری ہے جسے حالات کو مد نظر رکھ کر حکمت و دانائی سے بروئے کار لانا چاہیے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کیا۔

اے اللہ! ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے ایک کو مسلمان کر دے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حضور دعا کی:

”اے اللہ! ان دو بندوں ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے اسلام کو قوت و عزت عطا فرما دے۔“

[ترمذی، کتاب المناقب، (باب فی) مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: ۳۶۸۱ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ مسند احمد: ۹۵/۲، ح: ۵۶۹۸ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۶۸۸۱، و اسنادہ حسن لذاتہ]

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ! اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً﴾

[مسندك حاکم: ۸۳/۳، ح: ۴۴۸۵، اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۶۸۸۲، حسن]

”اے اللہ! عمر بن الخطاب کے ذریعے اسلام کو خصوصی عزت بخش دے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا میڈیا کو استعمال کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو کہنے

لگے: ﴿اَيُّ قُرَيْشٍ اَنْقَلُ لِلْحَدِيثِ؟﴾

”قریش میں سے کون ایسا آدمی ہے جو بات کو سب سے زیادہ پھیلانے کا ملکہ رکھتا ہو؟“

حضرت عمرؓ کو بتلایا گیا کہ وہ جمیل بن معمرؓ ہی ہے۔ اب حضرت عمرؓ اس کے پاس جا پہنچے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اپنے باپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا کہ دیکھوں والد گرامی کیا کرتے ہیں۔ میں ان دنوں لڑکپن میں تھا لیکن جو دیکھتا تھا اسے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ الغرض، جب والد محترم جمیل کے پاس آئے تو اسے کہنے لگے: ”اے جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد (ﷺ) کے دین میں داخل ہو گیا ہوں۔“

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جمیل نے میرے باپ کو کوئی جواب نہ دیا، کھڑا ہو گیا اور اپنی چادر گھسیٹتا ہوا چل پڑا۔ اب میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا حتیٰ کہ جمیل چلتا ہوا کعبہ کے پاس پہنچا۔ قریش کے لوگ کعبہ کے گرد اپنی اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے تھے۔ جمیل کعبہ کے دروازے کے پاس کھڑا ہوا اور زور دار آواز سے چیخا چنگھاڑتا ہوا کہنے لگا:

”اے قریش کے لوگو! خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔“ حضرت عمر بن خطابؓ جو اس کے پیچھے تھے، کہنے لگے: ”اس نے جھوٹ بولا ہے، میں نے تو اسلام قبول کیا ہے اور میں نے گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

یہ سننا تھا کہ قریش حضرت عمرؓ کی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ ان سے لڑنے لگے اور قریش حضرت عمرؓ سے ہاتھ پائی کرنے لگے۔ یہ ہاتھ پائی اور دھول دھپا جاری رہا حتیٰ کہ سورج سر پر آ گیا۔ اب حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور قریشی سردار آپ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ کہنے لگے: ”تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہوتے تو دو کاموں میں سے ایک ضرور ہو جاتا، یا تو ہم مکہ چھوڑ کر نکل جاتے، یا پھر تم اس شہر کو چھوڑ جاتے اور مکہ ہمارے قبضہ میں آ جاتا۔“

یہ گرما گرم گفتگو جاری تھی کہ قریش کا ایک بڑا سردار نمودار ہوا۔ اس پر ایک ایسا جبہ تھا کہ جس کے حاشیے پر یمن کی خوبصورت کڑھائی تھی جبکہ اس کے کرتے پر ریشمی گوٹہ لگا ہوا تھا، وہ اس مجلس میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پوچھنے لگا: ”ارے بھئی! تم لوگوں کو کیا ہوا؟“ لوگ کہنے لگے:

”عمر نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔“ یہ سن کر سردار کہنے لگا: ”ارے! یہ تم کیا بات کرتے ہو، ایک شخص نے اپنی ذات کے لیے ایک چیز کو پسند کیا ہے، اب تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے، بنو عدی قبیلے کے لوگ اس شخص کو یونہی تمہارے حوالے کیے رکھیں گے کہ تم جو چاہو اس کے ساتھ کرو؟ چلو، بھاگو اور اس شخص کا راستہ چھوڑو۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اب وہ مجمع ایسے چھٹا جیسے ایک کپڑا تھا جو والد گرامی کے وجود سے اتر گیا۔ پھر ایک مدت کے بعد کہ جب والد گرامی نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی، میں نے پوچھا: ”اے ابا جان! جس دن آپ نے اسلام قبول کیا اور وہ لوگ آپ سے لڑائی کر رہے تھے تو وہ کون آدمی تھا جس نے ان سب کو گرجدار آواز سے جھڑکا تھا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”بیٹا! وہ شخص عاص بن وائل سہمی تھا۔“

[ سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۷۴، ۲۷۵ | اسنادہ حسن لذاتہ۔ البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۸۹ ]

[ اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۶۸۷۹ | اسنادہ حسن لذاتہ ]

قارئین کرام! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کس قدر دانا اور دانشمند تھے کہ قبول اسلام کے بعد انھیں ایسا شخص درکار تھا جو ان کے اسلام کی خبر کا ڈھنڈورہ پیٹے، چنانچہ انھوں نے اس دور میں کفر کے میڈیا کا جو جرنلٹ تھا، اسے تلاش کیا۔ اس جرنلٹ کا نام جمیل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے خبر دی اور جمیل نے اسے خبر کو فوراً کاسٹ کر دیا اور ایسی جگہ کاسٹ کیا جو سارے مکہ کے مرکز تھا یعنی بکعبہ کہ جہاں قریش اپنی مجلسیں جما کر بیٹھتے تھے، چنانچہ یہاں خبر نشر ہوئی اور سارے مکہ میں پھیل گئی اور باہمی لڑائی بھڑائی نے اس خبر کو مزید چار چاند لگا دیے۔ اب مکہ اور اس کے نواح میں ہر جانب ایک ہی خبر گردش کر رہی تھی کہ عمر نے اسلام قبول کر لیا۔

اس واقعہ کی دوسری دانشورانہ بات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قبول اسلام کے پہلے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش سے یہ بات کہہ دی کہ اگر ہم تین سو ہو گئے تو پھر یا تو ہمیں مکہ چھوڑنا ہوگا یا پھر تمہیں چھوڑنا ہوگا۔ یہ بات اس طرح ثابت ہوئی کہ جب مسلمانوں کی تعداد ذرا بڑھی تو انھیں مکہ چھوڑنا پڑا، پھر تین سو تیرہ بنے بدر کا معرکہ لڑا، اس کے بعد آخر کار قریش کو مغلوب ہونا پڑا اور مکہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے دو باتیں سامنے آئیں کہ حقائق کو دیکھتے ہوئے آپ کی نگاہ کس قدر دور رس تھی، دوسرا یہ کہ آپ نے اسلام قبول کرنے کے پہلے دن ہی اس دور کے مروج میڈیا کو کس شاندار طریقے سے استعمال کیا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

شعب ابی طالب کی صعوبتیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جب ہم (حج کے دوران) منیٰ میں تھے تو ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”کل ہم بنو کنانہ کے علاقے خیف میں ہوں گے جہاں انھوں نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”یہ اس وقت ہوا تھا جب قریش اور بنو کنانہ کے قبیلوں نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب قبیلوں کے خلاف اس بات پر حلف اٹھایا تھا کہ وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے نہ تو رشتے ناتے جوڑیں گے اور نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے، حتیٰ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے سپرد نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ انھوں نے وادی محصب میں کیا۔“

[ بخاری، کتاب الحج، باب نزول النبی ﷺ مکة : ۱۵۹۰۔ مسلم، کتاب الحج،

باب استحباب نزول المحصب..... الخ : ۱۳۱۴ ]

قارئین کرام! سیرت کی مختلف کتب میں جو تفصیلات موجود ہیں، ان کے مطابق یہ بات قابل ذکر ہے کہ بائیکاٹ کے معاہدہ کے مطابق نبی ﷺ اور آپ کے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ ساتھ قبیلے کے ان لوگوں کو بھی آزمائش سے دو چار کر دیا گیا جو مسلمان نہیں تھے۔ محض اس لیے کہ وہ محمد کریم ﷺ کو ان کے حوالے کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ قریش محمد کریم ﷺ کو شہید کر دیں۔ بائیکاٹ کے معاہدے کو بیت اللہ شریف کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس بائیکاٹ کے نتیجے میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کا خاندان تین سال تک شعب ابی طالب یعنی ابوطالب والی گھاٹی میں محصور ہو کر رہ گیا۔ کتب احادیث سے اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن سخت بھوک اور شدید فاقوں سے گزرے، دیکھیے :

[ مسند أحمد : ۱۲۰/۳، ح : ۱۲۲۱۹ ] اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان : ۶۵۶۰ ] اسنادہ

حسن لذاتہ۔ مصنف ابن ابی شیبہ : ۳۳۳/۷، ح : ۳۶۵۵۴ ] اسنادہ حسن لذاتہ۔ ترمذی :

[ ۲۴۷۲ ] اسنادہ حسن لذاتہ



مذاق کرنے والوں کے لیے دنیا ہی میں عبرت ناک سزائیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ﴾ [الحجر: ۹۵/۱۵]

”میرے نبی! جو لوگ تجھے مذاق کرتے ہیں انہیں سزا دینے کے لیے ہم کافی ہیں۔“

اور فرمایا: ”نبی ﷺ کا مذاق اڑانے والے یہ لوگ تھے:

① ولید بن مغیرہ

② اسود بن عبد یغوث زہری

③ ابوزمعه اسود بن مطلب

④ حارث بن عیطل سہمی

⑤ عاص بن وائل

حضرت جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم ﷺ کے پاس آئے تو اللہ کے نبی ﷺ نے مذاق

اڑانے والوں کی شکایت حضرت جبریل علیہ السلام سے کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے

رسول ﷺ کے سامنے ولید کو کر دیا اور اس کی بغل میں ایک رگ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے

رسول ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا: ”آپ نے (ولید کے ساتھ) کیا کیا؟“

جبریل علیہ السلام نے کہا: ”میں نے اس کو سزا دے دی۔“ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اسود کو

اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کر دیا اور اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ

نے اس کے بارے میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: ”آپ نے (اس اسود کا) کیا

کیا؟“ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ”میں نے اس سے نبٹ لیا۔“

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے ابوزمعه کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا اور اس کے سر کی

طرف اشارہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے کہا: ”آپ نے اس کا کیا بندوبست

کیا؟“ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ”میں نے اس سے بھی بدلہ لے لیا۔“

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حارث کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا اور اس کے سر یا

پیٹ کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ”میں نے اس سے بھی انتقام لے لیا۔“

اسی طرح عاص کا گزر ہوا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے پاؤں کے تلوے کی جانب اشارہ کیا اور کہا: ”میں نے اس کو بھی دبوچ لیا۔“

○ ولید کو سزا اس طرح ملی کہ خزانہ قبیلے کا ایک شخص جو اپنے تیروں کو ترتیب دے رہا تھا، اس کے پاس سے ولید کا گزر ہوا تو ایک تیر اس کی بغل کے نیچے رگ پہ جا لگا اور اس نے رگ کو کاٹ دیا۔

○ اسود بن مطلب اندھا ہو گیا۔

○ اسود بن عبد ینوٹ سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ اس کے سر میں زخم ہو گئے جن کی وجہ سے وہ مر گیا۔

○ حارث سے انتقام اس طرح لیا گیا کہ زرد پانی نے حارث کو گھیر لیا، وہ اس کے پیٹ میں داخل ہو گیا اور صورت حال یہ ہو گئی کہ اس کا پاخانہ اس کے منہ سے نکلنے لگا پھر وہ اس سے مر گیا۔

○ عاص کو سزا اس طرح ملی کی اس کے سر میں اس طرح کا پھوڑا نکلا جس طرح کا ایک کانٹے دار پودا حجاز کے ریگستان میں اگتا ہے، اس کانٹے دار حجازی پودے کی طرح کا پھوڑا اس کے سر میں نکلا، سارے سر میں پھیل گیا اور وہ اس سے مر گیا۔ عاص کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ گدھے پر سوار ہو کر طائف کی طرف نکلا، گدھا کودا، اس نے اس کو کانٹوں پر گرا دیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں پیوست ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔“

[ دلائل النبوة للبیہقی: ۳۱۶/۲ تا ۳۱۸ و إسناده حسن لذاتہ۔ و السنن الکبریٰ لہ:

۸/۹ ح: ۱۷۷۳۱ و إسناده حسن لذاتہ.]

عاص کا تمسخر کہ کیا اللہ اس کو زندہ کرے گا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عاص بن وائل نے بطحا کے علاقے سے ایک بوسیدہ ہڈی کو پکڑا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر مسل دیا، پھر اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگا:

«يَا مُحَمَّدُ! أَيْعَتُ اللَّهُ هَذَا بَعْدَ مَا أَرَمَ؟»

”اے محمد! کیا اللہ اس کو اس قدر بوسیدگی کے بعد زندہ کرے گا؟“

آپ ﷺ نے فوراً جواب دیا:

« نَعَمْ يَبَعْتُ اللَّهَ هَذَا يُؤْمِنُكَ ثُمَّ يُحْيِيكَ ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ »

”ہاں! اللہ سے زندہ کرے گا، وہ تجھے مارے گا پھر تجھے زندہ کرے گا پھر تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔“

فرمایا: پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

”کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اسے لطف سے پیدا کیا، پھر وہ صریح جھگڑا لو بن گیا۔ وہ ہمارے لیے مثال بیان کرتا ہے اور اپنی تخلیق کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں کون زندہ کرے گا؟ کہہ دیجیے وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر تخلیق جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی کہ جس سے تم آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ ذات، جس نے ارض و سماوات کو پیدا کیا، اس پر قادر نہیں کہ وہ (دوسرے) ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں! وہی سب پیدا کرنے والا اور سب جاننے والا ہے۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اسے فرماتا ہے کہ ”ہو جا“ تو وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

[یس: ۸۳ تا ۷۷/۳۶]

[ مستدرک حاکم: ۲/۴۲۹، ح: ۳۶۰۶، إسناده حسن لذاتہ۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۰۶ ]

[ إسناده حسن لذاتہ ]

اللہ نے ایک نابینے شخص کی خاطر پوری سورت نازل کر دی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”سورہ عبس ایک نابینے شخص ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری راہنمائی کیجیے۔“ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مشرک سرداروں میں سے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اب رسول کریم ﷺ ابن ام مکتوم سے قدرے اعراض کر رہے تھے اور اس دوسرے (مشرک سردار) پر توجہ مرکوز کر رہے تھے اور اسے (توحید پر لانے کے لیے) کہہ

رہے تھے: ”میں جو دعوت دے رہا ہوں اس میں تجھے کیا خرابی نظر آتی ہے؟“ چنانچہ اس واقعہ کے بارے میں سورہ عبس نازل ہوئی۔“

[ مسند ابی یعلیٰ : ۲۰۲/۴، ۲۰۳، ح ۴۸۲۹، اسنادہ صحیح۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، (باب) و من سورۃ عبس : ۳۳۳۱، اسنادہ صحیح۔ مستدرک حاکم : ۵۱۴/۲، ح : ۳۸۹۶ صحیح۔ ابن حبان : ۵۳۵، اسنادہ حسن لذاتہ ]

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ کا ارادہ یہی تھا کہ مشرک سردار اسلام پر آجائے جبکہ اسی دوران عبداللہ ابن ام مکتوم آگئے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس سے اس لیے اعراض کرتے رہے کہ یہ تو اپنا ساتھی و صحابی ہے، مومن ہے، اس کے ساتھ پھر بھی بات ہو سکتی ہے، پہلے اس مشرک کو تو سمجھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول ﷺ کا یہ انداز پسند نہ آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے پوری سورت نازل فرمادی۔

اس سورت نے قیامت تک کے لیے ان معترضین کا بھی منہ بند کر دیا جو یہ کہتے تھے کہ قرآن کو محمد (ﷺ) نے خود بتایا ہے۔ دیگر بے شمار دلائل میں سے مندرجہ بالا سورت بھی ایک دلیل ہے کہ اگر محمد کریم ﷺ نے یہ قرآن خود بتایا ہوتا تو اس قرآن میں یہ سورت موجود نہ ہوتی، چنانچہ اس سورت کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے محمد کریم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور جو پیغام بھی وحی کی صورت میں اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، آپ ﷺ نے بلا کم و کاست اسے آگے پہنچا دیا۔

قارئین کرام! قرآن کے آخری پارے میں اس سورت کو پڑھیے اور قرآن کے کلام الہی ہونے پر جھوم جھوم جائیے۔

مسلمانوں کی خواہش کہ عیسائی مجوسیوں پر غالب آجائیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رومی عیسائیوں کو ایرانی مجوسیوں کے مقابلے میں شکست پر شکست ہوتی چلی گئی۔ اس پر مشرکین مکہ نے بہت خوشیاں منائیں، اس لیے کہ جس طرح کے یہ بت پرست تھے ویسے ہی فارس کے مجوسی تھے، جبکہ مسلمانوں کی چاہت یہ تھی کہ رومی فتح حاصل کریں، اس لیے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے اس صورتحال کا تذکرہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ سَيَعْلَبُونَ»

”رومی عنقریب غالب آجائیں گے۔“

اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کو آگاہ کر دیا کہ عنقریب رومی عیسائی غالب آجائیں گے۔ اس پر مشرکین نے کہا: ”اس پر شرط بھی باندھ لو اور مدت بھی مقرر کر لو، اگر اس مدت میں ہم جیت گئے تو تم سے اتنا مال لیں گے اور اگر تم جیت گئے تو ہم تم کو اتنی مقدار میں مال دیں گے۔“ اب پانچ سال کی مدت کا تعین ہوا۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پریشانی کا اظہار کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے نو سال کی مدت کیوں نہ مقرر کی؟“ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بضعہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا اطلاق دس سے کم تعداد پر ہوتا ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ نو سال کے اندر اندر رومی غالب آگئے اور قرآن مجید نے جو پیش گوئی کی تھی، وہ پوری ہو گئی۔ قرآن مجید کی پیش گوئی یہ تھی:

﴿الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ قَوْمِكَ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ سَيْغَلِبُونَ ﴿٣٠﴾ فِي بَيْعِ  
سِينَةَ ذَلَّلُوا الْأَمْرَ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَقْرَأُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٣١﴾ بِبَيْعِ اللَّهِ يُخَصِّرُ مَنْ  
يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ [روم: ۳۰/۱ تا ۵]

”اے مومن، رومی مغلوب ہو گئے، قریب کی سرزمین میں، تاہم وہ مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں پھر غالب آجائیں گے۔ اس (شکست) سے پہلے بھی اللہ ہی کا حکم چلتا تھا اور بعد میں بھی اسی کا چلے گا اور (جب رومیوں کو فتح ہوگی تو) اس دن مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ انھیں بھی اللہ کی مدد حاصل ہوگی۔ اللہ جسے چاہے نصرت بخشتا ہے اور وہ سب پر غالب، رحم کرنے والا ہے۔“

[ مستدرک حاکم: ۲/۴۱۰، ح: ۳۵۴۰۔ حسن۔ مسند أحمد: ۱/۲۷۶، ح: ۳۰۴، ح: ۲۷۷۰، ۲۷۷۰۔ صحیح، ترمذی، کتاب التفسیر، (باب ومن) سورة الروم: ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، حسن۔ طبرانی کبیر: ۱۲/۲۹۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۲/۳۳۱، ۳۳۰ ]

قارئین کرام! جب ایرانیوں نے فتح حاصل کی اور مشرکین مکہ خوش ہوئے تو اس وقت سورہ روم کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اس پر صدیق اکبر ؓ اور مشرکین کے درمیان مکالمہ ہوا اور شرط باندھی گئی۔ دوسری روایات میں ہے کہ یہ جو شرط باندھی گئی اس وقت ابھی شرط کے حرام ہونے کا حکم نہیں آیا تھا اور شرط میں مال..... اونٹنیوں کی شکل میں تھا۔ جب صدیق اکبر ؓ نے جناب رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر ”یضۃ“ کے قرآنی لفظ کے مطابق مدت میں اضافہ کروایا تھا تو مشرکین کے کہنے پر اونٹنیوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر لیا تھا۔ پہلے دس اونٹنیوں کی شرط تھی، اب سو کی ہوگئی، چنانچہ رومیوں کا بادشاہ ہرقل جو مجوسیوں کے بادشاہ کے ہاتھوں اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول) میں محصور ہو گیا تھا، بالآخر محاصرہ توڑ کر نکلا اور پھر اس نے کسریٰ ایران کو شکست دے دی۔ اس مہم پر نو سال کا عرصہ لگا، جب رومی فتح یاب ہوئے تو مسلمان اس روز خوش ہوئے اور قرآن مجید کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ یوں صدیق اکبر ؓ نے شرط جیت لی اور جیتی ہوئی شرط کی اونٹنیاں صدقہ کر دیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس روز رومی فتح یاب ہوئے اس روز بہت سے مشرکین ایمان لے آئے کہ قرآن ایک سچی کتاب ہے، جس کی کہی ہوئی پیش گوئی مقررہ مدت کے اندر اندر پوری ہوگئی۔

جناب ابوطالب کی لا الہ الا اللہ سے محرومی:

حضرت مسیب ؓ سے مروی ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آ گیا تو اللہ کے رسول محمد کریم ﷺ ان کے پاس آئے۔ اس وقت ابوطالب کے پاس ابو جہل بھی بیٹھا تھا، عبد اللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ابوطالب کو مخاطب کر کے کہا:

« يَا عَمَّ! قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ »

”چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں اللہ کے حضور آپ کے حق میں اس کلمے کی

گواہی دوں گا۔“

یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابوامیہ کہنے لگے:

« يَا أَبَا طَالِبٍ! اترَعْبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ »

”اے ابو طالب! کیا تو عبدالمطلب کی ملت سے روگردانی کرے گا؟“

چنانچہ رسول کریم ﷺ متواتر ابو طالب کو لا الہ الا اللہ کہنے پر زور دیتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، حتیٰ کہ ابو طالب نے ان سے جو آخری بات کہی وہ ”ملت عبدالمطلب“ کی بات کہی اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس صورتحال میں اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے:

« أَمَا وَاللَّهِ! لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أَنَّهُ عَنكَ »

”(پچھا جان! صورتحال تو یہی ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ نہیں کہہ رہے، اس کے باوجود اللہ کی قسم! میں بہر صورت آپ کے لیے اس وقت تک بخشش مانگتا رہوں گا جب تک کہ مجھے آپ کے بارے میں ایسا کرنے سے منع نہیں کر دیا جاتا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

« مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ » [التوبة: ۱۱۳/۹]

”نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش طلب کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی کہ مشرکین جہنمی ہیں۔“

[بخاری، کتاب الحناظر، باب إذا قال المشرك عند الموت ..... الخ: ۱۳۶۰]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا سے کہا:

« قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

”چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں آپ کے لیے قیامت کے دن یہ کلمہ کہنے کی شہادت دوں گا۔“

اس پر ابو طالب رسول کریم ﷺ سے کہنے لگے:

﴿لَوْلَا أَنْ تُعِيرَنِي قُرَيْشٌ - يَقُولُونَ: إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ الْحَزْعُ - لَأَقْرَزْتُ بِهَا عَيْنَكَ﴾

”بھیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا ڈر نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ گھبراہٹ نے ابوطالب کو لالا الہ الا اللہ کہنے پر مجبور کر دیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

[ القصص: ۲۸/۵۶ ]

”(اے نبی!) جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی ہے جو جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔“

[ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی صحة إسلام من حضره الموت ..... الخ :

[ ۲۵/۴۲ ]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ”ابوطالب تو فوت ہو گئے۔“ اس پر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

﴿إِذْهَبْ فَوَارِهِ﴾

”جاؤ انھیں دفن کر دو۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

﴿إِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا﴾

”وہ ایک مشرک کی حیثیت سے فوت ہوئے ہیں۔“

آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا: ”جاؤ اور ان کو دفن کر دو۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جب میں نے انھیں دفن کر دیا اور جناب رسول کریم ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”غسل کر لو۔“

[ النسائی، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من مواراة المشرك : ۱۹۰، إسناده صحيح -

أبو داود : ۳۲۱۴، صحيح - مسند أحمد : ۱۰۳/۱، ۱۳۰، ۱۳۱، ح ۸۰۷، إسناده

حسن لذاته - السدی هو الکبیر وهو صدوق حسن الحدیث وثقه الجمهور ]



حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے آپ کے چچا کا ذکر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”ممکن ہے انھیں قیامت کے دن میری شفاعت فائدہ پہنچا دے تو انھیں جہنم میں ایسی جگہ رکھا جائے جہاں آگ صرف ٹخنوں تک پہنچ پائے۔ یہ آگ جو ٹخنوں تک پہنچے گی تو اس سے ان کا دماغ کھول اٹھے گا۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب: ۳۸۸۵]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ (ﷺ) اپنے چچا کے کیا کام آسکے کہ وہ تو آپ کی حفاظت کے لیے چار دیواری بن جایا کرتے تھے اور آپ کی وجہ سے آپ کے ستانے والوں پر غضب ناک ہوا کرتے تھے؟ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

”وہ جہنم کی اس جگہ ہیں جہاں آگ ٹخنوں تک ہی رہتی ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتے۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب: ۳۸۸۳]

قارئین کرام! ثابت ہوا جہنم کے بھی کئی درجات ہیں اور کفر کی بھی درجہ بندی ہے، جیسا کفر ہوگا ویسا ہی جہنم میں درجہ ہوگا۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ حق کو پہچاننے کے باوجود بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنی برادری کے طعنوں وغیرہ سے گھبرا کر حق قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

ابو طالب کو اللہ کے نبی ﷺ سے بڑا پیار تھا اور رسول کریم ﷺ کو بھی اپنے چچا سے بے پناہ پیار تھا۔ اس محبت کا اندازہ دونوں جانب سے بخوبی ہوتا ہے۔ ابو طالب کو معلوم تھا کہ محمد کریم ﷺ خوش اسی بات سے ہوں گے کہ میں لا الہ الا اللہ کہہ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کروں اور رسول کریم ﷺ چچا جان کے انکار کے باوجود فرماتے ہیں کہ جب تک میرا اللہ مجھے منع نہ کر دے میں چچا کے لیے مغفرت کی دعا جاری رکھوں گا، مگر ان ساری محبتوں میں ”لا الہ الا اللہ“

حائل ہو گیا، یعنی ایمان نہ ہوگا، توحید پلے نہ ہوگی تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ اپنے فیصلوں میں خوب عدل کرنے والا، بے پروا ہے۔

قارئین کرام! آئیے اب طائف کا دلفگار منظر ملاحظہ کرتے ہیں، جہاں اللہ کے رسول ﷺ توحید کی دعوت دینے گئے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ طائف کی گھاٹی میں:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ”کیا احد کے دن سے بڑھ کر بھی کوئی سخت دن آپ پر آیا ہے؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: عائشہ! تمھاری قوم قریش نے مجھ پر مصیبتوں کے کتنے ہی پہاڑ گرائے ہیں لیکن سب سے بڑی مصیبت کی جو چٹان مجھ پر گری وہ ان لوگوں کی جانب سے طائف کی گھاٹی میں اس وقت گری جب میں نے (وہاں کے سردار کنانہ) بن عبدیلیل بن عبدکلال کے ہاں اپنے آپ کو پیش کیا تھا، لیکن میں نے جس ارادے کا اظہار کیا اس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ میں وہاں سے رنجیدہ ہو کر جدھر کو میرا رخ تھا ادھر ہی کوچل دیا، پھر جب مجھے کچھ قرار آیا تو میں ”قرن الثعالب“ کے مقام پر تھا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے، میں نے سر اٹھاتے ہوئے نظر دوڑائی تو اس میں سے جناب جبریل نمودار ہوئے، انھوں نے مجھے آواز دے کر کہا:

«إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوْا عَلَيْكَ وَ قَدْ بَعَثَ اللَّهُ إِلَيْكَ  
مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ»

”آپ ﷺ کی قوم نے جناب کو جو جو کہا اور آپ سے جو سلوک کیا، اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا ہے، اب آپ ﷺ کی جانب پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان منکرین کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں، اس کا حکم پہاڑوں کے فرشتے کو کر دیں۔“

«فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ ذَلِكَ فِيمَا

شَفْتُ، إِنْ شَفْتِ أَنْ أُطَبِّقَ عَلَيْهِمُ الْآحْسَبِينَ»

”اب پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دیتے ہوئے سلام کیا اور کہا: ”اے محمد! (ﷺ) آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں، اگر آپ (ﷺ) پسند فرمائیں تو میں مکہ کے دو پہاڑ (ابوقتیس اور قیقعان) کے درمیان اہل طائف کو (چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آٹے کی طرح) پیس کر رکھ دوں۔“

اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے پہاڑوں کے فرشتے کو جواب دیا:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

”میں، بلکہ میں تو امید لگائے بیٹھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے۔“

[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال أحدكم: آمين والفلانكة في السماء..... الخ: ۳۲۳۱]

قارئین کرام! جناب ابو طالب فوت ہو گئے تھے، وہ اللہ کے رسول ﷺ کی حمایت میں مشرکین مکہ کی تکالیف کے سامنے ایک رکاوٹ تھے، یہ رکاوٹ ہنسنے کے بعد مشرکین مکہ زیادہ دلیر ہو گئے تھے، لہذا اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ سے طائف کا سفر پیدل اختیار کیا۔ مسافت ۹۰ کلو میٹر تھی۔ پیدل چلتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ سفر اس لیے کیا کہ شاید طائف کے لوگ توحید کی دعوت قبول کر کے حمایتی اور سہارا بن جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن ثقیف قبیلے کے سرداروں نے آپ ﷺ کی بات سننے ہی سے انکار کر دیا۔ اوباشوں کو پیچھے لگا دیا جو پتھر مار رہے تھے۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ یہاں سے نکلے ”قرن الثعالب“ میں پہنچے تو وہاں حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور اہل طائف کو تباہ کرنے کی پیشکش ہوئی مگر قربان جاؤں رسول رحمت ﷺ پر کہ پتھر کھا کر بھی آپ ﷺ نے دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ثقیف قبیلے کے لوگ بالآخر مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے۔ حجاج بن یوسف

اسی قبیلے کا تھا جس نے محمد بن قاسم ثقفی کو سندھ میں راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے بھیجا، چنانچہ سندھ فتح ہوا اور ہندوستان کی فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کے علم، حوصلے اور دعاؤں کی برکت سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ آج کے علماء، مبلغین اور داعیوں کو بھی ایسے ہی علم اور حوصلے عطا فرمائے۔ (آمین!)

حضرت عائشہ اور حضرت سوہہ بنتی بنتی سے نکاح:

ثقة تابعی عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں: ”مدینہ کی جانب ہجرت کرنے سے تین سال قبل رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنتی بنتی فوت ہو گئیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی وفات کے بعد دو سال، یا دو سال کے قریب قریب عرصے میں کوئی شادی نہیں کی۔ اس کے بعد حضرت عائشہ بنتی بنتی سے نکاح کیا پھر جب (مدینہ میں) حضرت عائشہ بنتی بنتی کی رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو سال تھی۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشہ..... الخ: ۳۸۹۶]

حضرت عائشہ بنتی بنتی سے مروی ہے کہ جب حضرت خدیجہ بنتی بنتی فوت ہو گئیں (اور تقریباً دو سال کا عرصہ گزر گیا) تو حضرت خولہ بنت حکیم بنتی بنتی، جو حضرت عثمان بن مظعون بنتی بنتی کی بیوی تھیں، نے جناب رسول کریم ﷺ سے کہا:

«يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا تُزَوِّجُ؟»

”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟“

آپ ﷺ نے جواب دیا: ”کس سے؟“ حضرت خولہ بنتی بنتی نے جواب دیا: ”ایک رشتہ کنواری کا ہے اور ایک بیوہ کا، کنواری ایسے شخص کی بیٹی ہے جس کا باپ اللہ کی ساری مخلوق میں سے آپ (ﷺ) کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اس رشتے سے میری مراد عائشہ ہے اور بیوہ سے مراد زمعه کی بیٹی سوہہ ہے۔“

[مسند احمد: ۶/۲۱۰، ۲۱۱، ح: ۲۵۷۷۹، اسنادہ حسن، قاله محققو مسند احمد

(۵۴/۴۲) طبرانی کبیر: ۲۳/۳۷۲۳، ح: ۵۷، ۲۴، ۳۰، ۳۱، ح: ۸۰، اسنادہ

حسن لذاته]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک دوسری روایت میں اگلا قصہ یوں ہے کہ اللہ کے رسول کریم ﷺ نے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے کہا: ”پھر جاؤ اور میرے لیے یہ دونوں رشتے مانگو۔“

چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے گھر چلی گئیں اور پھر ان کی بیوی سے کہا: ”اے ام رومان! کیا نصیب ہے ہیں تمہارے کہ اللہ نے تم پر خیر و برکت کی برکھا بر سادی ہے۔“ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ”وہ خیر و برکت کیا ہے؟“ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”مجھے اللہ کے رسول گرامی ﷺ نے عائشہ کے رشتے کے لیے بھیجا ہے۔“ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ”تھوڑی دیر انتظار کر لے، ابوبکر کو آ لینے دے۔“

اب ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی آ گئے۔ وہ آئے تو خولہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: ”اے ابوبکر! کیا خوش بنتی ہے آپ کی کہ اللہ کریم نے آپ پر بھلائی اور برکت کی بارش نازل کر دی ہے۔“ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ”وہ بھلائی اور برکت کیا ہے؟“ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے بھیجا ہے کہ میں ان کے لیے عائشہ کا رشتہ مانگوں۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ”کیا یہ رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے درست بھی ہے؟ کیونکہ عائشہ محمد کریم (ﷺ) کے بھائی کی بیٹی ہے۔“

اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹ گئیں اور آپ ﷺ کے سامنے وہ بات رکھی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے کہی تھی، یہ بات سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ”واپس ابوبکر کے پاس جاؤ اور جا کر انہیں میری طرف سے یہ کہو: ”میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ میرے بھائی ہیں (لیکن حقیقی نہیں کہ جس سے بھتیجی اپنے چچا پر حرام ہوتی ہے بلکہ) ہم اسلامی بھائی ہیں، لہذا آپ کی بیٹی میرے لیے جائز ہے۔“

اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا واپس جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی طرف گئیں اور انہیں جا کر اللہ کے رسول ﷺ کی بات سے آگاہ کیا، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہما حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی وضاحت سن کر کہنے لگے: ”آپ بیٹھے میں ابھی آیا۔“ اور پھر گھر سے نکل گئے۔ اس دوران ام رومان رضی اللہ عنہا حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں: ”بات یوں ہے کہ مطعم بن عدی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے

رشتے کا تذکرہ ایک بار اپنے بیٹے کے لیے کیا تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! انھوں نے جو بھی وعدہ کیا، اس کی کبھی خلاف درزی نہیں کی۔“

دوسری جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سیدھے مطعم بن عدی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت مطعم بن عدی کے پاس اس کی بیوی بھی موجود تھی، امکان ہے کہ اس کا بیٹا بھی موجود ہوگا۔ وہ خاتون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: ”اگر تمہارے ساتھ رشتہ داری ہوگی تو لگتا ہے تم میرے میاں کو بھی بے دین بنا کر اپنے اس دین میں داخل کر لو گے کہ جس دین کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔“

یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے کہا: ”یہ عورت جو کہہ رہی ہے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے؟“ مطعم بن عدی نے فوراً جواب دیا: ”ہاں! وہ تو پھر یہی کہہ رہی ہے۔“ یہ جواب سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے نکل آئے اور وہ بات جو جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی کہ انھوں نے وعدہ کیا ہوا ہے، اسے اللہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل سے اڑا دیا۔ اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (مطعم بن عدی اور اس کی بیوی کا جواب سن کر سیدھے) اپنے گھر آئے اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے: ”جائیے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے ”ہاں“ کر دیجیے۔“ چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا گئیں اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی (نکاح ہو گیا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ جا کر ہوئی)۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ایک کام مکمل کرنے کے بعد اب دوسرے کے لیے نکل کھڑی ہوئیں اور سووہ بنت زعمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا پہنچیں۔ وہاں جا کر بھی انھوں نے وہی جملہ دہرایا کہ اللہ نے تم پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔ حضرت سووہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ”کون سے خیر و برکت کے دروازے؟“ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ میں آپ کو شادی کا پیغام دوں۔“ حضرت سووہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”مجھے تو یہ پسند ہے مگر تم میرے باپ کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔“ ان کے باپ اس قدر بوڑھے اور ضعیف تھے کہ وہ حج سے بھی پیچھے رہ گئے تھے، چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس گئیں اور انھیں وہ

سلام کہا جو دور جاہلیت میں مردوج تھا۔ بوڑھے بزرگ زمعدہ پوچھنے لگے: ”یہ عورت کون ہے؟“ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو بتلایا کہ یہ حکیم کی بیٹی خولہ ہیں۔ اب زمعدہ پوچھنے لگے: ”کس مقصد کے لیے آنا ہوا؟“ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”مجھے محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے بھیجا ہے کہ میں سودہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگوں۔“ زمعدہ کہنے لگے: ”وہ تو لطف و کرم کی عمدہ مثال ہیں، تیری یہ سہیلی (سودہ) کیا کہتی ہے؟“ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اسے تو یہ پسند ہے۔“ اب زمعدہ کہنے لگے: ”سودہ کو ذرا میرے پاس بلا۔“ حضرت خولہ نے انھیں آواز دی۔ وہ آئیں تو زمعدہ اپنی بیٹی سے کہنے لگے:

”بیٹی! یہ خولہ کہہ رہی ہے کہ محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے انھیں بھیجا ہے کہ وہ تیرا رشتہ مانگ رہے ہیں، محمد (ﷺ) لطف و کرم کی عمدہ مثال ہیں، کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تیری شادی ان سے کر دوں؟“ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”جی ہاں!“ اب زمعدہ کہنے لگے: ”محمد (ﷺ) کو بلا لائیے۔“ چنانچہ رسول کریم (ﷺ) تشریف لے آئے اور زمعدہ نے سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ (ﷺ) سے کر دی۔

[ مسند أحمد: ۶/۲۱۰، ۲۱۱، ح: ۲۶۲۸۸۔ طبرانی کبیر: ۲۳/۲۳، ۲۴، ح:

۵۷۔ ۳۱، ۳۰/۲۴ ح: ۸۰! اسنادہ حسن لذاتہ ]

اپنی پناہ اپنے پاس رکھو، مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے ماں باپ کو اسلام پر پایا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ رسول کریم (ﷺ) ہمارے گھر نہ آئے ہوں۔ آپ صبح و شام تشریف لاتے، پھر جب مسلمان آزمائشوں میں گھر گئے تو جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہجرت کرتے ہوئے سرزمین حبشہ کی طرف نکلے۔ جب آپ یمن کے علاقے ”برک الغماد“ میں پہنچے تو وہاں ابن دغنه سے ملاقات ہوگئی۔ ابن دغنه عرب کا سردار تھا۔ اس نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ”ابو بکر! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“ آپ رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ”میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، اب ارادہ یہی ہے کہ اللہ کی زمین میں چلوں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔“ ابن دغنه کہنے لگا: ”ابو بکر! آپ جیسے انسان کو نہ تو اپنے علاقے سے نکلنا چاہیے اور نہ

نکالنا چاہیے۔ آپ تو ایسے شخص ہیں جو بے وسیلہ لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان کی تکریم کرتے ہیں اور مشکلات کے باوجود حق کی بات کرتے ہیں۔ آئیے! میں آپ کو پناہ مہیا کرتا ہوں، آپ اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں۔“ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ واپس پلٹ آئے۔ اب مکہ شہر میں ابن دغنه حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا۔

ابن دغنه عشاء کے وقت قریش کے سرداروں کے پاس جا جا کر اعلان کرتا رہا: ”ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی یہاں سے نکل کر نہیں جائے گا نہ انھیں نکالا جاسکتا ہے۔ کیا تم ایسے آدمی کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہو جو معاشرے کے بے بس لوگوں کو کما کر دیتا ہے، رشتہ نانا جوڑ کے رکھتا ہے، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان کی عزت و مدارات کرتا ہے اور حالات خواہ کیسے ہوں، بات حق کی کرتا ہے۔“

قریش نے ابن دغنه کی پناہ کو چیلنج نہیں کیا، البتہ ابن دغنه سے یہ کہا: ”ابو بکر کو یہ کہہ دے کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں رہ کر کرے، وہیں نماز پڑھے اور گھر میں جو چاہے پڑھے مگر ان عبادتوں کو سرعام ادا کر کے ہمیں مصیبت میں نہ ڈالے، کیونکہ ہمیں لگتا ہے کہ جب یہ علی الاعلان نماز اور قرآن پڑھتا ہے تو ہماری عورتیں اور بچے فتنے میں پڑ جاتے ہیں۔“ یہ باتیں ابن دغنه نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ وہ ان باتوں کا خیال رکھیں، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے، نماز اعلانیہ ادا کرنے سے رکے رہے اور قرآن مجید بھی اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنے سے رکے رہے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا لیں، چنانچہ انھوں نے مسجد بنالی اور وہاں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ اب مشرکوں کی عورتوں اور ان کی اولادوں کا ہجوم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ارد گرد جمع ہو جاتا، وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز دیکھ کر اور تلاوت سن کر بڑا تعجب کرتے۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حال بھی یہ تھا کہ وہ بہت ہی زیادہ رونے والے آدمی تھے۔ جب وہ قرآن پڑھتے تو انھیں اپنی آنکھوں پر کوئی اقدار نہیں رہتا۔ مشرکوں میں سے قریش کے جو بزرگ تھے وہ ان کی صحبت حال



سے گھبرا اٹھے۔ ان سب نے ابن دغنے کو بلا بھیجا۔

ابن دغنے ان کی مجلس میں آیا تو ان سردارانِ قریش نے اس سے کہا: ”آپ نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو جو پناہ دی تھی تو ہم نے اس پناہ کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں گے لیکن انہوں نے اس حد سے تجاوز کر لیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی۔ اس مسجد میں اعلانیہ نماز اور سرعام قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اب ہمیں خوف پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور ہماری اولادوں کو فتنے میں ڈال دے گا، لہذا آپ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو اس سے منع کر دیجیے اور کہیے کہ اگر آپ اس بات پر قائم رہتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کریں تو بے شک کریں لیکن اگر وہ انکار کریں کہ وہ اعلانیہ کریں گے تو پھر ان سے صاف صاف کہہ دیجیے کہ وہ آپ کا ذمہ آپ کو واپس لوٹا دیں۔ اے ابن دغنے! اگر آپ ایسا نہ کر سکے تو ہمیں مجبوراً آپ کا ذمہ توڑنا پڑے گا۔ یاد رکھیے! ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اعلانیہ ایسا کرتا رہے، ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔“

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) مزید بتلاتی ہیں کہ اب ابن دغنے جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اے ابو بکر! (رضی اللہ عنہ) آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں نے آپ سے جو معاہدہ کیا تھا، اب اگر آپ اپنے آپ کو اس معاہدے کے اندر محدود رکھتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میرا ذمہ مجھے واپس لوٹا دیجیے، کیونکہ مجھے یہ بات بالکل گوارا نہیں کہ عرب دنیا یہ بات سننے کے میں نے ایک آدمی سے معاہدہ کیا اور اسے توڑ دیا گیا۔“

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: ”میں تمہاری پناہ تمہیں واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کی پناہ پر خوش ہوں، جو بڑی عزت اور جلال کا مالک ہے۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة :

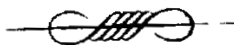
۳۹۰۔ ابن حبان ۶۸۶۸ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد: ۶/۱۹۸، ۱۹۹، ح: ۶۶۱۴۴

و إسناده صحيح ]

قارئین کرام! ماحول کس قدر بھی جاہلانہ اور دین کے لیے ناموافق کیوں نہ ہو، اس سب کچھ کے باوجود بھی اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اس ماحول میں رہنے والے قدرے سلیم الفطرت لوگ اہل حق کے مددگار اور معاون بن جائیں، البتہ اہل حق اور دعوت دینے والوں کا محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کردار بہت صاف ستھرا اور اجلا ہونا چاہیے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے یہی درس ملتا ہے اور آج کے دور میں بھی اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو عہد کیا تھا وہ اس پر قائم رہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی پروگرام بنایا وہ اپنے گھر کے اندر ہی بنایا، باہر نہیں بنایا، لیکن جب مشرکین نے گھر کے صحن سے دعوت تو حید پھیلتی دیکھی تو وہ برداشت نہ کر سکے اور پھر ابن دغنه بھی مشرک سرداروں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا، چنانچہ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حلیف کی منت سماجت نہیں کی بلکہ انتہائی وقار کے ساتھ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، لیکن جب تک ابن دغنه کی حمایت میسر رہی اسے خواہ مخواہ ترک بھی نہیں کیا بلکہ اس سے فائدہ اٹھایا اور ساتھ ساتھ اپنے دین کی اشاعت کا راستہ بھی نکالا۔ اگر کوئی داعی اور مبلغ ایسے ہی حالات کا شکار ہو جائے جیسے حالات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے تو اس داعی اور مبلغ اسلام کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار مشعل راہ ہے۔



## آسمانوں کی سیر اور مکہ چھوٹنے کی تیاریاں

محمد ﷺ: ذی وقار، سفید براق کے سوار:

حضرت مالک بن حصصہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسراء (بیت المقدس کی سیر) والی رات کا ذکر کرتے ہوئے انھیں بتایا:

”بیت اللہ کی وہ جگہ جسے حطیم کہا جاتا ہے (اسے الحجر بھی کہا جاتا ہے) میں وہاں لینا ہوا تھا کہ ایک آنے والا (جبریل) میرے پاس آیا، اس نے یہاں سے یہاں تک (بقول راوی سینے کے سرے یعنی گلے کی ابھری ہوئی ہڈی سے لے کر نیچے تک جہاں بالوں کی لائن ختم ہوتی ہے) چیر دیا پھر جبریل نے میرے دل کو نکال لیا، پھر سونے کی ایک رکابی لائی گئی جو ایمان سے بھری ہوئی تھی، جبریل نے میرے دل کو (اس سے) دھویا۔ پھر دل کو اس کی جگہ رکھ دیا اور سینے کو اسی طرح کر دیا جس طرح چیرے جانے سے پہلے تھا۔ پھر ایک جانور پیش کیا گیا جو خچر سے ذرا کم اور گدھے سے بڑا تھا، اس کا رنگ سفید تھا۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ۲۸۸۷ - مسلم، کتاب الإيمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ..... الخ: ۱۶۲ - مسند أحمد: ۴/۲۰۷ تا ۲۰۹، ح: ۱۷۹۸۸، ۱۷۹۸۷ و (سنادہ صحیح)]

حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مزید بتلایا: ”براق لایا گیا، یہ ایسا جانور تھا جو بہت زیادہ سفید تھا، گدھے سے ذرا لمبا اور خچر سے کم تھا۔ جہاں اس کی ٹٹاہ پڑتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا (یعنی رفتار تصور سے بالاتھی) میں اس براق پر سوار ہو گیا اور بیت المقدس پہنچ گیا، پھر میں نے اسے (بیت المقدس کی مسجد کے دروازے پر واقع) ایک طے (کٹھے)

کے ساتھ باندھ دیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں انبیاء (اسے) باندھا کرتے تھے۔ اب میں مسجد کے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے دو رکعت نماز ادا کی پھر میں یہاں سے نکلا تو جبریل (علیہ السلام) شراب اور دودھ کے جام لے کر میرے پاس آگئے۔ میں نے دودھ کا جام پسند کیا۔ اس پر جبریل (علیہ السلام) نے کہا: ”آپ نے فطرت (اسلام) کو پسند کیا۔“

[ مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسرائء برسول اللہ ﷺ ..... الخ: ۱۶۶ ]

قارئین کرام! بیت المقدس کی مسجد میں اللہ کے رسول ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کروائی اور نسائی شریف کی صحیح الاسناد حدیث (۴۵۱) کے مطابق حضرت جبریل (علیہ السلام) نے آپ ﷺ کو مصلیٰ پر کھڑا کیا، یوں آپ کا لقب ”امام الانبیاء“ ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور بھی کئی انبیاء نے براق پر سواری کی اور جب بھی کوئی رسول براق پر سوار ہو کر یہاں بیت المقدس آیا تو اس نے اسی حلقے کے ساتھ براق کو باندھا جس کے ساتھ حضرت محمد کریم ﷺ نے باندھا۔

مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے مکہ کی مسجد حرام سے بیت المقدس تک کے سفر کو ”اسرا“ کہا ہے اور اگلے سفر کو جو آسمانی سفر ہے، اسے ”معراج“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کا دوسرا نام ”الاسراء“ بھی ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ کریم نے اپنے آخری رسول ﷺ کے سفر اور اس کے مقصد کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ

بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْکَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۗ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [الاسراء: ۱/۱۷]

”پاک ہے وہ ذات، جس نے راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں، بلاشبہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

براق کی اگلی پرواز، آسمان کے بعد آسمان:

رب العالمین کے خصوصی مہمان سرکار دو جہان ﷺ اپنے اگلے سفر کا واقعہ، جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مجھے براق پر سوار کرا دیا گیا۔ جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر محو پرواز ہوئے۔ جب ہم آسمان دنیا پر آئے تو جبریل (علیہ السلام) نے دروازہ کھولنے کو کہا (وہاں دروازے پر، دربان اور جبریل (علیہ السلام) کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ یوں ہے):

دربان: ”کون؟“

جبریل: ”جبریل ہے۔“

دربان: ”آپ کے ساتھ کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔“

دربان: ”کیا انھیں مدعو کیا گیا ہے؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”خوش آمدید! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا ہے اور وہ تشریف لے آئے ہیں۔“

پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (آسمان دنیا میں کیے جانے والے استقبال وغیرہ) سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں آدم (علیہ السلام) موجود ہیں۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے بتایا:

”یہ آپ کے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں، ان کو سلام کیجیے۔“

میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا:

”نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید۔“

اب جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر اگلی پرواز کے لیے روانہ ہو گئے، جب ہم دوسرے آسمان

پر آئے تو جبریل (علیہ السلام) نے دستک دی۔

دربان: ”یہ کون ہے؟“

جبریل: ”جبریل ہے۔“

دربان: ”آپ کے ساتھ کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔“

دربان: ”کیا انھیں بلایا گیا ہے؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”محمد کریم (ﷺ) کو خوش آمدید، کیا خوب ہے ان کا لایا جانا اور وہ آپ کے!“

اب دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (حسب سابق) فارغ ہوا تو وہاں یحییٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) موجود تھے اور وہ دونوں باہم خالہ زاد ہیں۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھے بتلایا کہ یہ یحییٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کیجیے، چنانچہ میں نے انھیں سلام کیا، دونوں نے جواب دیا اور کہا: ”نیک نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید!“

اب جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دربان: ”کون؟“

جبریل: ”جبریل ہے۔“

دربان: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (ﷺ) ہیں۔“

دربان: ”کیا انھیں بلایا گیا ہے؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”درود باسعود ہے، جناب تشریف لا چکے!“

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں (اس آسمان کی سیر سے) فارغ ہوا تو وہاں یوسف (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے مجھ سے کہا: ”یہ یوسف (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کیجیے!“ میں نے انھیں سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: ”نیکو کار بھائی اور صالح پیغمبر کو مرحبا!“ اس کے بعد جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر چوتھے آسمان کی طرف چل پڑے۔ جب منزل پر پہنچ گئے تو انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دربان: ”کون؟“

جبریل: ”جبریل ہے۔“

دربان: ”آپ کی معیت میں کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (ﷺ) ہیں۔“

دربان: ”کیا ان کو بلایا گیا ہے؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”مرحبا! وہ آچکے، ان کی تشریف آوری کی کیا بات ہے!“

پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں یہاں سے فارغ ہوا تو وہاں ادریس (ؑ) تھے۔

جبریل (ؑ) نے مجھے کہا: ”یہ ادریس (ؑ) ہیں، ان کو سلام کیجئے۔“ میں نے انھیں سلام کہا،

انھوں نے جواب دیا اور کہا: ”نیک بھائی اور صالح رسول ﷺ کو مرحبا۔“

جبریل (ؑ) مجھے لے کر پھر اوپر کی طرف چڑھے، وہ چڑھتے رہے حتیٰ کہ پانچواں

آسمان آگیا۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی۔

دربان: ”کون؟“

جبریل: ”جبریل (ؑ)۔“

دربان: ”آپ کے ساتھ کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (ﷺ)۔“

دربان: ”کیا انھیں مدعو کیا گیا ہے؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”خوش آمدید! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ تشریف لے آئے ہیں۔“

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (پانچویں آسمان کی سیر سے) فارغ ہوا تو وہاں

ہارون (ؑ) تھے۔ جبریل (ؑ) نے مجھے آگاہ کیا کہ یہ حضرت ہارون (ؑ) ہیں، ان کو سلام

کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کہا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا: ”صالح بھائی اور نیک نبی کے

لیے مرحبا!“ پھر جبریل (ؑ) مجھے لے کر چھٹے آسمان کی طرف گئے اور دستک دی۔

دربان: ”یہ کون ہے؟“

جبریل: ”جبریل ہوں۔“

دربان: ”آپ کے ہمراہ کون ہے؟“

جبریل: ”محمد (ﷺ) ہیں۔“

دربان: ”کیا وہ بلائے گئے ہیں؟“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”مرحبا! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ تشریف لے آئے ہیں!“

چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں (چھٹے آسمان کی سیر و سیاحت سے) فارغ ہو گیا تو وہاں موسیٰ (ﷺ) تھے۔ جبریل (ﷺ) نے مجھے بتلایا کہ یہ موسیٰ (ﷺ) ہیں، انھیں سلام کہیے۔ میں نے سلام کہا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا: ”مرحبا! کیا اچھا بھائی ہے اور کیا اچھا نبی ہے؟“

اس کے بعد جونہی میں آگے بڑھا تو موسیٰ (ﷺ) رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا: ”آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟“ وہ کہنے لگے: ”میں رو اس لیے رہا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد نبی بنا، وہ جنت میں اپنی ایسی امت لے کر داخل ہوگا، جو میری امت سے کہیں بڑی ہوگی۔“

اس کے بعد جبریل (ﷺ) مجھے لے کر ساتویں (اور آخری) آسمان پر جا پہنچے۔ جبریل (ﷺ) نے دروازے پر دستک دی:

دربان: ”کون ہے؟“

جبریل: ”جبریل ہے۔“

دربان: ”آپ کس ہستی کو اپنے ساتھ لائے ہیں؟“

جبریل: ”محمد (ﷺ) کو۔“

دربان: ”کیا وہ بلائے گئے ہیں۔“

جبریل: ”جی ہاں!“

دربان: ”مرحبا! کیا بات ہے ان کی جن کو لایا گیا اور وہ آچکے ہیں۔“

پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں (ساتویں آسمان کی بھی سیر وغیرہ سے) فارغ ہوا تو



وہاں ابراہیم (علیہ السلام) تھے، جبریل (علیہ السلام) نے مجھے تعارف کروایا کہ یہ آپ کے باپ ہیں، انھیں سلام عرض کیجیے۔ میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

”نیک بیٹے اور صالح رسول (ﷺ) کو خوش آمدید!“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ۳۸۸۷ - مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ..... الخ: ۱۶۴ - مسند أحمد: ۴/۲۰۸، ۲۰۹، ح: ۱۷۹۸۹ و إسناده صحيح ]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جو رونا آیا تو اس بات پر کہ ان کی امت کے لوگ جنت میں تھوڑی تعداد میں داخل ہوں گے یعنی وہ لوگ زیادہ تر سرکشی، طغیانی اور کفر ہی میں مبتلا رہے تو اپنی امت کی بدبختی دیکھ کر وہ رو دیے۔ اپنی امت کے لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ درد ہے جس کا اظہار انھوں نے آنسو بہا کر کیا۔

### جنت کی نہر کوثر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

” (جب مجھے ساوی معراج کروایا گیا اور اس دوران) میں جنت کی سیر کر رہا تھا تو وہاں ایک ایسی نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر سفید موتیوں کے گول محلات بنے ہوئے تھے۔ ہر موتی کو گول محل کی شکل دے دی گئی تھی۔ میں نے پوچھا: ”اے جبریل! اس کا نام کیا ہے؟“

جبریل نے بتایا: ”یہ نہر کوثر ہے، یہ آپ کے رب کریم نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔“ میں نے اس نہر کو دیکھا تو اس کی تہ کا گارا کستوری تھی۔“

[ بخاری، کتاب الرفاق، باب فی الحوض: ۶۵۸۱ ]

### سدرۃ المنتہی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

” (ساتویں آسمان کے بعد) پھر مجھے سدرۃ المنتہی کی جانب بلند کر کے اس کے قریب کر دیا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے پھل بجر (شہر) کے منکوں جیسے ہیں اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں جیسے ہیں۔ یہی سدرۃ المنتہی ہے۔“

وہاں چار نہریں ہیں، دو نہریں باطنی ہیں اور دو ظاہری۔ میں نے کہا: ”اے جبریل! یہ دو کیا ہیں؟“ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ”جہاں تک دو باطنی نہروں کا تعلق ہے وہ تو جنت میں ہیں اور جو ظاہری نہریں ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ۳۸۸۷ - مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسرائ برسول اللہ ﷺ ..... الخ : ۱۶۴ - مسند أحمد : ۲۰۸/۴ تا ۲۱۰، ح : ۱۷۹۸۹ و إسناده صحيح - السنن الكبرى للنسائي : ۱۳۸۸/۱، ح : ۳۱۳ و إسناده صحيح ]

صحیح مسلم (۱۷۳) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق سدرۃ المنتہیٰ ایسا مقام ہے کہ زمین سے جو عمل بھی اوپر جاتا ہے، اس کا آخری مقام یہی ہے۔ اسی طرح سدرہ کے اوپر سے جو حکم نازل ہوتا ہے وہ بھی یہیں آکر ٹھہرتا ہے۔

بیری کے درخت کو ”سدرہ“ کہا جاتا ہے اور المنتہیٰ سے مراد ہے اعمال اور امور کے پیش کیے جانے اور صادر ہونے کا آخری مقام۔ یہ انوار و تجلیات کا منبع ہے۔ اس مرکز کو جناب رسول کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دنیا کے مروج الفاظ میں مرکز تجلیات کے مشاہدات کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

باطنی نہریں یعنی چھپی ہوئی نہریں کہ جنھیں اللہ نے دنیا والوں سے چھپا رکھا ہے، وہ جنت کی نہریں مراد ہو سکتی ہیں جیسا کہ ایک نہر کا ذکر بھی ہے اور وہ کوثر ہے، جسے نبی ﷺ نے جنت میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر میں اپنے نبی ﷺ کو آگاہ بھی فرمایا ہے:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ﴾ ”ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔“

دوسری نہر بھی جنت ہی کی ہو سکتی ہے، اس کا تذکرہ مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس نہر کا نام ”بیدج“ ہے اور یہ وہ نہر ہے کہ مدینہ کے بارہ مجاہدین جو ایک معرکہ میں شہید ہو گئے تھے، انھیں اللہ کے نبی ﷺ کی ایک صحابیہ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں باری باری داخل ہوئے۔ ان کی رگوں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ ان پر ریشمی لباس تھے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ انھیں نہر بیدج پر لے جاؤ۔ وہاں جا کر ان شہداء نے غولے لگائے تو ان کے چہرے اس طرح روشن ہو گئے جس طرح چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

پھر سونے کی کرسیوں پر بیٹھا کر ان کی ضیافت کی گئی۔ صحابیہ نے یہ خواب اللہ کے نبی ﷺ کو مسجد نبوی میں سنایا۔ پھر ایک شخص دور سے آیا۔ آکر اللہ کے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اطلاع دی کہ آپ ﷺ نے جو فلاں دستہ روانہ فرمایا تھا اس میں فلاں کا بیٹا اور فلاں فلاں شہید ہو گئے۔ اس نے بارہ شہداء کے نام لیے اور یہ بارہ وہی تھے جن کے نام تھوڑی دیر پہلے اس مجاہدہ خاتون نے لیے تھے جس نے ان شہداء کو خواب میں دیکھا تھا۔

[مسند أحمد: ۱۳۵/۳، ۲۵۷، ح: ۱۲۴۱۲، ۱۲۷۲۳ و إسناده صحيح۔ ابن حبان:

۶۰۵۴ و إسناده صحيح۔ مسند أبي يعلى: ۱۷۱/۳، ح: ۳۷۵ و إسناده صحيح]

باقی جو ظاہر اور عیاں نہریں ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔ نہر فرات عراق میں واقع ہے۔ جلد اور فرات کے دریاؤں کے درمیان ہی وہ زرخیز وادی ہے جہاں ”آز“ کا شہر ہے۔ وہ شہر جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ دریائے نیل مصر میں ہے۔ مصر ہی وہ ملک ہے جس میں یوسف علیہ السلام فروخت ہوتے ہوئے پہنچے تھے پھر وہ یہاں کے حکمران بن گئے اور ان کا سارا خاندان فلسطین سے آکر مصر میں رہائش پذیر ہو گیا، پھر بنو اسرائیل یہاں پہلے پھولے حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی نیل کے کنارے فرعون کے محل میں پرورش پائی اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی۔ یوں دریائے نیل اور دریائے فرات کہ عربی میں دریا کو نہر کہا جاتا ہے، یہ دونوں نہریں، ظاہری نہریں ہیں۔ یاد رہے! ان دونوں نہروں کی سر زمین کو یہودی اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو اپنے پاس بلا کر گویا واضح اشارہ دے دیا کہ ان علاقوں میں اسلام حکمران ہو گا اور یہاں کے لوگ اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے امتی بن جائیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ”معراج“ کا ذکر کر کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی خرمستیوں اور پھر ان کو دی جانے والی سخت سزا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تذکرے سے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ارض فلسطین ہی نہیں بلکہ نیل و فرات کے علاقے بھی اسلام کا مسکن بنیں گے، چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔

یہودی جو اس وقت فلسطین پر قابض ہیں، انھوں نے اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر لکھ رکھا ہے: ”اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل اور فرات تک ہیں۔“ مسلمانوں کے لیے سوچنے کا

مقام ہے کہ اگر وہ مجاہد بن کر نیل و فرات کے گہبان نہ بن سکے تو جنت کی نہر کوثر کا پانی کیسے پییں گے اور جنت کی نہر بیدج میں غوطے کیسے لگائیں گے؟

﴿جَنَّةُ الْمَأْوَى﴾ بھی ”سدرۃ المنتہی“ کے پاس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہٴ نجم کی آیت (۱۳) میں آگاہ فرمایا: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى﴾ ”سدرۃ المنتہی“ کے پاس ہی ﴿جَنَّةُ الْمَأْوَى﴾ ہے۔“

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت جبریل (علیہ السلام) کو (ان کی اصل شکل میں) دیکھا تو ان کے چھ سو پر تھے (جنھوں نے آفاق کو ڈھانپ لیا تھا)۔

[بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾: ۴۸۵۷]

### بیت المعمور اور سفید مشروب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”پھر میرے سامنے بیت المعمور کو بلند کیا گیا۔ اس کے بعد شراب، دودھ اور شہد کے جام پیش کیے گئے۔ میں نے دودھ کا جام لے لیا۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا: ”یہ فطرت (دین اسلام) ہے جس پر آپ اور آپ (ﷺ) کی امت کار بند ہے۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ۳۸۸۷]

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں۔ یہاں بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے (طواف کے لیے) جاتے ہیں مگر جو ایک بار گئے ان کی باری قیامت تک نہیں آئے گی۔

[مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسرائاء برسول اللہ ﷺ..... الخ: ۱۶۲۔ مسند أحمد:

۲۰۷/۴، ح: ۱۷۸۵۱ و إسناده صحيح۔ السنن الكبرى للنسائي: ۱/۱۳۹، ح: ۳۱۳

و إسناده صحيح ]

### پچاس کی بجائے پانچ نمازوں کی فرضیت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ بتلاتے ہیں: ”پھر مجھ پر

رات دن میں پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔ میں واپس پلٹا تو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا: ”کیا حکم ملا؟“ میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بتلایا: ”مجھے روزانہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا ہے۔“ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ”آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں نہیں ادا کر سکے گی، اللہ کی قسم! میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا خوب تجربہ کر لیا ہے، بنو اسرائیل کی حالت اچھی طرح میرے سامنے ہے، لہذا اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے خصوصی چھوٹ کی درخواست کیجیے۔“ چنانچہ میں واپس (اپنے رب کے پاس) گیا تو دس کی چھوٹ مل گئی، پھر جب میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پہلے ہی کی طرح کا پھر مشورہ دیا۔ میں بھی اپنے رب کے پاس چلا گیا اور دس کی مزید چھوٹ مل گئی۔ جب پھر موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو اب بھی ان کا مشورہ وہی تھا۔ اس پر عمل کیا تو اب کے ایک بار پھر دس کی چھوٹ مل گئی۔ پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرنے لگا تو انھوں نے اب بھی وہی مشورہ دیا۔ میں نے بھی اس پر عمل کیا، تو اب دس نمازوں کا حکم دیا گیا، اب جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے پھر وہی پہلے والی بات دہرائی۔ میں بھی واپس (رب کے دربار) میں جا پہنچا تو اب روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔

پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے کہا: ”کیا حکم ملا؟“ میں نے بتلایا: ”روزانہ پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے۔“ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ”آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں نہیں ادا کر سکے گی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر لیا ہے اور بنو اسرائیل کی کیفیت میرے سامنے ہے، لہذا ایک بار پھر اپنے رب کے پاس چلے جاؤ اور اپنی امت کے لیے چھوٹ کی گزارش کر لو۔“ اس پر میں نے کہا: ”میں اپنے رب سے اب اتنی بار سوال کر چکا ہوں کہ اب جاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ لہذا اب تو میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔“

آپ ﷺ بتلاتے ہیں: ”جب میں (اس خاص مقام) سے گزر گیا تو ایک آواز دینے

والے نے آواز دی:

«أَمْضَيْتَ فَرِيضَتِي وَ خَفَفْتُ عَنْ عِبَادِي»

”میں نے اپنے فرض کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں کو رعایت دے دی۔“

[بغاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج: ۳۸۸۷۔ مسند احمد: ۲۰۷/۴، ۲۰۸ ح: ۱۷۹۸۷ و [سنادہ صحیح]

تین تحفے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تین تحفے عطا کیے گئے:

۱۔ پانچ نمازیں۔

۲۔ سورہ بقرہ کی آخری (دو) آیات۔

۳۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اس شخص کے سب مہلک گناہوں کو بخش دیا جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کیا۔

[مسلم، کتاب الإیمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہی: ۱۷۳]

صحیح روایت کے مطابق سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خزانے میں سے دی گئی ہیں جو خزانہ عرش کے نیچے ہے۔

[مسند احمد: ۱۴۷/۴ ح: ۱۷۳۲۴ صحیح۔ ۱۵۱/۵، ۱۸۰ ح: ۲۱۳۴۴، ۲۱۳۴۵ صحیح]

صحیح مسلم میں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام نے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی، انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور فرمایا: ”یہ آسمان کا دروازہ ہے جو آج ہی کھلا ہے، یہ اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔“ پھر فرمایا: ”یہ فرشتہ زمین پر اترتا ہے اور یہ آج سے پہلے کبھی نہیں اترتا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا ہے اور بتلاتا ہے: ”آپ کو دونوروں کی خوش خبری ہو جو آپ کو عنایت ہوئے ہیں، آپ کے علاوہ کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا نور سورہ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں، ان کے ایک ایک حرف پڑھنے پر آپ کو نور عطا کیا جائے گا۔“

[مسلم، کتاب فضائل القرآن وما يتعلق بہ، باب فضل الفاتحة وحوایم ..... الخ: ۸۰۶]

## اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ کے سامنے کر دیا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بتلایا: ”جب میں نے لوگوں کے سامنے معراج کے واقعہ کا ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حطیم میں کھڑا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ وہ جو جو نشانیاں مجھ سے پوچھتے جاتے، میں دیکھتا جاتا اور بتائے جاتا تھا۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث الإسراء : ۳۸۸۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال : ۱۷۱۔ مسند أحمد : ۳۰۹/۱، ح : ۲۸۲۰ و إسناده صحیح ]

قارئین کرام! قریش کی تکالیف ہی کیا کم تھیں کہ اب اہل طائف نے بھی ستانے کی حد کر دی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تکالیف کا مداوا اس طرح کیا کہ اپنے محبوب ﷺ کو ساتویں آسمان پر بلا لیا، ساوی سیاحت کرائی اور تحائف سے نوازا، واپسی پر زندگی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوا، یہ ہجرت کا مرحلہ تھا، مدینہ کے حکمران بننے کا مرحلہ تھا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں اپنی دعوتی کوششوں سے میدان ہموار کر چکے تھے چنانچہ رسول معظم و مکرم ﷺ کی مبارک زندگی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے، آئیے! ملاحظہ کریں:

### عورتوں والی بیعت:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں بھی (مدینہ سے مکہ آنے والے) ان لوگوں میں شامل تھا جو ”عقبہ اولیٰ“ میں موجود تھے۔ ہم بارہ آدمی تھے۔ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں والی بیعت (بیعة النساء) کی۔ یہ بیعت جنگ کے فرض ہونے سے پہلے کی تھی۔ یہ بیعت مندرجہ ذیل امور پر تھی:

① ”ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“

② ”ہم چوری نہیں کریں گے۔“

- ③ ”ہم بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گے۔“
- ④ ”ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔“
- ⑤ ”اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر بہتان طرازی نہ کریں گے۔“
- ⑥ ”نیکی کے کاموں میں آپ (ﷺ) کی نافرمانی نہ کریں گے۔“

آپ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اگر تم نے بیعت کرنے کے عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر تم لوگوں نے ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو تمہیں معاف کر دے۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب وقود الأنصار إلى النبي ﷺ ..... الخ : ۳۸۹۲ - مسلم : ۱۷۰۹ - مسند أحمد : ۳۲۳/۵، ح : ۲۳۱۳۴ و [سنادہ حسن لذاتہ۔ النسائی : ۴۱۶۷، ۴۱۶۶ و [سنادہ حسن لذاتہ۔ سیرة ابن ہشام : ۸۱/۲ - دلائل النبوة للبيهقي : ۴۳۶/۲ و [سنادہ حسن لذاتہ]

مدینہ کے جن خوش قسمت افراد نے حج کے دوران میدان منیٰ کے باہر عقبہ (گھاتی) میں بیعت کی ان کی تعداد چھ ہے: (۱) اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (۲) عوف بن حارث رضی اللہ عنہ (۳) رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (۴) قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۵) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (۶) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ چونکہ ابھی جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ہم نے عورتوں والی بیعت کی کیونکہ مندرجہ بالا شرطوں کے ساتھ اللہ کے رسول (ﷺ) عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔

جب مدینہ میں جا کر آپ ﷺ نے جہاد کا آغاز کیا تو صحابہ سے جہاد و قتال اور موت پر بیعت لی، عورتوں والی بیعت پھر کبھی نہیں لی۔

ہم رسول اللہ ﷺ کو مصائب میں دیکھیں، آخر کب تک؟

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ (مکہ میں) دس سال مقیم رہے، لوگوں کے پیچھے ان کے گھروں، ڈیروں اور عکاظ و جنت کی مارکیٹوں میں جاتے رہے۔



حج کے دنوں میں منیٰ کے مقام پر آپ لوگوں سے کہتے:

« مَنْ يُؤْوِنِي؟ مَنْ يَنْصُرُنِي؟ حَتَّىٰ أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ »

”کوئی ہے جو مجھے پناہ مہیا کرے؟ مہری مدد کرے؟ حتیٰ کہ میں اپنے رب کا پیغام

پہنچاؤں، مجھے یہ سہولتیں مہیا کرنے والے کا بدلہ جنت ہوگا۔“

آپ ﷺ کا یہ اعلان سن کر یمن کا کوئی آدمی سامنے آتا، مصر کا کوئی آدمی نکلتا یا کسی اور علاقے کا کوئی آدمی آپ ﷺ کے اعلان پر کان دھرتا تو آپ ﷺ کی قوم کے لوگ اس آدمی کے پاس فوراً پہنچ جاتے اور کہتے: ”قریش کے اس جوان (محمد کریم ﷺ) سے بچ کر رہیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔“

الغرض، آپ ﷺ پڑاؤ کیے ہوئے لوگوں کے اونٹوں کے کجاووں کے درمیان چل رہے ہوتے اور قریش کے لوگ آپ ﷺ کی طرف انگلیوں سے اشارے کرتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے ہم لوگوں کو کھڑا کر دیا۔ ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانا مہیا کیا اور آپ ﷺ کی سچائی کا اعلان کیا۔ اب صورتحال یہ ہو گئی کہ ہم میں سے ایک شخص نکلا، آپ ﷺ پر ایمان لاتا۔ آپ ﷺ اسے قرآن پڑھ کر سناتے پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتا تو گھر والے اس کے اسلام سے باخبر ہوتے اور سارے ہی اسلام لانے کا اعلان کر دیتے، حالت یہ ہو گئی کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ بچا کہ جس میں آٹھ دس افراد مسلمان نہ ہوں۔ یہ سارے لوگ اپنے اسلام کا اعلانیہ اظہار کرتے اور اکٹھے ہو کر مشورے بھی کرتے۔

آخر کار ہم سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ ہم کب تک اللہ کے رسول ﷺ کو یونہی چھوڑے رکھیں گے کہ وہ مکہ کے پہاڑوں میں مارے مارے ٹھوکریں کھاتے پھریں اور (مشرکین مکہ سے) ڈرتے پھریں، چنانچہ ہم میں سے ستر آدمیوں نے آپ ﷺ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ لوگ حج کے دنوں میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے آپ ﷺ کے پاس عقبہ (گھائی) میں پہنچنے کا وعدہ کر لیا۔ ایک ایک، دو دو کر کے لوگ آپ ﷺ کے پاس پہنچتے رہے۔ جب ستر پورے ہو گئے تو ہم نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی بیعت کس چیز

پر کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

« تَبَايَعُونِي عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ وَعَلَى الْبَفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَعَلَى أَنْ تَقُولُوا فِي اللَّهِ لَا تَأْخُذْكُمْ فِيهِ لَوْمَةٌ لَّيْمٌ وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي إِذَا قَدِمْتُ يَتْرِبَ فَمَنْعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ وَلَكُمْ الْحَنَّةُ »

”تم لوگ اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے، چاہے تم چست ہو یا ست، تنگ دستی اور خوشحالی میں خرچ کرو گے، نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے، اللہ کے معاملے میں تم کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہیں روکے گی، جب میں تمہارے پاس مدینہ آؤں گا تم میری مدد اور دفاع یوں کرو گے جس طرح تم اپنا، اپنی بیویوں کا اور اپنے بیٹوں کا دفاع کرتے ہو تو (ان تمام باتوں کے صلہ میں) تمہارے لیے جنت ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم آپ ﷺ کی طرف لپکے کہ آپ کی بیعت کر لیں۔“

اس دوران اسعد بن زرارہ جو موجود لوگوں سے قد میں سب سے چھوٹا تھا، اس نے اللہ

کے رسول ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا: ”اے یثرب کے لوگو! ذرا ٹھہرو اور سنو! ہم جو اونٹوں

کے کلیجے مار کر (طویل اور دشوار سفر کر کے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو

یہ جان کر حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آج آپ ﷺ کو مکہ سے نکال کر

لے جانا سارے عرب کے خلاف جنگ کا نثارہ بجلانا ہے۔ اپنے بہترین سرداروں کو قتل کروانا

ہے۔ جی ہاں! تلواروں کی کاٹ کو سامنے رکھ لو، اگر تو تم ایسے لوگ ہو کہ ان حقائق کے باوجود

ڈٹ اور جم جانے والے ہو تو رسول اللہ ﷺ کو یہاں سے لے جاؤ۔ اس پر جو اجر ہے وہ اللہ

کے ذمہ ہے، لیکن اگر تم نے اپنی جانوں کو مقدم رکھنا اور بزدلی دکھانا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو

یہیں رہنے دو، ابھی گنجائش ہے کہ اللہ کے ہاں تمہارا عذر چل جائے۔“

حاضرین مجلس کہنے لگے: ”اے اسعد! ہٹ جاؤ، اللہ کی قسم! ہم کسی صورت اس بیعت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اس سے محروم ہوں۔“ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کر لی۔ آپ ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا کہ اس بیعت کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں جنت دیں گے۔“

[ مسند أحمد : ۳۳۹/۳، ح : ۳۴۰، ۱۴۷۰۸، و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان :

۶۲۷۴، ۷۰۱۲، إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۶۲۴/۲، ۶۲۵، ح :

۴۲۵۱۔ السنن الکبریٰ للبیہقی : ۹/۹، ح : ۱۷۷۳۵ و إسناده حسن لذاته ]

قارئین کرام! انصار مدینہ میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ ہیں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ رسول کریم ﷺ کی ہجرت اور ہماری یہ بیعت سارے عرب سے اعلان جنگ ہے، لہذا اگر جہاد و قتال کے لیے تیار ہو تو یہ بیعت کر لو۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کو عورتوں والی بیعت کہہ کر اس بیعت کے دوسرے منظر نامے کو واضح کر دیا کہ ہجرت اور عورتوں والی یہ بیعت درحقیقت جہاد و قتال اور موت کی بیعت کا آغاز ہے۔

انصار مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہما کس قدر دور اندیش تھے کہ وہ آغاز ہی میں یہ سمجھ گئے کہ جس نبی ﷺ پر ایمان لا رہے ہیں اور جس دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں، اس کے نتیجے میں جہاد و قتال ناگزیر ہے۔

”عَقَبَةُ“ یعنی گھاٹی میں جنگ والی بیعت :

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو عقبہ ”گھاٹی“ میں منعقد ہونے والی دوسری بیعت میں شامل تھے، بیان کرتے ہیں کہ ہم حج کے لیے نکلے، ہم سے اللہ کے رسول ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں عقبہ کے مقام پر جمع ہونے کا وعدہ لیا تھا، چنانچہ جب ہم حج کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو بالآخر وہ رات آگئی جس میں جمع ہونے کا رسول کریم ﷺ نے وعدہ لیا تھا۔ ہمارے

ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھے، ان کی کنیت ابو جابر تھی۔ ہم نے انھیں اپنے ہمراہ لے لیا تھا، وگرنہ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے جو مشرک لوگ تھے ہم ان سے اپنا معاملہ چھپا کر رکھتے تھے۔ اب ہم نے ان سے بات چیت شروع کی اور کہا: ”اے ابو جابر! آپ ہمارے باعزت سرداروں میں سے ہیں۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم آپ کو موجودہ حالت شرک سے نکالیں، تاکہ آپ کل کو (مرنے کے بعد) آگ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔“ پھر ہم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انھیں اللہ کے رسول ﷺ سے عقبہ میں ہونے والی ملاقات سے بھی آگاہ کیا، چنانچہ ابو جابر نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ ہمارے ساتھ عقبہ میں حاضر ہوئے اور نقیب بھی مقرر ہوئے۔

ہم حسب معمول اس رات بھی اپنی قوم کے ڈیروں پر سوئے اور جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو ہم اپنے مقام سے نکل کر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ طے شدہ جگہ پر پہنچنے لگے۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دیک کر نکل رہے تھے جیسے چڑیا گھونسلے سے سکر کر نکلتی ہے، حتیٰ کہ ہم عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہمارے ساتھ ہماری خواتین بھی یہاں موجود تھیں۔ ایک خاتون نسیمہ بنت کعب تھیں، جن کی کنیت ام عمارہ تھی، اس کا تعلق قبیلہ بنو مازن بن نجار کی عورتوں سے ہے۔ دوسری اسماء بن عمرو بن عدی تھیں، یہ بنو سلمہ قبیلے سے تھیں، ان کی کنیت ام منیع ہے۔

الغرض، جب ہم گھاٹی میں جمع ہو گئے تو ہم اللہ کے رسول ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگے، آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور جناب رسول کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ ان دنوں ابھی اپنی قوم ہی کے دین پر تھے، تاہم وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے بھتیجے کے معاملات میں موجود رہیں اور پختہ اطمینان بھی حاصل کریں، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ تشریف فرما ہو چکے تو گفتگو کا آغاز عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہی نے کیا۔

یاد رہے! عام اہل عرب انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کو خزرج ہی کہتے تھے، چنانچہ حضرت عباس نے عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے انصار کو مخاطب کر کے کہا: ”اے قبیلہ خزرج کے لوگو! ہمارے اندر محمد کریم ﷺ کا جو مقام ہے وہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ ہماری قوم کے جو لوگ مذہبی اعتبار سے ہمارے جیسا عقیدہ رکھتے ہیں، ہم نے ان سے جناب محمد ﷺ کو حفاظت میں رکھا ہے، جناب محمد ﷺ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت و حفاظت کے حصار میں ہیں لیکن اب وہ یہاں رہنے سے انکاری اور تمہارے ساتھ جانے پر رضا مند ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ مل کر رہنا چاہتے ہیں، لہذا اب اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ تم لوگ محمد ﷺ کو جس معاملے کی طرف بلا رہے ہو، اس کے ساتھ وفا کر لو گے اور محمد ﷺ کو ان کے مخالفوں سے بچا لو گے تو تب تو ٹھیک ہے اور جو ذمہ داری آپ لوگوں نے اٹھائی ہے، اسے تم جانو اور تمہارا کام، لیکن اگر تمہارا خیال ہو کہ تم انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور پھر مشکل آنے پر ان کا ساتھ چھوڑ جاؤ تو پھر بہتر یہ ہے کہ ان کو ابھی سے چھوڑ دو، کیونکہ وہ اس وقت تو بہر حال اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت و حفاظت کے حصار میں ہیں۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے جناب عباس سے کہا: ”آپ نے جو کہا ہم نے سن لیا، اے اللہ کے رسول ﷺ اب آپ گفتگو فرمائیے، اپنے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند کریں، ہم سے لے لیجیے۔“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کی تلاوت فرمائی، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام لانے کی رغبت دلائی اور پھر فرمایا:

”میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جن وسائل کے ساتھ تم اپنی عورتوں اور

اولادوں کی حفاظت کرتے ہو انہی وسائل کے ساتھ میری حفاظت کرو گے۔“

امام طبرانی نے المعجم الکبیر وغیرہ میں ثقہ و صدوق راویوں کی روایت سے یہ الفاظ بیان کیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« أَمَّا الَّذِي أَسْأَلُكُمْ لِرَبِّي فَعَبُدُوهُ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ أَمَّا الَّذِي

أَسْأَلُكُمْ لِنَفْسِي فَمَنْعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسِكُمْ»

”جہاں تک میرے رب کے حق کا تعلق ہے تو میں تم سے تقاضا کرتا ہوں کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ جس چیز سے تم اپنی حفاظت کرتے ہو اسی سے میری بھی حفاظت کرو۔“

اس پر انصار نے عرض کی: ”اگر ہم ایسا کریں تو بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت ملے گی۔“

مسند ابی یعلیٰ اور مستدرک حاکم کی حسن روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:  
 ﴿لَكُمْ الْجَنَّةُ﴾ ”تمہارے لیے جنت ہے۔“ اس پر انصار نے کہا: ”ہم اس پر خوش ہیں۔“

[طبرانی کبیر (۱۸۶/۲)، ح: ۱۷۵۷ حسن ولہ شاهد عندہ فی الکبیر: ۸۹/۱۹، ح: ۱۷۴)، صغیر (۱۱۰/۲) اور اوسط (۶۲/۸)، ح: ۶۳، ۷۹۶۸ حسن، مسند ابی یعلیٰ (۲۳۰/۲)، ح: ۱۸۸۲ حسن) اور مستدرک حاکم: ۶۲۶/۲، حسن]

اب کے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ تھاما اور کہا: ”ہاں! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! ہم ان چیزوں کے ساتھ آپ (ﷺ) کی حفاظت کریں گے جن سے اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں، لہذا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ (ﷺ) ہم سے بیعت لیجیے۔“ نیز کہا:

﴿فَنَحْنُ وَاللَّهِ! أَهْلُ الْحُرُوبِ وَأَهْلُ الْحَلْفَةِ، وَرِثَانَهَا كَابِرًا عَن كَابِرٍ﴾

”اللہ کی قسم! ہم جنگجو اور تھھیاروں سے کھیلنے والے ہیں، ہماری یہ ریت باپ دادا سے چلی آ رہی ہے۔“

حضرت کعب بن علقمہ کہتے ہیں: ”حضرت براء رسول کریم ﷺ سے بات کر رہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہمارے اور کچھ لوگوں یعنی یہودیوں کے درمیان عہد و پیمان کی رسیاں مٹی ہوئی ہیں۔ اب ہم ان

رسیوں کو کاٹنے والے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ ہم یہ کر گزریں اور پھر جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائیں تو آپ اپنی قوم کی طرف پلٹ جائیں اور ہمیں یہیں چھوڑ دیں؟“ یہ سن کر جناب رسول کریم ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا:

« بَلِ الدِّمُ الدَّمُ وَالدِّمُّ الدَّمُ اَنَا مِنْكُمْ وَانْتُمْ مِنِّي اَسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ وَ اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ »

[ دلائل النبوة للبيهقي : ٤٤٩/٢ و اسنادہ حسن لذاتہ ]

”نہیں، بلکہ تمہارا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ میں ان لوگوں سے صلح کروں گا جن سے تم صلح کرو گے اور ان لوگوں سے جنگ کروں گا جن سے تم جنگ کرو گے۔“

اب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”میرے لیے اپنے میں سے بارہ نقیب (سرदार) نکالو۔ یہ اپنے اپنے قبیلے پر نگران ہوں گے۔“ چنانچہ انصار نے اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کیے۔ ان میں سے نو کا تعلق خزرج سے اور تین کا قبیلہ اوس سے تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی روایت جو طبرانی کبیر (٨٤٧ تا ٩١٢، ج : ١٤٣ و اسنادہ حسن لذاتہ) میں ہے، اس میں بارہ سرداروں کے ناموں کا یوں تذکرہ ملتا ہے:

- ① حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ (بنی نجار)
- ② حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ (بنی سلمہ)
- ③ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (بنی سلمہ)
- ④ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (بنی ساعدہ)
- ⑤ حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ (بنی ساعدہ)
- ⑥ حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ (بنی زریق)
- ⑦ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (بنی حارث)
- ⑧ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ (بنی حارث)

⑨ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (بنی عوف)

⑩ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (بنی عبدالاشہل)

⑪ حضرت ابوالہشتم بن تیہان رضی اللہ عنہ (بنی عبدالاشہل)

⑫ حضرت سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہ (بنی عمرو)

انصار کہتے ہیں: ”ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر چکے (سرदार مقرر ہو چکے) تو شیطان نے گھائی کی چوٹی پر سے پورا زور لگا کر آواز بلند کی: ”اے خیموں والو! اس ”مذمّم“ اور اس کے ساتھ بے دین لوگوں کی خبر لو کہ یہ تم سے جنگ کرنے کو اکٹھے ہو چکے ہیں۔“ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ عَقَبَہ (گھائی) کا شیطان ازیب کا بیٹا ہے۔“

پھر اسے مخاطب کر کے کہا: ”اے اللہ کے دشمن! ذرا ٹھہر! اللہ کی قسم! میں تیرے لیے بس فارغ ہونے ہی والا ہوں۔“ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا:

« اِرْفُضُوا اِلٰى رِحَالِكُمْ »

”متفرق ہو کر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاؤ۔“

جناب عباس بن عبادہ بن نعلہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ”اس اللہ کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! اگر آپ چاہیں تو ہم کل ہی منیٰ میں ٹھہرنے والوں پر تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اِنَّا لَمْ نُوْمِرُ بِذٰلِكَ اِرْفُضُوا اِلٰى رِحَالِكُمْ »

”ہمیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، تم اپنے ٹھکانوں پر جانے کی تیاری کرو۔“

اس کے بعد ہم اپنی سونے والی جگہوں پر پہنچ کر سو گئے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ جونہی صبح ہوئی، قریش کے لوگ ہمارے پاس آئے۔ ان کے اندر تو گویا کہرام مچ گیا۔ وہ ہمارے ذیروں پر آئے اور کہنے لگے: ”اے خزیج کے لوگو! ہمیں خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے اس صاحب (محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے ہو تاکہ اسے ہمارے درمیان سے نکال کر لے جاؤ اور ہم سے جنگ لڑنے کے لیے تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، حالانکہ اللہ کی قسم! کوئی عرب قبیلہ



ایسا نہیں کہ جس سے جنگ کرنا ہمارے لیے اتنا تکلیف دہ ہو جتنا کہ تم لوگوں سے۔“

چنانچہ منظر یہ بنا کہ ہماری قوم کے وہ لوگ جو مشرک تھے، وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے: ”ایسا تو کچھ ہوا ہی نہیں اور نہ ہم ایسی کوئی بات جانتے ہیں۔“ مشرکین مکہ نے اس یقین دہانی کو قبول کر لیا۔ یوں وہ اس واقعہ کے بارے میں لاعلم ہی رہے جبکہ ہمارے کچھ مسلمان بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خاموش رہے۔“

[ مسند أحمد: ۳/۴۶۰ تا ۴۶۲، ح: ۱۵۸۹۱ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان:

۷۰۱۱ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام: ۲/۸۶ تا ۸۸ و إسناده حسن لذاته۔

دلائل النبوة للبيهقي: ۲/۴۴۴ تا ۴۴۹ و إسناده حسن لذاته ]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے غلبے کی صورت میں انصار کے ساتھ نہ مال کا وعدہ کیا نہ اقتدار کا بلکہ وعدہ کیا تو اپنی معیت کا اور جنت کا۔ انصار اس پر خوش ہو گئے۔ ان کے نصیبوں کی کیا بات ہے۔ شیطان نے رسول کریم ﷺ کو ”مُذَمَّم“ کہا، یہ وہ برانام ہے جو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کا رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تو محمد (تعریف کیا گیا) ہوں، مذم (مذمت کیا گیا) نہ جانے کون ہے؟“ مشرکین کا یہاں گھٹیا پن ظاہر ہوتا ہے جبکہ رسول کریم ﷺ کا یہاں بھی اعلیٰ اخلاق ظاہر ہوتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ بری بات کو ٹال دیا لیکن جوابی طور پر کسی کا نام نہیں بگاڑا۔ آپ ﷺ نے شیطان کو جو یہ کہا: ”تیرے لیے فارغ ہونے ہی والا ہوں“ تو اس کا مطلب واضح ہے کہ جس جنگ کی تو بات کرتا ہے، وہ میں کرنے ہی والا ہوں، پھر دیکھ تیرے یاروں کی گردنیں کس طرح کٹتی ہیں اور مشرکین کے شرکیہ اڈے اور بت کس طرح ٹوٹتے ہیں؟ صورتحال آج بھی وہی ہے، کمزور مسلمان تھوڑا سا بھی زور پکڑنے لگتے ہیں تو شیطان کافروں کے کانوں میں پھونک مارتا ہے کہ ان مسلمانوں کا بندوبست کر لو، مہلت دو گے تو یہ جہاد کے ذریعے تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے، لیکن شیطان نہ تو اس وقت کامیاب ہو سکا تھا نہ آج کامیاب ہو سکے گا۔ (ان شاء اللہ!) وہ مکہ میں حق کی دعوت سے بھی ڈر رہا تھا اور مسلمانوں کی ہجرت سے بھی خوف زدہ تھا۔

مسند احمد اور سیرت ابن ہشام میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کو ”بیعت الحرب“ (جنگ کی بیعت) کا نام دیا، یعنی اب مشرکوں سے جنگ ہوگی۔

[ مسند احمد : ۳۱۶/۵ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ سیرت ابن ہشام : ۹۹/۲ و اسنادہ

حسن لذاتہ ]



## ✽ ہجرت کا سفر اور مدینہ میں مرحبا ✽

خواب میں سرزمین ہجرت کی جھلک:

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

”جہاں تم لوگوں نے ہجرت کر کے جانا ہے وہ مقام میں نے دیکھ لیا۔ مجھے خواب میں ایسی زمین دکھائی گئی جو شور والی ہے، وہاں بعض درخت بھی اگے ہیں۔ وہ سرزمین کھجوروں والی ہے۔ لاوے کے دو ٹیلوں کے درمیان ہے اور وہ دو ٹیلے سیاہ پتھروں والے ہیں۔“

چنانچہ جب اللہ کے رسول (ﷺ) نے مقام ہجرت کی نشاندہی کر دی تو پھر جو ہجرت کرنا چاہتا تھا وہ مدینہ کی طرف نکل کھڑا ہوا اور وہ مسلمان جنھوں نے جشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان میں سے بھی بعض مہاجرین نے مدینے کا رخ کر لیا۔

[ ابن حبان : ۶۸۶۸ و إسناده صحيح - مسند أحمد : ۱۹۸۶/۶، ح : ۲۶۱۴۴ ]  
[ إسناده صحيح - مستدرک حاکم : ۴۰۳/۳، ح : ۴۶۶۲ و إسناده صحيح - ]

حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم (ﷺ) نے فرمایا:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جو کھجوروں والی ہے۔ اس خواب کے بعد میرا وہ خیال جاتا رہا کہ ہجرت کی جگہ یمامہ یا ہجر ہوگی، اب پتا چلا کہ وہ تو یثرب ہے۔“

[ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام : ۳۶۲۲ ]

قارئین کو بتاتے چلیں کہ مدینہ کے مشرق میں جو حرہ ہے اس کا نام ”واقم“ ہے۔ مغرب

میں واقع حرہ کا نام ”دبرہ“ ہے۔ احد پہاڑ شمال میں ہے اور عمر پہاڑ جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ان چاروں کے درمیان چار وادیاں ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

① وادی بطحان

② وادی مذنیب

③ وادی مہزور

④ وادی عقیق

سب سے پہلے مدینے جانے والے:

مدینے کے باسی حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی (ﷺ) کے صحابہ

میں سے سب سے پہلے جو ہمارے پاس آئے، وہ یہ ہیں:

① حضرت مصعب بن عمیرؓ

② حضرت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ

یہ دونوں ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

③ پھر حضرت عمارؓ

④ اور حضرت بلالؓ آئے۔

⑤ پھر حضرت عمر بن خطابؓ بیس آدمیوں کا جھٹالے کر آئے۔

پھر جب رسول کریم (ﷺ) مدینہ تشریف لائے تو میں نے آج تک اہل مدینہ کو کسی بھی

نعت کے ملنے پر اتنا خوش نہیں دیکھا جس قدر وہ محمد کریمؐ کے ملنے پر خوش ہوئے۔ میں

دیکھ رہا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی خوشی و مسرت سے لبریز یہ جملہ بول رہے تھے:

”یہ اللہ کے رسول ہیں، جو تشریف لائے ہیں۔“

[ بخاری، کتاب مناقب، الأنصار، باب مقدم النبی ﷺ و أصحابہ المدینة..... الخ :

[ ۳۹۲۴، ۳۹۲۵

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے حضرت

مصعب بن عمیرؓ آئے، انھوں نے یہاں دن رات ایک کر کے دعوت کا کام کیا، مدینہ کے

بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے، یوں اللہ کے رسول ﷺ کی آمد سے قبل لوگ آپ ﷺ کے پیروکار بن گئے اور راستہ ہموار ہو گیا۔

رسول ہاشمی ﷺ کو ہجرت کی اجازت اور ابو بکر کو معیت مل گئی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”ہم لوگ اپنے گھر میں ظہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آگاہ کرنے والے نے جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول (ﷺ) ہیں، جو اپنا سر ڈھانپے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ ایسے وقت تو اللہ کے رسول (ﷺ) ہمارے پاس نہیں آیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے دیکھتے ہی کہا: ”آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اللہ کی قسم! آپ (ﷺ) جو اس وقت تشریف لائے ہیں تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔“ اتنے میں رسول کریم (ﷺ) دروازے پر پہنچ گئے اور داخلے کی اجازت طلب کی۔ آپ (ﷺ) کو تشریف لانے کے لیے کہا گیا تو آپ (ﷺ) اندر داخل ہوئے اور جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: (( اَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ ))

”یہ جو تمہارے پاس ہیں، ان کو ذرا الگ کر دو۔“

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میرا باپ آپ پر قربان ہو! یہ تو آپ (ﷺ) کے گھر والے ہی ہیں۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

”مجھے تو یہاں سے ہجرت کر جانے کی اجازت مل گئی ہے۔“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میرا باپ آپ پر فدا ہو! آپ کی ہمراہی کی درخواست کرتا ہوں۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”ٹھیک ہے۔“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرا باپ آپ (ﷺ) پر قربان! میری دو اونٹنیوں میں سے ایک لے لیجئے۔“ آپ (ﷺ) نے جواب دیا: ”لیکن پیسے دے کر لوں گا۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة :

۳۹۰۔ ابن حبان: ۶۲۷۷، ۶۸۶۸ و [سنادہ صحیح ]

## مشرکوں کی تدبیر ناکام:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُبْسِتُواكَ أَوْ يُنْفِتُوكَ أَوْ يُنَجِّرُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ﴾  
 [الأنفال: ۳۰/۸]

”(میرے نبی!) تمہیں ان لمحات کی خبر دوں کہ جب کافر تیرے بارے میں یہ تدبیر کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں، قتل کر دیں یا پھر مکہ سے نکال دیں، وہ اپنی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ کی اپنی تدبیر ہے اور سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر اللہ ہی کی تدبیر ہے۔“

قارئین کرام! قرآن نے جس منظر کی نشاندہی کی ہے، مفسرین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ منظر ہجرت سے متعلق ہے۔ قریش مکہ نے آخر کار فیصلہ یہی کیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے، چنانچہ وہ تلواریں سونٹے رسول کریم ﷺ کے گھر کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے، اللہ کے رسول ﷺ اس گھیرے میں سے نکل گئے، کوئی مشرک آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکا۔ آپ ﷺ غار ثور کی طرف نکل گئے اور یہ مشرک رات بھر یہیں ناکام و نامراد کھڑے رہے۔ اپنے بستر پر علی رضی اللہ عنہ کو سلایا اور خود گھیرا توڑ کر نکل گئے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کا سودا کیا، نبی ﷺ کی چادر کو اوڑھا اور آپ ﷺ کی جگہ سو گئے۔“

[مسند أحمد: ۱/۳۳۱، ۳۳۲، ح: ۳۰۶۲، إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم:

۴/۱۳، ح: ۴۲۶۳، مسند أبي داود الطيالسي: ۴/۴۶۹، ۴۷۰، ح: ۲۸۷۵،

۲۸۷۶، إسناده حسن لذاته، أبو بلج يحيى بن سليم صدوق حسن الحديث وثقه

[الجمهور]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کی چادر اوڑھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح اٹھے اور مشرکین نے اپنی چال کی ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو شپٹا کر رہ گئے اور پھر دوڑے اللہ کے رسول ﷺ کو چاروں طرف تلاش کرنے، مگر اللہ کے رسول ﷺ تو ایک غار میں سکون سے محفوظ و مامون تھے۔

آئیے! غار کا منظر ملاحظہ کرتے ہیں، جب وہ تلاش کرتے کرتے غار ثور کے پاس پہنچ گئے تھے۔

غار میں کی ہوئی وہ گفتگو جس کا انکشاف قرآن نے کیا:

﴿ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ﴾ (التوبة: ٤٠/٩)

”جب کافروں نے اسے (محمد کریم ﷺ) کو (مکہ سے) باہر نکال دیا تو وہ جو وہ (محمد کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہما) غار میں تھے، ان دو میں سے دوسرا اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بتلایا: ”جب میں غار میں تھا تو میں نے آپ ﷺ سے کہا: ”اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے قدموں کے نیچے نگاہ کر لے تو ہمیں دیکھ لے۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ مَا ظَنَنْتُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ! بِأَنْتَيْنِ اللَّهُ تَالِيَهُمَا ﴾

”اے ابوبکر! تمہارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔“

[بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب المهاجرین و فضلهم: ٣٦٥٣]

غار میں دودھ بھی ملتا رہا اور مکہ کی خبریں بھی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) اور جناب ابوبکر (رضی اللہ عنہما) تین راتیں (جمعہ، ہفتہ، اتوار) وہاں چھپے رہے۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) کے صاحبزادے جناب عبداللہ (رضی اللہ عنہما)، جو ہوشیار اور معاملہ فہم نوجوان تھے، رات کو اللہ کے رسول ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس ٹھہر کر منہ اندھیرے ہی مکہ میں قریش کے پاس آجاتے، وہ قریش کے درمیان اپنی صبح یوں کرتے جیسے رات انھوں نے مکہ ہی میں گزاری ہو۔ اب وہ دن بھر قریش کی وہ باتیں سنتے جو وہ رسول کریم ﷺ کی تلاش کے لیے کرتے اور منصوبے بناتے تھے۔ جو

نبی رات پڑتی جناب عبداللہ غار میں آجاتے اور دن بھر کی کارروائی سے جناب رسول کریم ﷺ اور اپنے والد گرامی کو آگاہ کرتے۔

یہ تو تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا کردار اور وہ کردار جو جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ نے ادا کیا، وہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے غار کے قریب ہی دودھ دینے والی بکریاں چرایا کرتے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جاتا تو وہ بکری کو غار میں لے آتے۔ آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسی گرم دودھ پر رات گزارتے۔ عامر بن فہیرہ تینوں راتیں ایسا ہی کرتے رہے۔

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبی ﷺ ..... الخ : ۳۹۰۵ ]

### حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا کردار:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے: ”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دلیل قبیلے کے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط) کو پیسے دے کر پہلے ہی معاملہ طے کر لیا تھا کہ وہ تین راتیں گزارنے کے بعد دونوں اونٹنیوں کو لے کر غار ثور میں آجائے گا۔ یہ شخص بے شک کافر تھا لیکن قابل اعتماد اور راستوں کا ماہر تھا۔ چنانچہ تیسری رات کی صبح (بروز سوموار) وہ دونوں سواریاں لے کر آ گیا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے: ”ہم نے ان دونوں سواریوں کو سفر خرچ کے ساتھ اچھی طرح تیار کر دیا۔ سفر خرچ کو توشہ دان میں لٹکانے لگے (تو بندھن ہی نہیں تھا) چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اپنا کمر بند کھولا، دو حصوں میں پھاڑا اور ایک کے ساتھ توشہ دان باندھ دیا (اور دوسرے کو کمر کے ساتھ باندھ لیا) اسی لیے ان کا لقب ذات الطاق ”پٹکے والی“ (ایک روایت میں ذات الطاقین یعنی دو پٹکوں والی) پڑ گیا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت کے مطابق: ”قافلہ چل پڑا، عامر بن فہیرہ بھی ہمراہ

تھے، راستے کے ماہر (عبداللہ بن اریقط) نے سمندر کے ساحل والا راستہ اختیار کیا۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبی ﷺ و أصحابہ إلى المدينة :

۳۹۰۵۔ ابن حبان : ۶۸۶۸ و إسناده صحيح ]

اللہ کے رسول ﷺ غار ثور سے یکم ربیع الاول 16 ستمبر 622ء کو مدینہ کی جانب روانہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی اور بلند مقام کا کیا کہنا کہ سارا خاندان ہی رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جان و مال کے ساتھ مصروف کار ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود بھی اور ان کے ساتھ ان کی بیوی ام رومان رضی اللہ عنہا گھر میں سفر کے توشے تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ دونوں بیٹیاں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مصروف ہیں۔ بیٹا عبد اللہ بھی اپنی ذمہ داری نباہ رہا ہے، غلام بھی خدمت میں مصروف ہے اور سواریاں بھی خدمت کے لیے حاضر باش ہیں۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری کی قیمت کی بات کرتے ہیں کہ یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خود داہری ہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھلا کہاں لینے والے ہیں؟ وہ تو خود بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں اور مال بھی قافلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہے۔

خالی خزانے میں پتھر بھر کر نابینے بزرگ کا ہاتھ رکھوا دیا:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دختر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے نکل گئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی چلے گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ اس رقم کی مالیت پانچ ہزار یا سات ہزار درہم تھی۔ والد گرامی یہ رقم لے کر چلے گئے تو ایک دن میرے دادا جی جناب ابو قحافہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے۔ وہ نابینے تھے، کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! میں سوچتا ہوں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ سارا مال لے گیا اور تمہیں مصیبت میں ڈال گیا ہے۔“ میں نے کہا: ”دادا جان! ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ بہت سارا مال چھوڑ بھی گئے ہیں۔“ پھر میں نے یہ کیا کہ پتھر لیے اور ان پتھروں کو دیوار میں بنائے ہوئے خزانے میں رکھا۔ اسی خزانے میں کہ جہاں میرے والد صاحب اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ پھر میں نے ان پتھروں پر کپڑا رکھ دیا اور دادا جی سے کہا: ”بابا جی! ذرا ان پیسوں پر اپنا ہاتھ تو رکھو۔“ انھوں نے اس خزانے پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہنے لگے: ”اچھا، اگر یہ مال تمہارے لیے چھوڑ گیا ہے تو اس نے اچھا کیا ہے۔ اس سے تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں گی۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”حالانکہ اللہ کی قسم! ابا جان نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لیکن میں نے ایسا اس لیے کیا، تاکہ بابا جی پرسکون رہیں۔“

[ سیرۃ ابن ہشام : ۱۳۰/۲ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۶۰۵/۳، ح :

۴۲۶۷ مسند أحمد : ۳۵۰/۶، ح : ۲۷۴۹۷ و إسناده حسن لذاته، طبرانی کبیر :

۸۸/۲۴، ح : ۲۳۵ و إسناده حسن لذاته ]

مہاجر مسلمان ہجرت سے متعلق اپنے سارے امور انتہائی راز داری سے سرانجام دے رہے تھے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ جس طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم نہیں کہ رقم پانچ ہزار تھی، یا سات ہزار اسی طرح یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کو کچھ رقم دے گئے ہوں، جو چند دن کے خرچہ کے لیے اور مدینہ آنے کے لیے کافی ہو، باقی ساری رقم وہ ساتھ لے گئے کہ قافلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا اور اس کی دولتوں سے زیادہ اہم ہے، کہیں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

چرواہے نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنی کا دودھ دوہتے دیکھا تو مسلمان ہو گیا :

حضرت قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہما

چھپتے چھپاتے جا رہے تھے تو ایک غلام کے پاس سے گزر ہوا، جو بکریوں کا چرواہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ مانگا تو وہ چرواہا کہنے لگا: ”میرے پاس بکری تو کوئی نہیں کہ جس

کا دودھ دوہا جائے، ہاں البتہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ سردیوں کے آغاز پر یہ حاملہ ہوئی تھی اور پھر

اس نے حمل گرا دیا اور دودھ اس کے تھنوں میں بھی نہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا: ”ان

باتوں کو چھوڑو، تم یہی اونٹنی لے آؤ۔“

وہ اونٹنی لے آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ کر اس کے تھن کو ہاتھ لگایا، دعا کی اور

اونٹنی نے دودھ اتا دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ برتن اٹھائے آگئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دودھ

دوہنے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا، پھر دوسری بار دوہا تو خود

پیا۔ یہ دیکھ کر چرواہے سے رہا نہ گیا، وہ بول پڑا:

چرواہا: ”تجھے اللہ کی قسم! بتا تو کون ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے آپ جیسا بندہ زندگی میں کبھی

نہیں دیکھا۔“

رسول کریم ﷺ: ”کیا تو وعدہ کرتا ہے کہ اگر میں تجھے تھلا دوں تو تو ہمت چھپا کر رکھے گا؟“  
چرواہا: ”جی ہاں!“

رسول کریم ﷺ: ”میں اللہ کا رسول محمد (ﷺ) ہوں۔“

چرواہا: ”کیا آپ وہی ہیں جن کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ وہ صابی (بے دین) ہے؟“  
رسول کریم ﷺ: ”ہاں! وہ ایسا ہی کہتے ہیں۔“

چرواہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ جو آپ لے کر آئے ہیں، وہ حق ہے کیونکہ جو آپ نے کیا وہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا، اب میں آپ کا پیروکار ہوں۔“

رسول کریم ﷺ: ”موجودہ حالات میں میری پیروی تیرے بس کی بات نہیں، جب تجھے معلوم ہو کہ میں غالب آ گیا ہوں تو ہمارے پاس آ جاتا۔“

[ مستدرک حاکم: ۹، ۸/۳، ح: ۴۲۷۳ و إسناده صحیح۔ طبرانی کبیر: ۱۸/

۳۴۳، ح: ۸۷۴ و إسناده صحیح ]

قربان جائے رحمۃ للعالمین ﷺ کی حکیمانہ نرمی پر کہ آپ ﷺ نے ایک غلام اور چرواہے کی ہمت اور استطاعت کو دیکھا تو اس کے مطابق اسے مشورہ دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اب تو مسلمان ہے، مگر ابھی انتظار کر، ہمیں قوت پکڑ لینے دے کہ تب تیرے لیے اسلام کا اعلانہ اظہار کوئی مسئلہ نہیں رہے گا بلکہ عزت و افتخار کا باعث ہوگا۔

سراقہ کے گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے:

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ ہمارے پاس قریشی کافروں کے قاصد آئے اور یہ پیشکش کی: ”اگر کوئی شخص محمد (ﷺ) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہما) کو قتل کر دے، یا قید کر کے لے آئے تو ان دونوں کے بدلے میں ایک ایک سوانٹ انعام دیا جائے گا۔“ میری قوم بنی مدجنہ تھی۔ میں ان کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اسی قوم کا ایک آدمی سامنے محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے آیا اور ہمارے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں بیٹھا ہوا ہی تھا کہ وہ مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا: ”اے سراقہ! میں سائل پر ابھی ابھی چند لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں، میرا خیال یہی ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں۔“ میں سمجھ تو گیا کہ یہ لوگ واقعی وہی ہیں لیکن میں نے کہا شروع کیا: ”نہیں نہیں، یہ وہ نہیں ہیں، دراصل تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، وہ ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔“

پھر میں مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھا اور کھڑا ہوتے ہی سیدھا گھر گیا، اپنی لونڈی سے کہا: ”میرا گھوڑا تیار کر دے اور اسے لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جا، وہیں میرا انتظار کر۔“ اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور مکان کی پچھلی جانب سے باہر نکلا۔ گھر سے گھوڑے تک میں نیزے کی نوک سے زمین پر لکیر کھینچتا ہوا بڑھتا گیا۔ نیزے کی بلندی کو اس طرح سے میں نے پست رکھا (تاکہ کسی کو خبر نہ ہو کہ نیزہ لے کر کدھر جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی میرے پیچھے چلا آئے اور وہ بھی انعام میں شامل ہو جائے)

یوں جب میں گھوڑے کے پاس آیا تو اس پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کو میں نے خوب دوڑایا تاکہ وہ مجھے جلدی سے اپنے ہدف کے قریب کر دے۔ آخر کار، جب میں قریب چلا گیا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور مجھے زمین پر گرا دیا۔ میں اٹھا اور اپنا ہاتھ ترکش کی طرف بڑھایا۔ ترکش سے تیر نکال کر فال نکالی کہ جن کا میں پیچھا کر رہا ہوں ان کو نقصان ہوگا یا نہیں، فال وہی نکلی جو مجھے پسند نہ تھی۔

لیکن میں نے فال کی کوئی پروا نہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے نے اب کے دوسری بار پھر مجھے رسول کریم (ﷺ) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہما) کے قریب کر دیا، اتنا قریب کہ میں نے اللہ کے رسول (ﷺ) کی تلاوت کو سن لیا۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بالکل ادھر ادھر نہیں دیکھ رہے تھے جبکہ ابو بکر (رضی اللہ عنہما) دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھ دیکھ کر چل رہے تھے۔ اس دوران میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں اس سے گر پڑا۔ پھر میں نے گھوڑے کو جھڑکا کہ وہ کھڑا ہو لیکن وہ اپنے پاؤں زمین سے نہیں نکال سکا، بڑی مشکل سے جب اس نے پوری طرح کھڑے ہونے کی جدوجہد کی تو اس کے سامنے والے قدموں

سے غبار سا اٹھا اور دھویں کی طرح آسمان کی طرف چڑھنے لگا۔ میں نے اب دوبارہ تیروں کی فال نکالی لیکن اس مرتبہ بھی وہی فال نکلی جو مجھے پسند نہ تھی۔

چنانچہ میں نے ہار مان لی اور امان طلب کرتے ہوئے انھیں آواز دی، وہ ٹھہر گئے۔ اب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور ان کے پاس جا پہنچا۔ ان تک برے ارادے کے ساتھ پہنچنے سے مجھے روک دیا گیا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ محمد (ﷺ) کا پروگرام غالب ہو کر رہے گا۔

اب میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کو شہید کرنے کے لیے سوانٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے۔ مزید برآں! ان لوگوں کے ارادوں کے بارے میں بھی آپ (ﷺ) کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) کی خدمت میں کچھ توشہ اور سامان سفر پیش کیا لیکن آپ (ﷺ) نے مجھ سے قبول نہیں فرمایا۔ مجھ سے رسول کریم (ﷺ) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہما) نے کچھ طلب نہیں کیا، صرف اتنی بات کہی: ”ہمارے بارے میں رازداری سے کام لینا۔“

اب میں نے رسول کریم (ﷺ) سے گزارش کی کہ میرے لیے امن کی ایک تحریر لکھ دیجیے۔ اس پر آپ (ﷺ) نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور عامر نے چمڑے کے کاغذ پر امن کی تحریر لکھ دی، پھر اللہ کے رسول (ﷺ) چل پڑے۔

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة :

۳۹۰۶۔ ابن حبان : ۶۲۸۰ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ۱۷۶/۴، ۱۷۷، ح :

۱۷۷۳۴ و إسناده صحيح ]

مشرکین کا یہ چلن تھا کہ وہ بتوں کے نام پر فالیں نکالا کرتے تھے۔ سراقہ بن مالک جو اس وقت مشرک تھا، وہ فالیں نکالتا رہا۔ تاہم یہ اتفاق تھا کہ اس کی فالیں بھی اس کے خلاف نکلیں؟ لیکن جس چیز نے سراقہ کا ذہن بدلا اور اس نے امان طلب کی، وہ جناب سراقہ کے بقول اس کا روکا جانا تھا۔ وہ دو بار روکا گیا، ایک بار گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور دوسری بار پتھر پٹی زمین میں دھنس گیا۔ یہ اللہ کی مدد تھی، اپنے رسول (ﷺ) کے لیے۔

صحیح بخاری (۳۹۱۱) میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سراقہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ شخص جو دن کے شروع میں آپ (ﷺ) پر یلغار کرنے آیا تھا، دن کے آخری حصے میں وہ خود

آپ (ﷺ) کا دفاعی ہتھیار بن گیا۔

راستے میں ملنے والوں کو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا جواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے نبی ﷺ ہجرت کرتے ہوئے سوئے مدینہ محوسفر تھے۔ (راستے میں ایسے مراحل بھی آئے کہ جب) آپ (ﷺ) اونٹنی پر آگے اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (داڑھی سفید ہو جانے کی وجہ سے) بزرگ لگتے تھے۔ ویسے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی جان پہچان زیادہ تھی جبکہ نبی ﷺ (سیاہ داڑھی کی وجہ سے) جوان لگتے تھے اور جان پہچان بھی زیادہ نہ تھی۔ اب جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو راستے میں جو آدمی بھی ملتا تو وہ پوچھتا: ”اے ابو بکر! (رضی اللہ عنہ) یہ آدمی کون ہے جو تمہارے آگے بیٹھا ہوا ہے؟“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جواب دیتے: ”یہ وہ آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھلاتا ہے۔“ اس سے سوال کرنے والا یہ خیال کرتا کہ زمین کا راستہ دکھلانے والا ہے جبکہ اس سے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی مراد بھلائی کا راستہ تھی۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة: ۳۹۱۱]

ام معبد کے خیمے میں آپ ﷺ کا معجزہ:

جناب ہشام اپنے والد حمیش بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ کے ساتھ ام معبد کے خیمے کے پاس پہنچے، یہ خاتون ذرا بڑی عمر کی تھیں۔ یہ صحن میں بیٹھی رہتیں اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتیں اور کھانا کھلاتیں۔

اللہ کے رسول (ﷺ) جب ام معبد کے پاس پہنچے تو آپ اور حضرت ابو بکر نے ام معبد سے پوچھا: ”کیا تمہارے پاس گوشت اور کھجوریں ہیں؟ تاکہ وہ ہم آپ سے خرید لیں۔“ لیکن اس کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔ لوگ ان دنوں خشک سالی اور قحط کا شکار تھے۔ اس دوران اللہ کے رسول ﷺ کی نظر خیمے کے ایک کونے میں پڑ گئی، جہاں ایک بکری کھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

”اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟“ ام معبد نے کہا: ”یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس قابل نہ تھی کہ ریوڑ کے ساتھ چلی جاتی لہذا یہاں کونے میں کھڑی ہے۔“ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا یہ دودھ والی ہے؟“ ام معبد نے کہا: ”یہ بے چاری اس قابل کہاں؟“ تب آپ ﷺ

نے کہا: ”کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟“ ام معبد نے کہا: ”میرے ماں باپ صدقے، اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دوہ لیجیے۔“

اب رسول کریم (ﷺ) نے بکری کے تھن پہ ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لیا اور دعا کی تو بکری نے دودھ دینے کے لیے پاؤں پھیلا دیئے، تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ (ﷺ) نے برتن منگوایا تو ام معبد اتنا بڑا برتن لے کر آئیں کہ وہ بھر جائے تو کئی لوگوں کے لیے کافی ہو۔ آپ (ﷺ) نے اس میں دودھ دوہا، حتیٰ کہ یہ برتن بھر گیا اور اس کے اوپر جھاگ ہی جھاگ تھی۔ پھر آپ (ﷺ) نے ام معبد کو دودھ پلایا، وہ خوب سیر ہو گئیں تو آپ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو پلایا، سب سے آخر پر خود پیا، آپ (ﷺ) کے ساتھیوں نے دوبار پیا اور خوب سیر ہو گئے۔ پھر آپ (ﷺ) نے دوسری بار اسی برتن میں دودھ دوہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس برتن کو بھر دیا اور اسے ام معبد کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ ام معبد نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے نبی (ﷺ) سوئے منزل چل پڑے۔

آپ (ﷺ) کو کوچ کیے ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ ام معبد کے خاوند جناب ابو معبد اپنی کمزور بکریوں کو جو دبے پن کی وجہ سے مریل چال چل رہی تھیں، ہانکتے ہوئے آ پہنچے۔ خیمے میں بڑا دودھ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ بیوی سے پوچھنے لگے: ”اے ام معبد! تیرے پاس یہ دودھ کہاں سے آگیا؟ بکریاں تو دور دراز تھیں اور جو ایک گھر میں تھی تو وہ دودھ دینے کے قابل نہ تھی۔“ ام معبد کہنے لگیں: ”تجھے کیا بتلاؤں، اللہ کی قسم! ایک بابرکت انسان تھا جو ہمارے پاس سے ہو کر گیا۔“ اور پھر ام معبد نے پورا واقعہ بیان کیا۔ اب ابو معبد کہنے لگے: ”اس مبارک آدمی کا حلیہ تو بتلا کہ وہ تھا کیسا؟“ ام معبد اپنے خاوند ابو معبد کو مبارک آدمی کا حلیہ بتلانے لگیں کہ میں نے جو مبارک آدمی دیکھا تو:

۱- ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ..... رنگ چمکتا ہوا۔

۲- أَبْلَجَ الْوَجْهِ..... تابناک چہرہ۔

۳- حَسَنَ الْمَخْلُقِ..... بناوٹ میں حسن کا نظارہ۔

۴- لَمْ تَعْبُهُ نَجَلَةٌ..... نہ بڑھے پیٹ کا عیب لگا ہوا۔

- ۵۔ وَ لَمْ تَزْرِ يَهْ صَعْلَةً ..... نہ سر پہ بالوں کی کمی کا مسئلہ۔
- ۶۔ وَسِيمٌ قَسِيمٌ ..... کھلا کھلا خوبصورت کھڑا۔
- ۷۔ فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ ..... آنکھیں سرگیں۔
- ۸۔ وَ فِي أَشْفَارِهِ وَطْفٌ ..... لمبی پلکیں۔
- ۹۔ وَ فِي صَوْتِهِ صَهْلٌ ..... آواز رعب دار۔
- ۱۰۔ وَ فِي عُنُقِهِ سَطْعٌ ..... گردن صراحی دار۔
- ۱۱۔ وَ فِي لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ ..... گھنی داڑھی میں بال ہلکے سے گولائی دار۔
- ۱۲۔ أَرْجٌ ..... ابرو باریک اور دراز۔
- ۱۳۔ أَقْرُنٌ ..... گھنی بھوؤں والے۔
- ۱۴۔ إِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ ..... خاموش ہوں تو پروقار۔
- ۱۵۔ وَ إِنْ تَكَلَّمَ سَمَاهُ وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ ..... گفتگو فرمائیں تو بالا و کشش دار۔
- ۱۶۔ أَجْمَلُ النَّاسِ وَ أَبْهَاءُ مِنْ بَعِيدٍ ..... دور سے دیکھیں تو سب سے بڑھ کر باکمال اور پر جمال۔
- ۱۷۔ وَ أَحْسَنَهُ وَ أَجْمَلَهُ مِنْ قَرِيبٍ ..... قریب سے دیکھیں تو حسن و رعنائی کے آئینہ دار۔
- ۱۸۔ حُلُوَ الْمُنْطِقِ ..... بولیں تو لگے شیرینی اور مٹھاس کا احساس۔
- ۱۹۔ فَضَلًا لَا نَزْرَ وَلَا هَذْرَ ..... جملے واضح اور دو ٹوک، نہ اختصار نہ زیادہ بول بال۔
- ۲۰۔ كَأَنَّ مَنْطِقَهُ حَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ ..... بولتے تو یوں لگتے جیسے لڑی سے لگی ہے موتیوں کی برسنے برسات۔
- ۲۱۔ رَبْعَةٌ لَا تَشْنَأُ مِنْ طُولٍ ..... قد درمیانہ، ناکہ اتنا لمبا کہ لگے ناگوار۔
- ۲۲۔ وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قَصْرِ ..... ناس قدر چھوٹا کہ آنکھ کو لگے خراب حال۔
- ۲۳۔ غُضُنٌ بَيْنَ غُضُنَيْنِ ..... قد ایسا کہ وہ ہے دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ۔
- ۲۴۔ فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا ..... جو دیکھنے میں دیتی ہے سب سے زیادہ تازہ بہار۔
- ۲۵۔ وَ أَحْسَنُهُمْ قَدْرًا ..... سب سے زیادہ متناسب اعضاء والا۔



۲۶۔ لَهُ رُفْقَاءُ يَحْفُوفُونَ بِهِ ..... اس کے ساتھی اس کے گرد (یوں) گھیرا ڈالے بیٹھتے ہیں  
(جیسے تاروں میں گھرا چاند)۔

۲۷۔ إِنْ قَالَ سَمِعُوا لِقَوْلِهِ ..... آپ بولیں تو وہ ہوتے ہیں گوش بر آواز۔

۲۸۔ وَإِنْ أَمَرَ تَبَادَرُوا إِلَىٰ أَمْرِهِ ..... حکم فرمائیں تو بجالانے میں ہوتے ہیں پا برکاب۔

۲۹۔ مَحْفُوفٌ ..... ہر کوئی خدمت کے لیے حاضر باش۔

۳۰۔ مَحْشُودٌ ..... حاشیے کے اندر چادر پھول دار۔

۳۱۔ لَا عَابِسٌ ..... پیشانی پہ شکن نہیں۔

۳۲۔ وَلَا مُفْنِنٌ ..... طبیعت ترش نہیں۔

ابو معبد یہ جلیہ سن کر کہنے لگے: ”ان صفات کا حامل، اللہ کی قسم! وہی قریش والا شخص ہے، جس کی سرگرمیوں کا ذکر چلتا رہتا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کی خدمت میں حاضری دوں، اگر کوئی راستہ نکلا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔“

[ مستدرک حاکم: ۱/۳۹۷، ح: ۲۷۴ و إسناده حسن، صححه الحاكم و وافقه

الذهبی۔ طبرانی کبیر: ۴/۸۸ تا ۵۱، ح: ۳۶۰۵، حسن۔ طبقات ابن سعد:

۱/۱۷۷ تا ۱۷۹، حسن ]

سفید لباس کا تحفہ:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: ”راستے میں اللہ کے رسول ﷺ کی ملاقات حضرت زبیر سے ہوئی، وہ ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ تھے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ شام سے آ رہا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید لباس زیب تن کروایا۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى: ۳۹۰۶ ]

عرب کے لوگو! دیکھو! تمہارا سردار آ گیا:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں کو اطلاع مل چکی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے چل پڑے ہیں، لہذا وہ روزانہ ”حزہ“ کے مقام تک آتے۔

وہاں انتظار کرتے رہتے، حتیٰ کہ دوپہر کی گرمی شدید ہو جاتی اور پھر انھیں واپس جانا پڑتا۔ ایک دن بہت لمبا انتظار کرنے کے بعد جب مدینہ کے لوگ واپس اپنے اپنے گھروں میں پہنچے ہی تھے کہ ایک یہودی اپنے محل پر کسی کام کے لیے چڑھا، رسول اللہ ﷺ کی جانب اس کی نظر پڑی تو اس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ لیا کہ کچھ لوگ سفید لباس زیب تن کیے چلے آ رہے ہیں۔ جس قدر وہ قریب ہوتے جا رہے تھے اتنا ہی سراب (یعنی زمین وغیرہ کی وہ چمک جس پر چاند اور سورج کی چمک سے پانی کا دھوکا ہوتا ہے) ختم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر یہودی بے اختیار پکار اٹھا: ”اے عرب کے لوگو! تمہارے یہ بزرگ سردار آگئے جن کا تمہیں انتظار تھا۔“ مسلمان ہتھیاروں کی طرف لپکے اور مسلح ہو کر جلدی سے آہ پہنچے اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے استقبال کرنے والوں کو ہمراہ لیا اور دائیں طرف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے بنی عمرو بن عوف کے محلے میں پہنچے۔ یہ سوموار کا دن تھا۔ ربیع الاول کا مہینا تھا (بمطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)۔

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) لوگوں سے ملنے کے لیے کھڑے ہو گئے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ انصار کے وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے جناب رسول کریم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، وہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہی کو (ان کی سفید داڑھی کی وجہ سے محمد کریم ﷺ سمجھ کر) سلام کرتے رہے لیکن کچھ دیر بعد جب سورج کی دھوپ جناب رسول کریم ﷺ پر پڑنے لگی تو جناب صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی چادر سے آپ ﷺ پر سایہ کر دیا۔ اس وقت سب لوگ سمجھے کہ محمد کریم ﷺ تو وہ ہیں جو (سیاہ داڑھی والے) بیٹھے ہوئے ہیں۔ جناب رسول کریم ﷺ نے بنی عمرو بن عوف کے محلے میں تقریباً دس راتوں کا قیام کیا اور مسجد (قبا) کہ جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، اس مسجد کو آپ ﷺ نے اس دوران تعمیر کروایا اور آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا فرمائی۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرۃ النبی ﷺ..... الخ: ۳۹۰، ۴۲۸]

اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے یہودی نے دیکھا۔ حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اے یہودیو! جس نبی کا تم انتظار کر رہے تھے، دیکھ لو! اس پر پہلی نظر تمہاری ہی پڑی ہے، تم اپنی کتاب تورات میں اس نبی کا جنوب کی طرف سے اور

فاران کی سمت سے آنا پڑھتے اور انتظار کرتے تھے، اب وہ نبی آ گیا۔ دیکھنا انکار میں بھی نہیں پہل نہ کر دینا، لیکن یہودیوں کی بد قسمتی کہ وہ اس نبی کے آنے کی پیشگوئی بھی پڑھتے تھے، مدینہ ہی میں اس نبی کا انتظار بھی کر رہے تھے اور اس نبی پر پہلی نظر بھی انھی کی پڑی، لیکن قرآن کے الفاظ میں ﴿أَوَّلَ كَافِرِيهِ﴾ [البقرة: ۴۱/۲] اس نبی کا انکار کرنے میں پہل بھی انھی یہودیوں نے کی۔

تلوار بردار محافظوں کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ کا والہانہ استقبال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جناب رسول کریم ﷺ نے (قبا کے محلہ) بنو عمرو بن عوف میں قیام کے بعد بنونجار کے سرداروں کی طرف مدینہ میں تشریف لے جانے کا پیغام بھیجا۔ وہ خوشی سے تلواریں لٹکائے دوڑتے آئے۔ وہ منظر آج بھی میری نگاہوں کے سامنے اس طرح آ رہا ہے گویا کہ میں اللہ کے رسول (ﷺ) کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ (ﷺ) اپنی سواری پر سوار ہیں۔ جناب ابو بکر (رضی اللہ عنہ) آپ (ﷺ) کے پیچھے بیٹھے ہیں اور بنونجار کے رؤسا تلواریں لہراتے ہوئے آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة: ۴۹۱۱]

صحیح روایات کے مطابق مرد، خواتین، لڑکے اور خدمت گزار گھروں کی چھتوں پر اور راستوں میں کھڑے ہو کر استقبال کر رہے تھے۔

[ابن حبان: ۶۲۸۱ و إسناده صحيح- مشند أحمد: ۳۰۲/۱، ح: ۳ و إسناده

صحيح- المطالب العالیة: ۵۲۹/۹، ح: ۶۱۹۴ و إسناده صحيح]

بخاری (۳۹۰۶) کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ سوموار کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول (ﷺ) اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) مدینہ تشریف لائے تو تقریباً پانچ سو انصار یوں نے آپ (ﷺ) اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا استقبال کیا اور انصار یہ جملہ بول رہے تھے:

﴿إِنطَلَقَا آمِنَيْنِ مُطَاعَيْنِ﴾

[المطالب العالیة: ۵۲۹/۹، ح: ۶۱۹۴ و إسناده صحيح]

”آپ دونوں بے خوف و خطر ہو کر تشریف لائیں آپ کی اطاعت کی جائے گی۔“

رسول کریم ﷺ کی آمد پر حبشیوں کا کھیل:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جب اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ

کی تشریف آوری کی خوشی میں حبشہ کے لوگوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ کھیل پیش کیا۔“

[ أبو داؤد، کتاب الأدب، باب فی الغناء: ۴۹۲۳ و إسناده صحيح ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے: ”جس روز اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابو بکر

مدینہ میں داخل ہوئے، میں نے اس دن سے بڑھ کر زندگی بھر کبھی کوئی ایسا دن نہیں دیکھا جو

اس سے بڑھ کر رنگین اور حسین ہو۔“

[ مسند أحمد: ۱۲۲/۳، ۱۲۳، ح: ۱۲۲۵۹ و إسناده صحيح - مستدرک حاکم:

۱۲/۳، ح: ۴۲۸۱ و إسناده صحيح - الترمذی: ۳۶۱۸ و إسناده حسن لذاته ]

مسجد کے لیے دو یتیم بچوں کی زمین:

حضرت عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”آپ ﷺ اہل مدینہ کے ہمراہ چل رہے تھے

کہ آپ ﷺ کی اونٹنی اس جگہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد نبوی ہے۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة:

۳۹۰۶ - مستدرک حاکم: ۱۱/۳، ح: ۴۲۷۷ و إسناده حسن لذاته ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، منہدم شدہ عمارت

تھی اور کھجوروں کے درخت بھی تھے۔“

[ بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تبش قبور الخ: ۴۲۸ - ابن حبان: ۲۳۲۸ و إسناده صحيح ]

حضرت عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ان دنوں یہاں کچھ مسلمان نماز بھی ادا کیا کرتے

تھے۔ یہ جگہ ہبل اور سہیل نامی دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اس جگہ کھجوروں کو نکبھیر کر خشک بھی کیا جاتا

تھا۔ یہ دونوں لڑکے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھے۔ جب آپ ﷺ کی اونٹنی

وہاں بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے چاہا تو یہی جگہ ہماری منزل ہے۔“ اس کے بعد

آپ ﷺ نے دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے جگہ خریدنے کی بات چیت شروع کی، تاکہ

وہاں مسجد تعمیر کی جا سکے۔ دونوں لڑکوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! قیمتاً نہیں، بلکہ ہم اس جگہ کو ویسے ہی آپ (ﷺ) کے سپرد کرتے ہیں۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ ..... الخ : ۳۹۰۶، ۴۲۸]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یتیم لڑکوں کے الفاظ اس طرح ہیں:

”اللہ کی قسم! بالکل نہیں، ہم اس کی قیمت صرف اللہ سے لیں گے۔“

لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے یہ جگہ مفت نہ لی بلکہ بچوں کو قیمت ادا کر دی۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تبش قبور ..... الخ : ۴۲۸۔ ابن حبان : ۲۳۲۸ و

[سنادہ صحیح]

رسول ہاشمی ﷺ مہمان، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان :

۱۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہر کوئی جھگڑا کر رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں بنونجار کے محلے میں سواری سے اتروں گا، جو عبدالمطلب کے ننھیال ہیں۔“

[مسلم، کتاب الزهد، باب فی حدیث الهجرة و يقال له حدیث الرجل : ۲۰۰۹،

بعد ۳۰۱۴۔ ابن حبان : ۶۲۸۱ و اسنادہ صحیح]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ وہاں پہنچ گئے تو پوچھا: ”ہمارے ننھیالی رشتہ داروں میں سے کس کا گھر یہاں سے قریب ہے؟“ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بولے: ”اے اللہ کے نبی! (ﷺ) میں حاضر ہوں! میرا گھر اور یہ میرا دروازہ ہے، آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے کہا: ”جاؤ! پھر ہمارے دوپہر کے آرام کا بندوبست کرو۔“

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”اللہ کی برکت کے ساتھ آپ دونوں تشریف لے چلیں، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔“ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جو گھر کا کھلا صحن تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے اس میں قدم رکھ دیا۔

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة : ۳۹۱۱]

صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے تو آپ ﷺ چلی منزل میں اور وہ اوپر والی منزل میں رہنے لگے۔ ایک رات حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیچے ہیں اور ہم ان کے اوپر چل پھر رہے ہیں۔ اس سوچ کے تحت وہ کمرے کے ایک کونے میں ہو گئے اور ساری رات اسی کونے میں گزار دی۔ اگلے دن اس واقعہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو آگاہ کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نیچے ہی بہتر ہے لیکن حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”آپ ﷺ نیچے رہیں اور میں چوبارے پر، ایسا نہیں ہو گا۔“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ اوپر قیام پذیر ہو گئے اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نیچے آ گئے۔

[ مسلم، کتاب الأشربة، باب إباحة أكل الثوم..... الخ: ۲۰۵۳/۱۷۱ ]

ایک روایت کے مطابق حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہمارا پانی کا مینا ٹوٹ گیا۔ میں بھی جلدی سے اٹھا اور میری بیوی بھی چادر لے کر پانی کی طرف دوڑی۔ ڈر یہ تھا کہ پانی نیچے ٹپک کر اللہ کے رسول ﷺ کے لیے تکلیف کا باعث نہ بن جائے۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسری اوڑھنے کی چیز نہ تھی۔“

[ سیرة ابن ہشام: ۱۴۰/۲ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۴۶۰/۳،

۴۶۱، ح: ۵۹۳۹ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۵۱۰/۲ حسن ]

یہ تھی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام ایوب رضی اللہ عنہا کی محبت کہ انھوں نے جلدی سے پانی پر لحاف ڈال دیا اور اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا لحاف بھی نہ تھا۔ الغرض، اللہ کے رسول ﷺ نے مہینا بھر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا اور پھر آپ ﷺ اپنے اس گھر میں منتقل ہو گئے جو مسجد نبوی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ بنو نجار سے تھا۔ رسول کریم ﷺ کے دادا جان جناب عبدالمطلب کی والدہ اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے یہ خاندان آپ ﷺ کا نھیال بن گیا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں کے رشتہ داروں سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے دل میں بھی نھیال کے ساتھ فطری محبت کا یہی جذبہ تھا جو موجزن ہوا اور آپ ﷺ

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

مستدرک حاکم (۲/۸۵، ۸۴) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن زید انصاری تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید کے ہمراہ قسطنطنیہ (استنبول) کے جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔

۵۱ ہجری میں وہاں آپ کی وفات ہوئی اور وصیت کے مطابق وہیں شہر کی چار دیواری کے قریب آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔

میں نے اپنے ترکی کے دورہ کے دوران استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر دیکھی۔ یہ علاقہ اب شہر کا حصہ بن چکا ہے۔

قابل غور ہے یہ بات کہ میزبان رسول بڑھاپے کے دوران اسی (۸۰) سال کی عمر میں اس قدر دور صلیبیوں کے خلاف جہاد کرنے آئے۔ اس مجاہد کبیر کی قبر پر کھڑے ہوئے ہاتھ رب کے حضور اٹھے تھے، آنکھیں پر نم تھیں کہ کس قدر عظیم تھے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔



## مدینہ میں مصروفیات

### مسجد نبوی کا سنگ بنیاد:

رسول کریم ﷺ کے خدمت گار جناب سفینہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں: ”جب اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد کی بنیاد رکھی تو آپ ﷺ کے بنیاد رکھنے کے بعد حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) پتھر لائے اور اسے بنیاد میں رکھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور انھوں نے اسے رکھا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پتھر لائے اور انھوں نے رکھا، اس کے بعد جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

« هُوَ لَاءِ وُلاَةِ الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِي »

[ مستدرک حاکم : ۱۳/۳ ح : ۴۲۸۴ و إسناده حسن لذاته، نعیم بن حماد و

حشر ج بن نبیة هما صدوقان وثقهما الجمهور ]

”یہ لوگ میرے بعد حکومتی معاملات کے ذمہ دار (خلفاء) ہوں گے۔“

رسول کریم ﷺ صحابہ کے ہمراہ ایشیوں ڈھورے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ (مسجد کی تعمیر کے لیے) اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا اور مشرکوں کی قبریں اور کھنڈرات وغیرہ سب برابر کر دیے گئے۔ کھجوروں کے درخت کاٹ دیے گئے۔ درختوں کے تنے مسجد کے قبلے کی طرف ایک قطار میں اس طرح کھڑے کیے گئے کہ ان کی دیوار بن گئی اور دروازہ رکھا گیا تو اس کی چوکھٹ پتھروں سے بنائی گئی۔

صحابہ جب پتھر لارے تھے تو شعر پڑھ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے ہمراہ پڑھ رہے تھے۔ اشعار اس طرح تھے:



اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرٌ الْآخِرَةَ  
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

”اے اللہ! دنیا کی دولت و زینت کا ذکر کیا..... دولت و زینت تو آخرت کی ہے  
لہذا انصار اور مہاجرین کو بخش دے (اور آخرت کی دولت و زینت اور بھلائیوں  
سے نواز دے)۔“

[بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور..... الخ: ۴۲۸]

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے  
ہمراہ اینٹیں ڈھور رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

هَذَا الْجَمَالُ لَا خَيْرَ  
هَذَا أَبْرُؤُنَا وَ أَطْهَرُ

”یہ مسجد کی اینٹوں کے بوجھ خیر کے اس بوجھ جیسے نہیں کہ جنھیں لوگ وہاں سے  
کھجوروں اور انگوروں کی صورت میں اٹھا کر لاتے ہیں بلکہ یہ تو وہ بوجھ ہیں جو  
بڑے پاکیزہ ہیں اور ان کا صلہ ہمارے رب کے پاس ہے۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ یہ شعر بھی پڑھتے:

اللَّهُمَّ إِنَّ الْآجَرَ أَجْرُ الْآخِرَةِ  
فَارْحِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

”اے اللہ! اصل مزدوری کا صلہ تو آخرت کی مزدوری کا صلہ ہے، پس انصار پر بھی  
رحم فرما اور مہاجرین پر بھی مہربانی فرما۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابه إلى المدينة: ۳۹۰۶]

منبر رسول بنوانے کا شرف ایک خاتون نے حاصل کر لیا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے  
عرض کی:

”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی شے تیار کروا دوں کہ

آپ اس پر بیٹھ جایا کریں؟ کیونکہ میرا ایک غلام لکڑی کا کاریگر ہے۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

”اگر تو نے ارادہ کر لیا ہے تو پھر منبر بنوادے۔“

[بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الإستعانة بالنجار والصناع ..... الخ : ۴۴۹]

### پیشاب کر لینے دو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ہم سب لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگ گیا۔ صحابہ نے کہا: ”ارے! یہ کیا کر رہا ہے؟“ اور اس کے ساتھ ہی اس کی طرف بھاگنے کو لپکے، اللہ کے رسول ﷺ نے یہ صورتحال دیکھی تو صحابہ سے کہا: ”اس کا پیشاب مت روکو، اسے کچھ مت کہو۔“ چنانچہ صحابہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس دیہاتی نے اپنے پیشاب کا عمل مکمل کر لیا، اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اپنے پاس بلوایا اور کہا:

”یہ جو مسجدیں ہیں ان میں پیشاب اور اس طرح کی نجاستوں سے آلودگی پھیلانا اچھی بات نہیں، یہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر کے لیے بنائی جاتی ہیں، یہ تو نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہیں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں میں موجود ایک شخص کو پانی لانے کا حکم دیا، وہ پانی کا ڈول لے آیا، چنانچہ اس جگہ پانی بہا دیا گیا۔“

[مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ ..... الخ : ۲۸۵]

آج ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے، کسی نمازی نے آئین بلند آواز سے کہہ دی تو سارے نمازی اس کے درپے ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس اگر کوئی نمازی پاؤں سے پاؤں نہیں ملاتا تو ساتھ والا اس کی ٹانگ پکڑ کر جبراً اپنے ساتھ ملاتا ہے، یہ سارے انداز اور طریقے غلط اور جذباتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور کریمانہ اخلاق یہ ہے کہ تم جس کام کو غلط سمجھتے ہو اسے اخلاق کے ساتھ سمجھاؤ اور اگر تم خود ہی غلط ہو تو مخالف کی بات کو وزن دو۔ بہر حال، اخلاق اور ہمدردی کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کس قدر ہمدرد ہیں کہ دیہاتی کے پیشاب کو بھی درمیان میں روکنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اس لیے کہ پیشاب

کودرمیان میں روکنا تکلیف کا باعث ہے، بیماری کا باعث بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ تو سب کے لیے باعثِ رحمت ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم (ﷺ) کے زمانے میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جبکہ مسجد کے ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ جب حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا دور آیا تو انھوں نے مسجد میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ پھر جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا دور آیا تو انھوں نے مسجد کو نئے سرے سے بنوایا اور تعمیر انھی بنیادوں پر کی جن پر رسول کریم (ﷺ) نے کی تھی۔ سامان بھی وہی استعمال کیا، کچی اینٹیں، کھجور کی شاخیں اور کھجور کے تنے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے مسجد نبوی کو از سر نو بہت ساری جدتوں کے ساتھ بدل دیا۔ مسجد کی دیواروں کو منقش پتھروں کے ساتھ بنوایا۔ اپنے دور کے مروج سیمنٹ سے چٹائی کی اور چھت ساگوان کی لکڑی سے بنوائی۔

[بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب بنیان المسجد: ۴۴۶]

قارئین کرام! مسجد نبوی کی پہلی توسیع جناب رسول کریم ﷺ نے خود اس وقت کی جب آپ ﷺ خیبر فتح کر کے مدینہ واپس آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کو مضبوط کیا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے مسجد کو وسیع بھی کیا اور خوبصورت بھی بنایا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے 88ھ میں مسجد کو وسیع کیا، پھر 161ھ میں خلیفہ مہدی نے مسجد کی توسیع کی۔

اس کے بعد عثمانی خلیفہ، عبدالعزیز ثانی کے عہد میں 1265ھ سے لے کر 1277ھ تک متواتر بارہ سال میں مسجد نبوی کی توسیع ہوئی۔

1368ھ بمطابق 1951ء میں جلالتہ الملک شاہ عبدالعزیز آل سعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع پر 5 کروڑ ریال خرچ کیے۔ کل پیمائش 16326 مربع میٹر ہو گئی اور اکتوبر 1955ء میں یہ توسیع مکمل ہو گئی۔

اس کے بعد چودہ سو سالہ تاریخ کی سب سے بڑی توسیع خادم الحرمین الشریفین

شاہ فہد بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا دورانیہ 1405ھ سے لے کر 1414ھ تک ہے۔ تعمیرات کی جدید ترین اور تیز ترین ٹیکنالوجی استعمال کی گئی۔ مسجد کی زمینی منزل کی پیمائش بیاسی ہزار مربع میٹر ہوگئی یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا جو شہر تھا، وہ سارا مدینہ شہر، شاہ فہد رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد بن گیا۔

شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے 2005ء میں خادم الحرمین الشریفین کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی مسجد نبوی کی مزید توسیع کا حکم دے دیا اور یہ توسیع اب تک جاری ہے۔

مسلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے مگر کیسے.....؟:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مجھے بتلایا: ”میں اہل فارس (ایران) میں سے، اصفہان کے باسیوں میں سے تھا، جس گاؤں میں رہائش تھی اس گاؤں کا نام ”جیبی“ تھا۔ میرا باپ کاشتکار تھا، جو اپنی زمین پر کاشت کاری کرتا تھا۔ میرا والد مجھ سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ وہ اتنی محبت نہ اپنے مال سے کرتا تھا اور نہ اپنی دیگر اولاد سے۔ باپ کی یہ محبت میرے ساتھ اسی طرح رہی حتیٰ کہ اس محبت کی وجہ سے باپ نے مجھے گھر میں اس طرح روک لیا جس طرح جوان دو شیزہ کو گھر میں سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ میں اپنے دین مجوسیت کی خدمت میں لگا رہا حتیٰ کہ میں آگ کا خادم بن گیا، اسے جلانے رکھتا اور اسے ایک لحد کے لیے بھیجے نہ دیتا تھا۔ بس میں اپنے اسی کام میں مگن تھا اور باقی دنیا سے بے خبر تھا کہ میرے باپ نے ایک عمارت بنانا شروع کی اس کی کچھ زمین بھی تھی جس میں کھیتی باڑی کا کام تھا، تو اس نے مجھے بلایا اور کہا: ”میرے بیٹے! جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صورت حال یہ ہے کہ مجھے کھیتی باڑی کے کام سے تعمیراتی کام نے مشغول کر رکھا ہے جبکہ کھیتی باڑی کے کاموں سے مطلع رہنا بھی ضروری ہے، لہذا تو زمینوں کی رکھوالی کر، کھیتی باڑی کرنے والوں کی نگرانی کر اور یاد رکھ تو مجھ سے (زیادہ دیر) دور نہ رہنا، کیونکہ اگر تو مجھ سے (زیادہ دیر) دور رہا تو یہ دوری مجھے ہر کام سے پریشان کر دے گی۔“

چنانچہ میں اس کام کی طرف جانے لگا تو عیسائیوں کے گرجے کے پاس سے گزر ہوا۔ میں نے ان کی آوازوں کو سنا تو کسی سے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”یہ عیسائی ہیں

اور وہ نماز ادا کر رہے ہیں۔“ چنانچہ میں دیکھنے کو اندر داخل ہوا تو میں نے ان کو جس حال میں دیکھا وہ مجھے بڑا اچھا لگا۔ اللہ کی قسم! میں انھی کے پاس بیٹھا رہا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ دوسری جانب میرے باپ نے میری تلاش میں علاقے کا کوٹنا کوٹنا چھان مارا، حتیٰ کہ شام کے وقت جب میں خود ہی اپنے باپ کے پاس پہنچا تو میرے باپ نے کہا: ”تو کہاں گیا تھا؟ میں نے تجھے کہاں بھیجا اور تو کدھر پھرتا رہا؟“ میں نے کہا: ”اے میرے ابا جان! میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جنہیں نصرانی کہا جاتا ہے، مجھے ان کی نمازیں اور دعائیں بڑی اچھی لگیں لہذا میں بیٹھا انہیں دیکھتا رہا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔“ باپ نے کہا: ”بیٹا! تیرا دین اور تیرے باپ کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔“ میں نے کہا:

«لَا وَاللَّهِ مَا هُوَ بِخَيْرٍ مِنْ دِينِهِمْ هُوَ لَاءِ قَوْمٍ يَعْبُدُونَ اللَّهَ وَ يَدْعُونَ وَ

يُصَلُّونَ لَهُ وَ نَحْنُ إِنَّمَا نَعْبُدُ نَارًا نُوْقِدُهَا بِأَيْدِينَا إِذَا تَرَكْنَاهَا مَاتَتْ»

”اللہ کی قسم! ہمارا دین ان کے دین سے بہتر نہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی سے دعائیں مانگتے ہیں، اسی کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور ہم ہیں کہ آگ کی عبادت کرتے ہیں، اسے اپنے ہاتھ سے جلاتے ہیں۔ جب اسے چھوڑتے ہیں تو وہ مر (بجھ) جاتی ہے۔“

میری یہ گفتگو سن کر میرا باپ مجھ سے ڈر گیا کہ یہ اب اپنے دین پر نہیں رہے گا، لہذا اس نے میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں اور اپنے پاس گھر میں روک لیا۔ میں نے کسی طرح عیسائیوں کی طرف پیغام بھیجا اور پوچھا: ”وہ دین جس پر میں نے تمہیں دیکھا ہے وہ کہاں سے ملے گا؟“ انھوں نے جواب بھیجا: ”شام میں ملے گا۔“ میں نے پھر پیغام روانہ کیا کہ جب شام سے کوئی بھی قافلہ تمہارے پاس آئے تو مجھے اطلاع ضرور کرنا۔ انھوں نے کہا: ”ضرور کریں گے۔“ چنانچہ ایک دن شام سے کچھ لوگ ان کے پاس اپنی تجارت کے سلسلہ میں آئے۔ اب کے انھوں نے میری طرف پیغام بھیجا: ”ہمارے تاجر آ گئے ہیں۔“ میں نے جواب بھیجا: ”جب وہ اپنے تجارتی امور مکمل کر لیں اور واپسی کا ارادہ کر لیں تو مجھے اطلاع کر دینا۔“ انھوں نے کہا: ”ہم کر دیں گے۔“ چنانچہ جب ان تاجروں نے اپنے امور مکمل کر لیے

اور واپس جانے لگے تو میری طرف پیغام آ گیا۔ میں نے اب اپنے پاؤں میں پڑی لوہے کی بیڑیوں کو کاٹ پھینکا اور ان تاجروں سے جا ملا، پھر میں ان کے ساتھ چل دیا حتیٰ کہ شام پہنچ گیا۔

عیسائی پادری کا خزانہ، سونے چاندی کی سات بوریاں :

شام پہنچ کر میں نے اپنے ہم سفر ساتھیوں سے پوچھا: ”اس دین کے ذمہ داران میں سے سب سے افضل کون ہے؟“ انھوں نے کہا: ”اسقف (بشپ)۔“ میں اس کے پاس آیا اور اسے کہا: ”میری خواہش یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ گرجا میں رہوں، آپ کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت کروں اور آپ سے خیر و بھلائی کی تعلیم حاصل کروں۔“ بشپ نے کہا: ”ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ رہیے۔“ اب میں اس کے ساتھ رہنے لگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ تو بدتر انسان ہے۔ اپنے لوگوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن لوگ مال جمع کر کے اس کے حوالے کرتے ہیں تو یہ اس مال کو اپنے پاس جمع کر لیتا ہے اور مساکین کو نہیں دیتا۔ میں نے اس کا یہ حال دیکھا تو مجھے اس پر شدید غصہ آیا۔ بہر حال وہ جلد ہی مر گیا۔ جب اس کے لوگ اسے دفن کرنے آئے تو میں نے انھیں کہا: ”یہ تو بڑا برا آدمی تھا، تم کو صدقہ کرنے کا حکم اور ترغیب دیتا تھا لیکن جب تم مال جمع کر کے اس کے حوالے کرتے تھے تو یہ اس مال کو بطور خزانہ جمع کر لیتا تھا اور مسکینوں کو نہیں دیتا تھا۔“ لوگوں نے کہا: ”اس کی دلیل کیا ہے؟“ میں نے کہا: ”میں وہ خزانہ نکال کر تمہارے سامنے رکھ دیتا ہوں۔“ لوگوں نے کہا: ”لاؤ۔“ تب میں نے سونے چاندی کی بھری ہوئی سات بوریاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ لوگوں نے جب دیکھا تو کہا: ”اللہ کی قسم! اس شخص کو کبھی دفن نہیں کیا جائے گا۔“ چنانچہ انھوں نے اس کو لکڑی کی سولی پر چڑھا دیا اور اسے پتھروں کے ساتھ مارا۔

آخری نبی کے کندھے پر مہر نبوت ہوگی :

پھر وہ لوگ ایک اور شخص کو لائے اور اسے اس برے آدمی کی جگہ بٹھا دیا۔ اے ابن عباس! اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی سے پہلے ایسا نیک شخص کبھی نہیں دیکھا، وہ پانچ نمازیں پڑھتا اور دن رات نیک کام میں سخت جدوجہد کرتا۔ دنیا کے ساتھ اسے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس

شخص سے بڑی محبت کی۔ ایسی محبت کہ میں نے اس سے پہلے کسی سے نہ کی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ اب میں نے ان سے عرض کی: ”اللہ کا حکم آپ کے قریب آ گیا ہے، جیسا کہ آپ بھی محسوس کر رہے ہیں اور اللہ کی قسم! میں نے آپ سے بڑھ کر آج تک کسی شے سے محبت نہیں کی، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ کس کی جانب جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟“ اس نے کہا: ”بیٹا! بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم! میں سوائے ایک شخص کے کسی کو نہیں جانتا اور وہ موصل شہر میں رہتا ہے، اس کے پاس تم چلے جاؤ، تم اسے میری ہی طرح پاؤ گے۔“

پھر وہ عالم فوت ہو گیا تو میں وہاں سے چل دیا اور موصل جا پہنچا۔ موصل میں اسی عالم کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے پاس پہنچ کر میں نے ان سے کہا: ”فلاں عالم نے مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وصیت کی تھی لہذا میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور آپ کے پاس ہی رہوں گا۔“ اس عالم نے کہا: ”ٹھیک ہے بیٹا! آپ میرے پاس ہی رہیے۔“ میں نے موصل کے اس عالم کو زہد و تقویٰ میں اسی طرح پایا جس طرح شام کے عالم کو پایا تھا۔ ان کے ساتھ وقت گزرا حتیٰ کہ ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کی: ”حضرت! شام کے عالم نے مجھے آپ کے پاس حاضر ہونے کی وصیت فرمائی، اب اللہ کا حکم (موت) جسے آپ دیکھ رہے ہیں، وہ قریب آن لگا ہے، لہذا آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟“ اس پر موصل شہر کے اس عالم نے کہا: ”اے میرے بیٹے! اللہ کی قسم! میں سوائے ایک عالم کے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ اس حق پر ہو کہ جس پر ہم ہیں اور وہ عالم نصیبین شہر میں رہتا ہے، آپ اس کے پاس جائیں اور اس کے پاس رہیں۔“ اس کے بعد یہ حضرت فوت ہو گئے اور ہم نے انھیں دفن کر دیا۔

اب کے میں نصیبین جا پہنچا۔ مذکورہ عالم کے پاس پہنچ کر انھیں بتلایا: ”شام کے عالم نے مجھے موصل کے فلاں عالم کے پاس بھیجا اور موصل کے عالم نے اب مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔“ نصیبین کے اس عالم نے مجھے کہا: ”ٹھیک ہے بیٹا! آپ میرے پاس قیام کیجیے۔“ اب میں ان کے پاس رہنے لگ گیا۔ ان کو بھی میں نے زہد و تقویٰ میں اسی طرح پایا

جس طرح پہلے علماء کو پایا تھا۔ پھر جب ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا تو میں نے ان سے عرض کی: ”حضرت! اللہ کا حکم آپ کے قریب آ پہنچا ہے اور آپ اسے دیکھ ہی رہے ہیں، تو جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے شام کے عالم نے موصل کے عالم کے پاس جانے کی وصیت کی، پھر موصل کے عالم نے آپ کے پاس جانے کی وصیت کی، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟“ انھوں نے کہا: ”بیٹا! اللہ کی قسم! جس طرح حق پر ہم ہیں، ایسے ہی وہ عالم بھی حق پر ہو کہ جس کے پاس میں آپ کو بھیجوں تو میں ماسوائے ایک عالم کے کسی کو نہیں جانتا اور وہ سرزمین روم کے شہر ”عموریہ“ میں ہے، اس کے پاس چلا جا، تو اسے اسی حق پر پائے گا جس حق پر ہم ہیں۔“ وہ فوت ہو گئے تو ہم نے انھیں دفن کر دیا۔

میں موصل سے نکلا اور عموریہ پہنچ گیا۔ عموریہ کے عالم کو بھی میں نے پہلے جیسے علماء کی طرح نیک پایا۔ ان کے پاس قیام پذیر ہوا، یہاں میں نے کمائی بھی کی حتیٰ کہ میرے پاس بکریاں اور گائیں جمع ہو گئیں۔ پھر آخر کار مذکورہ عالم کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا اور میں نے انھیں بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے علماء کو کہتا رہا تھا کہ آپ کے پاس اللہ کا حکم آیا چاہتا ہے، آپ اسے دیکھ رہے ہیں، اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت فرماتے ہیں؟ اس پر عموریہ کے عالم نے کہا: ”جس حق پر ہم ہیں اس پر کوئی اور بھی ہو، اللہ کی قسم! میں ایسے کسی عالم کو نہیں جانتا کہ آپ کو اس کے پاس جانے کی وصیت کروں، لیکن بات یہ ہے کہ اس زمانے کو تو اب پالے گا کہ جس زمانے میں حرم سے ایک نبی مبعوث ہوگا، وہ ایسی سرزمین میں ہجرت کرے گا جو دو حرتوں کے درمیان ہے (پتھروں والی چٹانی سیاہ زمین گویا کہ اسے آگ نے جلا دیا ہے) وہ زمین ویران ہوگی مگر کھجوروں کے درخت سے معمور ہوگی۔ اسی طرح اس پیغمبر کی کچھ اور نشانیاں بھی ہیں۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی، وہ نبی ہدیہ کھائے گا، صدقہ نہیں کھائے گا، اگر تو اس علاقے میں جانے کی ہمت رکھتا ہے تو وہاں چلا جا، اس پیغمبر کا زمانہ تجھ پہ سایہ لگن ہونے والا ہے۔“

عموریہ کے یہ عالم اب فوت ہو گئے، ہم نے انھیں دفن کر دیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، حتیٰ کہ عرب تاجروں کے کچھ لوگ، جن کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا، وہ گزرے۔ میں نے ان سے کہا:



”مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کر لو حتیٰ کہ مجھے سرزمین عرب میں لے جاؤ، اس کے بدلے میں تمہیں اپنی یہ بکریاں اور گائیں دیتا ہوں۔“ انھوں نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“ چنانچہ میں نے انہیں بکریاں اور گائیاں دے دیں۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا لیکن جب وہ سرزمین عرب کی ”وادی القرئی“ میں آئے تو انھوں نے میرے ساتھ ظلم کر ڈالا۔ انھوں نے مجھے وادی القرئی کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اللہ کی قسم! میں نے جب کھجوروں کے درختوں کو دیکھا تو میں نے خیال کیا کہ شاید یہ وہی زمین ہو جس کی صفت میرے لیے عموریہ کے عالم نے بیان کی تھی اور یہ حقیقت میرے سامنے منکشف نہ ہوئی حتیٰ کہ وادی القرئی کے یہودیوں میں سے بنو قریظہ قبیلے کا ایک آدمی آیا۔ اس آدمی نے مجھے اس شخص سے خرید لیا جس کے پاس میں تھا۔ اب وہ شخص مجھے لے کر یہاں سے چلا حتیٰ کہ مدینہ آ گیا۔ اللہ کی قسم! میں نے جونہی اسے دیکھا تو اس شہر کی صفات کو پہچان لیا۔ اب میں اپنے ساتھی کے ساتھ بطور غلام یہاں رہنے لگ گیا۔

میں رسول کریم ﷺ کو چومتا اور روتا چلا جا رہا تھا:

ادھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ میں مبعوث کر دیا، میں غلامی میں تھا۔ میرے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کا کبھی ذکر نہیں ہوا، حتیٰ کہ آپ ﷺ ”قبا“ میں تشریف لے آئے۔ میں اپنے ساتھی کی کھجوروں میں کام کر رہا تھا۔ میں انھی درختوں میں تھا کہ وہ یہودی جو میرا مالک تھا، اس کے بچا کا بیٹا آیا، اس نے کہا: ”اے فلاں! بنو قیلہ (یعنی اوس و خزرج) کو اللہ برباد کرے، اللہ کی قسم! وہ لوگ تو اس وقت قبا میں مکہ کے ایک آدمی کے گرد جمع ہیں اور وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ شخص نبی ہے۔“ اللہ کی قسم! میں نے جونہی یہ سنا تو میں بہت خوش ہوا، گھنے درخت کی وجہ سے میں گرنے سے بچ گیا، وگرنہ قریب تھا کہ میں اپنے مالک پر گر پڑتا۔ اب میں درخت سے نیچے اترا اور پوچھنے لگا: ”کیا خبر ہے؟ کیا ہوا ہے؟“ میرے یہودی مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے شدید طمانچہ رسید کر دیا، وہ کہنے لگا: ”تو کون ہوتا ہے اور تیرا اس خبر سے کیا تعلق؟ چل اور اپنا کام کر۔“ میں نے اسے اس قدر جواب دیا: ”بات تو کچھ

نہیں مگر میں نے ایک خبر کو سنا، میری شدید خواہش ہے کہ اس خبر کو معلوم کروں۔“ خیر جب شام ہوئی تو میرے پاس کھانے کو جو کچھ تھا میں نے اسے اٹھایا اور اللہ کے رسول ﷺ کی جانب چل دیا۔ آپ ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ ﷺ کے سامنے آکر عرض کی: ”مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ پر دیسی ساتھی ہیں، میرے پاس یہ کچھ کھانا ہے جو صدقہ ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس علاقے میں جو سب سے زیادہ حقدار ہیں وہ آپ لوگ ہیں تو یہ کھانا موجود ہے، تناول فرمائیے!“ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اپنے صحابہ سے کہا: ”کھاؤ“ اور خود نہیں کھایا۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا: ”یہ ہے وہ منظر جس کا نقشہ عموریہ کے عالم نے کھینچا تھا۔“

اب میں اپنے ٹھکانے پر چلا گیا، جب کہ اللہ کے رسول گرامی ﷺ مدینہ تشریف لے گئے۔ میرے پاس کھانے کو جو کچھ تھا میں نے اسے دوبارہ جمع کیا اور جناب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ حاضر ہو کر میں نے کہا: ”میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے، لیجیے! یہ ہدیہ و کرامہ ہے، صدقہ نہیں ہے۔“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود بھی کھایا اور آپ ﷺ کے صحابہ نے بھی کھایا۔ اس پر میں نے کہا: ”دو وصف پورے ہو گئے۔“

پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ایک جنازہ سے تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے، میں آپ کے پیچھے دائیں بائیں لپکنے لگا، تاکہ آپ ﷺ کی کمر پر مہر نبوت دیکھوں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے یوں لپکتے ہوئے دیکھا کہ میں کسی شے کی تلاش میں ہوں کہ جو میرے لیے بیان کی گئی تھی تو آپ ﷺ نے اپنی چادر کو اپنے کندھوں سے سرکا دیا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ یہ اسی طرح تھی جس طرح مجھے عموریہ کے عالم نے بتلائی تھی۔ میں نے آپ ﷺ کو پیچھے سے گلے لگا لیا۔ مہر نبوت کو چومنے لگ گیا، میں روئے جا رہا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آواز دی: ”اے سلمان! سامنے آ۔“ چنانچہ میں پلٹا (اب کے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ تشریف فرما ہوئے) تو میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، اب میری خواہش تھی کہ میں اپنا سارا واقعہ آپ ﷺ کے صحابہ کو سناؤں۔ چنانچہ میں نے سارا واقعہ بتایا۔

اے عبد اللہ بن عباس! جس طرح میں نے تجھے سنایا اسی طرح صحابہ کو سنایا تھا۔ پھر جب میں فارغ ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اے سلمان! اپنے مالک کو رقم دے کر آزادی حاصل کر۔“ چنانچہ میں نے اپنے مالک سے معاہدہ کر لیا، اب مجھے آزادی کے بدلے اپنے مالک کو چالیس اوقیہ چاندی دینا تھی اور اس کے باغ میں کھجوروں کے تین سو درخت کاشت کرنا تھے۔ اب ہر موجود شخص نے میری مدد کی۔ ایک نے کھجوروں کے تیس پودے دیے، ایک نے بیس دیے، ایک نے دس دیے، ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق میری مدد کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم انھیں لگانے کے لیے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دو تاکہ میں انھیں اپنے ہاتھ سے گڑھوں میں رکھوں۔“ میں نے گڑھے کھودے اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے صحابہ نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا۔ اس کے بعد ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم فارغ ہو گئے۔“ اب آپ (ﷺ) بھی ہمارے ساتھ نکلے اور پودوں کی کاشت والی جگہ پہنچے۔ اب ہمارے ہاتھوں میں پودے تھے، آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ مبارک سے لگا رہے تھے اور زمین برابر کر رہے تھے۔ اس اللہ کی قسم جس نے آپ (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا! آپ (ﷺ) نے جو پودا بھی لگایا ان میں سے کوئی بھی مرا یعنی سوکھا نہیں۔

اب مجھ پر درہموں کی رقم باقی رہ گئی۔ ایسا ہوا کہ ایک بار ایک آدمی آپ (ﷺ) کے پاس رقم لے کر آیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ سلمان فارسی جس نے اپنے مالک سے رہائی کے لیے معاہدہ کیا ہے، وہ کہاں ہے؟“ چنانچہ مجھے بلایا گیا۔ میں آپ (ﷺ) کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ (ﷺ) نے مجھے فرمایا: ”سلمان! یہ رقم لے لے اور جو تیرے ذمہ ہے اسے ادا کر دے۔“ اس پر میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) جو میرے ذمہ ہے یہ رقم تو اس سے بہت کم ہے۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”اللہ تیرا بوجھ اتارے گا۔“ اس رب کی قسم، جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! میں نے جب اپنے مالکوں کے لیے اس رقم کا وزن کیا تو وہ رقم پوری کی پوری چالیس اوقیہ ہو گئی۔ مجھے غلامی نے روک رکھا تھا، اس لیے میں اللہ کے رسول (ﷺ) کے ساتھ غزوہ بدر اور احد میں شامل نہ ہو سکا تھا، پھر جب میں آزاد ہو

گیا تو غزوہ خندق میں شامل ہوا اور اس کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ کسی بھی غزوہ میں شامل ہونے سے نہیں رہا۔“

[ مسند أحمد : ۴۱/۵ تا ۴۴، ح : ۲۳۷۹۹، و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ۲۴۶/۱ تا ۲۴۸ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۲/۹۲ تا ۹۷ و إسناده حسن لذاته ]

بچہ باپ اور ماں کی صورت پر کیسے جاتا ہے؟ :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو رسول کریم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کا پتا چلا تو وہ چند سوالات کرنے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے : ”میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا کہ جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

پہلا سوال : ”قیامت کی اولین نشانی کیا ہے؟“

دوسرا سوال : ”وہ پہلا کھانا کون سا ہوگا جس سے اہل جنت کی ضیافت ہوگی؟“

تیسرا سوال : ”بچہ کبھی باپ پر جاتا ہے اور کبھی ماں پر، اس کا سبب کیا ہے؟“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ”جبریل نے مجھے ابھی ابھی بتلایا ہے۔“

عبد اللہ بن سلام بولے : ”فرشتوں میں سے یہ وہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے۔“

اللہ کے نبی ﷺ نے ترتیب وار سوالوں کے یوں جواب دیے۔

پہلا جواب : ”قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے ہانک کر مغرب کی

طرف لے جائے گی۔“

دوسرا جواب : ”وہ پہلا کھانا جس سے اہل جنت کی مہمان نوازی کی جائے گی وہ مچھلی کی کبھی

کا بڑھا ہوا ٹکڑا (یعنی تلی) ہوگا۔“

تیسرا جواب : ”بچہ باپ کی شکل پر اس وقت جاتا ہے جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر

غالب آجاتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بچے کی

صورت ماں پر چلی جاتی ہے۔“

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔“ پھر کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ یہ یہودی بڑی بہتان باز قوم ہے۔ جب یہ سنیں گے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو مجھ پر طرح طرح کے بہتان لگائیں گے، لہذا قبل اس کے کہ ان لوگوں کو میرے مسلمان ہو جانے کا پتا چلے ان سے میرے بارے پوچھیے۔“ اس کے بعد یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا: ”تم لوگوں میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟“ یہودی کہنے لگے: ”وہ ہم میں سب سے بہتر آدمی ہیں اور سب سے بہتر انسان کے فرزند ارجمند ہیں۔ فضیلت میں بھی وہ ہم سب سے افضل ہیں اور ان کے والد گرامی بھی سب سے افضل آدمی ہیں۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: ”اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو تب تمہارا کیا خیال ہوگا؟“ کہنے لگے: ”اللہ انہیں اسلام سے محفوظ رکھے۔“ اب اللہ کے رسول ﷺ نے دوبارہ عبداللہ بن سلام کے بارے میں یہودیوں سے پوچھا تو انہوں نے دوبارہ بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جناب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر نکل آئے اور ان کے سامنے آکر کہنے لگے: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“ یہ سنتے ہی یہودی کہنے لگے: ”یہ تو ہم میں سے سب سے شریر آدمی ہے اور شریر ترین آدمی کا بیٹا ہے۔“ وہ ان کے عیب بیان کرنا شروع ہو گئے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ اسی کا مجھے ڈر تھا۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب: ۳۹۳۸]

قارئین کرام! یہودیوں کے جھوٹ اور فریب کا یہ پہلا منظر نہ تھا جس کا مشاہدہ جناب رسول کریم ﷺ نے کیا، ان کا رویہ اول تا آخر مسلمانانِ مدینہ کے ساتھ ایسا ہی رہا۔ جی ہاں! آج تک ایسا ہی ہے۔ یہ ظالم لوگ رسول کریم ﷺ کو پہچان چکے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں مگر ایمان اس لیے نہیں لا رہے تھے کہ ان کی خود ساختہ مذہبی چودھراہٹ کا کیا بنے گا؟ اس چودھراہٹ کا اندازہ البوداؤد کی صحیح سند والی درج ذیل روایت سے لگائیے:

”حضرت عباس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ انصار کی ایسی عورت جس کا بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ نہ رہتا، وہ یہ منت مانا کرتی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنائے گی۔“

[ أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الأسیر بکرہ علی الإسلام : ۲۶۸۲ و إسناده صحیح ]

جی ہاں! یہودی اس مذہبی چودھراہٹ کے سائے تلے اوس اور خزرج سے نذرانے بھی کھاتے اور انھیں سود میں جکڑ کر معاشی بربادی بھی کرتے۔ اب انھیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مفادات پر کلہاڑا چلائیں گے۔

مدینہ میں بخار اور مکہ کی یاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا، میں ان کے پاس گئی اور خیریت پوچھنے لگی:

”اباجان! تمہارا کیا حال ہے؟ اے بلال! آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابہ المدینة : ۳۹۲۶ ]

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ جب ہم مدینہ میں آئے تو اللہ کی یہ زمین سب سے زیادہ وبا والی تھی۔ مدینہ میں بطحان کے نام سے ایک نالہ تھا جس میں بدمزہ اور بدبودار پانی بہا کرتا۔

[ بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب : ۱۸۸۹ ]

اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تو ان کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، انھیں بخار تھا، میں نے ان کے والد کو دیکھا کہ وہ اپنی بیٹی کو بوسہ دے رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں: ”میری پیاری بیٹی! طبیعت کیسی ہے؟“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابہ : ۳۹۱۸ ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تو حال یہ تھا کہ جب انھیں بخار سے کچھ آفاقہ ہوتا تو وہ درد و کرب سے بھری آواز بلند کر کے کہتے: ”کاش! میں جانتا ہوتا کہ کوئی رات مکہ کی وادی میں گزار سکوں گا، میرے ارد گرد ”اذخر“ اور ”جلیل“ کی گھاس ہوگی۔ وہ

دن بھی دیکھنے کو ملے گا جب ”مجہ“ کے چشمے کا پانی بیوں گا۔ وہ وقت بھی کبھی آئے گا کہ ”شامہ“ اور ”طفیل“ کے پہاڑوں کو یہ آنکھیں دیکھیں گی؟“

پھر کہتے: ”اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ کا بیڑا غرق کر، عتبہ بن ربیعہ کو برباد کر اور امیہ بن خلف سے اپنی رحمت کو دور کر کہ جنھوں نے ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے نکال باہر کیا اور یہاں وباؤں کے علاقے مدینہ میں لا پھینکا۔“ ایسے حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حضور دعا کی:

”اے اللہ! ہمارے دلوں میں جس طرح مکہ کی محبت ہے اسی طرح مدینہ کی محبت پیدا کر دے، بلکہ مدینہ کو مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ اے اللہ! ہمارے (پینائشی پیانوں) ”مُد“ اور ”صَاع“ میں ہمارے لیے برکت فرما، مدینہ کی آب و ہوا ہمارے لیے صحت بخش کر دے اور مدینہ کے بخاروں کو جھٹھ (ایک ویران علاقہ) میں بھیج دے۔“

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب: ۱۸۸۹]

اپنے پیدائشی شہر اور دیس سے پیار انسان کی فطرت میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی جب مکہ چھوڑ رہے تھے تو آپ نے اس پہ نگاہ ڈالی اور مخاطب کر کے کہا:

”مکہ! تجھے چھوڑنے کو دل تو نہیں کرتا مگر کیا کروں تیرے رہنے والوں (مشرکین) نے نکلنے پر مجبور کر دیا۔“

[الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکة: ۳۹۲۶ و إسناده حسن لذاته و ۳۹۲۵  
إسناده صحیح۔ مسند أحمد: ۴/۳۰۵، ح: ۱۸۷۴۲ و إسناده صحیح۔ ابن ماجہ:  
۳۱۰۸ و إسناده صحیح]

اسی طرح صحابہ کو بھی مدینہ میں مکہ کی یاد ستانے لگی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کے لیے جو دعا کی اس کی برکت سے اللہ نے مدینہ کو محبوب بنا دیا۔ وباؤں کو بھگا کر مدینہ کو صحت افزا بنا دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی دعا کا اثر ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کو ہیں اور مدینہ منورہ میں آج تک کوئی وبا نہیں پھوٹی، آفرین ہے صحابہ پر کہ جنھوں نے وطن، مال، رشتے دار اور کاروبار وغیرہ سب کچھ چھوڑا تو محض اللہ کے لیے، اللہ کے دین کے لیے۔



میرا آدھا مال لے لو اور بیوی، جو پسند ہو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (گھر بار چھوڑ کر مدینہ آنے والے مہاجرین یعنی) قریش اور (مدینہ کے مقامی لوگوں یعنی) انصار کے درمیان (باہم بھائی چارے) کا عہد و پیمان میرے گھر میں کروایا۔

[ بخاری، کتاب الکفالة، باب قول الله عزوجل ..... الخ : ۲۲۹۴۔ مسلم، کتاب

فضائل الصحابة، باب مواخاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم ..... الخ : ۲۵۲۹ ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ قائم کروا دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے۔ وہ اپنے (اسلامی مہاجر بھائی) عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ”انصار جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، اس لیے میں اپنا مال آدھا کر دینا چاہتا ہوں۔ نصف آپ کے لیے اور نصف اپنے لیے۔ اسی طرح میری دو بیویاں ہیں، ان دونوں میں سے آپ کو جو اچھی لگے، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ جب اس کی عدت (کے دن) گزر جائیں تو آپ اس سے شادی کر لیں۔“ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال و دولت میں برکت فرمائے، مجھے یہ بتلائیے کہ بازار کدھر ہے؟“ لوگوں نے انھیں ”بنوقینقاع“ کے بازار کے بارے میں بتلا دیا۔ اس کے بعد وہ بازار سے اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک کہ انھوں نے گھی اور پنیر سے کچھ نفع نہیں کما لیا۔ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے جسم پر (خوشبو کی) زردی کا نشان تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ”یہ نشان کیسا؟“ وہ بولے: ”میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”مہر کیا دیا ہے؟“ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونا (تقریباً سوا تولہ)“ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُولَئِكَ وَلَوْ بِشَاةٍ»

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب إحصاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم بين المهاجرين : ۳۷۸۱، ۲۰۴۸ ]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



”ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کا کیوں نہ ہو۔“

سجان اللہ! انصار بھائی کا ایثار بے مثال تھا تو مہاجر مسلمان کی خود داری کا کردار بھی

لا جواب تھا۔

کہیں انصار آخرت کا سارا اجر ہی نہ سمیٹ لیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ مہاجرین کہنے لگے:

”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم جن لوگوں کے پاس آئے ہیں ہم نے آج تک ان جیسی قوم نہیں دیکھی کہ ان میں سے جن کے پاس مال زیادہ ہے وہ ہم پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور جن کے پاس دولت تھوڑی ہے وہ ہماری ہمدردی اور خبر گیری میں کمال دکھاتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں روزگار فراہم کیے۔ ہمیں اپنی خوشیوں اور مسرتوں میں شامل کیا۔ اس قدر کہ اب تو ہمیں یہ خوف لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں آخرت کا سارا ثواب وہی نہ لے جائیں۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”جب تک تم انصار کی تعریف اور ان کے لیے دعا کرتے رہو گے، تم سب ان کے اجر میں شریک رہو گے۔“

[ الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ثناء المهاجرين على صنع الانصار معهم : ۲۴۸۷ صحیح۔ أبو داؤد، کتاب الأدب، باب فی شکر المعروف : ۴۸۱۲ إسناده صحیح۔ مسند أحمد : ۳/۲۰۰، ۲۰۱، ح : ۱۳۰۷۹ صحیح ]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار نے رسول کریم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا: ”اس طرح مناسب نہیں۔“

اس کے بعد انصاری لوگ مہاجرین سے کہنے لگے: ”پھر آپ لوگ ہماری زمینوں پر کام کیا کریں اور پھلوں میں ہمارے ساتھ حصے دار بن جائیں۔“ مہاجرین نے کہا: ”آپ کی یہ بات ٹھیک ہے، اسے ہم قبول کرتے ہیں (یعنی باغ تمہاری ملکیت رہیں، کام ہم کریں، پھل

آدھا آدھا کر لیں)۔“

[بخاری، کتاب الحرت والمزارعة، باب إذا قال اکفنی مؤونة النخل..... الخ: ۲۳۲۵]

انصار کو جب پتا چلا کہ مہاجرین تو کھیتی باڑی نہیں جانتے، زراعت کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں رکھتے تو انصار، جو نخلستانوں، زمینوں اور باغوں کے مالک تھے، کھیتی باڑی میں بھی مہاجرین کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگ گئے لیکن پیداوار میں ان کا حصہ نصف ہی رکھا گیا۔ انصار کا کیا کمال درجے کا ایثار تھا۔

یہ اپنے مسکین رشتہ داروں کو دے دو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”حضرت ابو طلحہ مدینے میں وہ انصاری شخص تھے جن کے پاس کھجوروں کے سب سے زیادہ باغات تھے۔ ان باغات میں انھیں جو باغ سب سے زیادہ پیارا تھا وہ ”بیرحاء“ کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے ہی واقع تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور یہاں عمدہ اور میٹھا پانی پیتے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَأْكُلُوا الرِّيحَ حَتَّى تُفْثِقُوا مِنَّمَا جَعَلْتُمْ﴾ [آل عمران: ۹۲/۳]

”تم اس وقت تک نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت پیارا ہو۔“

یہ آیت سن کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے باغات میں سب سے محبوب باغ ”بیرحاء“ کا باغ ہے، میں یہ باغ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ رہے گا، لہذا آپ اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا خوب! یہ مال تو (آخرت میں) بہت نفع دینے والا ہے، مال تو بہت نفع دینے والا ہے۔ اے ابو طلحہ! جو تم نے کہا میں نے سن لیا، اب میری رائے یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! (ﷺ) میں ایسا ہی کروں گا۔“ پھر انھوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔“

[بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ﴾ : ۴۵۵۴]

انصار نے ایثار و قربانی کی انتہا کر دی۔ وہ اپنے مہاجر بھائیوں کو بھائی بنا کر اپنے اموال ان کے سپرد کر رہے تھے اور اللہ کا فرمان سن کر اپنی جائیدادیں اللہ کی راہ میں وقف بھی کر رہے تھے۔ قربان جاؤں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پاک پر کہ آپ ﷺ نے ابو طلحہ کے رشتہ داروں کا خیال کیا کہ وہ مستحق ہیں، ان پر خرچ کرو۔ یہ ایک معاشرتی المیہ ہے، جو اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک امیر آدمی اپنے سے غریب اپنے بہن بھائی، خالد زاد، چچازاد اور ماموں زاد وغیرہ کا خیال ہی نہیں کرتا، بلکہ اپنی عیش و عشرت میں لگن رہتا ہے، یا اگر خرچ کرتا بھی ہے تو غیروں پر، اس کے مال سے اپنے محروم ہی رہیں گے۔ وہ مالدار آدمی اگر دین دار ہے تو مسجدیں اور مدارس تو بنواتا جائے گا لیکن اس کے اپنے قریبی عزیز جھوٹری سے بھی محروم ہوں گے۔ الغرض، یہاں بھی توازن ہونا چاہیے اور اس توازن کا رسول کریم ﷺ نے درس دیا ہے اور یہ ایسا درس ہے کہ اگر خاندان کا ہر امیر آدمی اس کا خیال رکھے تو معاشرے سے غربت و مسکین اور محرومی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جائے۔

انصار اور مہاجرین کی فراخ دلانہ معاشرت:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُمْلِهِمْ يَسْعَوْنَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَعْرَةَ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْعَلُونَ﴾ [الحشر: ۹، ۸، ۷]

”(جہاد و قتال کے نتیجے میں فے اور غنیمت کے اموال میں) ان فقیر مہاجروں کا حصہ ہے جنہیں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا گیا اور ان کا مال چھین لیا گیا

(محض اس وجہ سے) کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی (دین کے پھیلاؤ اور نفاذ کی جدوجہد میں) مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ اس مال میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور یہاں (مدینہ میں) رہ رہے تھے۔ یہ لوگ ہر اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتا ہے اور وہ اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور وہ انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انہیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو ایسے کردار کے لوگ ہی کامیاب ہیں۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینے کا جو معاشرہ تشکیل دیا وہ ایمان کی بنیاد پر تھا۔ گوروں کے دیس سے آنے والا گورا صہیب رومی اور کالوں کے علاقے سے نسبت رکھنے والا بلال حبشی، مکے کا مہاجر اور مدینے کا انصاری، سارے بھائی بھائی بن گئے۔ زبان، نسل اور رنگ کے امتیاز مٹ گئے۔ مدینہ کی ریاست کا معاشرہ یوں متحد اور یک رنگ ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مقابلے کے لیے تیار اور پابہ رکاب ہو گئے۔

یاد رہے! دشمن مسلمانوں کی جہادی تیاری اور قوت سے خائف ہو کر میدان چھوڑ جائے تو اس کا مال ”مال فے“ کہلاتا ہے۔ انصار کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس تو ہماری جائیدادیں موجود ہیں، یہ جو نے کا مال ہے، یہ مہاجرین کو دے دیا جائے، تاکہ وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چند ایک ایسے بھی واقعات تھے کہ انصار اور مہاجرین بھائی چارے کے عہد و پیمان کی وجہ سے ایک دوسرے کی جائیدادوں کے وارث بھی ہو رہے تھے لیکن ایک وقت بیت جانے کے بعد اب اس کی ضرورت نہ تھی۔ معاشرہ ہر لحاظ سے مضبوط ہو چکا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

”اللہ کے ہاں جو خون کے رشتہ دار ہیں (وراثت میں) وہی ایک دوسرے کے حقدار ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننے والا ہے۔“

وراثت کے علاوہ اسلام کی معاشرت میں بھائی چارے کی جو اعلیٰ ترین خصوصیات ہیں وہ اسلام کا حصہ اور حسن ہیں، جو بھی حقیقی مسلمان ہے وہ اس حسین زیور کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قارئین کرام! یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے قبائل بھی آباد تھے۔ مشرک بھی موجود تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاں مسلمانوں کا باہم بھائی چارہ قائم کیا وہاں یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ایک ریاست کی بنیاد بھی رکھی۔ اس معاہدے کی پہلی شق یہ تھی کہ مسلمان باقی سب سے الگ ایک امت ہوں گے یعنی مدینہ میں جو پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اس میں دو قومی نظریہ وجود میں آیا، نیز یہود وغیرہ کے ساتھ یہ بھی طے ہوا کہ باہر کا کوئی دشمن مدینہ منورہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر دفاع کریں گے نیز داخلی معاملات میں جیسا کہ صحیح بخاری (۶۸۴) سے ثابت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے یہود کے بدکار اور زانی کا فیصلہ تورات کے مطابق کیا اور وہ رجم تھا، یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مذہبی آزادی دی تھی اس کے باوجود مسلمانوں کے خلاف یہ لوگ شرارتوں اور بدعہدیوں سے باز نہیں آئے۔

مدینہ میں مہاجرین کے پہلے بچے کی پیدائش:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ شکم میں عبد اللہ بن زبیر کو اٹھائے ہوئے تھیں، اسی حالت میں ہجرت کے لیے نکلیں۔ دن پورے ہو چکے تھے، میں مدینہ آئی تو پہلی منزل قبا تھی۔ قبا ہی میں عبد اللہ پیدا ہوئے، پھر میں انھیں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عبد اللہ کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے ایک کھجور منگوائی اور اسے چبا کر عبد اللہ کے منہ میں رکھ دیا۔ سب سے پہلی چیز جو عبد اللہ کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ جناب رسول کریم ﷺ کا لعاب تھا۔ یوں آپ ﷺ نے عبد اللہ کو

کے لیے برکت کی دعا کی۔ (حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیٹا) عبداللہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلا بچہ ہے جس کی پیدائش ہجرت کے بعد اسلام کے غلبے میں ہوئی۔

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ہجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة :

۳۹۰۹۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحنيك المولود عند ولادته..... الخ : ۲۱۶۶ ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”نبی کریم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال تھی۔ پھر ہم مدینہ آگئے اور بنی حارث بن خزرج کے ہاں قیام کیا۔ یہاں آکر آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے مجھے بخار ہو گیا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے۔ پھر جب صحت مند ہونے کے بعد کندھوں تک بال خوب لمبے ہو گئے، تو ایک دن ایسا آیا کہ میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا آئیں، میں اس وقت جھولا جھول رہی تھی۔ میرے پاس میری چند سہیلیاں بھی تھیں۔ ماں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس چلی گئی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ ماں کا پروگرام کیا ہے۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ (جھولا جھولنے اور دوڑنے کی وجہ سے) میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ جب سانس نارمل ہوا تو ماں نے تھوڑا سا پانی لیا۔ اسے میرے چہرے اور سر پر پھیرا۔ پھر مجھے گھر کے اندر داخل کر دیا۔ وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں، انھوں نے مجھے دیکھ کر عادی کہ خیر و برکت اور خوش نصیبی لے کر آئی ہو۔ اب میری ماں نے مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے میری آرائش کی۔ اس کے بعد دن چڑھے اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے۔ میری ماں نے مجھے آپ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ میری عمر اس وقت نو سال تھی۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ عائشة..... الخ : ۳۸۹۴ ]

سر زمین حجاز، خاص طور پر مکہ کا آب زم زم اور ہوا بڑی صحت افزا ہے۔ فضا گرم اور قدرے خشک بھی ہے۔ فضائی آلودگی سے آج بھی پاک صاف ہے۔ سفید کپڑا پہن لیا جائے تو کئی روز تک میلا نہیں ہوتا۔ ان خصوصیات کی بنا پر وہاں لڑکے اور لڑکیاں انتہائی کم عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں سے بھی زیادہ تیزی سے بالغ ہو جاتی ہیں۔ پھر بعض بچے نشوونما

میں غیر معمولی تیز واقع ہوتے ہیں۔ خوب صحت مند ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحت مند ماں باپ کی بیٹی تھیں، امیر گھرانے سے تعلق تھا، لہذا وہ چھوٹی عمر ہی میں جوان ہو گئیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی اور پیاری بیٹی اللہ کے رسول ﷺ سے بیاہ دی۔ وہ ہم سب مومنوں کی روحانی ماں بن گئیں۔

سردار یثرب کی بادشاہت نابود ہو گئی:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”گدھے کی کمر پر فدک کی بنی ہوئی موٹی چادر رکھی گئی، اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ گدھے پر سوار ہوئے۔ مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستہ میں آپ ﷺ کا گزرا ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول موجود تھا۔ عبداللہ بن ابی مشرک تھا۔ وہ ابھی ظاہری طور پر بھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ مجلس میں مسلمان اور مشرکین یعنی بت پرست اور یہودی ہر طرح کے لوگ تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جب حضور ﷺ کی سواری کے باعث گرداڑی اور مجلس والوں پر پڑی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر سے ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ”ہم پر گرد نہ اڑاؤ۔“ اتنے میں اللہ کے رسول ﷺ بھی مجلس کے قریب آ گئے۔ آپ ﷺ نے سلام کہا، پھر ٹھہرے اور سواری سے اتر گئے، پھر اہل مجلس کو اللہ کی توحید کی دعوت دی اور انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس پر عبداللہ بن ابی کہنے لگا: ”جو کلام آپ (ﷺ) نے پڑھ کر سنایا ہے اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ کلام بہت اچھا ہے مگر ہماری مجلس میں آ کر ہمیں پریشان نہ کیا کیجیے۔ اپنے گھر جائیے پھر اگر کوئی آپ کے پاس جائے تو اسے اپنی باتیں سنائیے۔“

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں، کسی کو پسند لگے یا نہ لگے ہم بہر حال پسند کرتے ہیں۔“ اس کے بعد مسلمان، مشرکین اور یہودی ایک دوسرے کے ساتھ الجھ پڑے۔ قریب تھا



کہ وہ لڑ پڑتے لیکن جناب رسول کریم ﷺ نے ان سب کو ٹھنڈا کیا۔ آخر کار سب لوگ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ آپ ﷺ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بھی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کیا اور کہا: ”اے سعد! کیا آپ نے سنا جو ابو حباب نے کہا؟“ عبداللہ بن ابی کو ابو حباب کہا جاتا تھا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں، اس ذات کی قسم، جس نے آپ (ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی ہے! اللہ نے آپ (ﷺ) کے ذریعے وہ حق بھیجا ہے جو اس نے آپ (ﷺ) پر نازل کیا ہے، بات یہ ہے کہ اس شہر کے لوگ اس شخص پر متفق ہو چکے تھے کہ اس کو تاج پہنا دیں اور شاہی دستار اس کے سر پر باندھ دیں لیکن وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا، جب اس کی وجہ سے بادشاہت کا منصوبہ تمہیں نہیں ہو گیا تو یہ شخص ضد اور عناد میں مبتلا ہو گیا اور اب یہ واقعہ اسی عناد کا اظہار ہے، جسے آپ ﷺ نے ابھی ملاحظہ فرمایا۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو معاف کر دیا۔“

[ بخاری، کتاب التفسیر، باب، ولتسمعن من الذین أوتوا الكتاب..... الخ: ۴۵۶۶۔

مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب فی دعاء النبی ﷺ و صبرہ..... الخ: ۱۷۹۸ ]

نماز کے لیے گھنٹی نہیں اللہ اکبر کا آوازہ بلند کرو:

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر گھنٹی بجانے کا حکم دے دیا تو رات کو جب میں سویا ہوا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص گھنٹی اٹھائے گھوم رہا ہے۔ میں نے اسے کہا: ”اے اللہ کے بندے! کیا تو گھنٹی بیچے گا؟“ اس نے کہا: ”تم اسے کیا کرو گے؟“ میں نے کہا: ”ہم اس کے ذریعے لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے۔“ اس نے کہا: ”کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں، بتلائیے!“ اس نے کہا پھر کہو:

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ



”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔“

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ

”نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ۔“

حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ

”کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ۔“

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”پھر وہ شخص تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے پیچھے ہٹا اور مجھے کہنے لگا: ”جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو (اقامت) یوں کہو:

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ

”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے۔“

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں..... میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ

”نماز کی طرف آؤ..... کامیابی کی طرف آؤ۔“

قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

”نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی۔“

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے..... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

پھر جب صبح ہوئی تو میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات جو کچھ خواب میں دیکھا وہ آپ ﷺ کو بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ نے چاہا تو بلاشبہ یہ خواب سچا ہے، تم بلال (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ تم

نے خواب میں جو کچھ سنا، اسے بتاتے جاؤ تاکہ وہ اذان کہے۔ ایسا اس لیے کر رہا

ہوں کہ تمہاری نسبت بلال (رضی اللہ عنہ) کی آواز بلند ہے۔“

میں بلال (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اسے اذان کے الفاظ بتلائے تو اس نے اذان دی، جب عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اپنے گھر میں اذان سنی، وہ سنتے ہی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے دوڑے اور آکر کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) قسم اس ذات کی، جس نے آپ (ﷺ) کو حق دے کر بھیجا! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا جس طرح عبد اللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) نے دیکھا ہے۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿فَلْيَلِّهِ الْحَمْدُ﴾

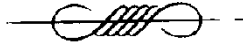
[مسند احمد: ۴/۴، ح: ۱۶۴۸۴ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۱۶۷۹ و

إسناده حسن لذاته۔ أبو داؤد: ۴۹۹ و إسناده حسن لذاته]

”پس اللہ کا شکر ہے۔“

قارئین کرام! اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے مشورہ مانگا تھا کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح اکٹھا کیا جائے۔ کسی نے کہا آگ جلائی جائے، کسی نے کہا صور میں پھونکا جائے۔ یہ مشورہ بھی آیا کہ گھنٹی بجائی جائے۔ آخر کار گھنٹی پر اتفاق ہوا، لیکن اس پر عمل کی نوبت ہی نہ آئی اور عبد اللہ بن زید (رضی اللہ عنہ) نے خواب دیکھ لیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس خواب کو سچا قرار دے

دیا، یوں اس پر مہر نبوت لگ گئی اور یہ دین بن گیا۔ اللہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اذان کے اعزاز سے نوازا تھا، سو نواز دیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے کر دے۔ اس نے اس فضل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی شامل کر دیا۔



## گو سیلا کارروائیاں اور معرکہ بدر

شہروں کا سردار شہر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أُمِرْتُ بِقَرِيَّةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى يَقُولُونَ: يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِينَةُ »

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب فضل المدینة وأنها تنفی الناس: ۱۸۷۱]

”مجھے ایک ایسے شہر میں رہنے کا حکم دیا گیا، تمام بستیاں جس کے ماتحت ہوں گی،

لوگ اسے یثرب کہتے ہیں لیکن اب وہ ”مدینہ“ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ”مدینۃ النبی“ کا نام ”طیبہ“ بھی رکھا اور ”طایبہ“ بھی۔

[مسند أحمد: ۸۹/۵، ح: ۲۰۸۶۳ و إسناده حسن لذاته۔ ۱۰۸، ۱۰۲، ۱۰۱/۵]

[ح: ۲۱۰۲۳، ۲۱۱۰۵ و إسناده حسن لذاته]

صحیح بخاری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”کوئی شخص اس شہر میں بدعت ایجاد نہ

کرے، جس نے ایسا کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔“

[بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة: ۱۸۶۷]

قارئین کرام! مشرکین مکہ جو مدینہ کے مشرکوں کو ابھار رہے تھے کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں

سے جنگ کر کے انھیں مدینہ سے نکال باہر کریں۔ وہ یہودیوں سے بھی رابطے کر رہے تھے، تا

کہ جب وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں تو اندر سے یہودی ان کا ساتھ دیں۔ ان حالات میں اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر کے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی کی بدولت واضح کر دیا کہ

مدینہ کسی کے ہاتھوں فتح نہیں ہوگا، بلکہ یہیں سے لشکر نکلیں گے، شہروں کے شہر فتح ہوں گے

اور وہ مدینہ کے تحت ہوتے چلے جائیں گے۔ مدینہ سے جو حکم صادر ہوگا وہ ان شہروں پر لاگو

ہوگا۔ یوں علاقوں کے علاقے اور ملکوں کے ملک مدینہ کے لقمے بن جائیں گے۔ یہ لقمے جہاد و قتال کے ذریعے مجاہدین کے ہاتھوں سے بنیں گے۔

### قتال کی باقاعدہ اجازت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قتال کے بارے میں جو پہلی آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

﴿ اذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴾ [الحج: ۲۲/۳۹]

”جن لوگوں (مسلمانوں) سے لڑائی کی جاتی رہی ہے انہیں بھی اب قتال کی اجازت دی جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ان پر ظلم کیے جاتے رہے ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان (مظلوموں) کی مدد کرنے پر قادر ہے۔“

[ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ اذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا ﴾: ۴۱۱/۶، ح: ۱۱۳۴۶/۲ و [سنادہ صحیح]

مشرکین مکہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو روک رہے تھے، ان کے اموال ضبط کر رہے تھے، ان کے بیوی بچے بھی چھین رہے تھے، مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے بھی منع کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر رہے تھے۔ اب مدینہ کو مٹانے، مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کو جڑ سے اکھاڑنے اور ان کے آخری ٹھکانے کو بھی تاراج کرنے کے منصوبے بنانے لگ گئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی اجازت دے دی کہ اپنے عقیدے اور علاقے کے دفاع کے لیے ہتھیار اٹھالیں اور خود پر کیے جانے والے ظلموں کے بدلے لے لیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے دستے تشکیل دیے، تاکہ وہ تجارتی شاہراہوں پر گشت کریں۔ ان کے اقتصادی راستے روکیں اور چھاپے ماریں جس سے مشرکین مکہ کو پتا چل جائے کہ مکے کا وہ دور گزر گیا جس میں وہ مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے تھے۔ اب تو مدینے کا دور ہے، جہاد شروع ہو چکا ہے، لہذا انہیں تہ تیغ کیا جائے گا۔ جس طرح انھوں نے مسلمانوں کے معاشی ناطقے بند کیے اسی طرح مکہ سے شام جانے والی شاہراہ پر ان کا ناطقہ بند کیا جائے گا۔ مدینہ اسی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس مقصد کے لیے اس شاہراہ اور ارد گرد کے علاقوں میں مجاہدین کے جو دستے روانہ کیے گئے، وہ سرایا کہلاتے

ہیں۔ سرایا کا واحد ”سُرَّیَّہ“ ہے۔ اس کا مطلب جہادی گوریلا دستہ ہے، جو دشمن کو دہشت زدہ کرنے کے لیے چھپ کر حملہ کرتا ہے اور نقصان پہنچا کر اپنی راہ لیتا ہے۔ موجودہ زبان میں اس عمل کو Hit And Run (مارو اور بھاگو) کہا جاتا ہے۔

دھاوے اور معرکے:

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں: ”میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تھا، ان سے دریافت کیا گیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی؟“ انھوں نے کہا: ”انہیں غزوات میں۔“ ان سے سوال ہوا: ”تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی جنگیں لڑی ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”سترہ۔“ میں نے سوال کیا: ”پہلا غزوہ کون سا تھا؟“ انھوں نے عشیرہ یا عمیرہ کہا۔ پھر میں نے قنادہ رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے عشیرہ کہا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة العشيرة..... الخ : ۳۹۴۹۔ مسلم، کتاب

الجهاد، باب عدد غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۱۲۵۴ بعد ۱۱۸۱۲ ]

”سُرَّیَّہ“..... گوریلا جنگ کے اس دستے کو کہا جاتا ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ”غزوہ“ اس جنگ یا لڑائی کو کہا جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل ہوئے۔

یاد رہے! اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اب غزوہ کا لفظ عام ہے۔ وہ جنگ جو اللہ کے دین کی بلندی کے لیے مسلمان لڑیں اس جنگ کو غزوہ بھی کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو جہنم کی آگ سے آزاد ہونے کی خوشخبری سنائی جو ہندوستان کے خلاف غزوہ کرے گا، فرمایا:

« عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ، عِصَابَةٌ تَغْزُوا الْهِنْدَ وَ عِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ »

”میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم کی آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے خلاف غزوہ کرے گا اور ایک گروہ وہ ہے جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہو کر غزوہ کرے گا۔“

آپ کے الفاظ: «تغزو الہند» واضح کر رہے ہیں کہ غزوہ کا لفظ مسلمانوں کی جنگ پر قیامت کے دن تک بولا جاسکتا ہے۔

اڑھائی ہزار اونٹوں کے قافلے کا تعاقب:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ”بواط“ کی وادی میں غزوہ کے لیے گئے تو آپ ﷺ مجدی بن عمرو جہنی کا پیچھا کر رہے تھے۔“

[ مسلم، کتاب الزہد، باب حدیث جابر الطویل ..... الخ: ۳۰۰۹ ]

یاد رہے! بطاویء مدینہ منورہ سے ایک سو کلومیٹر کی مسافت پر واقع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ اسی تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جہاں قریش مکہ اپنے تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے، سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ قریش کا قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا تعاقب کر کے قریش کو پیغام دیا کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کی جو سازشیں مدینہ کے یہود اور اردگرد کے مشرک قبائل کے ساتھ مل کر کر رہے ہیں، ان سے باز آ جائیں وگرنہ تجارتی سودوں میں نفع کے بجائے خسارے کا سودا کر بیٹھیں گے۔

مشرکوں کے تجارتی قافلے کا تعاقب:

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں جناب ابواسحاق کی روایت میں ”غزوہ عثمیرہ“ کا ذکر کیا ہے۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة العثمیرة ..... الخ: ۳۹۴۹ ]

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رضی اللہ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”الرحیق المنخوم“ میں اور دارالسلام کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ”اٹلس سیرت نبوی“ میں ڈاکٹر شوقی ابوخلیل نے اس غزوہ کے بارے میں جو لکھا ہے، اس کے مطابق یہ غزوہ 2 ہجری بمطابق دسمبر 626ء کو ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہمراہ ڈیڑھ یا دو سو مہاجر مجاہدین کو لیا۔ لشکر کے پاس صرف تیس اونٹ تھے۔ مجاہدین باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس مہم کا مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنا تھا جو شام جا رہا تھا۔ جب آپ ﷺ اس قافلے کے تعاقب میں ”عثمیرہ“ کے مقام پر پہنچے تو قافلہ نکل چکا تھا۔

عشیرہ کو ”ذوالعشیرہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مقام بحر قلزم کے ساحل پہ واقع ینبع شہر کے نواح میں ہے۔ عشیرہ مدینہ منورہ سے ایک سو تیس کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔  
تجارتی راستہ بند کرنے کی دھمکی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انھیں بتلایا کہ وہ (تجارتی امور میں) امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ جب بھی امیہ (شام جانے کے لیے) مدینہ سے گزرتا تو ان کے یہاں قیام کرتا۔ اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ (تجارتی اور دیگر امور میں) جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے۔ پھر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ گئے، وہاں انھوں نے امیہ کے ہاں قیام کیا تو امیہ سے کہا: ”میرے لیے تمہاری کا کوئی وقت دیکھو تا کہ میں اس دوران بیت اللہ کا طواف کر لوں۔“ امیہ دوپہر کے وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لے کر نکلا تو ابو جہل کی ان دونوں سے ملاقات ہو گئی۔ ابو جہل اب امیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ”اے ابوصفوان! یہ تیرے ساتھ کون ہے؟“ امیہ نے کہا: ”یہ سعد بن معاذ ہیں۔“ یہ سن کر ابو جہل جناب سعد رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ”اچھا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم تو بڑے امن و اطمینان سے طواف کر رہے ہو حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو (اپنے ہاں مدینہ میں) پناہ دے رکھی ہے اور یہ بھی ارادہ رکھتے ہو کہ (دوران لڑائی) ان کی مدد بھی کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو سلامت بچ کر گھر نہ جاتے۔“ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی آواز ابو جہل کے خلاف اونچی ہو گئی، وہ اسے کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! اگر آج تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں تمہیں ایسی چیز سے روکوں گا جو تمہارے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ ہوگی، تیرا (تجارتی) راستہ تو مدینہ ہی سے ہو کر جاتا ہے نا۔“

امیہ درمیان میں آ گیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ”سعد! ابو الحکم (ابو جہل) کے سامنے بلند آواز سے مت بولو، یہ مکہ کے لوگوں کا سردار ہے۔“ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیہ سے کہنے لگے: ”امیہ! تو اس کی کیا بات کرتا ہے، اللہ کی قسم! میں نے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم



کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ لوگ تجھے مروائیں گے۔“ امیہ کہنے لگا: ”کیا مکہ میں؟“ حضرت سعدؓ نے کہا: ”اس کا مجھے نہیں پتا۔“ امیہ یہ سن کر سخت گھبرا گیا پھر جو نبی اپنے گھر آیا تو بیوی سے کہنے لگا: ”اے ام صفوان! دیکھتی نہیں، یہ سعد میرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟“ بیوی کہنے لگی: ”انہوں نے تجھے کیا کہہ دیا ہے؟“ امیہ کہنے لگا: ”یہ کہہ رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں گے۔ میں نے سعد (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ کیا مکہ میں؟ تو وہ کہنے لگے کہ اس کا مجھے نہیں معلوم، اب اللہ کی قسم! میں تو مکہ سے باہر قدم نہیں رکھوں گا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل بیدر: ۳۹۵۰ ]

مشرکین مکہ ہوش کے ناخن نہیں لے رہے تھے۔ وہ تو بیت اللہ کے دروازے بھی مسلمانوں کے لیے بند کر رہے تھے۔ ایک مسافر اور مہمان کو قتل کی دھمکی مکہ جیسے پر امن شہر میں دے رہے تھے۔ جو اب میں حضرت سعدؓ نے بھی واضح کر دیا کہ تمہاری تجارتی شہ رگ ہمارے ہاتھ میں ہے جب اسے دبائیں گے تو تمہاری چیخ بھی نہ نکل سکے گی اور آنکھیں ٹاڑے لگ جائیں گی۔ مزید برآں! حضرت سعدؓ نے امیہ کے بارے میں رسول کریم ﷺ کی جو پیشگوئی سنائی، وہ بدر کے میدان میں پوری ہو کر رہی۔

مجاہدین کے ہاتھوں پہلی بار کافر کا قتل:

حضرت جندب بن عبداللہؓ سے مروی ہے: ”نبی کریم ﷺ نے ایک جہادی دستہ تشکیل دیا۔ کمانڈر ابو عبیدہ بن جراحؓ کو بنایا۔ وہ چلنے لگے تو رسول کریم ﷺ سے جدائی کے غم میں زار و قطار رونے لگے اور بیٹھ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی کیفیت دیکھ کر ان کی جگہ عبداللہ بن جحشؓ کو کمانڈر مقرر کر دیا۔ ایک تحریر بھی ان کے حوالے کی اور حکم دیا: ”جب تک تم فلاں جگہ نہ پہنچ جاؤ تحریر نہ پڑھنا۔“ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”جب اس مقام پر پہنچو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو آگے جانے پر مجبور نہ کرنا۔“ چنانچہ عبداللہ بن جحشؓ جب مقررہ مقام پر پہنچے تو خط پڑھنے لگے، شہادت کی موت کا خیال آیا تو (( اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ )) پڑھا اور کہنے لگے: ”ہم نے (فرمان رسول ﷺ) سنا اور (سننے کے بعد) محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اطاعت پر ڈٹ گئے۔“ پھر انھوں نے اپنے جہادی ساتھیوں کو صورتحال بتلائی (کہ جو آگے جانا چاہتا ہے وہ جائے اور جو نہیں جانا چاہتا وہ یہیں ٹھہر جائے) اور خط پڑھ کر سنایا۔ کل بارہ ساتھیوں میں سے اب دس مجاہد موجود تھے کیونکہ دو آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ایک ایک کر کے باری باری سوار ہوتے تھے جبکہ راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوآن رضی اللہ عنہ کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ باقی سفر پر گامزن ہو گئے، حتیٰ کہ وہ وادی نخلہ میں جا پہنچے۔ وہاں ان کا سامنا مشرکین کے تجارتی قافلے سے ہوا تو واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تیر نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ مجاہدین کو یہ پتا نہ چل سکا کہ معرکے کا یہ دن رجب کے مہینے کا ہے یا جمادی الثانی کا ہے۔ اس پر مشرکین مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے کہ انھوں نے حرمت والے مہینے میں قتل کا اقدام کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ

اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [البقرة: ۲/۲۱۸]

”بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے، انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں (باقی دوران جہاد بھول چوک سے جو غلطی ہوگئی تو) اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔“

[ السنن الكبرى للبيهقي ۱/۹، ۱۲، ح: ۱۷۷۴۵، اسنادہ حسن لذاتہ۔ مسند أبي يعلى: ۲/۶۳، ۶۴، ح: ۱۵۳۱، اسنادہ حسن لذاتہ۔ طبرانی کبیر: ۲/۱۶۲، ۱۶۳، ح: ۱۶۷۰، اسنادہ حسن لذاتہ]

امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں جو لکھا ہے اس کے مطابق مشرکوں کے تجارتی مال کو مسلمانوں نے مال غنیمت بنایا۔ پانچواں حصہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ جب مجاہدین مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینہ میں آئے تھے اور وہاں یہودیوں نے بھی شور مچا رکھا تھا کہ دیکھو، حرمت والے مہینے میں کہ جس میں جنگ و قتال منع ہے، مسلمانوں نے قتال کیا ہے۔ مشرکین مکہ نے بھی خوب پروپیگنڈا کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ طیش میں بھی تھے۔ اس صورتحال میں مجاہدین بھی فکر مند ہو گئے کہ ان سے جو غلطی ہوئی اس کا کیا بنے گا؟ تاہم اللہ تعالیٰ

نے سورہ بقرہ کی آیت نازل کر کے مجاہدین کو اطمینان دلایا کہ وہ ایمان، ہجرت اور جہاد کے جس راستے پہ گامزن ہیں وہ اللہ کی رحمتوں کا راستہ ہے اور اس راستے پہ چلتے ہوئے جو کوئی غلطی وغیرہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے کا جواب مشرکین اور دیگر اعتراض کرنے والوں کو بھی دیا اور اس وقت مشرکین مکہ کو بھی کہ جب وہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے مدینہ آئے تھے اور انھوں نے بھی یہی اعتراض کیا کہ بتلاؤ رجب کے مہینے میں قتال کرنا کیسا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے نبی ﷺ پر یوں نازل فرمایا:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ فِيهِ كَيْدٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾

[البقرة: ۲/۲۱۷]

”میرے نبی! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ ان کو جواب دو ٹھیک کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا بہت برا ہے مگر یہ تو بتلاؤ کہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور پھر حرمت والی مسجد کا راستہ بند کرنا، پھر مکہ کے رہنے والے (مسلمانوں) کو وہاں سے نکال باہر کرنا، یہ سارے اقدامات تو اللہ کے ہاں کہیں زیادہ برے ہیں۔ (قتل پر شور مچاتے ہو، جبکہ یہ تمہارا برپا کیا ہوا) فتنہ تو اس قتل سے کہیں بڑا جرم ہے (جس کا تم ارتکاب کرتے پھرتے ہو)۔“

یاد رہے! اسلام کی تاریخ میں حضری پہلا کافر تھا جو قتل ہوا، اسی طرح جو دو قیدی بنے، یہ پہلے قیدی تھے جو اسلام کی قید میں آئے اور مال غنیمت بھی پہلا مال غنیمت تھا جو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے حاصل کیا۔ انھوں نے اس مال میں سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے اور پانچواں حصہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے رکھا۔ مال غنیمت کے ابھی احکام نہیں آئے تھے لیکن بعد میں اسلام کے اندر اسی فیصلے کو برقرار رکھا گیا جو حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

مشرکین کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا دستہ مکہ محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے قریب سے اپنی کارروائی کر کے..... مدینہ میں اتنی دور سلامتی کے ساتھ واپس چلا گیا اور یہ کہ وہ اب اپنے گھر کے ارد گرد بھی محفوظ نہیں ہیں، لہذا انھیں امن کا راستہ نکالنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خون بہا ادا کر کے اور قیدیوں کو رہا کر کے جس عدل و احسان اور فراخ دلی کا ثبوت دیا، اس سے بھی ان لوگوں کو نرم ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو اور زیادہ بھڑکے، جوش اور انتقام میں بھڑکنے لگے اور مدینہ کو تاراج کرنے کی بھرپور تیاریاں کرنے لگے اور یہاں تک دھمکی دینے لگے کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کا صفایا کر دیا جائے گا۔

صحابہ نے رکوع ہی میں رخ بدل لیا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، پھر وہ وقت آیا کہ قرآن کا یہ مقام نازل ہوا:

﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ۱۴۴/۲]

” (میرے رسول) ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی جانب اٹھ رہا ہے (اس خواہش کے ساتھ کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ قبلہ بن جائے) تو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے، جو آپ کو پسند ہے، چنانچہ اب اپنا رخ حرمت والی مسجد (کعبہ) کی جانب کر لو۔“

[مسلم، کتاب المساجد، باب تحويل القبلة..... الخ: ۵۲۷]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”رسول کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ آپ کی خوشی اس بات میں تھی کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی وہ عصر کی نماز تھی۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ ایک آدمی جو ان نمازیوں میں شامل تھا، وہ یہاں سے نکلا اور اس کا گزر ایک دوسری مسجد کے نمازیوں کے پاس سے ہوا۔ یہ نمازی رکوع کی حالت میں تھے۔ مذکورہ شخص نے پکار کر کہا: ”میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مکہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی

ہے۔“ یہ نمازی جس حالت میں تھے اسی حالت (رکوع) میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔“

[بخاری، کتاب الإیمان، باب التوجه نحو القبلة حيث كان : ۳۹۹]

جس وقت قبلے کی تبدیلی کا حکم آیا تو آپ ﷺ اس وقت سلمہ قبیلے کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھالی تھیں۔ اس دوران قبلے کی تبدیلی کا حکم آ گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف رخ پھیر کر پڑھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کو مسجد ذوالقبتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔ قربان جائیں آپ ﷺ کے صحابہ پر کہ انھیں جب اور جہاں جہاں اس حکم کی خبر ملی، انھوں نے فوراً قبلہ تبدیل کر لیا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق قبا کے لوگوں کو فجر کے وقت ایک شخص نے قبلے کی تبدیلی کا حکم نماز پڑھنے کے دوران سنایا تو انھوں نے اپنے چہرے جو شام کی طرف تھے، کعبہ کی طرف کر لیے۔ حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجیے۔

[مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلة من المقدس إلى الكعبة : ۵۲۶]

قبلے کی تبدیلی اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ مشرکین مکہ توحید کے مرکز خانہ کعبہ کی خدمت کے اہل نہیں، چنانچہ ان سے یہ منصب اور ذمہ داری ہی نہیں بلکہ مکہ اور خانہ کعبہ بھی چھین جانے والے ہیں۔ اس حکم میں یہودیوں کو بھی یہ پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی، ان کی کرتوتوں کی وجہ سے وہ نعمت چھین لی گئی ہے۔ عیسائیوں کو بھی اس فیصلے کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا کہ یروشلم کا شہر، جس پر اب قبضہ تمھارا ہے یہ مسلمانوں کا قبلہ اول بن چکا ہے، لہذا اس شہر کی چابیاں مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوں گی، یعنی قبلے کی تبدیلی کا فیصلہ دراصل تینوں قوموں کی معزولی کا فیصلہ تھا۔ اس بات کا فیصلہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وارث مشرکین مکہ نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ اسی طرح ہیکل سلیمانی بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث اب یہودی نہیں رہے بلکہ مسلمان بن گئے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وارث عیسائی نہیں رہے بلکہ مسلمان ہیں۔ تحویل قبلہ کے حوالے سے اس فیصلے کا اعلان ہو چکا تھا، اب عملدرآمد کا مرحلہ تھا۔

یہ مرحلہ آگے چل کر جہاد کے ذریعے طے ہوا، چنانچہ سب سے پہلے مکہ فتح ہوا اور مشرکین

علماء معزول ہو گئے، پھر بیت المقدس فتح ہوا، عیسائیوں نے اپنے ہاتھوں سے شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کیں اور یوں عیسائی اور یہودی دونوں عملاً مغلوب اور معزول کر دیے گئے اور وہ لوگ جو آخری رسول کریم ﷺ کے پکے اطاعت گزار تھے وہ آدم ﷺ سے لے کر جناب رسول کریم ﷺ تک تمام نبیوں کے حقیقی وارث بنا دیے گئے۔ مسلمانوں کی یہ پاکباز جماعت صحابہ کی جماعت تھی۔

جی ہاں! مستقبل میں مندرجہ بالا بڑی کامیابیوں کے حصول کا اب تقاضا تھا کہ کسی بڑے معرکے کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ اس معرکے کے اسباب پیدا ہوئے، ”بدر“ میں کفر و اسلام کے درمیان پہلا باقاعدہ معرکہ ہوا۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ کا آغاز:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کو ابوسفیان کے قافلے کے آنے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے مجلس مشاورت کا انعقاد کیا اور قافلے پر یلغار کا مشورہ مانگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا لیکن آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر حضرت عمرؓ نے گفتگو کی تو تب بھی آپ ﷺ نے ان کے مشورے پر دھیان نہ دیا۔ اب انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) لگتا ہے آپ چاہتے ہیں کہ ہم بولیں، اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ ﷺ ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر میں دوڑادیں تو ہم گھوڑوں کو سمندر کی نذر کر دیں اور اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم انتہائی دور برک غماد تک جا پہنچیں تو ہم وہاں پہنچ جائیں۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے جب یہ سنا تو لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة بدر : ۱۷۷۹ ]

طالوت کے مجاہد 313، بدر کے جاں نثار بھی 313:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے سنا کہ ابوسفیان اپنے تجارتی قافلے کے ہمراہ شام سے واپس آ رہا ہے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب

دلائی کہ وہ قافلے والوں کی طرف لپکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان لوگوں کا مال اموال ہے، لہذا اس قافلے کی طرف نکلو۔ شاید اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس قافلے کا مال بطور غنیمت کے عطا فرمادے۔“

[سیرت ابن ہشام: ۲/۲۵۰، اسنادہ حسن لذاتہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۳/۳۶۲]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کے صحابہ اس بات پر گفتگو کیا کرتے تھے کہ بدر کے مجاہدین کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی جناب طلوت کے مجاہدین کی تھی، وہ کہ جنھوں نے جناب طلوت کے ہمراہ دریا پار کیا تھا۔ اس دریا کو سوائے مومن کے کسی نے پار نہیں کیا تھا، یہ لوگ تین سو تیرہ تھے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب عدة اصحاب بدر: ۳۹۵۸]

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال باہر کیا۔ دین کے معاملے میں ان پر جبر اور ظلم کیا۔ ہجرت کے وقت جہاں مکانات اور دیگر جائیدادیں چھین لیں، وہاں نقد رقم اور زیورات تک چھین لیے، سواریاں چھین لیں حتیٰ کہ بیوی بچے چھین لیے اور کئی ایک کو قید کر دیا، پھر اسی پر بس نہیں، وہ مدینہ میں بھی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کے لیے متواتر منصوبے بنا رہے تھے۔ یشرب کے یہود اور مشرکین سے ساز باز کر چکے تھے۔ مدینہ میں سرکاری چراگاہ پہ چھاپہ مار کر اونٹ لے گئے تھے۔ مسلمان اس واقعہ سے پہلے بھی یہ حق رکھتے تھے کہ ان کے تجارتی اموال کے قافلوں کو مال غنیمت بنا کر بدلے لیں لیکن اب تو بدلہ لینا ان پہ واجب ہو چکا تھا، لہذا طائف کے قریب یہ بدلہ مسلمانوں نے لیا، لیکن رجب کے مہینے میں یہ جھڑپ ہو جانے کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے کمال عدل و احسان سے اس کا مداوا کیا۔ مشرکین پھر بھی ساز باز سے باز نہ آئے، لہذا وہ قافلہ جو شام جاتے وقت عیشیرہ کے مقام پر بیچ نکلا تھا، اب جب وہ واپس مکہ آ رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس قافلے پہ یلغار کرنے کا اعلان کر دیا اور یہ بالکل برحق تھا۔ اس قافلے میں اہل مکہ کی دولت بڑے پیمانے پر لگی ہوئی تھی اور یہ دولت وہ تھی جو مسلمانوں کی جائیدادیں بیچ کر حاصل کی گئی تھی۔ قریش نے طے کیا تھا کہ مسلمانوں کی اس دولت سے جو منافع ہوگا وہ مسلمانوں کو مٹانے کے پروگرام پر استعمال ہوگا، جبکہ اصل رقم لوگوں کو واپس کر دی جائے گی۔ یہ دولت کس قدر تھی اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اس قافلے



میں ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دوسو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا سامان لدا ہوا تھا۔

**ثواب کا حریص ہوں، پیدل چلوں گا:**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”بدر کے دن ہم لوگ سوار یوں کی قلت کی وجہ سے ایک اونٹ پر تین تین سوار ہوتے تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اونٹ پر باری باری سواری ہوتی تھی۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدل چلنے کی باری آئی تو ابولبابہ اور جناب علی رضی اللہ عنہما نے عرض کی: ”آپ تشریف رکھیں، ہم آپ کی طرف سے باری باری پیدل چلتے رہیں گے۔“ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

« مَا أَنْتُمْ بِأَقْوَى مِنِّي وَلَا أَنَا بِأَغْنِي عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمْ »

[مسند أحمد: ۱/۴۱۱، ۴۱۸، ح: ۳۹۰۰۔ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۴۷۳۳ و

إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۲/۲۰۳، ح: ۴۲۹۹۔ إسناده حسن لذاته ]

”تم دونوں مجھ سے زیادہ باہمت نہیں ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم دونوں تو اجر لے جاؤ اور میں محروم رہ جاؤں۔“

رسولوں کے سردار ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، قیامت تک کے لیے رسول ہیں، مدینے کے حکمران بھی ہیں اور اپنی فوج کے سریم کمانڈر بھی مگر عاجزی اور ثواب کی طلب کا انداز ملاحظہ ہو، بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ اے اللہ! اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار حکمران عطا فرما، جو ہجرت و جہاد کے سفروں کی عظمت کا ادراک رکھتے ہوں۔ (آمین!)

مشرک نے کہا ”میں آپ کی کمان میں لڑ کر مرنا چاہتا ہوں“:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جانب محو سفر ہوئے۔ جب آپ ”حرۃ الیورۃ“ کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ جرأت و بسالت کے تذکرے کرنے لگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اسے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔ اب اس کے اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:



مشرك: ”میں تو آیا ہوں کہ آپ کے پیچھے پیچھے چلوں، آپ کے ساتھ ہو کر لڑوں اور مارا جاؤں۔“

رسول کریم ﷺ: ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ۔“  
مشرك: ”نہیں!“

رسول کریم ﷺ: ”تو پھر جدھر سے آیا ہے ادھر ہی چلا جا، مجھے کسی مشرك کی مدد کی ضرورت نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”وہ چلا گیا، پھر جب ہم ایک درخت کے پاس آئے تو وہ آدمی دوبارہ آیا اور آپ ﷺ سے پھر وہی پہلے والی بات کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ اس کے بعد جب رسول کریم ﷺ ”بیداء“ کے مقام پر پہنچے تو وہ شخص پھر آگیا۔ آپ ﷺ کے پاس آیا اور پھر وہی بات دہرا دی۔ آپ ﷺ نے بھی اسے پہلے والا ہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ۔ اب کے اس نے کہا: ”ہاں! میں ایمان لاتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے اسے کہا: ”ٹھیک ہے! پھر چل ہمارے ساتھ۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب کراہۃ الاستغاثۃ فی الغزو بکافر..... الخ: ۱۸۱۷۔ أبو داؤد:

۲۷۳۲ و إسناده صحیح۔ الترمذی: ۱۵۵۸ و إسناده صحیح۔ مسند أحمد: ۱۴۸/۶، ۱۴۹،

ح: ۲۵۶۷۳ و إسناده صحیح ]

قارئین کرام! قافلہ اپنے دامن میں اس نئے مومن مجاہد کو لے کر چل رہا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے ذرا اوپر تھی اور انصار کی تعداد دو سو چالیس سے ذرا زیادہ تھی۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب عدة أصحاب بدر: ۳۹۵۶ ]

ابوسفیان کا خوف اور مکہ میں خطرے کا سائرن:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”ابوسفیان جب حجاز کے قریب آیا تو وہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا، کیونکہ اسے اس

بات کا خوف تھا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ اس کے قافلے کا راستہ روکیں گے اور اس کے پاس قریش کا جو مال و دولت ہے وہ سب چھین لیں گے۔ آخر کار اس نے بعض سواروں سے یہ خبر سن ہی لی کہ محمد کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ تیرے اور تیرے قافلے کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ چونکا ہو گیا اور اس نے فوراً ایک شخص کی خدمات حاصل کیں۔ اس کا نام ضمضم بن عمرو غفاری تھا۔ اسے اشرفیاں بھی دیں اور اسے مکہ روانہ کر دیا، یہ حکم دے کر کہ وہ قریش میں خطرے کا سائرن بجائے اور انھیں آگاہ کرے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی قافلے پر یلغار کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں، لہذا وہ اپنے قافلے کی مدد اور اس کو بچانے کے لیے مکہ سے نکلیں، چنانچہ ضمضم برق رفتاری سے مکہ دوڑا۔“

[ سیرۃ ابن ہشام : ۲۴۹/۲، ۲۵۰، إسناده حسن لذاتہ۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۳۲۱۳ ]

### حالت جنگ میں بھی عہد کی وفا:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”بدر میں جہاد کرنے سے جس چیز نے مجھے روکا، وہ یہ تھی کہ مدینہ جانے کے لیے مکہ سے میں بھی نکلا اور میرے والد جناب حسیل بھی نکلے۔ ہمیں کفار نے پکڑ لیا، کہنے لگے: ”تمہارا ارادہ محمد (ﷺ) کے پاس جانے کا ہے؟“ ہم نے کہا: ”ہمارا ارادہ تو مدینہ جانے کا ہے۔“ تب انھوں نے ہم سے اللہ کے نام پر عہد اور میثاق لیا کہ ہم راستے میں محمد (ﷺ) کے پاس نہیں بلکہ سیدھے مدینے جائیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھ مل کر ہم سے لڑائی نہیں کریں گے۔“ چنانچہ ہم راستے میں اللہ کے رسول ﷺ سے ملے اور ہم نے آپ ﷺ کو اس سارے واقعہ سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”تم دونوں مدینہ چلے جاؤ۔ ہم ان (کفار) کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب الوفاء بالعہد : ۱۷۸۷۔ مسند أحمد : ۳۹۵/۵ ]

ح : ۲۳۷۴۶، إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم : ۳۷۹/۳، ح : ۵۶۶۱، صحيح [

ابو جہل کے اصرار پر امیہ جنگ کے لیے نکل کھڑا ہوا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جب بدر کی لڑائی کا موقع آیا تو ابو جہل نے لڑائی کی تیاری کے لیے قریش کو مکہ سے نکالا اور لوگوں سے کہنے لگا: ”اپنے قافلے کی مدد کو نکلو۔“ (لوگ نکل رہے تھے) لیکن امیہ کا دل نکلنے کو نہیں مان رہا تھا۔ ابو جہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اے ابو صفوان! تم وادی کے سردار ہو، جب لوگ دیکھیں گے کہ تم جیسا آدمی لڑائی کے لیے نہیں نکل رہا تو وہ بھی نکلنے سے رک جائیں گے۔“ ابو جہل متواتر اسے مجبور کرتا رہا، حتیٰ کہ امیہ کو کہنا پڑا: ”جب تو نہیں مانتا تو اللہ کی قسم! میں یہ کروں گا کہ ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا کہ اس جیسا اونٹ مکہ میں نہ ہوگا۔“ پھر (امیہ اپنی بیوی سے) کہنے لگا: ”ام صفوان! لڑائی کا سامان تیار کر دے۔“ بیگم کہنے لگی: ”ابو صفوان! کیا اپنے بیٹری یار کی بات بھول گئے ہو؟“ امیہ بولا: ”بھولا نہیں ہوں، فکر نہ کر، بس میں ان لوگوں کے ساتھ تھوڑی دور تک جاؤں گا (اور راستے ہی میں کہیں سے واپس آ جاؤں گا)“ لیکن جب وہ نکل کھڑا ہوا تو راستے میں جس منزل پر بھی ٹھہرتا (واپس جانے کا سوچتا، اور) اونٹ اپنے پاس ہی باندھے رکھتا۔ وہ ہر پڑاؤ پر ایسا ہی کرتا رہا حتیٰ کہ (کرتے کرتے بدر جا پہنچا اور وہاں) اللہ نے اسے (مسلمانوں کے ہاتھوں) قتل کروا دیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل بیدر: ۳۹۵۰]

ابو جہل کی قیادت میں ایک ہزار مشرکین کا لشکر نکل کھڑا ہوا، پھر راستے میں یہ خبر ملی کہ ابو سفیان کے قافلے نے راستہ بدل لیا اور اب وہ مسلمانوں سے بچ کر محفوظ و مامون مکہ میں جا رہا ہے تو اس پر بعض لوگوں نے واپس جانے کی رائے دی مگر ابو جہل نہیں مانا، چنانچہ یہ لوگ متواتر مسلمانوں کی طرف بدر کی جانب بڑھتے رہے کیونکہ انھیں خبر تھی کہ مسلمانوں کا رخ بدر کی طرف ہے۔ قریش مکہ یہ عزم لے کر آرہے تھے کہ اب پوری طرح مسلح ہو کر نکل ہی کھڑے ہوئے ہیں تو مسلمانوں کا قلع قمع کر کے ہی جائیں گے۔

مجاہدو! دونوں میں سے ایک آج تر نوالہ بنے گا:

﴿وَاذْعِبْذِكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الظَّالِمِينَ أَتَاهَا لَكُمْ وَتَوَدُونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ

لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّقَ الْعَسَى بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَهُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ [الأنفال: ۷/۸]

”یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں (لشکر یا قافلہ) میں سے ایک تمہاری دسترس میں آئے گا۔ (مسلمانو!) تم تو یہ چاہتے تھے کہ قافلہ تمہارے ہاتھ لگ جائے جبکہ اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام کے ذریعے حق کو حق ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔“

یہودی موسیٰ علیہ السلام کو پیٹھ دکھا گئے، لیکن ہم آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب اللہ کے نبی ﷺ کو ابوسفیان کے قافلہ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بات کی تو آپ ﷺ نے اعراض کیا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی:

﴿إِنَّا نُرِيدُ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُحْيِيَهَا

الْبَحْرَ لَأَحْضِنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرَكِ الْعِمَادِ لَفَعَلْنَا﴾

”اگر آپ ہم (انصار) سے مشورے کے طالب ہیں تو قسم ہے مجھے اس ذات کی،

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ ﷺ) اگر ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم دشمن

سے لڑنے کے لیے سمندر میں کود جائیں تو ہم کود جائیں گے اور اگر آپ ﷺ)

ہمیں بزرگ العماد تک بھی چلنے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے حکم کی پیروی

کریں گے۔“

پھر نبی کریم ﷺ لوگوں کو جمع کر کے بدر کی طرف نکل گئے۔

[مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة بدر: ۱۷۷۹۔ مسند أحمد: ۲۵۷/۳،

۲۵۸، ح: ۱۳۷۱۱ و [إسناده صحيح]

اسی طرح کے الفاظ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے بھی کہے تھے۔

[مسند أحمد: ۲۱۹/۳، ۲۲۰، ح: ۱۳۳۰۱ و [إسناده صحيح]

صحیح بخاری میں ہے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کہا:

« يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى ﴿قَادَهُبَ  
أَلْتِ وَرَبِّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَهُنَا قَاعِدُونَ﴾ وَ لَكِنْ أَمْضِ وَ نَحْنُ مَعَكَ »

[ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله..... الخ : ۴۶۰۹ ]

”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور جنگ کرو،

ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ آپ (ﷺ) چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔“

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۳۹۵۲) میں ان کے یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں :

« نُقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفِكَ »

”ہم آپ (ﷺ) کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔“

یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔

ملت نیند میں، مگر رہبر کھڑا جاگ رہا تھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جب ہم ”بدر“ میں رات کے وقت آئے تو ہم میں سے کوئی ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو سو نہ گیا ہو، سوائے اللہ کے رسول ﷺ کے کہ آپ ﷺ ایک درخت کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور دعا کر رہے تھے۔“

[ مسند ابی یعلیٰ : ۱/۱۴۶، ح : ۲۷۵ و إسناده صحيح - مسند أحمد : ۱/۱۲۵،

ح : ۱۰۲۳ و إسناده صحيح ]

قارئین کرام! میں نے بدر کا میدان دیکھا ہے۔ تصور مجھے چودہ سو سال پیچھے لے گیا۔ میں دیکھتا ہوں تمام مجاہدین نیند کی گہری وادی میں جا چکے ہیں، وہ تھکاوٹ سے چور اپنے اونٹوں کے پاس رہتی اور پتھر ملی زمین پہ پڑے ہیں۔ کوئی خزانے لے رہا ہے اور کئی ہموار سانس لیتے جا رہے ہیں۔ ان سب کے چیف کمانڈر جناب محمد کریم رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ چل کر آئے ہیں۔ کسی پر ڈٹو کول اور سہولت کے بغیر آئے ہیں۔ اپنی باری پہ پیدل چل کر آئے ہیں۔ تھکاوٹ سے وہ بھی چور ہیں مگر کھڑے ہیں، ہاتھ اٹھائے اپنے رب کے دربار میں کہ مولانا! دیکھنا! میرا تیار کیا ہوا باغ کہیں اجڑ نہ جائے؟

مولا! پروردگار! ہائے! کہاں سے لاؤں ایسا کمانڈر انچیف جو آج کے دور میں جرنیل اعظم محمد اکرم رضی اللہ عنہ کے نقوش قدم پر نگاہ و دل وارے اور فتح اس کے گلے کا ہار بنے۔  
بارش کی ہلکی ہلکی پھوار کے ساتھ مجاہدین کی مدد:

﴿ اِذْ يُغِيثُكُمُ الْعَاسِمَةَ مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَ بِهٖ وِيَذْهَبَ عَنْكُمْ رِجْسَ الشَّيْطٰنِ وَيَلْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ وَيَهَيِّئَ لَكُمْ الْاَقْدَامَ ﴾ [الأنفال: ۱۱/۸]

”وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تمہارا خوف دور کرنے کے لیے تم پر غنودگی طاری کر دی اور آسمان سے تم پر بارش برسادی، تاکہ تمہیں پاک کر دے اور تمہارے قدم جما دے اور شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست تم سے دور کر دے۔ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔“

بارش بھی ہوئی اور پھوار بھی برستی رہی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان جو اونچی جگہ تھے، وہاں انہوں نے حوض بنا کر پینے کے پانی کا بندوبست کر لیا۔ ریتیلی مٹی جم گئی، جس سے ان کے قدم جم گئے۔ دوسری طرف مشرکین نشیمنی جگہ تھے، وہاں کیچڑ ہو گیا، پھر رات کو مجاہدین پر اونگھ بھی طاری رہی، جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔ مجاہدین کے دلوں میں شیطان کے وساوس کہ مشرکوں کی فوج اور وسائل بہت زیادہ ہیں، سب ختم ہو گئے۔ اس خصوصی نعمت اور مدد کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تذکرہ فرمایا ہے۔

صحیح بخاری کی روایات (۲۹۱۵، ۲۸۷۵، ۲۸۷۷) کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جھونپڑا بھی بنایا گیا، جسے قبہ اور عریش کہا گیا ہے۔ یہ اس لیے بنایا گیا کہ یہاں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی قیادت فرمائیں گے۔

یا اللہ! اپنے وعدے پورے کر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک قبلے کی طرف کر لیا، اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور اپنے رب سے دعا کرنے لگے:

﴿ اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ، اَللّٰهُمَّ! اَبِ مَا وَعَدْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ! اِنَّكَ اِنْ

تَهْلِكُ هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدُ فِي الْأَرْضِ»

”اے اللہ! مجھ سے تو نے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر دے۔ اے اللہ! جس (فتح) کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا وہ عطا فرما دے۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔“

آپ ہاتھ پھیلانے، قبلہ کی جانب رخ کیے ہوئے لگا تار اپنے رب کو پکارتے رہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، آپ کی چادر کو اٹھایا، اسے آپ کے کندھوں پر ڈالا اور پھر آپ کے پیچھے سے آپ کو چٹ کر کہنے لگے:

”اے اللہ کے نبی! (ﷺ) بس کیجیے! آپ کی اتنی دعا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔“ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِذْ تَسْتَعِينُونَ رَبَّكُمْ فَأَسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِئْتِ مِنَ الْبَلَاءِ مُدْرِفِينَ﴾

[الأنفال: ۹/۸]

”یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری فریاد کو قبول کر لیا اور کہا میں تمہاری مدد کو پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔“

[مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب الإمداد بالملائكة..... الخ: ۱۷۶۳]

② حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آخر پر اللہ کے رسول ﷺ اس طرح رب کے حضور فریاد کناں تھے:

«اللَّهُمَّ! إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَأَحْمِلْهُمْ، اللَّهُمَّ! إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَأَكْسِبْهُمْ، اللَّهُمَّ! إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ»

”اے اللہ! یہ پاؤں سے ننگے ہیں، ان کو جوتے اور سواریاں عطا فرما۔ اے اللہ! یہ ننگے ہیں ان کو لباس عطا فرما، اے اللہ! یہ (مجاہدین) بھوکے ہیں، ان کو سیر کر دے۔“

چنانچہ اللہ نے بدر کے دن فتح عطا فرمائی تو مجاہدین گھروں کو جب پلٹے تو ان میں سے کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کے پاس ایک یا دو سواریاں نہ ہوں، اسی طرح انھیں پوشاکیں بھی

ملیں اور خوراکیں بھی وافر ہو گئیں۔

[ أبو داؤد، کتاب الجهاد والسمیر، باب فی النفل للمسیرة..... الخ : ۲۷۴۷۔ إسناده

حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۱۴۵/۲، ح : ۲۶۴۲ و إسناده حسن لذاته ]

⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کے دن کہا: ”یہ جبریل ہیں، اپنے گھوڑے کے سر (کے بالوں) کو پکڑے ہوئے ہیں، جنگ کے ہتھیار زیب تن کیے ہوئے ہیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائكة بدرًا : ۳۹۹۵ ]

قارئین کرام! اب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، عتبہ مبارزت کے لیے میدان میں آچکا تھا، مبارزت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں لشکروں میں سے ایک ایک، دودو، یا تین تین جنگجو نمودار ہوتے، ان کے مابین جنگ ہوتی اور دونوں لشکر یہ منظر دیکھتے۔ ان کی فتح و شکست کے بعد گھمسان کا رن پڑتا۔

صحیح بخاری کی روایت (۳۹۶۵) کے مطابق تین تین شہسوار میدان میں آئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابلے کے لیے قریش کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ولید بن عتبہ آئے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں شیبہ بن ربیعہ آئے۔ رب رحمان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھوں گا:

حضرت قیس بن عبادہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں سب سے پہلے رب رحمان کے حضور دو زانو بیٹھ کر اپنا مقدمہ پیش کروں گا۔“ قیس بن عبادہ کہتے ہیں کہ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ هٰذٰلِكَ خَصَّمٰنٍ اِخْتَصَمُوْا فِي رَیْبِهِمْ ﴾ [الحج : ۱۹/۲۲]

”یہ ہیں لڑنے جھگڑنے والے دو گروہ جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔“

(یہ جھگڑا کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو بدر کے دن مبارزت کے میدان میں نکلے:

① حمزہ رضی اللہ عنہ..... عتبہ بن ربیعہ کے مقابل۔



② علی رضی اللہ عنہ..... ولید بن عقبہ کے مقابلے میں۔

③ عبیدہ رضی اللہ عنہ..... شیبہ بن ربیعہ کے لیے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل: ۳۹۶۵]

حضرت علی رضی اللہ عنہ قیامت کے دن رب کے حضور شاید یوں کہیں گے: ”اے اللہ! ہمارا ان مشرکوں سے جھگڑا تھا تو صرف تیری خاطر، دعوت کے میدان میں ماریں کھائیں تو صرف تیرے لیے، ہم مبارزت کے میدان میں آئے تو تیری خاطر اور تیری خاطر ہی تیرے دشمنوں کو قتل کیا۔“ جب قرآن قیامت تک کے لیے ہے تو دو گروہ بھی قیامت تک رہیں گے، ایک گروہ میں کتاب و سنت کے حامل سیرت نبوی پہ عمل پیرا مسلمان ہیں اور دوسرے گروہ میں مشرکین، ہندو، بدھ مت، سکھ اور یہودی و عیسائی وغیرہ ہیں، دوسرے گروہ کے ساتھ جو مسلمان لڑ جھگڑ رہے ہیں، یہ بڑے خوش قسمت مسلمان ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ کے حضور دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ جائیں گے اور وہ جس انداز کے جھگڑے کرتے رہے، ان کی تفصیل اپنے رب کو سنا کر کافروں کے خلاف مقدمے بنوائیں گے:

① خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی خاطر تقریریں کرتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، کانفرنسیں اور اجتماعات کا انعقاد کرتے ہیں۔

② کالم لکھتے ہیں، تحریریں سامنے لاتے ہیں، کتب لکھتے ہیں، میگزین جاری کرتے ہیں، انٹرنیٹ کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، ویب سائٹس بناتے ہیں اور دیگر ذرائع بروئے کار لاتے ہیں، تاکہ رب کی خاطر خوب جھگڑے کریں۔

③ جھگڑنے کا آخری مرحلہ جہاد و قتال ہے، وہ یہاں بھی برسرِ پیکار ہیں، آفرین ہے ان پاکباز مجاہدین پر جو اس مبارزت کو قبول کر کے لڑتے جھگڑتے چلے جا رہے ہیں۔

اسلحہ کے استعمال کی عسکری ہدایت:

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بدر والے دن ہمیں یہ ہدایت دی: ”جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلاؤ، (ابھی) اپنے تیر بچا کر رکھو۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب: ۳۹۸۴]

اللہ کے رسول ﷺ کی عسکری ہدایت ایک اعلیٰ ترین جنگی اصول ہے یعنی ہدف متعین کیے محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بغیر تیر ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اسلحہ پہلے ہی کم ہے، لہذا اسے بچا کر رکھا جائے۔  
مجاہدین اپنے جرنیل اعظم جناب محمد کریم ؓ کی ان عسکری ہدایات کو پلے باندھے دشمن کے  
چھکے چھڑا رہے تھے۔

عمیر ؓ واہ! واہ! کراٹھے اور پھر.....؟

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ جب مشرک قریب آگئے تو آپ ؐ نے  
(مجاہدین کو ترغیب دیتے ہوئے) فرمایا:

« قَوْمُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ »

”(مجاہدو!) لپکو ایسی جنت کی جانب کہ جس کی چوڑائی اس قدر ہے جس قدر کہ  
ساتوں آسمان اور زمین ہے۔“

(یہ سنتے ہی) عمیر بن حمام انصاری ؓ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! ؐ (اللہ ؐ) ایسی  
جنت کہ جس کی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے؟“ آپ ؐ نے  
جواب دیا: ”بالکل!“ حضرت عمیر ؓ کہنے لگے: ”بخ، بخ! یعنی واہ واہ!..... کیا بات ہے۔“  
یہ سن کر آپ ؐ نے حضرت عمیر ؓ سے کہا: ”بخ، بخ کس وجہ سے کہا ہے؟“ جناب  
عمیر ؓ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! ؐ (اللہ ؐ) اللہ کی قسم! اس کے علاوہ کچھ نہیں، بس  
خواہش ہے تو یہی کہ میں اس جنت کے رہنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔“ آپ ؐ نے فرمایا:

« فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا »

”تو اس جنت کے باسیوں میں سے ہے۔“

اب حضرت عمیر ؓ نے اپنی تھیلی میں سے کھجوروں کو نکالا اور کھانے لگے پھر (جنت کا  
خیال آگیا تو) کہنے لگے:

« لَيْسَ أَنَا حَيِّتٌ حَتَّى أَكُلَ تَمْرَاتِي هَذِهِ ، إِنَّهَا لِحَيَاةٍ طَوِيلَةٍ »

”اگر ان کھجوروں کو کھانے تک میں زندہ رہا تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہے۔“

پھر ان کے پاس جو کھجوریں تھیں انھیں انھوں نے پھینک دیا اور قتال کرنے لگے حتیٰ کہ

شہید ہو گئے۔

[ مسلم، کتاب الأمانة، باب ثبوت الحنة للشہید: ۱۹۰۱۔ مسند أحمد: ۱۳۷، ۱۳۶/۳،

ح: ۱۲۴۰۷ و إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم: ۴۲۶/۳، ح: ۵۹۹۸ و إسناده صحيح ]

کس قدر پختہ ایمان ہے رسول اللہ ﷺ کے مجاہد کا کہ جنت کی چوڑائی کا سن کر کھجوریں کھانے پر چار پانچ منٹ لگانے بھی گوارا نہ کیے، بلکہ ان کے لیے یہ چند منٹ زندہ رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ اللہ! اللہ! ان چند منٹوں کو حضرت عمیرؓ ایک لمبی زندگی قرار دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا سوچ ہے جنت کو پانے کے لیے ایک مجاہد کی۔

فرشتے نے مشرک کے منہ پر کوڑا دے مارا:

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن ایک مجاہد ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ مشرک اس کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اس دوران اوپر سے کوڑا پڑنے کی آواز مجاہد کے کان میں پڑی۔ ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز سنائی دی۔ وہ (اپنے گھوڑے کا نام لے کر) کہہ رہا تھا: ”اے حیزوم! آگے بڑھ۔“ اب مجاہد نے جونہی اپنے سامنے نظر دوڑائی تو وہی مشرک چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ مجاہد نے اس کو دیکھا تو اس کی ناک پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی ضرب سے اس کا چہرہ پھٹ چکا تھا۔ چہرے کا رنگ بدل کر سبز ہو گیا تھا۔ یہ منظر دیکھنے والا انصاری مجاہد آیا۔ اس نے سارا واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« صَدَقْتُ، ذَلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ »

”تو نے سچ کہا ہے، یہ مدد تیسرے آسمان سے آئی تھی۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب الإمداد بالملائكة..... الخ: ۱۷۶۳ ]

معاذ اور معوذ باز کی طرح جھپٹے:

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کہتے ہیں: ”بدر کی جنگ کے موقع پر میں صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو جوانی میں قدم رکھنے والے دوڑ کے کھڑے تھے۔ میں نے ان کو دیکھ کر اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کیا۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے آہستہ سے مجھ

سے بات کی تاکہ اس کا ساتھی سننے نہ پائے۔ کہنے لگا: ”پچھا جان! مجھے ابو جہل تو دکھلائیے۔“ میں نے کہا: ”بھتیجے! تم اس کو دیکھ کر کیا کرو گے؟“ اس نے کہا: ”میں نے اللہ کے سامنے یہ عہد کیا ہے کہ یا تو اسے قتل کروں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔“ دوسرے لڑکے نے بھی اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے مجھ سے یہی بات پوچھی۔ اب یہ منظر دیکھ کر دونوں کے درمیان اپنے آپ کو کھڑا کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے اشارے سے ان کو ابو جہل دکھلایا۔ وہ تو دیکھتے ہی دیکھتے باز کی طرح ابو جہل پر چھپے اور اسے فوراً ہی مار گرایا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب: ۳۹۸۸]

ان دونوں لڑکوں کا نام معاذ بن عفراء اور معوذ بن عفراء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے متکبر کا غرور توڑا تو انصار کے دو لڑکوں کے ہاتھوں سے اور اب وہ چاروں شانے چت میدان بدر میں سک رہا تھا۔ اللہ کا قانون یہی ہے کہ وہ متکبروں کو کمزوروں کے ہاتھوں مروا کر ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

قرآن کے مفسر نے ابو جہل کا سرتن سے جدا کر دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کوئی ہے جو معلوم کرے کہ ابو جہل کا کیا حشر ہوا؟“

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (اس کا حال معلوم کرنے کے لیے) چلے گئے۔ جب وہ ابو جہل کے قریب سے گزرے تو اس میں ابھی جان کی رتق باقی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے پوچھا: ”کیا تو ہی ابو جہل ہے؟“ پھر اس کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ ابو جہل (اپنے بارے میں) کہنے لگا: ”کیا اس سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے جسے آج تم نے قتل کر ڈالا ہے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل: ۳۹۶۳]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس امت کے فرعون کو ذبح کرنے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں اور وہ بات جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہی تھی کہ میں تمہیں ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں، وہ آج بدر کے دن ان کے ہاتھوں پوری ہو گئی۔

اسی طرح امیہ بن خلف جو حضرت بلالؓ کو تہتی ریت پر لٹایا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے اس امیہ بن خلف کو قتل کر دیا۔ یعنی اللہ نے بدر کے دن بدلہ دلوا دیا اور بلال حبشیؓ کا سینہ ٹھنڈا کر دیا۔

دیکھیے [بخاری، کتاب الوکالة، باب إذا وکل المسلم..... الخ : ۲۳۰۱]

### مشرک مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد:

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے بدر کے دن ایک سو چالیس مشرکوں کو نقصان سے دو چار کیا، یعنی ستر قیدی بنا لیے گئے اور ستر مارے گئے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸۶]

اس جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں کفر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔

### مال غنیمت کی تقسیم:

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مال غنیمت کو مسلمانوں (مجاہدین) کے درمیان تقسیم کر دیا۔

[ابن حبان : ۴۸۵۵ و إسناده حسن لذاته]

میدان جنگ میں اللہ کے رسول ﷺ نے قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کر کے ہاتھ پھیلا کر جو دعائیں تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ قبول فرمائی اور اب مجاہدین واپس گھروں کو پلٹ رہے تھے تو وہ مشرکین کے چھوڑے ہوئے راشن سے سیر ہو کر آرہے تھے۔ ان کے جوتے پھینک کر اور ان کی سواریوں پہ سوار ہو کر پلٹ رہے تھے۔ جو بدن سے ننگے تھے وہ چادروں اور کپڑوں سے لدے ہوئے مدینہ کو واپس آرہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے یعنی عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے رکھا اور باقی مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔

مکہ میں نوحہ گری سے ممانعت:

مکہ میں مشرکین کی آہ و زاری، رونا پینا اور نوحہ گری سنی نہ جاتی تھی، مگر گھر ماتم تھا۔ طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بتلاتے ہیں: ”مشرکین یہ صورتحال

دیکھ کر بڑے شرمندہ ہوئے، چنانچہ انھوں نے شرمندگی سے بچنے کے لیے مکہ میں اعلان کیا کہ اپنے مارے گئے لوگوں پر لوحہ گرمی مت کرو، کیونکہ لوحہ گرمی کی یہ خبر محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کے پاس پہنچی تو وہ تمھاری اس حالت پر خوشیاں منائیں گے۔“

[طبرانی کبیر: ۱۷/۲۱، ح: ۱۱ و إسناده حسن لذاته]

## مدینہ میں فتح کی بشارت:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے رسول ﷺ کی اونٹنی پر سوار ”عضباء“ کے مقام پر فتح کی خوشخبری لے کر آئے تو میں نے گھبراہٹ اور خوف کا ایک شور سنا۔ میں جب تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھا کہ جناب زید رضی اللہ عنہما خوشخبری لے کر آئے ہیں..... اللہ کی قسم! جب تک ہم نے قیدیوں کو دیکھ نہ لیا، فتح کا یقین نہیں آیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا بھی حصہ مال غنیمت میں سے نکالا، کیونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما جو رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی بیوی تھیں، ان کی بیماری کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”مجھے بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اسی مقصد کے لیے مدینہ میں رہنے کو کہا تھا۔“

[السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۷۴/۹، ح: ۱۸۵۸۵ و إسناده حسن لذاته - مستدرک

حاکم: ۲۱۸، ۲۱۷، ۲، ح: ۴۹۵۹ و إسناده حسن لذاته]

مجھے بھی بتلاؤ، تاکہ میں بھی آنسو بہاؤں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے، اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے کہا: ”اے اللہ کے نبی! (ﷺ) ہم ایک دوسرے کے چچا زاد اور رشتہ دار ہیں، لہذا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ (قید کے بدلے میں مال) لے لیں، اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس مال سے کافروں کے مقابلے میں ہماری دفاعی قوت مضبوط ہوگی، دوسرا فائدہ یہ کہ ممکن ہے اللہ ان قیدیوں کو اسلام کی طرف لا کر ہدایت

سے نواز دے۔“ اب اللہ کے رسول ﷺ نے جناب عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ”اے خطاب کے بیٹے! تمہاری رائے کیا ہے؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی رائے کی نفی کرتے ہوئے کہا: ”نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ آپ (ﷺ) ان قیدیوں کو ہمارے سپرد کریں، تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں، علی کا بھائی عقیل اس کے سپرد کیا جائے، وہ اس کی گردن اڑائے اور میرے فلاں عزیز کو میرے سپرد کیجیے، میں اس کی گردن مارتا ہوں کہ یہ لوگ کفر کے سردار اور کفار کے رؤسا ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے جو مشورہ دیا اللہ کے نبی ﷺ کا رجحان ادھر ہو گیا اور جو میں نے مشورہ دیا ادھر آپ (ﷺ) کا رجحان نہیں ہوا، جب اگلا دن ہوا اور میں آپ (ﷺ) کے پاس گیا تو آپ (ﷺ) بھی رو رہے تھے اور حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) بھی رو رہے تھے۔

میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے بتلائیے سبب کیا ہے کہ آپ بھی رو رہے ہیں اور آپ کا ساتھی بھی رو رہا ہے؟ اگر مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی آنسو بہاؤں اور اگر مجھے آنسو بہانے کا سبب نہ ملے تو میں اس وجہ سے آنسو بہانے شروع کر دوں کہ آپ دونوں رو رہے ہوں۔“ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا:

”فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے جو چیز تمہارے ساتھیوں کے سامنے پیش کی گئی ہے میں اس وجہ سے رو رہا ہوں۔ مجھ پر عذاب اس (قریبی) درخت سے بھی زیادہ نزدیک لایا گیا۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أُسْرَىٰ حَتَّىٰ يُفْعَنَ فِي الْأَرْضِ ۖ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ [الأنفال: ٦٧، ٦٨]

”کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ اس کے ہاں قیدی ہوں، یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون بہا لے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے، اگر اللہ کی طرف سے لکھی ہوئی بات نہ ہوتی، جو پہلے طے ہو چکی تو تم نے جو کچھ لیا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب الإمداد بالملائكة..... الخ: ۱۷۶۳]

اللہ کی ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ مولا کریم چاہتے تھے کہ قیدی بنانے کی جلدی نہ کی جاتی۔ پہلے کافروں کو تہ تیغ کر کے خوب خون ریزی تو کر لی جاتی۔ اس کے بعد ﴿فَأَمَّا مَتَّىٰ بَعْدَ وَاَمَّا فِدَاءً﴾ [محمد: ۴۷/۴] احسان کر کے چھوڑنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا بعد کی باتیں ہیں۔ اللہ کا یہ بتلایا ہوا اصول اور ضابطہ بعد میں اس طرح سامنے آیا کہ اگر بدر کے دن ۷۰ کی بجائے مشرکین مکہ سات سو کی تعداد میں مارے جاتے تو وہ احد اور احزاب میں آنے کی ہرگز جرأت نہ کرتے یعنی اللہ چاہتے ہیں کہ موقع مل جائے تو پھر کفار کو پیس کے رکھ دیا جائے، اس قدر کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہیں۔

جواں سال حارثہ، جنت الفردوس میں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جواں سال حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں: ”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم حارثہ مجھے کس قدر پیارا تھا، یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے، اب اگر وہ جنت میں ہے تب تو میں صبر کروں گی اور اجر و ثواب کی امید رکھوں گی، لیکن اگر وہ کسی دوسری جگہ ہے تب آپ دیکھیں گے کہ میں (رونے پینے کا عمل) کیسے کرتی ہوں؟“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَيَحْلِكُ أَوْ هَبَلَتْ أَوْ جَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جَنَّاتٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ»

اللہ تم پر رحم کرے، کیا تو پاگل ہو گئی ہے، وہاں بھلا کوئی ایک جنت ہے؟ جنتیں تو بہت ہیں اور جہاں تک حارثہ کا تعلق ہے، وہ تو (سب سے اعلیٰ جنت) جنت الفردوس میں ہے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرًا: ۳۹۸۲]



بدری صحابہ ہی نہیں بدری فرشتے بھی بلند مقام ہیں :

حضرت رفاعہ بن رافع بن زرقی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام جناب رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے: ”تم لوگ اپنے اندر بدری مجاہدین کو کیا مقام دیتے ہو؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”تمام مسلمانوں سے افضل۔“ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام کہنے لگے: ”بالکل! اسی طرح ہم بھی ان فرشتوں کو سب سے افضل سمجھتے ہیں جو بدر کی جنگ میں شریک تھے۔“ [بخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائکۃ بدرًا: ۳۹۹۲]

بیٹی نے خاوند کو رہا کروانے کے لیے قیمتی ہار بھیجا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلاتی ہیں کہ جب مکہ کے لوگوں نے اپنے قیدی چھڑوانے کے لیے مال بھیجنا شروع کیا تو اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابو العاص بن ربیع کو چھڑوانے کے لیے بھی مال بھیجا۔ اس مال میں ان کا ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار وہ تھا کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیٹی کو ابو العاص کی دلہن بنا کر رخصت کیا تھا تو یہ ہار اس کے گلے میں ڈالا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپ موم ہو گئے، آنسو چھلک پڑے اور آپ ﷺ صحابہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

”تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم زینب کا قیدی رہا کرو اور زینب کا ہار اسے واپس لوٹا دو۔“

صحابہ نے کہا: ”ٹھیک ہے، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)“ اور پھر صحابہ نے ہار واپس لوٹا دیا۔ ابو داؤد میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ابو العاص کو رہا کرتے ہوئے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ جاتے ہی زینب رضی اللہ عنہا کو روانہ کر دے گا۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور انصار کے ایک آدمی کو بھیجا اور حکم دیا:

”تم دونوں ”یا حج“ مقام کے دامن میں ٹھہر جانا اور جب زینب رضی اللہ عنہا تمہارے قریب سے گزرے تو تم ساتھ چل پڑنا اور یہاں مدینہ لے آنا۔“

[ أبو داؤد : ۲۶۹۲، و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۲۳/۳، ح : ۴۳۰۶ ]

و اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن سعد مدین منورہ ۶/۲۷۷ منہج ۶/۲۷۷ و بیہقی متعددہ مفت آن لائن مکتبہ

ابو العاص قیدی بن کر آئے تھے، رسول کریم ﷺ کے داماد تھے۔ جب آپ ﷺ نے بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا بھیجا ہوا ہار دیکھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آگئیں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا جو عرب کی مالدار ترین تاجر خاتون تھیں، وہ کہ جنھوں نے اپنا سارا مال اسلام کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ جی ہاں! آج اسی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آگئی۔ بیٹی کی رخصتی کا منظر یاد آ گیا۔ باپ جو مدینے کا حکمران، سپریم کمانڈر اور فاتح بدر ہے، آپ ﷺ کی آنکھیں چھلک پڑیں، سوچا ہوگا کہ بیٹی نے ماں کی نشانی گلے سے اتار کر باپ کی خدمت میں بھیج دی ہے، قربان جاؤں، ایسے حکمران پر! دنیا نے آج تک نہ دیکھا ہوگا کہ وہ حکمران باقی مال تو رکھ لیتا ہے کہ عدل کا یہی تقاضا ہے، صرف ایک ہار واپس بیٹی کو بھیجنے کا کہہ رہا ہے مگر خود کوئی فیصلہ نہیں سنا رہا، معاملہ صحابہ کے سپرد کر دیا ہے کہ اگر تم مسلمان اجازت دو تو اپنی بیٹی کے بارے میں ہار کی واپسی کا فیصلہ کر لوں۔ لوگو! یہ دنیا جمہوری نظام لیے پھرتی ہے..... عوامی راج کی باتیں ہیں، اللہ کی قسم! عوامی راج کا جو نمونہ مدینہ کے حکمران نے پیش کیا ہے، کوئی ایسا حکمران ہے جو اس کی مثال پیش کر سکا ہو.....؟ آج تک کوئی ایک ہی مثال ایسی ہو؟

جس دن اللہ کے رسول ﷺ فاتح بدر ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے اسی دن آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاندان حضرت عثمان رضی اللہ عنہما دفن کر کے فارغ ہوئے تھے۔  
[ مستدرک حاکم: ۲/۲۱۷، ۲۱۸ و اسنادہ حسن لذاتہ ]

اور پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ہار سامنے آ گیا، یوں باپ کا غم کئی گنا بڑھ گیا۔ خوشیوں کے ساتھ غمیاں، غموں کے ساتھ خوشیاں، یہ اللہ کا نظام ہے اور اللہ کے محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ادھر ابو العاص نے وعدہ پورا کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ میں آگئیں، بعد میں ابو العاص مسلمان ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے ہی نکاح پر بیٹی کو ابو العاص رضی اللہ عنہما کے گھر بھیج دیا۔

ایک درہم بھی مت چھوڑو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ اگر وہ اجازت دے دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس رضی اللہ عنہما کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللَّهِ! لَا تَذَرُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا»

[بخاری، کتاب المغازی، باب: ۴۰۱۸]

”اللہ کی قسم! عباس کو ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔“

حضرت عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے سگے چچا تھے۔ انصار نے انھیں اپنا بھانجا اس لحاظ سے کہا کہ ان کی دادی یعنی عبدالمطلب کی والدہ بنونجار کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس رشتہ کی بنا پر انصار نے ان کا فدیہ معاف کرنا چاہا مگر اللہ کے رسول ﷺ نے اس بنا پر ایسا نہ کرنے دیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما مالدار شخص تھے، لہذا آپ ﷺ نے سوچا کہ انصاری مسلمانوں کو حق ملنا چاہیے۔ یہ ہیں رسول کریم ﷺ جو عدل و انصاف کا ترازو تھامے ہوئے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس انداز سے کہ مجال ہے جو معمولی سا بھی جھکنے پائے اگر چہ سگا چچا ہی کیوں نہ ہو، انسانی تاریخ میں ایسا کوئی چیف جسٹس دنیا پیش کر کے دکھلائے تو سہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹی مومنوں کی ماں بن گئیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہما کے شوہر حمیس بن حذافہ رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے۔ وہ بدر کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے، مدینہ میں فوت ہوئے۔ اب میری ملاقات حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو میں نے ان سے حفصہ رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا کہ وہ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح ان سے کر دوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ”مجھے سوچ لینے دیجیے۔“ میں چند دنوں تک انتظار کرتا رہا، پھر انھوں نے کہا: ”میری رائے یہی بنی ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔“ اس کے بعد میری ملاقات ابو بکر رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ ان سے بھی میں نے یہی کہا کہ اگر وہ چاہیں تو میں حفصہ رضی اللہ عنہما کا نکاح ان سے کر دیتا ہوں۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہما خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے اس طرز عمل نے جناب عثمان رضی اللہ عنہما سے بھی بڑھ کر مجھے رنجیدہ کر دیا۔ میں خاموش ہو گیا اور پھر جناب نبی کریم ﷺ نے خود حفصہ کا رشتہ مانگ لیا، چنانچہ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہما کا نکاح رسول کریم ﷺ سے کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ”جب آپ مجھ سے ملے تھے اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو میرے اس طرز عمل سے آپ کو تکلیف تو ہوئی ہوگی؟“ میں نے کہا: ”یقیناً!“ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”اصل بات یہ تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا تذکرہ کیا تھا۔ اب میں آپ کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر نہیں کر سکتا تھا، اس لیے خاموش ہو گیا، ہاں البتہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کرتے تو میں ضرور کر لیتا۔“

[ بخاری، کتاب النکاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخیر: ۵۱۲۲۔

ابن حبان: ۴۰۳۹ و إسناده صحيح ]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اس لیے نہیں بنی تھی کہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح ہو جائے گا، یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کائنات کا بہترین شوہر عطا فرما دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا رشتہ عطا فرما دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین میں اپنے قریبی دوستوں اور ساتھیوں سے رشتہ جوڑنے کے کس قدر خواہش مند تھے۔ دین کے ساتھ یہ ان کی والہانہ محبت تھی اور اہل دین کو باہم ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهَا صَغِيرَةٌ»

”فاطمہ ابھی چھوٹی ہیں۔“

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رشتہ طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔“

[ السنن الكبرى للنسائي، كتاب الخصائص، باب ذكر ما خصص ..... الخ: ۱۴۳۱۵،

ح: ۸۵۰۸ و إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۶۹۴۸ و إسناده صحيح ]

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں گئی جب صبح

ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے دروازہ کھٹکھٹایا، ام ایمن نے دروازہ کھولا، رسول اللہ ﷺ نے ام ایمن کو کہا: ”میرے بھائی (علی) کو بلاؤ۔“

ام ایمن عرض گزار ہوئیں اللہ کے رسول! (ﷺ) علی تو آپ (ﷺ) کے بھائی ہیں اور آپ (ﷺ) اپنی بیٹی کا رشتہ بھی ان کو دے رہے ہیں؟“ آپ (ﷺ) نے کہا: ”ہاں!“ (یعنی چچا زاد بھائی ہیں، گئے نہیں) اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”وہاں موجود عورتوں نے جب آپ (ﷺ) کی آواز سنی تو ایک طرف ہو گئیں تو میں نے بھی ایک کونے میں جگہ لی، جب علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ (ﷺ) نے ان کے لیے دعا کی اور ان پر پانی چھڑکا پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”فاطمہ کو بلاؤ۔“ شرم و حیا کا پیکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ (ﷺ) نے ان سے فرمایا: ”میں نے تیرا نکاح اپنے اہل بیت میں محبوب ترین شخص سے کر دیا ہے۔“ پھر آپ (ﷺ) نے ان دونوں کے لیے دعا کی اور ان پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔“

[ السنن الكبرى للنسائي، كتاب الخصائص، باب ذكر ما خص به علي دون ..... الخ :

١٤٢٧ هـ، ج: ٨٥٠٩ و [إسناده صحيح]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کر کے روانہ کیا تو ایک چادر عطا فرمائی ..... پانی کی مشک دی اور چمڑے کا ایک تکیہ دیا جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔“

[ مسند أحمد: ٨٤١/١، ج: ٦٤٥ و [إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجه، كتاب الزهد،

باب ضحاح آل محمد: ٤١٥٢۔ دلائل النبوة للبيهقي: ١٦٦١/٣ ]

یہ تھی آسان اور سادہ شادی جو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی اس بیٹی کی فرمائی جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ کاش! ہمارے انداز بھی سنت کے مطابق ہو جائیں تو معاشرہ ہندوانہ رسومات سے بچ جائے اور جاہلی خرچوں کے ناروا بوجھ لوگوں کے سر سے اتر جائیں۔

یہودیوں کے شرارتی سردار کا قتل:

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک

دن صحابہ سے) فرمایا:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”کعب بن اشرف سے کون بنے گا؟ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ستائے جا رہا ہے۔“

اس پر محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ پسند فرمائیں تو میں اسے قتل کر دیتا ہوں۔“ محمد کریم ﷺ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے۔“ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ”مجھے یہ بھی اجازت دے دیجیے کہ کچھ ایسی ویسی باتیں بھی کر لوں۔“ محمد کریم ﷺ نے فرمایا: ”اجازت ہے، کر لینا۔“

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کعب بن اشرف کے پاس آگئے اور اسے کہنے لگے: ”یہ شخص (محمد کریم ﷺ) آئے روز ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے۔ ہمیں تو اس نے تھکا مارا ہے۔ میں اب جو تمہارے پاس آیا ہوں تو میرا مقصد آپ سے قرض لینا ہے۔“

کعب بن اشرف: ”ہاں ہاں! اللہ کی قسم! ابھی تو مزید تھکا مارے گا۔“

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما: ”یار! بات یہ ہے کہ ہم اس کی اطاعت کا دم بھر بیٹھے ہیں، اب جب تک یہ کھل کر سامنے نہ آجائے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے تب تک یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کو چھوڑ دیں۔ ہماری غرض یہ ہے کہ آپ سے ایک یا دو وقت غلہ قرض لیں۔“

کعب بن اشرف: ”اچھا! تو پھر آپ کو کچھ گروی رکھنا ہوگا۔“

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما: ”گروی کون سی شے پسند کرو گے؟“

کعب بن اشرف: ”اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو۔“

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما: ”تم سارے عرب میں مشہور خوبصورت مرد ہو تو ہم تمہارے پاس اپنی

عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟“

کعب بن اشرف: ”اچھا! تو پھر اپنے بیٹے رہن میں رکھ دو۔“

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما: ”ہم تمہارے پاس اپنے بچوں کو کس طرح گروی رکھ دیں؟ کل کو کوئی

انھیں گروی کا طعنہ دے ڈالے گا کہ ایک یا دو وقت پر اس کو گروی رکھا

گیا تھا۔ یہ تو ہمارے لیے حد درجہ بے غیرتی ہوگی۔ ہاں! البتہ یہ ہو سکتا

ہے کہ ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ دیں۔“

اس کے ساتھ ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے کعب سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کے

وقت اس کے پاس پھر جا پہنچے۔ اب ان کے ہمراہ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ یہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ انھوں نے کعب کے قلعہ کے پاس جا کر آواز دی۔ کعب بن اشرف باہر نکلنے لگا تو بیوی نے کہا: ”اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو؟“ اس نے کہا: ”یہ تو محمد بن مسلمہ (رضی اللہ عنہ) اور میرا بھائی ابو نائلہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔“ بیوی نے کہا: ”مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہو۔“ کعب نے کہا: ”عزت دار آدمی کو اگر رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔“

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ابو عیسٰ بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے اور میں اس کے سر کے بال ہاتھ میں لے کر سونگھنے لگوں اور تم اندازہ لگا لو کہ میں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے تو تم اسے قتل کرنے کے لیے تیار ہو جانا اور قتل کر ڈالنا۔

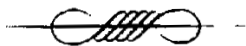
اب کعب چادر لپیٹے ہوئے باہر آ گیا۔ اس کے جسم سے خوشبو کی مہکیں اٹھ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی کہا: ”آج جس قدر عمدہ خوشبو آ رہی ہے، اس سے بڑھ کر میں نے آج تک نہیں سونگھی۔“ کعب بولا: ”میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت خوشبو میں لپیٹی رہتی ہے۔ حسن و جمال میں بھی اس عورت کی کوئی مثال نہیں۔“ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: ”کیا آپ کا سر سونگھنے کی اجازت ہے؟“ کعب نے کہا: ”کیوں نہیں!“ اب جناب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سر سونگھا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کعب کا سر سونگھا شروع کیا، پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”کیا دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟“ کعب بن اشرف نے کہا: ”لو..... سونگھو۔“ اب جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا کہ تیار ہو جاؤ، ساتھیوں نے کعب کو قتل کر ڈالا اس کے بعد یہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو واقعہ کی خبر کر دی۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن اشرف: ۴۰۳۷ ]

کعب بن اشرف بڑا مالدار یہودی تھا۔ شاعر بھی تھا۔ قلعہ نمائل میں رہتا تھا۔ مدینہ سے

چند کلو میٹر کے فاصلے پر میں نے اس کا قلعہ دیکھا ہے۔ اس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، یہ شخص شعروں میں اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ الغرض، اس کی خباثوں کی انتہا ہو گئی تھی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قتل کروادیا۔

اسی طرح ”صحیح بخاری کتاب المغازی: (۳۰۲۸)“ میں ہے کہ ”بنو قیقاع“ کو بھی جو مدینہ میں رہنے والے یہودی تھے، جلا وطن کر دیا۔ جی ہاں! یہ بھی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے، حتیٰ کہ ان کے لفتنگے مسلمان خواتین کو پریشان کرنے لگ گئے تھے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ کو ان سے پاک کر دیا۔ ان شریر یہودیوں کی جلا وطنی اور کعب بن اشرف جیسے موزی کے قتل کا فائدہ یہ ہوا کہ باقی یہودیوں کی شرارتیں وقتی طور پر ختم گئیں۔





## احد پہاڑ کے دامن میں جنگ

غزوہ احد کا منظر سالار صحابہ رضی اللہ عنہم کے خواب میں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا:  
 ”میں نے خواب دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی  
 تعبیر اس نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئی جو مسلمانوں کو احد کی جنگ میں اٹھانا  
 پڑا۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”میں نے دوبارہ اس تلوار کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ شاندار بن گئی۔ اس کی  
 تعبیر اس طرح سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو (شکست کے بعد) فتح سے  
 نوازا اور تتر بتر مسلمان نئے سرے سے (لڑائی کے لیے) ایک جگہ جمع ہو گئے۔“  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

”میں نے خواب میں ایک گائے بھی دیکھی (جو ذبح ہو رہی تھی)، اللہ کے سارے  
 کاموں ہی میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ گائے سے مراد وہ مسلمان تھے جو احد کی  
 جنگ میں شہید ہو گئے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد: ۴۰۸۱]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 اس تلوار کا نام ”ذوالفقار“ تھا۔ میدان بدر میں یہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں۔“

[ مسند احمد: ۱/۲۷۱، ح: ۲۴۴۹ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ ترمذی: ۲/۱۵۶۱ و

اسنادہ حسن لذاتہ ]

قارئین کرام! اس کا مطلب آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ مدینہ محفوظ رہے گا۔ اس روایت میں آپ ﷺ نے خواب میں ذبح ہوتی ہوئی گائے دیکھی، چنانچہ احد کے میدان میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ اللہ کے ہر کام میں بہتری کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ گائے کی تعبیر کا ذکر زیر نظر حوالہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

[ بخاری، کتاب التعبیر، باب إذا رأى بقرا تنحر: ۷۰۳۵ ]

یاد رہے! مشرکین مکہ نے بدر کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد وہیں اعلان کر دیا تھا کہ اگلے سال پھر لڑیں گے، چنانچہ اب وہ لڑنے کے لیے تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف آرہے تھے۔ آپ ﷺ کو ان کی آمد کی تمام تر معاملات مل رہی تھیں، چنانچہ مسند احمد کی صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا:

”تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر ہم مدینہ ہی میں رہ کر دفاع کریں اور جب وہ مدینہ

میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو ہم ان سے لڑائی کریں؟“

اس پر انصار کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ کی قسم! جاہلیت کے دور میں بھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ مدینہ میں داخل ہو، اب تو ہم مسلمان ہو گئے ہیں، لہذا وہ کیسے داخل ہو سکیں گے؟“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ یہی کیا کہ مدینہ سے باہر جا کر ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فیصلے کا اظہار عملی طور پر کیا اور زرہ پہن کر صحابہ میں نمودار ہو گئے۔

[ مسند احمد: ۳۵۱۳، ح: ۱۴۷۹۹، صحیح ]

تیر اندازو! یہاں سے نہ ہٹنا:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکوں سے ہمارا سامنا ہوا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک لشکر (پہاڑی پر) متعین فرمایا۔ ان کا کمانڈر جناب عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ

کو بنایا اور یہ حکم دیا:

”یہاں سے بٹنے نہ پانا، اگر تم دیکھو کہ ہم مشرکوں پر فتح حاصل کر گئے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکوں کو دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو ہماری مدد کو بھی نہ آنا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۴۰۴۳]

ابوداؤد میں یہ تفصیل بھی ہے کہ یہ تیر انداز پچاس تھے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں یہاں متعین فرمایا اور تاکید کی:

”اگر تم یہ بھی دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت فوج رہے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا، یہاں تک کہ میں تم لوگوں کو بلا بھیجوں اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم اپنے دشمن پر غالب آچکے ہیں، ہم نے انھیں قدموں تلے روند ڈالا ہے، تب بھی تم اپنی جگہ جھے رہنا، حتیٰ کہ میں تمہیں بلا بھیجوں۔“

[ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الکمناء: ۲۶۶۲۔ و اسنادہ صحیح]

یہ پہاڑی، جسے ”جبل رماة“ کہا جاتا ہے۔ اس پر متعین تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے اس لیے سخت ترین ہدایت کی تھی کہ یہ دفاعی طور پر اہم ترین جنگی پوزیشن تھی۔ مشرکوں کا لشکر اس طرف سے آکر نقصان پہنچا سکتا تھا، لہذا آپ ﷺ نے اس پوزیشن کو مضبوط کیا اور یہاں جھے رہنے کی تاکید بھی فرمائی۔

کون اس تلوار کا حق ادا کرے گا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے دن (میدان احد میں مجاہدین کے سامنے) تلوار لہرائی اور فرمایا:

«فَمَنْ يَأْخُذْهُ بِحَقِّهِ؟»

”کون ہے جو مجھ سے یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے؟“

یہاں موجود تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور کہنے لگا: ”میں..... میں (اس کا حق ادا کروں گا)“ مجاہدین کا جگھکا لگ گیا تو حضرت سہاک ابودجانہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے: ”میں اس کا حق ادا کروں گا۔“ چنانچہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار لے لی اور

مشرکوں کی کھوپڑیوں کے پرچے اڑادیے۔

[ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي دجانة: ۲۴۷۰ ]

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے دن (مجاہدین کے سامنے) تلوار پیش کی تو فرمایا:

« مَنْ يَأْخُذْ هَذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟ »

”کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے؟“

خرشہ کا بیٹا ساک ابودجانہ اٹھا اور کہنے لگا:

« يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَنَا أَخُذُهُ بِحَقِّهِ، فَمَا حَقُّهُ؟ »

”اے اللہ کے رسول! میں اس کا حق ادا کروں گا، اس کا حق کیا ہے؟“

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ تلوار ابودجانہ کے حوالے کر دی۔

[ كشف الأستار عن زوائد البزار: ۲/۳۲۲، ج: ۱۷۸۷، إسناده حسن لذاته ]

مطلب یہی تھا کہ اس تلوار سے کوئی مسلمان قتل نہ ہونے پائے اور کوئی کافر اس سے بچ

کر نہ جائے۔

تلوار عورت کا سر چیرنے لگی مگر.....؟

صحیح مسلم کی روایت (۲۳۷۰) ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے

مشرکوں کے جتھوں کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ ابودجانہ پر آج ہر صورت نظر رکھوں

گا کہ وہ کس طرح قتال کرتے ہیں۔ وہ جس جانب بھی قتال کا رخ کرتے تو جتھے کو خوب

پہچان کر رخ کرتے۔ ان کے سامنے جو بھی آتا وہ اسے کاٹ کے رکھ دیتے حتیٰ کہ وہ

(مشرکین کی صفیں چیرتے اور انھیں درہم درہم کرتے ہوئے) پہاڑ کے دامن میں (مشرکوں

کے لشکر کے آخر پر) عورتوں تک جا پہنچے۔ ان عورتوں کے پاس بجانے کو دفین تھیں اور وہ

گانے گا رہی تھیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو دجانہ نے اس عورت پر تلوار سونپی کہ اسے اڑادیں، پھر اس سے تلوار کو روک لیا۔ جب لڑائی اختتام کو پہنچی تو میں نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”میں نے آپ کی ساری معرکہ آرائی دیکھی کہ جو سامنے آیا اسے اڑا کے رکھ دیا مگر جب عورت سامنے آئی تو آپ نے اپنی سونپی ہوئی تلوار روک لی اور اسے قتل نہیں کیا؟“ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«إِنَّهَا نَادَتْ فَلَمْ يُجِبْهَا أَحَدٌ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَضْرِبَ بِسَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمْرَأَةً لَا نَاصِرَ لَهَا»

[كشف الأستار عن زوائد البزار: ٢/٢٢٢، ح: ١٧٨٧ و إسناده حسن لذاته]

”وہ (مشرکین) کو اپنی مدد کے لیے پکارتی رہی اور کوئی اس کی مدد کو نہ آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایسی عورت کو قتل کرنا ناپسند کیا جس کی مدد کو کوئی بھی نہ آیا۔“

قارئین کرام! مشرکین مکہ اپنے ساتھ عورتیں لائے تھے جو دف بجا بجا کر اور گا گا کر انھیں لڑنے پر ابھار رہی تھیں۔

یہ جو عورت تھی یہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی..... مسلمانوں کا عظیم کردار بھی ملاحظہ ہو اور کفار کا کردار بھی جو آج بھی عورتوں اور بچوں پر کارپٹ بمباری کر کے بے دریغ قتل عام کرتے ہیں۔

احد میں مبارزت کا نظارہ:

جناب وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے جنگ احد کی یاد تازہ کرتے ہوئے جعفر بن عمرو کو بتلایا: ”جب جنگ کے لیے دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے تو قریش کی طرف سے سباع نکلا اور مبارزت کی دعوت دیتے ہوئے کہنے لگا: ”ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟“ اس پر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اسے مخاطب کرتے ہوئے یوں گرجے:

”اے ختنے کرنے والی ام انمار کے بیٹے! تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو لکارتا ہے؟“

اس کے ساتھ ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیزی سے اور اتنا شدید وار کیا کہ وہ یوں مٹ گیا جیسے گزرا ہوا گل اپنا نام و نشان نہیں رکھتا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ : ۴۰۷۲ |

تلوار سونتی جا چکی تھی کہ.....:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ (مشرکین کے سپریم کمانڈر) کے پاس جا پہنچے۔ وہ تلوار کا وار کرنے ہی لگے تھے کہ اسود کے بیٹے شداد نے حظلہ پر وار کر کے ان کو شہید کر دیا۔

[ مستدرک حاکم : ۲۰۴/۳، ۲۰۵، ح : ۴۹۱۷ و إسناده حسن لذاته۔ السنن

الکبری للبیہقی : ۱۵۰/۴ ح ۱۶۱۴ و إسناده حسن لذاته |

حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے لیکن اس سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ جری شیر بہادر نہ جانے کتنے مشرکوں کو قتل کر کے، صفیں الٹ کے سپریم کمانڈر تک جا پہنچا تھا۔ اس سے مشرکین کی صفوں میں کھلبلی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مزید برآں! جنگ کا پانسا مسلمانوں کے حق میں اس قدر پلانا کہ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی تفصیلات کے مطابق مشرکوں کے جھنڈا بردار عثمان بن ابی طلحہ تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جا پہنچے۔ انھوں نے اس قدر زور سے تلوار ماری کہ عثمان کے کندھے پر لگی اور پورے جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی۔ ایک ہی خاندان کے یکے بعد دیگرے جھنڈا بردار چھ افراد مارے گئے۔ اس کے بعد چار افراد نے جھنڈا اٹھایا اور وہ بھی مارے گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ (الطالب العالیہ) میں مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں اور انھوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جھنڈا اٹھانے والے مارے گئے حتیٰ کہ ایک حبشی غلام ”صواب“ نے جھنڈا اٹھایا تو وہ بھی مارا گیا۔ چنانچہ جھنڈا پھینک دیا گیا اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اس کے قریب تک

جانے والا نہ تھا۔

[المطالب العالیہ: ۵۵۸/۹، ۵۵۹، ح: ۴۷۳۸ و [إسناده حسن لذاته]

دوڑتی ہوئی عورتوں کی تنگی پنڈلیاں اور پازیبیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جب کفار کے ساتھ ہم گھسان کی لڑائی لڑنے لگے تو مشرک بھاگ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا وہ پہاڑیوں پر سرپٹ دوڑی جا رہی تھیں۔ وہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھا کر بھاگ رہی تھیں اور پاؤں میں پہنی ان کی پازیبیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۴۰۴۳]

مشرک مرد بھی بھاگ اٹھے۔ عورتیں بھی اپنے گانے بجانے کا سامان چھوڑ کر بھاگ اٹھیں۔ مسلمانوں کو فتح مل گئی۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا مگر پھر کیا ہوا؟ جو ہوا وہ منظر انتہائی غمزہ کرنے والا ہے۔

فتح شکست میں بدل گئی:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے (تیر انداز) ساتھی کہنے لگے: ”غیبت کا مال، غنیمت کا مال۔“ اس پر (ان کے کمانڈر) حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ”مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا (لہذا تم لوگ مال غنیمت لوٹنے مت جاؤ)“ لیکن ان کے ساتھیوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کی اس حکم عدولی کے نتیجے میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی اور ستر مسلمان شہید ہو گئے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۴۰۴۳]

”المطالب العالیہ“ میں اسحاق بن راہویہ کی روایت جس کی سند کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح کہا ہے اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جب تیر اندازوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے تو گھڑ سوار ہم پر چڑھ آئے، انھوں نے ہمیں روند ڈالا اور ہم شکست کھانے لگے۔“ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں: ”تیر اندازوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، کچھ لوگ کہنے لگے: ”دیکھو! لوگ مال غنیمت لے

گئے، اللہ نے مشرکوں کو شکست سے دوچار کر دیا اور مسلمان غنیمت کا مال لے رہے ہیں، تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟“ باقی لوگ جواباً کہنے لگے: ”اللہ کے رسول ﷺ تمہیں کہہ چکے ہیں کہ اپنی پوزیشن نہ چھوڑنا چاہے ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو جائے۔“ یوں تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ آخر کار پہلی رائے والے لوگوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ تیرا انداز دستے کے ساتھ مل کر یہیں کھڑے رہ جائیں۔ دستے میں افتراق پیدا ہو گیا۔ انھوں نے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب مشرکوں کے گھڑ سواروں نے اس جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔“

[المطالب العالیة: ۵۵۹/۹، ح: ۴۷۳۸ و إسناده حسن لذاته]

اسحاق بن راہویہ کی روایت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس صورتحال کو دیکھ کر (بھاگتے ہوئے مشرکین واپس پلٹے) اور ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے لپک کر جھنڈا اٹھالیا۔ مشرک جھنڈے کے ارد گرد اکٹھے ہونے لگے (اور یوں جنگ نئے سرے سے شروع ہو گئی)۔

[المطالب العالیة: ۵۵۸/۹، ح: ۴۷۳۸ و إسناده حسن لذاته]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے:

حضرت جعفر بن عمرو رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ میں عبید اللہ بن عدی رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا۔ جب ہم شام کے شہر ”حمص“ میں پہنچے تو عبید اللہ مجھے کہنے لگا: ”آپ کا کیا خیال ہے، اگر ہم وحشی بن حرب کے پاس جائیں جو یہیں حمص میں رہتا ہے اور اس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بارے میں پوچھیں؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں! ضرور چلتے ہیں۔“ اب ہم نے اس کا پتا معلوم کرنا شروع کیا تو ہمیں بتلایا گیا کہ وہ جو نظر آ رہا ہے، اپنے گھر کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے، وہی ہے۔ وہ ایسے نظر آیا جیسے بڑا سا کپا ہو۔ بہر حال ہم اس کے پاس جا پہنچے اور جا کر لہجہ بھر کھڑے ہوئے اور اسے سلام کہا۔ جناب وحشی نے سلام کا جواب دیا۔ میرا ہم سفر ساتھی عبید اللہ تھا۔ اس نے اپنی بڑی سی پگڑی کو اپنے جسم پر اس طرح لپیٹ لیا کہ حضرت وحشی صرف آنکھیں اور پاؤں ہی دیکھ سکے۔ اب عبید اللہ نے وحشی سے پوچھا: ”تم نے مجھے پہچانا کہ میں کون ہوں؟“

وحشی نے عبید اللہ کی طرف نظر دوڑائی اور کہنے لگا: ”نہیں، اللہ کی قسم! ہاں البتہ اتنا جانتا



ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا۔ وہ عورت ابو العیص کی بیٹی تھی اس عورت کو ام قتال کہا جاتا تھا۔ مکہ میں اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں اس بچے کی پرورش کے لیے کسی دودھ پلانے والی کی تلاش کے لیے گیا تھا، وہ مل گئی تو میں نے اس بچے کو اٹھا لیا۔ اس کی ماں ام قتال بھی ساتھ تھی ہم اس بچے کو دودھ پلانے والی کے پاس لے گئے، اس دوران میں نے اس کے پاؤں دیکھے اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کے پاؤں وہی ہیں۔“

عبید اللہ بن عدی نے اب اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا لیا (کیونکہ وحشی نے انھیں پہچان لیا تھا) وہ وحشی سے کہنے لگے: ”کیا تم ہمیں حضرت حمزہ (ﷺ) کی شہادت کا واقعہ بتلاؤ گے کہ وہ کس طرح شہید ہوئے؟“ وحشی کہنے لگا: ”کیوں نہیں۔“ اور پھر اس نے واقعہ سنا شروع کیا: (ہو اس طرح تھا کہ) ”حضرت حمزہ (ﷺ) نے بدر کے میدان میں طبعہ کو قتل کر دیا تھا۔ اب میں جس کا غلام تھا میرے اس آقا جبر بن مطعم نے کہا: ”اگر میرے چچا طبعہ کے بدلے تم حمزہ (ﷺ) کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔“ پھر وہ وقت آیا کہ مکہ کے لوگ عینین کی جنگ کے لیے نکلے، عینین اس پہاڑی کا نام ہے جو احد پہاڑ کے سامنے واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان وادی حائل ہے، بہر حال! میں بھی لڑائی کے ارادے سے مکہ کے لوگوں کے ہمراہ ہو لیا۔ جب احد میں پہنچے اور لڑائی شروع ہوئی تو میں ایک چٹان کے نیچے حضرت حمزہ (ﷺ) کی تاک میں بیٹھ گیا، جنگ کے دوران آخر کار ایک موقع ایسا آیا کہ وہ مجھ سے قریب ہو گئے۔ میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، نیزہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور پار ہو گیا۔ اس سے وہ شہید ہو گئے اور میرا عہد پورا ہو گیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ: ۴۰۷۲]

صحیح ابن حبان میں وحشی کا مزید بیان یوں ہے: ”چونکہ میں حبشی تھا لہذا حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا۔ نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا، جب حضرت حمزہ (ﷺ) شہید ہو گئے تو میں نے جا کر اپنا نیزہ نکال لیا اور واپس لشکر میں جا کر بیٹھ گیا، میرا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ کسی اور کو قتل کرنے کی ضرورت نہ تھی، میں نے یہ قتل محض اس لیے کیا تھا کہ آزاد ہو جاؤں، چنانچہ میں مکہ میں آیا اور مجھے آزادی مل گئی۔“

[ابن حبان: ۷۰۱۶ و [سنادہ حسن لذاتہ]

رسول اللہ ﷺ پر ہر جانب سے دھاوا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”احد کے دن اللہ کے رسول ﷺ الگ تھلگ رہ گئے تھے۔ آپ کے پاس صرف سات انصاری اور دو قریشی (مجاہدین) رہ گئے تھے۔ جب دھاوا بولنے والے (مشرکین) آپ کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کون ہے جو ہمارا دفاع کرے ان کا منہ پھیر ڈالے؟ بدلے میں اس کے لیے

جنت ہے، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔“

یہ سن کر انصار کا ایک شخص آگے بڑھا اور لڑتا لڑتا شہید ہو گیا، پھر دوبارہ ایسا موقع آیا کہ مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ اب کے پھر آپ ﷺ نے وہی جملہ دہرایا:

”کون ہے جو ہمارا دفاع کرتے ہوئے ان کو دفع کرے تو ایسا کرنے والے کے

لیے جنت ہے، وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔“

چنانچہ انصار کا ایک شخص آگے بڑھ کر لڑنے لگا اور لڑتا لڑتا شہید ہو گیا۔ لگا تار وقفے وقفے

سے ایسا ہی منظر پیا ہوتا رہا حتیٰ کہ ایک ایک کر کے ساتوں انصاری صحابہ شہید ہو گئے۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة أحد: ۱۷۸۹]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اب آپ ﷺ کے دفاع کے لیے صرف دو قریشی مجاہد

حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما رہ گئے تھے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب (اذھمت طائفتان.....): ۴۰۶۰]

تجھ پر میرے ماں باپ قربان:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے دن اپنے

ترکش کے تیر میرے سامنے پھیلا دیے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

«إِرمِ فِدَاكَ أَيْبِي وَ أُمِّي»

[بخاری، کتاب المغازی، باب (إذھمت طائفتان.....): ۴۰۵۵]

”تیر چلا! تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔“

صحیح بخاری ہی کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو کسی کے

لیے ایسا کہتے ہوئے نہیں سنا سوائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ان کے لیے اپنے والد اور والدہ دونوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

”سعد! تجھ پہ میرے ماں باپ قربان، تیر چلا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إذ همت طائفتان.....﴾: ۴۰۵۹]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو برابر لڑ رہے تھے اور مسلسل تیر اندازی کر رہے تھے، سالار صحابہ کی طرف سے ان کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے اور یہ اعزاز کسی کو نہیں ملا سوائے اس مجاہد کے۔ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، جو حضرت ام سلیم جسی عظیم مجاہدہ کے خاوند ہیں، نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے تیر چلائے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ وہ بڑے زبردست تیر انداز تھے۔ تیر کو خوب کھینچ کر چھوڑتے جس کے باعث دو یا تین کمائیں بھی ٹوٹ گئیں، چنانچہ جب کوئی شخص ترکش لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کہتے: ”ان تیروں کو ابو طلحہ کے سامنے پھیلا دے (کیونکہ وہ ان تیروں کا حق خوب ادا کرتے ہیں)۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ کی اوٹ میں اپنا سینہ ان کی کمر کے ساتھ ملا کر کھڑے ذرا اوپر جھانک کر دیکھتے کہ تیر نے کس کو گھائل کیا ہے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے:

”اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر میرا باپ قربان! جھانک کر نہ دیکھیے، کہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تیر نہ لگ جائے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إذ همت طائفتان.....﴾: ۴۰۶۴]

صحابہ کی ان جاں نثاریوں، قربانیوں اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فدا کاریوں کے لازوال مناظر پیدا کرنے کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے، کیونکہ قریش نے ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگا دیا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب کہیں وہ کامیابی کے قریب ہوتے تو اللہ کے فرشتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع پر لگ جاتے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

”میں نے احد کے روز دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں سفید کپڑوں

میں ملبوس دو آدمی تھے جو زور دار لڑائی لڑ رہے تھے۔ میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں دیکھا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿ إذ همت طائفتان ..... ﴾ : ۴۰۵۴۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب إكرامه ﷺ بقتال الملائكة معه ﷺ : ۲۳۰۶ ]

### چہرہ انور زخمی اور دانت مبارک شہید:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں: ”اس (احد) کے دن آپ ﷺ کے اگلے دندان مبارک ٹوٹ گئے، آپ ﷺ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر جو خود تھی وہ ٹوٹ گئی۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبي ﷺ ..... الخ : ۴۰۷۵ ]

جب مشرکین اللہ کے رسول ﷺ پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حملے کر رہے تھے تو اس دوران عقبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کو پتھر مارا جس سے داہنا نچلا دانت مبارک شہید ہو گیا۔

مجھے تو دامن احد سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما بدر کی جنگ میں شامل نہ ہو سکے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو کر پہلی جنگ لڑنے سے غیر حاضر رہا، اب اگر اللہ نے مجھے موقع دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو کر جنگ کروں تو اللہ دیکھے گا کہ میں کس بے جگری سے جنگ کرتا ہوں۔“

اور جب غزوہ احد کے دن مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا تو وہ فرمانے لگے: ”اے اللہ! ان مسلمانوں نے آج (اجتہادی غلطی کی وجہ سے اپنے نبی ﷺ کی حکم عدولی کر کے) جو کچھ کیا اس سے میں تیرے حضور معذرت پیش کرتا ہوں، مشرکوں نے (تیرے نبی ﷺ مسلمانوں اور شہداء کی لاشوں کے ساتھ) جو کچھ کیا، میں تیری جناب میں اس سے شدید کرب کا اظہار کرتا ہوں۔“ پھر آگے بڑھے تو ان کی ملاقات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے ہو گئی۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہما ان سے کہنے لگے: ”سعد! کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو دامن

احد سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور لڑنے لگے، حتیٰ کہ شہید کر دیے گئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لاش پہچانی نہ جا رہی تھی حتیٰ کہ ان کی بہن ربیع بنت نصر رضی اللہ عنہا نے ان کی انگلیوں کے پورے سے ان کی لاش پہچانی۔ حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ کو اسی (۸۰) سے زائد زخم لگے تھے۔ یہ زخم اور چرکے، نیزے، تلوار اور تیروں کے تھے۔

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب قول الله ﴿من المؤمنین رجال﴾ : ۲۸۰۰]

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ صحابہ خیال کیا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن نصر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَطَعَ نَجْوَةً وَمِنْهُمْ مَّنْ

يَتَنَطَّرُونَ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب : ۲۳/۲۳]

”ایمان والوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے جس بات پر عہد کیا سچا کیا پھر ان میں سے کوئی تو وہ ہے جو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے اور انہوں نے اپنے عزم و عہد میں تبدیلی کے بارے سوچا تک نہیں۔“

[مسلم، کتاب الإمارة، باب ثبوت الحنة للشہید : ۱۹۰۳]

مشکل ترین حالات میں بھی حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے اور انہوں نے صحابہ کو بھی ثابت قدمی پہ ابھارا۔ انہوں نے حالات کی پروانہ کی اور اپنے رب سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر کے رہے۔ استقامت کا پہاڑ بن جانے والے کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام دیا کہ زندگی ہی میں میدان قتال کے اندر جنت کی خوشبو سے ان کا دماغ معطر کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال میں ثابت قدمی اختیار کرنے والے صحابہ جیسی استقامت عطا فرمائے۔ (آمین) یہ صحابہ کی استقامت ہی تھی جس کے پیش نظر قریش مکہ نے جنگ بند کر کے واپس مکہ نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔

توحید اور شرک کے نعروں کا مقابلہ:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ابوسفیان نے پہاڑی پر سے آواز لگائی: ”مسلمانو!

کیا تمہارے اندر محمد (ﷺ) موجود ہیں؟“ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:  
 ”کوئی جواب نہ دے۔“

اس نے پھر آواز دی: ”کیا تمہارے اندر ابو قحافہ کا بیٹا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہے؟“  
 اللہ کے رسول ﷺ نے اب بھی یہی فرمایا: ”کوئی جواب نہ دے۔“ اس کے بعد ابوسفیان  
 کہنے لگا: ”کیا تمہارے اندر خطاب کا بیٹا (عمر رضی اللہ عنہ) موجود ہے؟“ اور پھر اس کے ساتھ ہی  
 کہنے لگا: ”یہ لوگ تو مارے گئے، اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب ضرور دیتے۔“ اس پر حضرت  
 عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور با آواز بلند کہا: ”او! اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے، اللہ  
 نے تجھے رسوا کرنے کے لیے ابھی ان لوگوں کو زندہ رکھا ہے۔“

اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ”ہبل کی ہے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ سے  
 کہا: ”تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟“ صحابہ نے پوچھا: ”ہم کیا جواب دیں؟“ آپ ﷺ  
 نے فرمایا: ”تم کہو کہ اللہ ہی سب سے بلند اور بزرگ و برتر ہے۔“ ابوسفیان یہ سن کر کہنے لگا:  
 ”ہمارے پاس عزئی (ایک نیک آدمی کی مورقی یا بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزئی نہیں (جو  
 تمہاری مدد کو آئے)“ آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا: ”اسے جواب دو۔“ صحابہ نے عرض کی:  
 ”ہم کیا کہیں، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا لِلَّهِ مُؤَلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ»

”تم کہو کہ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔“

اب کے ابوسفیان کہنے لگا: ”آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ ڈول کی طرح ہے  
 (کبھی تمہارے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں۔)“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر بولے اور کہا: ”برابر کا بدلہ بالکل نہیں، ہمارے قتل ہونے  
 والے جنت میں، جبکہ تمہارے قتل ہونے والے جہنم میں ہیں۔“ اس پر ابوسفیان کہنے لگا:  
 ”اچھا! تمہارا یہ دعویٰ ہے، اگر یہی بات ہے تب تو ہم برباد ہو گئے۔“ پھر کہنے لگا: ”تم لوگ  
 اپنی لاشوں کی بے حرمتی دیکھو گے، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن جو کیا گیا مجھے اس پر

کوئی پشیمانی بھی نہیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة بدر: ۴۰۴۳۔ مسند أحمد: ۴/۲۹۲، ح: ۱۸۷۹۴ و إسناده صحيح۔ و ۱/۲۸۸، ۲۸۷/۱، ح: ۲۶۱۳ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۲/۲۹۶، ۲۹۷، ح: ۳۱۶۳ و إسناده حسن لذاته ]

قارئین کرام! مشرکین کے آرمی چیف نے جناب محمد کریم ﷺ کا نام لے کر معلوم کرنا چاہا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں لیکن نبی ﷺ نے جواب دینے سے منع کر دیا، دوسری بار بھی روک دیا اور جب ابوسفیان نے سب کے قتل ہونے کی بات کی تو تب بھی اللہ کے رسول ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے برداشت نہ ہو سکا اور انھوں نے خوب جواب دیا۔ اس کے بعد جب ابوسفیان نے غیر اللہ کے نام کا نعرہ لگایا تو رب کبریا کے محبوب جناب محمد کریم ﷺ برداشت نہیں کر سکے اور صحابہ سے کہا کہ فوراً جواب دو، اللہ کی عظمت بلند کرو اور شرکیہ نعرے کا منہ توڑ موحدانہ جواب دو۔ یہ تھی توحید کی غیرت، جس کا اظہار اللہ واحد کے رسول گرامی ﷺ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی سنت کا والہ و شہدا بنا کر ہمیں بھی اپنی توحید کی ایسی ہی غیرت و حمیت عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا باپ کی مرہم پٹی کرتی ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زخموں کو کس نے دھویا تھا، کون ان زخموں پر پانی ڈال رہا تھا اور کس مرہم سے آپ کا علاج کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے زخموں کو دھورہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ڈھال میں لیا ہوا پانی بہا رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون اور زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر لگا دی، اس سے خون رستا بند ہو گیا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح يوم أحد: ۴۰۷۵ ]

خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ”میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کو



دیکھا کہ وہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے کمر پر پانی کے مشکیزے لاکر زخمیوں کے منہ میں انڈیل رہی تھیں۔“

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة النساء و قتالهن مع الرجال : ۲۸۸۰]

اور حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں :

”احد کے دن حضرت ام سلیطؓ ہمارے لیے مشکیزے بھر بھر کر لارہی تھیں۔“

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب حمل النساء القرب إلى الناس في الغزوة : ۲۸۸۱]

اللہ کے رسول ﷺ جو اللہ کے محبوب ہیں، مدینہ کے حکمران اور فوجوں کے سالار ہیں، ان کی زوجہ محترمہ جنگ کے اختتام پر دیگر خواتین کے ہمراہ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہیں۔ مجاہدین کی خدمت کا یہ وہ اعزاز ہے جو رہتی دنیا تک خواتین اسلام کے لیے یادگار ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہنگامی حالت میں جبکہ فتنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں اس دوران خواتین اسلام مسلمانوں کی خدمت بجا لاسکتی ہیں اور مسلمان حضرات ہنگامی حالت میں خواتین کے کام آسکتے ہیں، مثلاً میدان جنگ، زلزلے، سیلاب اور حادثات وغیرہ۔

کان اور ناک دھاگے میں پرو دیے گئے :

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے احد کے روز ان سے کہا: ”تم اللہ سے دعا کرو، میں آمین کہوں گا اور پھر میں دعا کروں گا اور تم آمین کہنا۔“ چنانچہ یہ دونوں باقی مجاہدین سے ذرا الگ ہو گئے۔ پہلے حضرت سعدؓ نے دعا کی اور کہنے لگے: ”اے میرے رب! جب دشمن سے معرکہ آرائی ہو تو میری رزم آرائی کسی ایسے شخص سے ہو جو لڑائی میں زبردست ماہر ہو اور غضب میں شدید ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر مجھے اس پر غلبہ عطا فرما دے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں اور اس کی لڑائی کا سامان لے لوں۔“ عبداللہ بن جحشؓ نے ”آمین“ کہا۔

اب حضرت عبداللہ بن جحشؓ دعا کرنے لگے: ”اے میرے اللہ! میرا سامنا بھی کسی ایسے ہی دشمن سے ہو جو لڑائی میں سخت غصے والا اور جنگ لڑنے میں شدید ہو، میں اس سے محض تیری خاطر لڑائی کروں، وہ مجھے قتل کر دے، پھر میری ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ میں



جب کل کو آپ سے ملاقات کروں تو آپ جل جلالہ مجھ سے پوچھیں: ”(عبداللہ!) یہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹ ڈالے گئے؟“ میں جواب دوں: ”(اللہ!) تیری (توحید کی) خاطر اور تیرے رسول ﷺ (کی اطاعت و محبت) کی خاطر۔“ پھر (اے اللہ!) آپ مجھ سے کہیں: ”(اے عبداللہ!) تو نے سچ کہا۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس دعا پر آمین کہا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو یہ واقعہ سناتے ہوئے بتلاتے ہیں: ”بیٹا! عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، معرکے کے دن میں نے آخر پر یہ منظر دیکھا کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی ناک اور کان دھاگے میں پروئے ہوئے لٹک رہے تھے۔“

[ مستدرک حاکم: ۲/۷۶، ۷۷، ح: ۲۴۰۹ و إسناده حسن لذاتہ۔ السنن الکبریٰ للبیہقی:

۳۰۸، ۳۰۷/۶، ح: ۱۲۷۶۹ و إسناده حسن لذاتہ۔ حلیۃ الأولیاء: ۱/۱۵۴، ح: ۳۴۵ ]

محمد کریم رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں غفلت نہ کرنا:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے روز اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کروں مزید مجھے فرمایا:

”اگر سعد کو دیکھ لو تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہاری خیریت

معلوم کر رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں شہدا کے درمیان چلتا چلتا ان تک پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے، انھیں نیزے، تلوار اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم لگے تھے۔ میں نے ان سے کہا: ”اے سعد! اللہ کے رسول ﷺ تجھے سلام کہہ رہے ہیں اور تمہاری خیریت دریافت فرما رہے ہیں، مجھے بتلائیے، آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کر رہے ہو؟“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ”اللہ کے رسول! (ﷺ) پر اور آپ پر بھی سلام ہو، رسول اللہ ﷺ سے عرض کیجیے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے تو جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ میری قوم انصار کو میرا یہ پیغام دینا کہ اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی جنبش کرتی رہی اور دشمن اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچ گیا تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔“ اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔“

[ مستدرک حاکم: ۳/۲۰، ح: ۴۹۰۶، إسناده حسن لذاتہ۔ دلائل النبوة للبیہقی:

۲۸۵/۳، حسن۔ سیرۃ ابن ہشام: ۳/۷۵ ]

## کافر میدان جنگ میں مومن بنا، شہید ہوا اور.....؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن اقیس جاہلی دور میں دی ہوئی رقوم کا سود کھاتا تھا (اسے کئی بار اسلام کی دعوت دی گئی) مگر اسے یہ بات گوارا نہ تھی کہ وہ اپنا سود لیے بغیر مسلمان ہو جائے، لہذا وہ انکار کرتا رہا۔ پھر احد کے دن وہ (اپنے محلہ میں) آیا اور پوچھنے لگا: ”میرے چچا کے بیٹے کدھر گئے؟“ لوگوں نے کہا: ”وہ تو احد میں گئے ہیں۔“ پھر پوچھنے لگا: ”وہ فلاں کدھر گیا؟“ جواب ملا: ”وہ بھی احد میں۔“ اب اس نے جنگی ہتھیار زیب تن کیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور احد کی طرف چل دیا۔ جب احد میں موجود مسلمانوں نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو (حیران رہ گئے) قریب آیا تو اس سے پوچھا: ”عمرو! تم کہاں؟“ اس نے کہا: ”میں مسلمان ہو چکا ہوں۔“ اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی تو وہ لڑنے لگ گیا اور زخمی ہو گیا۔

زخمی حالت میں اسے اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیا گیا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور عمرو کی بہن سے کہنے لگے: ”اس سے پوچھو! یہ قومی غیرت اور اپنے لوگوں کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا، یا عزت و جلال والے اللہ کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا؟“ عمرو کہنے لگا: ”قوم کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ کے لیے غضبناک ہو کر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں غضبناک ہو کر لڑا ہوں۔“ اس کے بعد وہ شہید ہو گئے اور جنت میں جا داخل ہوئے، حالانکہ انھوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔

[ أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فیمن یسلم و یقتل مکانہ فی سبیل اللہ تعالیٰ : ۲۵۳۷ و إسناده حسن لذاتہ۔ مسند أحمد : ۴۲۸/۵، ۴۲۹، ح : ۲۳۶۹۸ و إسناده حسن لذاتہ۔ سیرة ابن ہشام : ۵۲/۳، ۵۳ و إسناده حسن لذاتہ، دلائل النبوة للبیہقی : ۲۴۸، ۲۴۷/۳ و إسناده حسن لذاتہ ]

ابن ہشام میں اس طرح ہے کہ جب صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصرام رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ جنتیوں میں سے ہے۔“

[ سیرة ابن ہشام : ۵۲/۳، ۵۳ و إسناده حسن لذاتہ ]

یاد رہے! اصیرم رضی اللہ عنہ ہی کو عمرو بن اقدیس اور عمرو بن ثابت کہا جاتا ہے۔

صحابہ کا یہ جملہ کہ اس نے اللہ کے حضور ایک بھی نماز ادا نہیں کی اور جنت میں داخل ہو گیا، اس سے نماز کی اہمیت کا پتا چلتا ہے یعنی نماز کے بغیر جنت کا حصول ناممکن ہے، اصیرم جو جنت میں کوئی بھی نماز پڑھے بغیر داخل ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے نماز پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ مسلمان ہوا، جہاد کیا اور شہید ہو گیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کا غسل:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ”حنظلہ بن ابی عامر لڑتے ہوئے ابوسفیان کے پاس جا پہنچے، وہ اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شداد بن اسود نے حنظلہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا:

«إِنَّ صَاحِبَكُمْ حَنْظَلَةَ تُغَسَّلُهُ الْمَلَائِكَةُ فَسَلُّوا صَاحِبَتَهُ»

”تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس کی بیوی سے پوچھو (کہ

اس کا سبب کیا ہے؟)“

بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بتلایا کہ جب حنظلہ نے معرکہ آرائی کا سنا تو اس پر غسل واجب تھا لیکن وہ اللہ کے راستے میں اسی حالت میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَذَلِكَ قَدْ غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ»

[ابن حبان: ۷۰۲۵ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۲/۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ح: ۴۹۱۷ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى للبيهقي: ۱۵/۴، ح: ۶۸۱۴ و إسناده حسن لذاته]

”اسی وجہ سے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔“

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کٹی پھٹی لاش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو دیے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا: ”کوئی ہے جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کو دیکھا ہو؟“ ایک آدمی جو ذرا ہٹ کے کھڑا

تھا، کہنے لگا: ”میں نے دیکھا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہمیں وہاں لے چلو۔“ اور اللہ کے رسول ﷺ چل پڑے یہاں تک کہ چلتے ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چیرا ہوا ہے اور ان کی ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر بے حرمتی کی گئی ہے۔ جو مجاہد آپ ﷺ کو لے کر یہاں آیا تھا، عرض کرنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ کی قسم! حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا ”مشلہ“ کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہ کی اور دوسرے شہیدوں کے درمیان جا کھڑے ہوئے، فرمانے لگے:

”میں (قیامت کے دن) ان شہداء پر گواہ بنوں گا (کہ ان دلاوروں نے اللہ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کیں) ان (شہیدوں) کو جو اپنے خون میں لت پت ہیں، میرے صحابیو! اسی طرح غسل دیے بغیر کفن پہنا دو۔ ہر وہ زخم جو اللہ کے راستے میں آیا ہے، قیامت کے دن اس سے خون بہنا شروع ہو جائے گا۔ اس کا رنگ تو خون جیسا ہی سرخ ہو گا مگر اس سے جو خوشبو آئے گی وہ کستوری کی ہوگی۔“

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۲/۷، ح: ۳۶۷۷۶ صحیح۔ طبرانی کبیر: ۸۲/۱۹، ۸۳، ح: ۱۶۷ صحیح۔ طبقات ابن سعد: ۹/۱، صحیح۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۱/۴، ح: ۶۷۹۹، صحیح]

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”احد کے دن ایک خاتون انتہائی تیزی کے ساتھ چلتی ہوئی آرہی تھی حتیٰ کہ وہ اس قدر قریب آگئی کہ شہیدوں کے پاس پہنچ کر ان پہ نظر ڈالنے ہی والی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ یہ خاتون ان شہداء کو دیکھے (جن کی لاشوں کا مثلہ کیا گیا تھا) چنانچہ آپ ﷺ نے آواز دی: ”عورت، عورت (اسے روکو۔)“

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس خاتون کو پہچان چکا تھا کہ یہ تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ، رسول کریم ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) ہیں، چنانچہ میں ان کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھا اور قبل اس کے کہ وہ شہیدوں کے پاس جا پہنچیں، میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی مضبوط اعصاب والی اور باہمت

خاتون تھیں، انھوں نے میرے سینے پر زور سے ہاتھ مار کر دھکا دیا اور کہا: ”دور ہٹ جا میرے راستے سے، پرے ہو جا۔“ میں نے عرض کی: ”(امی جان!) اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا کہا ہے، وگرنہ میری کیا مجال کہ میں آپ کو روکوں۔“ یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو گئیں۔ اب کے انھوں نے دو کپڑے نکالے جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں اور مجھے کہنے لگیں: ”یہ دو کپڑے ہیں، میں ان کپڑوں کو اپنے بھائی حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے لائی تھی، کیونکہ مجھے خبر ملی تھی کہ وہ شہید ہو گئے ہیں۔ ان دونوں کپڑوں میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفن دے دو۔“ ہم نے ان کپڑوں کو لے لیا، تاکہ (ماموں جان) جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان میں کفن دے دیں۔ کفن پہنانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایک جانب ایک انصاری کی لاش پڑی ہے۔ ان کی لاش کو بھی اسی طرح چیرا پھاڑا گیا تھا جس طرح جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو چیرا پھاڑا گیا ہے، اب اگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیتے ہیں تو انصاری کے لیے ایک کپڑا بھی نہیں بچتا، چنانچہ ہم نے ایک کپڑے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے میں انصاری کو کفن دے دیا۔ ان چادروں میں سے ایک چادر چھوٹی تھی اور دوسری بڑی۔ اب ہم نے حضرت حمزہ اور انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے درمیان قرعہ ڈالا اور پھر جس کی قسمت میں جو چادر تھی اس میں اسے کفن دے دیا۔“

[ مسند أحمد : ۱۶۵/۱، ح : ۱۴۲۲ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى للبيهقي :

۴۰۱/۳، ۴۰۲، ح ۶۶۸۴ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي :

۲۸۹/۳ و إسناده حسن لذاته ]

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے کفن دفن کا منظر:

جناب ابراہیم بتلاتے ہیں: ”ان کے والد گرامی حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا تھا۔ ان کے پاس کھانا لایا گیا تو وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگے: ”وہ احد میں شہید کر دیے گئے اور وہ مجھ سے کہیں زیادہ افضل و برتر تھے۔ انھیں ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ وہ چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو

پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سرنگا ہو جاتا۔“ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، انھوں نے مزید کہا: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے۔ وہ بھی مجھ سے افضل اور برتر تھے، پھر جیسا کہ دیکھ رہے ہو، ہمارے لیے اب دنیا کی آسائشیں وسیع کر دی گئی ہیں۔ اس وسعت کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمیں ہماری نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں تو نہیں دے دیا گیا۔“ یہ کہہ کر وہ رونے لگ گئے اور کھانا اپنی جگہ پڑا رہ گیا۔“

[بخاری، کتاب الحناظر، باب إذا لم يوجد إلا ثوب واحد: ۱۲۷۵، ۱۲۷۴]

لاش پر فرشتے اپنے پروں کا سایہ کیسے رہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”جب میرے والد صاحب احد کی جنگ میں شہید کر دیے گئے تو میں ان کے چہرے سے بار بار کپڑا ہٹا کر دیدار کرتا اور روتا۔ رسول کریم ﷺ کے صحابہ مجھے ایسا کرنے سے روکتے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بالکل منع نہیں کیا۔ یہ منظر دیکھ کر میری پھوپھی (فاطمہ) بھی رونے لگیں۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ فرمانے لگے:

«تَبْكِينَ أَوْلَا تَبْكِينَ، فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تَطْلُهُ بِأَجْنِحَتَيْهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوهُ»

[بخاری، کتاب الحناظر، باب الدخول على الميت بعد الموت ..... الخ: ۱۲۴۴]

”تم لوگ روؤ یا چپ رہو، جب تک تم لوگ میت کو اٹھاتے نہیں فرشتے تو برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کیسے ہوئے ہیں۔“

شہداء کی لاشیں واپس میدان جہاد میں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”میرے والد گرامی احد کے میدان میں شہید کر دیے گئے، چنانچہ میری بہنوں نے اپنا اونٹ میرے پاس بھیجا اور کہا: ”اس اونٹ پر اباجی کو سوار کر کے لے آ اور بنو سلمہ کے قبرستان میں دفن کر دے۔“ چنانچہ میں اپنے والد کے پاس آیا۔ میرے ساتھ میرے معاون بھی تھے، اس سارے پروگرام کی اطلاع اللہ کے رسول ﷺ کو ہو گئی۔ آپ اس وقت احد ہی میں تشریف فرما تھے، چنانچہ ایک اعلان کرنے والے نے کہا:

«أَلَا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَرْجِعُوا بِالْقَتْلَى فَتَدْفِنُونَهَا»

فِي مَصَارِعِهَا حَيْثُ قُتِلَتْ»

”خبردار! اللہ کے رسول ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ مقتولوں کو وہیں لوٹا دو اور انہیں وہیں دفن کر دو جہاں انہوں نے جام شہادت نوش کیا ہے۔“  
چنانچہ انہیں ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہی احد میں دفن کر دیا گیا۔

[مسند احمد: ۳/۳۹۷، ۳۹۸، ح: ۱۵۲۸۷ و [إسناده صحيح]

حضرت جابر رضی اللہ عنہما مزید کہتے ہیں: ”وہ شہداء جنہیں دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا، ان کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والے نے صدا لگائی:

«رُدُّوْا الْقَتْلَى اِلَى مَصَاجِعِهَا»

[مسند احمد: ۳/۲۹۷، ح: ۱۴۱۷۷ و [إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۳۱۸۳ و [إسناده حسن صحيح۔ ترمذی: ۱۷۱۷، أبو داؤد: ۳۱۶۵۔ فی أسانیدہم نیح بن عبدالله وهو ثقة وثقه أبو زرعة و الترمذی (۱۷۱۷) و ابن حبان و ابن خزيمة (۵۷، ۵۶/۱) و الحاکم و الذہبی (۱۱۱/۴) بتصحیح حدیثہ]

”شہیدوں کو ان کی جائے شہادت پر واپس لاؤ۔“

ثابت ہوا کہ شہداء کو معرکے کے میدان ہی میں دفن کرنا چاہیے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا یہی

عمل اور پسندیدہ حکم ہے۔

شہید بھی اور قرآن کا عالم بھی:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے احد کے شہداء کو اس طرح کفن دیا کہ دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دے کر دفن کر دیا، آپ ﷺ صحابہ سے پوچھتے:

«إيهُم أَكْثَرُ أَخَذًا لِلْقُرْآنِ؟»

”ان میں سے قرآن کا زیادہ عالم کون ہے؟“

پھر جب کسی ایک کی جانب اشارہ کر کے آپ ﷺ کو بتایا جاتا (کہ یہ قرآن کے علم اور

حفظ میں زیادہ ہے) تو آپ ﷺ اسے لحد میں مقدم کر دیتے اور فرماتے:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”قیامت کے دن میں ان لوگوں پر گواہ ہوں گا۔“

پھر آپ ﷺ نے خون سمیت تمام شہیدوں کو دفن کرنے کا حکم دیا، نیز آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی اور غسل بھی نہیں دیا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین يوم أحد : ۴۰۷۹ ]

کیا مقام ہے شہداء کا کہ نہ غسل کی ضرورت ہے نہ جنازے کی حاجت ہے اور نہ کفن کا پہنا و لازم ہے بلکہ خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کیا جا رہا ہے۔ جس کے لیے چھوٹی یا بڑی کوئی چادر مل گئی اس پر بطور کفن ڈال دی، جس کے لیے نہ ملی خون آلود لباس ہی اس کا کفن ہے۔ جی ہاں! یہ اعزاز ہے شہید کا۔

اللہ نے عبد اللہ کو اپنے سامنے بٹھا کر بات کی :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے پریشان دیکھا تو کہنے لگے:

”اے جابر! ادھر آ، میں تجھے ایک بات بتلاؤں، اللہ تعالیٰ نے آج تک جس سے بھی بات کی پردے میں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے والد کو سامنے بٹھا کر بات چیت کی۔ اللہ تعالیٰ پوچھنے لگے: ”اے میرے بندے! مجھ سے مانگ تجھے عطا کروں۔“ اس پر تیرے والد نے عرض کی: ”میرے مولا! عرض یہی ہے کہ مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں تیری خاطر دوسری بار قتل کیا جاؤں۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ سے کہا: ”یہ تو میرا فیصلہ ہو چکا کہ جو لوگ یہاں آگئے وہ واپس دنیا میں نہیں جا سکتے۔“ یہ سن کر عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ”میرے پروردگار! پھر میرے پیچھے دنیا میں جو میرے ساتھی ہیں انھیں (میری جنت کی خوشحال زندگی کے بارے میں) آگاہ کر دیجیے۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَوِّقُونَ﴾



”جو اللہ کے راستے میں شہید کر دیے گئے ان کے بارے میں مت خیال کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں رزق دیے جاتے ہیں۔“

[ الترمذی، کتاب تفسیر القرآن (باب) و من سورة آل عمران : ۳۰۱۰ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۲۰۳/۳، ۲۰۴، ح : ۴۹۱۴۔ ابن ماجہ : ۲۸۰۰، ۱۹۰ و إسناده حسن لذاته ]

ثابت ہوا جو شخص اس دنیا کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا، یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہے۔ نیک آدمی جنت جیسی جگہ چھوڑ کر نہ تو خود واپس آنا چاہے گا اور نہ اللہ ہی آنے دے گا۔ شہید نے اس وجہ سے واپس آنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ اس نے شہادت کے اونچے مرتبے کو ملاحظہ کیا تو دل نے چاہا کہ اور زیادہ مرتبے ملیں مگر اللہ نے واضح کر دیا کہ واپسی ناممکن ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا صحابی شہید ہے اور شہید بھی ایسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سامنے بٹھا کر ملاقات اور بات چیت کی، لیکن دنیا میں واپس آنے کی اجازت نہیں ملی، تو جب اللہ کا ایسا مقرب و شہید ولی واپس نہیں آسکتا تو اور کس بزرگ کی مجال ہے کہ اس کی روح دنیا میں آئے یا دنیا سے کوئی تعلق رکھے؟ اسی طرح جو شخص برا ہوگا، وہ جہنم میں جائے گا تو اسے جہنم کی قید سے کوئی واپس نہیں آنے دے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کی روح بد روح بن کر دنیا میں بھٹکتی پھرے۔ الغرض، اللہ کا اٹل فیصلہ یہی ہے کہ جو اس دنیا کی سرحد پار کر کے اگلی دنیا میں چلا گیا اس کی واپسی ناممکن ہے۔

قرآن مجید نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ ہر طرح کی نعمت اور کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ یہ کھانے اللہ کے ہاں جنت میں کھاتے ہیں نہ کہ جمعرات کے روز اس دنیا میں آکر ہمارے حلوے اور کھیریں کھاتے ہیں۔ یہاں انسان بکرے کی ران، دیسی مرغ اور تیتڑ و بٹیر وغیرہ جو کچھ بھی کھائے گا، نتیجہ بدبودار اور متعفن پاخانہ ہے جبکہ جنت کے لوگ جنت کے پرندے اور پھل کھائیں گے تو وہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، بلکہ ہلکا سا پسینہ جسم پر نمودار ہوگا اور سب کچھ ہضم ہو جائے گا، اس پسینے سے بھی خوشبو کستوری کی آئے گی وہ پاک روہیں یہاں آ بھی جائیں تو وہ بول و براز بن جانے والے کھانے کیسے کھائیں گی؟ تو..... آتا ہی کوئی نہیں، آسکتا ہی نہیں، کیا کھانا اور کہاں کا کھانا؟

شہید نے اللہ کے حضور عرض کر کے جو پیغام بھجوایا وہ قابل غور ہے، مقصد یہ ہے کہ لوگو! جہاد کرو، شہادت پاؤ اور جنت کے مزے اڑاؤ، اللہ سے ملاقات کرو اور رب کریم کا دیدار پاؤ۔  
 مولا! ہم پر جو انعامات کیے ان کی خبر دنیا والوں کو پہنچا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کر کے آگاہ کیا: ”تمہارے وہ بھائی جو احد میں شہید ہو گئے، اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال دیا، وہ جنت کی نہروں پہ اڑتے پھرتے ہیں، نہروں کے ارد گرد لگے درختوں کے پھلوں کو کھاتے ہیں، پھر وہ ان قدیلوں میں آکر بیٹھ جاتے ہیں جو سونے کی بنی ہوئی ہیں اور عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ جب ان شہداء نے دیکھا کہ ان کا کھانا پینا اور ٹھکانا انتہائی باکمال ہے تو وہ کہنے لگے: ”اے کاش! جو سلوک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس کی خبر دنیا میں ہمارے بھائیوں کو ہو جائے تو وہ جہاد میں سستی نہ کریں اور نہ جنگ سے بھاگیں۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ ﴿۲۰﴾  
 فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ  
 أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۱﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَا  
 يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲﴾﴾ [آل عمران: ۱۷۱ تا ۱۶۹/۳]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں، انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے ہاں سے رزق پا رہے ہیں۔ اللہ کا ان پر جو فضل ہو رہا ہے، اس سے وہ بہت خوش ہیں اور اپنے ان (ساتھی) لوگوں سے بھی بہت خوش ہیں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی تک (شہید ہو کر) ان سے ملے نہیں (شہادت کی موت کے بعد) انھیں کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ یاد رہے! اللہ تعالیٰ کا ان (شہداء) پر جو فضل اور انعام ہو رہا ہے اس سے وہ خوش ہوتے ہیں اور اللہ یقیناً مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

[مسند احمد: ۱/۲۶۵، ۲۶۶، ح: ۲۳۸۸، حسن۔ أبو داؤد: ۲۵۲۰۔ مسند أبی

یعلیٰ: ۳۶۹/۲، ح: ۲۳۲۷، حسن۔ مستدرک حاکم: ۸۸/۲، ح: ۳۴۴۴ حسن [

## اللہ تعالیٰ کی مہمان نوازی کا محبت آمیز انداز:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس آیت (سورہ آل عمران کی مندرجہ بالا آیت) کا مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ان شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں قندیلوں کے اندر ہیں، ان کا ٹھکانا ایسی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ جہاں چاہتی ہیں چرتی پھرتی ہیں، پھر اپنی قندیلوں میں آ رہتی ہیں۔ یہ اپنی اس زندگی میں مگن تھیں کہ ان کے رب نے ان کی طرف جھانک کر دیکھا اور ان سے پوچھا: ”تمہیں کچھ چاہیے؟“ انھوں نے کہا: ”اے ہمارے رب! ہم کیا مانگیں؟ جہاں ہم چاہتے ہیں جنت میں سیریں کرتے ہیں، نعمتیں خواہشات سے بڑھ کر موجود ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے ان سے تین بار یہی پوچھا، چنانچہ شہیدوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے رہیں گے، جب تک کہ وہ کچھ نہ کچھ مانگیں گے نہیں، آخر کار وہ کہنے لگے: ”اے اللہ! ہمارا سوال یہی ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا کے اندر ہمارے جسموں میں لوٹا دے، حتیٰ کہ ہم تیرے راستے میں (ایک بار پھر) شہید کر دیے جائیں۔“ چنانچہ جب اللہ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔“

[مسلم، کتاب الإمامة، باب بیان أن أرواح الشهداء في الجنة..... الخ: ۱۸۸۷]

سبحان اللہ! اللہ کی محبت اپنے شہید بندوں سے کس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار پوچھتے ہیں کہ میری جنت میں آئے ہو، ضرورت اور خواہش بتلاؤ، مگر ضرورت اور خواہش کی بلند پروازی تک بلکہ اس سے کہیں آگے تک وہ وہ کچھ مل چکا ہے جس کا گمان تک نہ تھا تو اب یہ بندے مانگنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے کہ کیا مانگیں؟ آخر کار وہ یہی مانگ سکتے کہ اگر شہادت کا اجر یہ نعمتیں ہیں تو پھر مولا! ایک شہادت اور عطا فرما، لیکن یہ تو ہو نہیں سکتا لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے پوچھنا ہی چھوڑ دیا۔

سالار صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے اللہ کی حمد اور شکر کے بکھرتے موتی:

حضرت عبید اللہ بن رفاعہ الزرقانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے بعد مشرک واپس چلے گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے کہا:

”برابر ہو جاؤ، تاکہ میں اپنے پروردگار کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاؤں۔“

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے صفیں بنائے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ اپنے رب سے یوں باتیں کرنے لگے:

- ① اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لیے۔
- ② اے اللہ! تو جس کے لیے فراخی پیدا کر دے اس فراخی کو کوئی سکیڑ نہیں سکتا۔
- ③ اے اللہ! جس شخص کے لیے تو تنگی پیدا کر دے اس تنگی کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔
- ④ اے اللہ! جسے تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔
- ⑤ اے اللہ! جسے تو ہدایت سے نواز دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔
- ⑥ اے اللہ! جس شخص سے تو کوئی نعمت روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔
- ⑦ اے اللہ! جس کو تو عطا کر دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔
- ⑧ اے اللہ! جس کو تو اپنے سے دور کر دے اسے کوئی تیرے قریب نہیں کر سکتا۔
- ⑨ اے اللہ! جس کو تو قریب کر لے اسے کوئی تیرے سے دور نہیں کر سکتا۔
- ⑩ اے اللہ! ہم پر اپنی برکتیں پھیلا دے۔
- ⑪ اے اللہ! اپنی رحمتیں سایہ قلمن کر دے۔
- ⑫ اے اللہ! اپنے فضل کا سائبان بنا دے۔
- ⑬ اے اللہ! اپنے رزق کی کشائش کر دے۔
- ⑭ اے اللہ! تجھ سے ایسی نعمت کا سوالی ہوں جو سدا برقرار رہے، نہ ہٹنے کا نام لے اور نہ ٹلنے پائے۔

⑮ اے اللہ! کوئی فقیری کا دن آجائے تو مدد کا سوالی ہوں۔

⑯ اے اللہ! کوئی خوف کا دن آجائے تو امن کا بھکاری ہوں۔

- ۱۷۔ اے اللہ! تو نے جو کچھ ہمیں دیا ہے اس کے نقصان سے میں تیری حفاظت مانگتا ہوں۔
- ۱۸۔ اے اللہ! جو ہمیں عطا نہیں فرمایا اس کے شر سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔
- ۱۹۔ اے اللہ! ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے۔
- ۲۰۔ اے اللہ! اسے ہمارے دلوں کا حسن بنا دے۔
- ۲۱۔ اے اللہ! ناشکری سے ہمیں نفرت دلا دے۔
- ۲۲۔ اے اللہ! حق سے ہٹنے اور نافرمانی کرنے کو ناپسند بنا دے۔
- ۲۳۔ اے اللہ! ہدایت والے لوگوں میں ہمیں شامل فرما دے۔
- ۲۴۔ اے اللہ! ہم میں تو مسلمان ہو کر۔
- ۲۵۔ اے اللہ! اگر زندہ رہیں تو فرماں بردار ہو کر۔
- ۲۶۔ اے اللہ! اخروی ملاقات کریں تو نیکو کاروں سے۔
- ۲۷۔ اے اللہ! نہ ہم رسوائیوں میں پڑیں اور نہ فتنوں سے دوچار ہوں۔
- ۲۸۔ اے اللہ! کافروں کو ہلاک کر، جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں۔
- ۲۹۔ اے اللہ! انھیں برباد کر کہ جو تیرے راستے سے روکتے ہیں۔
- ۳۰۔ اے اللہ! ان کو دھمکا اور ان پر اپنا عذاب مسلط فرما۔
- ۳۱۔ اے اللہ! اے معبود برحق! ان کافروں کو بھی تباہ و برباد کر جن کو تو نے کتاب دی ہے۔

[ مسند احمد: ۳/۴۲۴ ح: ۱۵۴۹۸ و إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم: ۳/۲۳،

۲۴ ح: ۴۳۰۸ و إسناده صحيح، الأدب المفرد للبخاری: ۲/۱۵۴، ۱۵۵ ح: ۶۹۹

و إسناده صحيح۔ السنن الكبرى للنسائی: ۶/۵۶ ح: ۱۰۴۴۵ و إسناده صحيح ]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق احد کے میدان میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

صحیح بخاری اور زیادات مسند احمد کی روایت کے مطابق (۶۳) انصاری اور (۶) مہاجر، یوں کل ستر مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

[ صحیح بخاری: ۳۰۳۹۔ مسند احمد: ۶/۲۹۳ و إسناده صحيح۔ زیادات مسند

احمد: ۵/۱۳۵ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۵۸، ۳۵۹ و إسناده

حسن لذاته ]

اللہ کے رسول ﷺ اپنے زخمی صحابہ کے ہمراہ خود بھی زخمی ہیں لیکن مصیبت اور آزمائش کے

ان لحات میں رسول رحمت ﷺ اپنے مولا کریم کو کس قدر آہ و زاری سے یاد کرتے ہیں۔ جنگ کی دہکتی ہوئی بھٹی میں تپائے ہوئے صحابہ کو ہمراہ لے کر اللہ کی تعریف میں رطب اللسان اور مدد کے خواستگار ہیں۔ اللہ کی قسم! موتی ہیں جو حلم و صبر کے کوہ ہمالیہ، جرنیل اعظم اور رسول ہاشمی جناب محمد کریم ﷺ کی زبان مبارک سے نکھر رہے ہیں۔ اے اللہ! مسلمانوں کو ایسی ہی استقامت عطا فرما۔ (آمین!)

باپ شہید کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”احد کے میدان میں لڑی جانے والی جنگ کے آغاز میں مشرک شکست کھا گئے تھے (پھر جب خالد بن ولید کے عقب سے حملہ کرنے کی وجہ سے بھگدڑ مچی) تو ابلیس پر اللہ کی لعنت ہو، اس دوران اس نے دھوکا دینے کے لیے آواز لگائی: ”اے اللہ کے بندو! (مسلمانو!) اپنے پیچھے والوں سے خبردار ہو جاؤ۔“ اس پر وہ مسلمان جو آگے تھے وہ اپنے پیچھے والوں پہ پل پڑے۔ حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے جو دیکھا تو ان کے والد حضرت یمان (رضی اللہ عنہ) پیچھے والوں میں سے تھے (مسلمان ان کو مار رہے تھے) حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) شور ڈالنے لگے کہ یہ میرا باپ ہے، میرا باپ، لیکن اللہ کی قسم! مسلمانوں نے نہ چھوڑا اور (غلطی سے) انھیں شہید کر ڈالا۔ حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے:

«يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ»

”مسلمانو! اللہ تمہیں معاف کرے۔“

حضرت عروہ بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان (رضی اللہ عنہ) زندگی بھر ان لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ.....﴾: ۴۰۶۵]

ابن ہشام اور تاریخ طبری میں حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) کے الفاظ اس طرح بھی مرقوم ہیں کہ انھوں نے کہا: «يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ»

”اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

بعد میں ان مسلمانوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! ہم نے انھیں پہچانا ہی نہ تھا۔“ وہ سچے تھے،

لہذا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہی کہا: ”اللہ تمہیں معاف کرے۔“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیت دینے کا ارادہ کیا مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے حد متاثر ہوئے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ میں کس قدر خیر ہے۔

[ سیرۃ ابن ہشام: ۵۰/۳ و إسناده حسن لذاتہ۔ تاریخ طبری: ۵۰۳/۲، حسن ]

یہ تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہ جن کے دل اس قدر شفاف اور مسلمانوں کے لیے موم تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کے لیے زندگی بھر مغفرت کی دعائیں مانگتے رہے جنہوں نے غلطی سے ان کے والد کو شہید کر دیا تھا۔ خوب فرمایا مولا کریم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ صحابہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اے اللہ! چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر دلوں میں کینہ، حسد اور بغض پالنے والے مسلمانوں کو صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین!)

شہدائے احد کی غائبانہ نماز جنازہ:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد غزوہ احد کے شہیدوں پر نماز جنازہ ادا کی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے یا مسجد سے) باہر تشریف لائے اور احد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة أحد: ۴۰۴۲، ۱۳۴۴ ]

ثابت یہ ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی تھی، البتہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی، چنانچہ مشہور ثقہ محدث حضرت مولانا عبدالرحمان مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھنا اور نہ پڑھنا ہر دو امور جائز ہیں۔ اب مسئلہ رہ گیا شہید کی نماز جنازہ کا تو وہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ اس حدیث کو امام بخاری کتاب الجنائز میں لائے ہیں تو اسی لیے لائے ہیں کہ یہ شہداء کے لیے عام دعائیں تھیں بلکہ نماز جنازہ تھی اور ایسی نماز تھی جو میت

پر پڑھی جاتی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ معرکے کے شہید کی نماز جنازہ نہ پڑھنا بھی ثابت ہے اور پڑھنا بھی اور عاںبہ نماز جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔

قارئین کرام! آئیے اب صحابہ کی استقامت دیکھتے ہیں جو جنگ کے بے پناہ زخموں کے باوجود مشرکوں کا پیچھا کر رہے تھے۔

### مشرکوں کا تعاقب:

جناب ہشام کے والد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا آصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [آل عمران: ۱۷۲/۳]

”وہ لوگ کہ جنہوں نے جنگ کے کاری زخم لگنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہا، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان میں سے جنہوں نے (اپنے شہیدوں، زخمیوں اور خود بھی زخمی ہونے کے باوجود مشرکوں کا پیچھا کرنے جیسی) نیکی کی اور (جہاد پر لبیک کہنے کا) تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے اجر عظیم ہے۔“ اور اپنے بھانجے عروہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میری بہن کے بیٹے! احد کی لڑائی میں اللہ کے رسول ﷺ کو بے پناہ تکلیف پہنچی پھر مشرک واپس پلٹ گئے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں وہ دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَذْهَبُ فِيهِمْ؟»

”ان کے تعاقب میں کون کون نکلے گا؟“

تو اس وقت جو لوگ نکلے وہ ستر تھے (انہی کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہا ہے) انہی

لوگوں میں تمہارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور (نانا) ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ﴾: ۴۰۷۷]

مدینہ تشریف لانے کے بعد اگلے ہی دن اللہ کے رسول ﷺ تعاقب کے لیے نکل



کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے رات بھی پہرا دیتے ہوئے گزاری۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے پناہ آزمائشوں کے باوجود صحابہ کے سپریم کمانڈر جناب رسول کریم ﷺ کس قدر چوکس اور انتہائی بیدار مغز تھے کہ آپ ﷺ نے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے ساتھیوں کو دشمن سے غافل نہیں ہونے دیا اور جو آپ کا خدشہ تھا کہ مشرکوں کو آگے جا کر احساس ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو نابود کرنے کے بغیر ہی احد سے نکل آئے ہیں، وہ بھی صحیح ثابت ہوا کہ مشرک راستے میں افسوس کرتے جا رہے تھے کہ وہ فتح کے مقاصد حاصل کیے بغیر ہی چلے آئے ہیں۔

چنانچہ روجاء جو مدینہ سے ۳۶ کلومیٹر دور ہے وہاں ٹھہرے مشرکوں تک جب یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ جلدی سے کوچ کر کے مکہ پہنچیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی درگت بنوا بیٹھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ زخمی ہونے کے باوجود پانچ دن مدینہ سے باہر رہے۔ جناب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کے مجاہد کو لاٹھی کا تحفہ دیا:

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ”مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ یثع کا پوتا خالد بن سفیان لوگوں کو اکٹھا کر رہا ہے، اس کا مقصد مجھ سے جنگ کرنا ہے۔ اس وقت وہ ”عُرَنَة“ کے مقام پر موجود ہے۔ اس تک پہنچو اور اسے قتل کر دو۔“

میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اس کی کوئی نشانی بتلا دو، تاکہ میں اسے پہچان سکوں۔“ آپ ﷺ نے بتلایا: ”جب تو اسے دیکھے گا تو محسوس کرے گا کہ اس پر کچھی طاری ہے۔“ اب میں نے اپنی تلوار لٹکائی اور نکل کھڑا ہوا۔ آخر کار میں نے ”عُرَنَة“ میں اس کو جالیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو کجاوے اس کی اذنیوں پہ رکھے جانے کے لیے تیار تھے، جن میں اس کی عورتیں بیٹھی تھی، کوچ ہونے والا تھا۔ اس وقت عصر کی نماز کا وقت بھی ہو

چلا تھا۔ میں نے جب خالد بن سفیان کو دیکھا تو اسے اسی طرح پایا جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے بتلایا تھا اب میں نے اس کی جانب رخ کر لیا۔ میں اس بات سے بھی ڈرنے لگا کہ میرے اور اس کے درمیان کشمکش طول پکڑ گئی تو کہیں اس وجہ سے میری نماز ہی نہ رہ جائے۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھنا شروع کر دی اور اس کی جانب چلنے لگا۔ سر کے اشارے سے رکوع اور سجدہ کرتا چلا گیا۔ پھر جب میں اس تک پہنچ گیا تو وہ (مجھے دیکھ کر) پوچھنے لگا: ”کون آدمی ہے؟“ میں نے کہا: ”عرب کا ایک شخص ہے، اس نے آپ کے بارے میں سنا ہے اور اس شخص (محمد کریم ﷺ) کے خلاف لڑائی کے لیے لوگوں کے اجتماع کے بارے میں سنا ہے، چنانچہ یہ شخص اس مقصد کے لیے آ گیا ہے۔“ یہ سن کر وہ کہنے لگا: ”ہاں، ہاں! یہ سارا کچھ میں ہی کر رہا ہوں۔“ اب میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا حتیٰ کہ جب میں نے دیکھا کہ اب وہ میری دسترس میں آ گیا ہے تو میں نے موقع پا کر تلوار کا دار کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ پھر میں نکل کھڑا ہوا اور اسے اس حال میں چھوڑا کہ کجاہوں میں بیٹھی اس کی عورتیں اس کی لاش پر اوندھے منہ گری پڑی تھیں۔ پھر میں منزلیں طے کرتا ہوا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ پہنچا۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا:

«أَفْلَحَ الْوَجُوهُ»

”چہرہ کامیابی پا کے آیا ہے۔“

میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو نے سچ کہا ہے۔“ پھر آپ ﷺ میرے ساتھ کھڑے ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور باہر آ کر مجھے ایک لاشی عطا فرمائی اور کہا:

«أَمْسِكْ هَذِهِ عِنْدَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَيْبٍ!»

”اے انیس کے بیٹے عبداللہ! اس کو اپنے پاس سنبھال کے رکھنا۔“

یہ عصا لے کر جب میں لوگوں کے پاس آیا تو صحابہ نے پوچھا: ”اس عصا کا مطلب کیا ہے؟“ میں نے جواب دیا: ”یہ عصا مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس کو

سنجال کر رکھنا۔“ صحابہ نے کہا: ”کیا تم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جاتے نہیں اور جا کر اس کے بارے میں پوچھتے نہیں؟“ چنانچہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پلٹا اور آپ سے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ نے یہ عصا مجھے کس مقصد کے لیے عطا فرمایا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

« آيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، إِنَّ أَقْلَ النَّاسِ الْمُتَحَضِّرُونَ يَوْمَئِذٍ »

”یہ لٹھی میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہوگی، بلاشبہ اس روز لوگوں میں سے بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو قیامت کے دن ٹیک لگائے ہوں گے۔“

چنانچہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے ساتھ اس عصا کو بھی چٹا کر رکھا۔ یہ عصا ہمیشہ ان کے پاس رہا، حتیٰ کہ جب وہ فوت ہونے لگے تو اس کے بارے میں اپنے ساتھ دفن کا حکم دے گئے، چنانچہ یہ عصا بھی ان کے ساتھ ہی رکھ دیا گیا اور دونوں کو ایک ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔

[ ابن حبان : ۷۱۶۰ و إسناده حسن لذاته، مسند أحمد : ۴۹۶/۳، ح و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۳۷۲/۱، ۳۷۳، ح : ۹۰۱ و إسناده حسن لذاته۔ صحيح ابن خزيمة : ۳/۹۱، ۹۲ ح : ۹۸۲۔ السنن الكبرى للبيهقي : ۳/۲۵۶، ح : ۶۰۲۴ و إسناده حسن لذاته۔ في أسانيدهم عبد الله بن عبد الله بن أنس، وهو صدوق حسن الحديث ذكره ابن حبان في الثقات (۳۷/۵) وثقه ابن خزيمة و ابن حبان بتصحيح حديثه و أبو نصر عمر بن عبد العزيز بن عمر بن قتادة أيضا صدوق حسن الحديث وثقه البيهقي بتصحيح حديثه۔ السنن الكبرى : ۴/۳۳۶، ۲۴۸ و ]

[۱۶۹/۲

قارئین کرام! غزوہ احد میں مسلمانوں کو جوڑک اٹھانا پڑی اس کا نتیجہ یہ نکلنے لگا کہ عرب کے وہ قبائل جو غزوہ بدر کے بعد دب کر بیٹھ گئے تھے، اب نہ صرف سر اٹھانے لگے تھے بلکہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے روانہ ہونے لگے تھے۔ اللہ کے رسول جناب محمد کریم ﷺ پوری طرح ان حالات کا سامنا کرنے کے لیے چوکس اور تیار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی آپ ﷺ کو اطلاع ملی، آپ ﷺ نے سرکوبی کے لیے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ایسے مجاہد پہ قربان جائیں کہ نماز کی کس قدر فکر ہے؟ اللہ کو

یہ انداز کس قدر پسند آیا ہوگا کہ وہ اشاروں سے نماز بھی پڑھتے چلے جا رہے ہیں، رب کے حضور رکوع کرتے اور سجدہ ریز بھی ہوتے جا رہے ہیں اور رسول کریم ﷺ پر حملہ آور ہونے والے کا تیا پانچہ کرنے کا بھی سوچتے جا رہے ہیں۔

عصا کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی تین باتیں بڑی واضح ہیں، عصا کو سنبھال کر رکھنا، قیامت کے دن نشان بننا اور قیامت کے دن اس پر ٹیک لگانا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کے مجاہد صحابی نے اس پر عمل کیا، اس عصا کو ایسا سنبھال کر رکھا کہ وہ ذن بھی ساتھ ہی ہوا، اس لیے کہ قیامت کے دن اس نے نشانی بنا تھا۔ عصا ایک جہادی نشان ہے اور یہ ان لوگوں کا علاج ہے جو مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے یلغار کرنے کے پروگرام بناتے ہیں۔ یہ عصا قیامت کے مشکل ترین دن میں جہاد کا عمل صالح بن کر مجاہد کے لیے سہارا بن جائے گا۔

یاد رہے! وہ لوگ جو میت کے ساتھ بعض متبرک تحریروں یا چیزوں کو ذن کرتے ہیں اس کا کوئی ثبوت اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ سے نہیں ملتا، لہذا ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ صرف حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما ایسے مجاہد کا عمل ہے اور ان کا عمل اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت اور فرمان کی روشنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

”عجم البلدان“ میں ہے کہ عرفات کے قریب ایک دادی کا نام ”عُرْنَه“ ہے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کی شہادت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دس صحابہ کو (کفار کے مطالبے پر اسلام کی تبلیغ کے لیے) روانہ فرمایا۔ ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری (رضی اللہ عنہ) کو بنایا۔ یہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے عاصم کے نانا جان تھے۔ یہ لوگ جب ”ہدّۃ“ کے مقام پر پہنچے، جو مکہ اور عسفان کے درمیان ہے تو ”بنی ہذیل“ کے ایک قبیلے کو ان کے آنے کی خبر ہو گئی۔ قبیلے کا نام ”بنی لیمان“ تھا۔ اس قبیلے کے سوتیر انداز صحابہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور صحابہ کے قدموں کے نشانات پر پیچھا کرنے لگے۔ آخر کار یہ اس جگہ پہنچے، جہاں صحابہ نے بیٹھ کر کھجوریں کھائی تھیں۔ کھجوروں کی گٹھلیاں دیکھ کر یہ لوگ کہنے لگے: ”کھجوریں تو یثرب کی ہیں۔“ چنانچہ اب وہ حسب معمول صحابہ کے نشانات قدم پر چلنے لگے۔

ادھر حضرت عاصم بن ثابت (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو بھی محسوس ہو گیا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے، چنانچہ انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک محفوظ جگہ پوزیشن لے لی۔ بنولیمان کے لوگوں نے بھی یہاں پہنچتے ہی صحابہ کا گھیراؤ کر لیا اور کہنے لگے: ”نیچے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، یہ عہد رہا کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔“ اس پر حضرت عاصم بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”مسلمانو! جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو کسی کافر کا ذمہ قبول کر کے نیچے نہیں اتروں گا۔“ اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

« اَللّٰهُمَّ ! اَحْبِبْ عَلَنَّا نَبِيَّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »

”اے اللہ! ہمارے نبی ﷺ کو ہمارے حالات سے آگاہ کر دے۔“

اب قبیلے کے سو آدمیوں کے لشکر نے مسلمانوں پر تیر پھینکنے شروع کر دیے اور انھوں نے عاصم بن ثابت (رضی اللہ عنہ) اور ان کے چھ ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ باقی تین صحابہ ان کے عہد اور یثاق کے پیش نظر نیچے اتر آئے۔ یہ تینوں حضرت خبیب، حضرت زید بن دشنہ (رضی اللہ عنہ) اور ایک تیسرے صحابی تھے۔ قبیلے والوں نے جب ان تینوں صحابہ پر قابو پالیا تو ان کی کمان سے تانت نکال کر اسی سے ان کو باندھنا شروع کر دیا۔ تیسرے صحابی نے ان سے کہا: ”یہ تمھاری بد عہدی کا آغاز ہے، اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھ بالکل نہیں جاؤں گا۔ میرے لیے یہ لوگ نمونہ ہیں جو ابھی شہید ہوئے، میں بھی شہید ہو جاؤں گا مگر جاؤں گا نہیں۔“ انھوں نے آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی مگر وہ ڈٹے رہے (حتیٰ کہ شہید ہو گئے)۔

اب یہ لوگ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دشنہ (رضی اللہ عنہ) دونوں کو ساتھ لے گئے اور مکہ میں لے جا کر انھیں فردخت کر دیا۔ یہ جو کچھ ہوا بدر کے واقعہ کے بعد (بدر کا بدلہ لینے کے لیے اور احد میں مسلمانوں کی ہوا اکھڑنے کے بعد) ہوا۔ حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو خرید لیا کیونکہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ہی نے بدر کی لڑائی میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ کچھ دنوں تک حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ان کے گھر میں قید رہے پھر آخر کار انھوں نے حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس دوران ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے حارث کی ایک بیٹی سے استرا مانگا، تاکہ اس کے ساتھ اپنے بال

وغیرہ صاف کر لیں۔ حارث کی بیٹی نے جناب خبیب (رضی اللہ عنہ) کو استرا دے دیا۔ کچھ دیر بعد اسی خاتون کا ایک چھوٹا بچہ (کھیلتے ہوئے) اس عورت کی بے خبری میں ان کے پاس چلا گیا۔ بچے کی ماں کو اس بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ماں نے بچے کو دیکھا کہ وہ تو حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کی ران پر بیٹھا ہے اور استرا حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں ہے۔ وہ یہ دیکھ کر شدید گھبرا گئی۔ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تو اسے کہا:

«أَتَحْشِينَ أَنْ أَقْتَلَ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذَلِكَ»

”تو ڈرتی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسی (گھٹیا) حرکت کرنے والا نہیں ہوں۔“

بعد میں اس خاتون نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا: ”اللہ کی قسم! میں نے زندگی میں کوئی ایسا قیدی نہیں دیکھا جو خبیب (رضی اللہ عنہ) سے بہتر ہو۔ اللہ کی قسم! ایک دن میں نے اس کو دیکھا کہ وہ انگوروں کا خوشہ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھا رہا ہے، حالانکہ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور مکہ میں ان دنوں کوئی بھی پھل میسر نہیں تھا۔“ وہ خاتون کہا کرتی تھی کہ ”وہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے جناب خبیب (رضی اللہ عنہ) کو دیا تھا۔“

پھر جب وہ (حارث کے بیٹے اور اس خاتون کے بھائی) حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) کو حدود حرم سے باہر لے جانے لگے، تاکہ وہ انھیں (تعمیم میں لے جا کر) شہید کر دیں، تو حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) ان سے کہنے لگے: ”مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔“

انھوں نے اجازت دے دی، چنانچہ حضرت خبیب (رضی اللہ عنہ) نے دو رکعت نماز ادا کی اور ان سے کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! اگر اس بات کا ڈرنہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ یہ موت کے خوف سے نماز لمبی کر رہا ہے تو میں نماز مزید لمبی کرتا۔“ پھر تیوں دعا کرنے لگے:

«اللَّهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا»

”میرے اللہ! انھیں ایک ایک کر کے گن، پھر انھیں بکھیر بکھیر کر مار اور ان میں سے

کسی ایک کو نہ چھوڑ۔“

مقتل میں آپ نے یہ اشعار پڑھے.....

فَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا  
عَلَىٰ آبِي حَنْبٍ كَانَ لِلَّهِ مَضْرَعِي  
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَ إِنْ يَشَاءُ  
يُبَارِكْ عَلَيَّ أَوْصَالِ شَلْوٍ مُّمَزَّعٍ

”جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں تو کیا پروا ہے، جس پہلو پر بھی گروں، اللہ ہی کی خاطر یہ میدان سجا ہے، یہ سارا منظر اس رب کی خاطر پیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کیے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ کو بابرکت بنا ڈالے۔“

پھر حارث کے بیٹے عقبہ ابوسرور نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہر اس مسلمان کے لیے دو رکعت نماز ادا کرنے کا ایک اچھا عمل چھوڑا جسے قید کر کے شہید کیا جائے۔ ادھر جس دن ان صحابہ پر یہ آزمائش آئی اسی دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس سے باخبر کر دیا تھا۔

قریش کے بعض مشرکوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو وہاں بھیجا، تاکہ وہ ان کی لاش کا کوئی ٹکڑا لائیں، جس سے وہ یقین کر لیں کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ واقعی شہید ہو گئے ہیں، کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے میدان میں ان کے ایک سردار عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پر بھڑوں کا ایک دستہ بھیج دیا، جو بادل کے سائبان کی طرح حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کرنے لگا اور قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں کو ان کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا اور وہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لاش کا کوئی حصہ کاٹ کر لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب : ۳۹۸۹ ]

① غزوہ احد میں مسلمانوں کو قریش مکہ سے جو نقصان اٹھانا پڑا، مندرجہ بالا واقعہ بھی اسی کے اثرات کے باعث رونما ہونے والا ایک سنگین حادثہ ہے کہ مشرک قبائل جو بدر کی جنگ کے بعد دبے پڑے تھے، وہ اب احد کی جنگ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کی

سازشیں اور اعلانیہ بدعہدی پر اتر آئے تھے۔

وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہہ کر ان مبلغین اسلام کو اپنے ہمراہ لے کر گئے تھے کہ ہمارے علاقے میں اسلام کا چرچا ہے اور یہ مبلغین وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں گے۔

② کافر لوگ معاہدے کرتے ہیں، ذمے اٹھاتے ہیں لیکن بدعہدی کرتے ہوئے دیر نہیں لگاتے۔ ان کا یہ طرز عمل آج بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، لہذا بہترین طریقہ یہی ہے جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنایا کہ کفار کے وعدہ پر اعتبار کرنے کی بجائے رب کی راہ میں جان قربان کر دی۔ باقی تین ساتھی بھی اس لیے نیچے اترے تھے کہ مشرکین نے دوبارہ عہد و میثاق پیش کیا تھا اور پھر وہ بے بس بھی ہو چکے تھے۔

③ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ انھیں غیب کی جو خبریں بتلاتے ہیں وہ سبھی بتلاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے باخبر کرتا ہے، چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ! مشکل میں گھرے صحابہ کے حالات اپنے رسول ﷺ کو بتلا کہ وہ کس قدر آزمائش اور بدعہدی سے دوچار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور مولا کریم نے فوراً اپنے نبی ﷺ کو آگاہ کر کے آپ ﷺ کو صحابہ کی صورتحال بتلا دی۔

④ مسلمان مجاہد کس قدر اعلیٰ اخلاق والا ہوتا ہے کہ اس کے بلند کردار کی گواہی وہ عورت دے رہی ہے جس کے باپ حارث کو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ وہ اس لیے گواہی دے رہی تھی کہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس کے بچے کو قتل نہ بھی کرتا تو کم از کم اپنی رہائی کے بدلے ریغمال ضرور بنا لیتا، لیکن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے تو اپنے قتل کرنے والوں کے بچے کو پیار کے ساتھ گود میں بٹھا رکھا تھا۔ الغرض، کفار نے ہمیشہ مسلمان بچوں اور عورتوں پر ظلم کیا ہے مگر مسلمانوں کے بہترین کردار پر گواہی خود دشمنوں کے مونہوں سے موتی بن بن کر فضاؤں میں بکھرتی رہی اور آج بھی فضائیں مسلمانوں کے اسی کردار سے معطر ہیں۔

⑤ مشرک کفار کس قدر سنگ دل ہوتے ہیں کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اس کردار کو بھی دیکھ



کرنرم دل نہیں ہوتے، حضرت خبیبؓ کو چھوڑتے نہیں اور بدلہ ایک ایسے عمل کا لیتے ہیں جس کا تعلق جنگ کے میدان سے ہے، عام معاشرتی زندگی سے نہیں، یہ کہنے پن اور بزدلی کی انتہا ہے، جس کا ارتکاب مشرکوں نے کیا۔

① ثابت ہوا کہ حضرت خبیبؓ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اسے اپنے نبی ﷺ کو بتلانے والا ہے کہ ان مشرکوں نے ہمارے ساتھ کس قدر بدعہدی اور سازش کی۔

② حضرت زید بن دثنہؓ کو صفوان بن امیہ نے خریدا اور اپنے باپ کے بدلے میں شہید کر دیا۔ یاد رہے! صفوان کا باپ حضرت زیدؓ کے ہاتھوں بدر کے میدان میں قتل ہوا تھا۔ قارئین کرام! آئیے اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو احد کی جنگ کے بعد دو چار ہونا پڑا۔

کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”ہمارے ساتھ اپنے کچھ لوگوں کو بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم سے آراستہ کریں۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے ہمراہ انصار کے ستر آدمیوں کو روانہ فرما دیا۔ ان لوگوں کو قاری کہا جاتا تھا۔ ان قاریوں میں میرے ماموں حضرت حرامؓ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کی زندگی کا معمول اس طرح تھا کہ وہ رات کو قرآن پڑھا کرتے، تحقیق و ریسرچ کرتے، علم سیکھتے جبکہ دن کو مسجد کے لیے پانی بھرتے، لکڑیاں اکٹھی کر کے بیچتے اور حاصل کردہ رقم کے بدلے صفہ والوں اور فقیروں کے لیے کھانا خریدتے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے بغرض تبلیغ بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے راستے ہی میں ان سے منہ پھیر لیا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی انھیں شہید کر دیا۔ شہادت پا کر وہ اپنے رب سے کہنے لگے: ”اے ہمارے مولا! ہمارے بارے میں ہمارے نبی ﷺ کو آگاہ کر دیجیے کہ ہم نے آپ سے ملاقات کر لی، ہم اللہ عزوجل سے اور اللہ ہم سے خوش ہو گئے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ایک شخص نے میرے ماموں حرام رضی اللہ عنہ کے پیچھے سے ہو کر ان کو نیزہ مارا، نیزہ ان کے جسم سے آر پار ہو گیا۔ اس پر حضرت حرام رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«فُرْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ!»

”کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو بتلایا کہ تمہارے بھائی شہید کر دیے گئے اور وہ جنت میں پہنچ کر کہنے لگے:

«اللَّهُمَّ! بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَ رَضِيتَ عَنَّا»

[مسلم، کتاب الإمارة، باب ثبوت الحنة للشہید: ۶۷۷، بعد ۱۹۰۲]

”اے ہمارے اللہ! ہمارے نبی کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے آپ سے ملاقات کر لی ہے، ہم آپ سے راضی ہو گئے اور آپ ہم سے خوش ہو گئے۔“

مدینے سے کچھ فاصلے پر بنو عامر اور بنو سلیم کے حرہ کے درمیان ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کو ”معوذہ“ کہا جاتا تھا۔ اسی مناسبت سے ”معوذہ“ کے ارد گرد کے علاقے کو بھی ”بئر معوذہ“ کہا جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تلاتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ پورا ایک مہینا لگا تار ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت کرتے رہے۔ ہر نماز کی آخری رکعت میں جب آپ ﷺ ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہتے تو بنی سلیم، رعل، ذکوان اور عصبیہ کے قبیلوں پر بددعا کرتے اور جو لوگ آپ ﷺ کے پیچھے ہوتے وہ ”آمین“ کہتے۔“

[مسند أحمد: ۳۰۱/۱، ۳۰۲، ح: ۲۷۴۶ و إسناده صحيح - أبو داؤد: ۱۴۴۳ و

إسناده صحيح - مستدرک حاکم: ۲۲۵/۱، ۲۲۶، ح: ۸۲۰ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری میں رعل، ذکوان اور عصبیہ کے ساتھ بنو لحيان کا بھی ذکر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک مہینا تک ان کے ساتھ بنو لحيان کے خلاف بھی بددعا کرتے رہے۔

[صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع ..... الخ: ۴۰۹۰]

قارئین کرام! بئر معوذہ کا واقعہ چار ہجری صفر کے مہینے میں پیش آیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت اور بئر معوذہ کا واقعہ رونما ہونے میں تھوڑے دنوں کا فرق ہے۔ ان واقعات سے اللہ

کے رسول ﷺ کو بہت زیادہ دکھ، رنج اور صدمہ پہنچا۔ اس کا اندازہ قنوت سے ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ مہینا بھر قنوت کرتے رہے۔ مسجد نبوی کے در و دیوار آئین کہتی ہوئی آہوں اور سسکیوں سے کس قدر رنجیدہ اور غمناک ہوتے ہوں گے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ الغرض، مسلمانوں کو یہ نتائج اس زک کے نتیجے میں بھگتنے پڑ رہے تھے جو احد کے میدان میں پہنچی۔ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی بیدار مغز اور جرأت مندانہ قیادت تھی کہ جس کے پرچم تلے سرکش قبائل کی طرف مہمات بھیجی جا رہی تھیں اور ان کو دھمکایا جا رہا تھا، وگرنہ تو وہ مدینہ کو تاراج کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ وہ اپنے منصوبے پر عمل تو نہ کر سکے، تاہم دھوکے کے ساتھ اپنی شرارتوں میں کامیاب ہوتے رہے۔ الغرض، ان کو اتنی جرأت بھی جو ہوئی تو اس کا سبب احد میں پہنچنے والا عسکری نقصان ہی تھا۔

عسکری نقصانوں اور شکستوں کے نتائج کس قدر حالات اور سیاسی جغرافیہ بدل کر رکھ دیتے ہیں، اس کا اندازہ موجودہ دور کو سامنے رکھ کر بھی بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ترکوں کی خلافت عثمانیہ جو اپنے وقت کی سپر پاور تھی اس کو اتحادی صلیبیوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا 1945ء میں کرنا پڑا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سارے ملک ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور وہ ترکی کے نام سے ایک چھوٹے سے ملک تک محدود ہو کر رہ گئے۔

روس کو افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس سپر پاور کے پندرہ کلڑے مختلف ملکوں کے نام سے الگ ہو گئے اور اس کی کسمپرسی کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی سرخ فوج کے جرنیل 1990ء میں ماسکو میں تمنغے لگائے بازاروں میں بھیک مانگ رہے تھے۔

اب امریکہ، عراق اور افغانستان میں انھی حالات سے دوچار ہے جن حالات سے روس افغانستان میں دوچار ہوا تھا، تو مستقبل کے نقشہ کو دیکھتے ہوئے سنگا پور کے بانی وزیر اعظم عالمی دانشور مسٹر لی کان یونے 12 دسمبر 2005ء کے امریکی ہفت روزہ ٹائم کو انٹرویو دیتے ہوئے اپنے

خیالات کا یوں اظہار کیا: If the jihadists win there, I am in trouble here.

”اگر وہاں عراق میں جہادی فتح یاب ہو گئے تو میں یہاں سنگا پور میں رہتے ہوئے مشکل میں گھر جاؤں گا۔“

USSR یعنی سوویت روس کے آخری صدر گوربا چوف کہ جن کے دور صدارت میں سوویت روس ٹوٹ گیا۔ اس کے پیٹ سے 15 ملک نکل کر آزاد ہو گئے اور وہ صرف روس رہ گیا، اس گوربا چوف کا ایک مضمون جولائی 2007ء کے ایک انگریزی اخبار میں شائع ہوا ہے، یہ اخبار کینیڈا سے ”ٹورنٹو سٹار“ کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں گوربا چوف لکھتے ہیں:

”جب کوئی بڑی طاقت کسی مسلح جنگ میں ملوث ہوتی ہے اور خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے کے باوجود تکبر کا مظاہرہ کرتی ہے تو حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ افغانستان میں روس کی مداخلت کی غلطی کے اعتراف کے بعد 1985ء میں روسی قیادت میں تبدیلی آئی، میں صدر بنا اور میں نے افغانستان سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا اور دیگر ممالک سے درخواست کی کہ وہ نکلنے میں ہماری مدد کریں عراق سے امریکی افواج کا انخلاء بھی ناگزیر ہے، ویت نام ہو یا افغانستان ان سے حاصل ہونے والے سبق اکثر ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

یاد رہے! برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیر عراق میں اپنی فوج بھیجنے کی غلطی کا اعتراف کر کے جولائی 2007ء میں مستعفی ہو چکے ہیں صدر بش نے اسی مہینے کے آخر پر نئے برطانوی وزیر اعظم مسٹر براؤن سے ملاقات کے بعد سی این این سے گفتگو کرتے ہوئے خبردار کیا کہ ہم اگر عراق سے نکلے تو ہم اور ہمارے اتحادی تباہ ہو جائیں گے وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں عراق سے امریکی فوج تو نکال لوں مگر اس کے بعد شکست کے نتائج اور حالات کو کون سنبھالے گا؟

اسی طرح ۳۰ جولائی کے ہفت روزہ ٹائم نے اپنی نیشنل سٹوری میں لکھا کہ بش انتظامیہ اس بات سے ڈر رہی ہے کہ اگر ہم یہاں سے مقاصد حاصل کیے بغیر نکل گئے تو دہشت گرد ہر جگہ قوت پکڑ کر امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر حملہ کریں گے۔

الغرض، عسکری ہزیمت کے ان نتائج پر جب ہم غور کرتے ہیں کہ جن کا سامنا بڑی بڑی سپر پاورز نہ کر سکیں تو ایک غیر جانبدار محقق و مبصر کو جرنیل اعظم محمد کریم ﷺ کی عسکری بصیرت اور حکمت عملی کو سلام اور سلیوٹ کرنا پڑتا ہے کہ جنہوں نے احد کے میدان میں عسکری ہزیمت پر بھی قابو پایا اور بعد میں آنے والے اثرات سے بھی مدینہ جیسی چھوٹی سی سٹیٹ کو کامل طور پر محفوظ رکھا۔

## اہل صفہ کے احوال

صفہ کے فقیر سکا لرا اور مجاہد:

وہ مبلغ مجاہدین جو صفہ سے اٹھ کر گئے اور اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے، ضروری اور لازم ہے کہ صفہ کے ان مجاہد درویشوں اور زاہدوں کے بارے میں یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کیا جائے۔

صفہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں جناب سمہودی نے اپنی کتاب ”وفاء الوفاء“ میں، جناب یاقوت حموی نے اپنی مشہور کتاب ”معجم البلدان“ میں اور ابن منظور نے اپنی کتاب ”لسان العرب“ میں واضح کیا ہے کہ ”صفہ“ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس پر چھت پڑی ہوئی ہو۔ ”سنن نسائی (۴۹۱۳ و اسنادہ صحیح) اور سنن ابی داؤد (۴۳۸۶ و اسنادہ صحیح) میں ”صفہ النساء“ یعنی عورتوں کا چھپر (جو مسجد نبوی میں تھا) کا جملہ موجود ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری (قبل: ۱۰۵۲) اور نسائی (۱۴۷۸) میں ”صفہ زم زم“ کا جملہ لکھا ہے جس کا مطلب ہے: ”زم زم کے کنویں پر چھپر۔“

ثابت ہوا مسجد نبوی سے ملحق عورتوں کے لیے ایسا ”صفہ“ تھا جہاں وہ مردوں سے الگ اس مخصوص جگہ میں نماز اور جمعہ وغیرہ ادا کرتی تھیں اور مرد حضرات کے لیے بھی صفہ تھا جہاں وہ اپنے شب و روز گزارتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔

[ مسلم: ۶۷۷، بعد ۱۹۰۲ ]

یاد رہے! سمہودی، حموی اور ابن منظور نے صفہ کو ظلمہ بھی کہا ہے اور ”ظلمہ“ کا مطلب سا تباہ ہے۔ الغرض، ایسا چھپر جس کے اوپر سایہ ہو، نیچے چبوترہ ہو اور ارد گرد دیواریں نہ ہوں

اسے صفہ اور ظلہ کہا جاتا ہے۔

جناب سمودی لکھتے ہیں اس صفہ میں سب سے پہلے آنے والے مہاجرین تھے۔ اسی لیے صفہ کی نسبت مہاجرین کی طرف ہوگئی اور اسے ”صفۃ المهاجرین“ کہا جانے لگا۔ مختلف احادیث و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے اطراف و اکناف کے وہ لوگ جو وفود کی شکل میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آتے تھے، تاکہ یہاں مسلمان ہونے کا اعلان کریں اور اسلام کی اطاعت کا دم بھریں وہ اجنبی لوگ بھی یہیں صفہ میں ٹھہرتے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ باہر سے جو شخص بھی اللہ کے رسول ﷺ سے ملنے آتا، اس کی جان پہچان اگر مدینہ کے کسی گھر میں ہوتی تو وہ وہاں ٹھہرتا، وگرنہ اصحاب صفہ کے ساتھ قیام کرتا۔

[ ابن حبان : ۶۶۸۴ و إسناده صحيح - مستدرک حاکم : ۳ / ۱۴ ، ۱۵ ، ح : ۴۲۹۰ ]

و إسناده صحيح - مسند أحمد : ۳ / ۸۷ ، ح : ۱۶۰۸۴ و إسناده صحيح [

امام ابو نعیم ”حلیہ“ میں لکھتے ہیں کہ صفہ میں رہنے والوں کی دیکھ بھال اور خدمت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے۔ اللہ کے رسول ﷺ جب صفہ میں ٹھہرے لوگوں کی دعوت کرنا چاہتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے اور وہ ان لوگوں کو بلا لاتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو خوب جانتے تھے کہ عبادت اور جہاد میں کون کون لوگ کس کس مرتبے اور منزلت کے حامل ہیں۔

[ حلیۃ الأولیاء : ۱ / ۶۱ - بخاری : ۶۴۵۲ - الترمذی : ۲۴۷۷ و إسناده حسن لذاتہ ]

امام ابو نعیم لکھتے ہیں کہ اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف ہوا کرتی تھی۔ جب مدینہ میں وفود زیادہ آتے تو تعداد بڑھ جاتی اور جب پردیسی کم آتے تو تعداد بھی کم ہو جاتی۔ [ حلیۃ الأولیاء : ۱ / ۱۷ ، تحت الحدیث : ۱۳۰۳ ]

تاہم عام دنوں میں یہاں حسب معمول ستر (۷۰) کے قریب لوگ ہر وقت موجود رہا کرتے تھے۔

[ بخاری ، کتاب الصلاة ، باب لزوم الرجال فی المسجد : ۴۴۲ - حلیۃ الأولیاء :

۱۷۱ ، ۱۸ ، ح : ۱۲۰۴ و إسناده حسن لذاتہ - کتاب الزهد للإمام احمد ابن

حنبل رحمہ اللہ ، ص ۱۷۱ و إسناده صحيح [

کبھی تعداد اس قدر بھی بڑھ جاتی کہ صحابہ میں ان لوگوں کو تقسیم کر دیا جاتا اور پھر انصار صحابہ اپنے حصے کے لوگوں کو گھر لے جاتے اور وہاں ان کو کھانا کھلاتے۔ اصحاب صفہ میں جو لوگ بڑے معروف تھے۔ ان کی ایک فہرست امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”حلیہ“ میں رقم کی ہے، جو اس طرح ہے:

- ۱۔ اوس بن اوس رضی اللہ عنہما
- ۲۔ اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہا
- ۳۔ الاغر المرزنی، موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہما
- ۴۔ البراء بن مالک رضی اللہ عنہما
- ۵۔ ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہما
- ۶۔ ثابت بن ودیعہ رضی اللہ عنہما
- ۷۔ ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہما
- ۸۔ جرہد بن خویلد رضی اللہ عنہما
- ۹۔ جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہما
- ۱۰۔ جاریہ بن حمیل رضی اللہ عنہما
- ۱۱۔ حدیفہ بن اسید رضی اللہ عنہما
- ۱۲۔ حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہما
- ۱۳۔ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہما
- ۱۴۔ حازم بن حرملہ رضی اللہ عنہما
- ۱۵۔ غسیل الملائکہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہما
- ۱۶۔ حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہما
- ۱۷۔ الحکیم بن عمیر رضی اللہ عنہما
- ۱۸۔ حرملہ بن ایاس رضی اللہ عنہما

- ۱۹۔ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ
- ۲۰۔ حنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ
- ۲۱۔ خالد بن زید (ابو ایوب انصاری) رضی اللہ عنہ
- ۲۲۔ خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ
- ۲۳۔ خریم بن اوس رضی اللہ عنہ
- ۲۴۔ خیب بن یساف رضی اللہ عنہ
- ۲۵۔ دکیں بن سعید رضی اللہ عنہ
- ۲۶۔ عبداللہ ذوالجمادین رضی اللہ عنہ
- ۲۷۔ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ
- ۲۸۔ ابورزین رضی اللہ عنہ
- ۲۹۔ زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ
- ۳۰۔ سفینہ مولیٰ رسول اللہ رضی اللہ عنہ
- ۳۱۔ ابوسعید الخدری (سعد بن مالک) رضی اللہ عنہ
- ۳۲۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
- ۳۳۔ سالم بن عبید الاحبحی رضی اللہ عنہ
- ۳۴۔ سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ
- ۳۵۔ السائب بن خلاد رضی اللہ عنہ
- ۳۶۔ شقران مولیٰ رسول اللہ رضی اللہ عنہ
- ۳۷۔ شداد بن اسید رضی اللہ عنہ
- ۳۸۔ صہیب بن شان رضی اللہ عنہ
- ۳۹۔ صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ
- ۴۰۔ طحقہ بن قیس رضی اللہ عنہ
- ۴۱۔ طلحہ بن عمرو رضی اللہ عنہ



۴۲۔ الطقاوی الدوسی رحمۃ اللہ علیہ

۴۳۔ عبداللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ

۴۴۔ ابو ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ

۴۵۔ عریاض بن ساریہ رحمۃ اللہ علیہ

[ حلیۃ الأولیاء : ۱/۴۲۵ تا ۴۷۱۔ مسند أحمد : ۴/۱۲۸، ح : ۱۷۱۶۱ ]

[ وإسناده صحیح ]

علم، عبادت اور جہاد:

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اپنی سنن میں اہل صفہ کی ان صفات کو لائے ہیں کہ ان لوگوں نے فقر اور زہد کو اپنے سینے سے لگا لیا، دنیا سے منہ موڑ لیا اور مسجد ہی میں جم کر بیٹھ گئے۔ وہ علم حاصل کرتے تھے اور اللہ کی عبادت میں مگن رہتے تھے۔ وہ الگ تھلگ ہو کر نفل نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے، اللہ کی آیات پر غور و فکر کرتے اور اللہ کا ذکر کرتے۔ ان میں سے بعض لوگ لکھنے کی تعلیم حاصل کرتے، اپنے استاد کو تحائف بھی دیتے۔ حضرت عبادہ بن صامت رحمۃ اللہ علیہ جو قرآن کی تعلیم دیتے اور لکھنا بھی سکھاتے تھے انھیں ان کے ایک شاگرد نے کمان تحفے میں دی۔

[ أبو داؤد، کتاب الإحارة، باب فی کسب المعلم : ۳۴۱۶ و إسناده حسن لذاته۔

ابن ماجہ : ۲۱۵۷ إسناده حسن لذاته۔ والأسود بن ثعلبة، صدوق حسن الحدیث،

وقفہ ابن حبان (الثقات : ۴/۲۳) و الحاکم تصحیح حدیثہ، مستدرک حاکم : ۲/۴۱ ]

ان لوگوں میں بعض علم اور حدیث کو حفظ کرنے میں بہت معروف ہوئے جیسا کہ

حضرت ابو ہریرہ رحمۃ اللہ علیہ کہ جن سے کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں اور حضرت حذیفہ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ کہ جنھوں نے فتنوں سے متعلق احادیث یاد کرنے کا اہتمام کیا۔

[ بخاری : ۱۱۸، ۹۹، ۵۲۵ ]

اہل صفہ جو علم اور عبادت کے لیے دنیا سے کٹ گئے تھے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ

انھوں نے دنیا کو بالکل ہی خیر باد کہہ دیا تھا۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق لکڑیاں لا کر بھی بیچا کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مسلم نیشاپوری نے ذکر کیا ہے۔

[ مسلم : ۶۷۷، بعد : ۱۹۰۲ ]

اسی طرح اسلامی معاشرے کو جن مشکل حالات سے سابقہ پڑتا تھا وہ اس میں بھی حصہ لیتے تھے۔ جہاد و قتال میں مجاہد بن کر جایا کرتے۔ ان لوگوں میں سے بہت سے بدر کی لڑائی میں بھی شامل ہوئے، جیسا کہ:

- ۱۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ [حلیۃ الأولیاء: ۱/۴۵۹]
- ۲۔ خرمیم بن فاتک اسدی رضی اللہ عنہ [حلیۃ الأولیاء: ۱/۴۴۵]
- ۳۔ حضرت خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ [حلیۃ الأولیاء: ۱/۴۴۶]
- ۴۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ [حلیۃ الأولیاء: ۱/۴۵۵]
- ۵۔ حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ [حلیۃ الأولیاء: ۱/۴۳۶]

اسی طرح ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو احد کی لڑائی میں شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو فرشتوں نے غسل دیا۔ یہ لوگ حدیبیہ میں بھی شامل تھے جیسا کہ حضرت جربد بن خویلد رضی اللہ عنہ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۴۳۲) اور حضرت ابو سریحہ غفاری رضی اللہ عنہ جبکہ حضرت ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ خیبر میں شہید ہوئے۔ امام ابو نعیم اصہبانی فرماتے ہیں:

”حضرت عبداللہ ذوالسجادین رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شہید ہوئے۔“ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۴۳۸، ۴۳۷)

حضرت سالم اور زید بن خطاب رضی اللہ عنہما یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۴۵۴)

الغرض، وہ علم، عبادت اور ذکر و فکر میں بھی باکمال تھے اور جہاد و قتال کے میدانوں میں بھی لاجواب تھے۔ جی ہاں! وہ..... رع

رُهْبَانًا فِي اللَّيْلِ وَ فُرْسَانًا فِي النَّهَارِ

”یہ لوگ رات کو عبادت گزار تھے اور دن کو شہ سوار تھے۔“

اہل صفہ کا لباس:

کتب احادیث و سیر میں جو تفصیلات آئی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فقر و غربت کے باعث کسی کے پاس بھی مکمل لباس نہیں تھا۔ بعض کے پاس ایک ہی چادر تھی، جسے وہ اپنی گردن کے ساتھ باندھ لیتے اور جسم اور ستر کو وہی چادر ڈھانپتی، یہ چادر بھی بعض کے تو نصف

پنڈلیوں تک آجاتی اور بعض کے لیے وہ چادریں اس قدر چھوٹی ہوتیں کہ وہ گھٹنوں تک بھی نہ پہنچ پاتیں۔ بعض لوگ صرف ازار بند ہی باندھ پاتے اور باقی جسم ننگا ہوتا۔

[ بخاری: ۴۴۲، حلیۃ الأولیاء: ۴۱۷/۱، ۴۱۸، ح: ۱۲۰۴ و إسناده حسن لذاتہ۔

کتاب الزهد: للإمام احمد ابن حنبل، ص: ۱۷۱ و إسناده صحیح ]

صفہ چونکہ اردگرد سے کھلا تھا، اس لیے ہوا اور گرد بھی اہل صفہ پر پڑتی۔ پسینے پر جب گرد پڑتی تو جسم خاک آلود ہو جاتے۔

اہل صفہ کا کھانا:

کتب احادیث میں ہے کہ ان کا کھانا اکثر کھجور ہی ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہردو آدمیوں کے لیے کھجوروں کا ایک ”مُد“ روزانہ کی خوراک مقرر فرمایا تھا۔ اس پر اہل صفہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) کھجوروں نے اب تو پیٹ کو اندر سے بھون کر رکھ دیا ہے۔“ لیکن رسول کریم ﷺ کے پاس یہ استطاعت نہ تھی کہ انھیں دوسرا کھانا وافر مقدار میں مہیا کر دیتے، چنانچہ آپ ﷺ نے اہل صفہ کو صبر کی تلقین کی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ انصار لوگ اہل صفہ کی اپنے گھروں میں دعوت بھی کرتے۔

[ مسند أحمد: ۴۸۷/۳، ح: ۱۶۰۸۴ و إسناده صحیح۔ ابن حبان: ۶۶۸۴ و

إسناده صحیح۔ مستدرک حاکم: ۱۵۰/۳، ح: ۴۲۹۰ و إسناده صحیح ]

بعض اوقات ان کی دعوت دودھ سے ہوتی۔ (بخاری: ۶۴۵۲) کبھی ان کو ”حشیش“

کھلایا جاتا۔ [ أبو داؤد: ۵۰۴۰ و إسناده حسن لذاتہ ] یہ کھانا کبھی تو گندم اور گوشت سے تیار

کیا جاتا اور کبھی کھجور ہی کو پکا کر تیار کیا جاتا۔ دعوت طعام میں ”حصہ“ بھی تیار کیا جاتا، یہ کھانا

کھجور، آنا اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا۔ تیسرے نمبر پر جو کھانا بنایا جاتا وہ ”جو“ کی سوغات ہوتا۔

بعض اوقات ”ثرید“ بھی دعوت میں چلتا۔

[ مسند أحمد: ۴۹۰/۳، ح: ۱۶۰۱۲ و إسناده حسن لذاتہ ]

گوشت کے شوربے میں گندم یا جو کی روٹی بھگو کر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ”ثرید“

کہتے ہیں۔ مالدار صحابہ کے ہاں اچھی اچھی دعوتیں بھی ہوتیں۔

[ مسند أحمد: ۴۸۷/۳، ح: ۱۶۰۸۴ و إسناده صحیح۔ ابن حبان: ۶۶۸۴ و إسناده

صحیح۔ مستدرک حاکم: ۱۵، ۱۴/۳، ح: ۴۲۹۰ و إسناده صحیح۔ بخاری: ۶۰۲ ]  
اور اہل صفہ پر کبھی یہ دن بھی آتے کہ دوران نماز بھوک اور فاقے سے بعض لوگ زمین پر گر جاتے۔

[ مسند أحمد: ۱۹، ۱۸/۶، ح: ۲۴۴۳۵ و إسناده صحیح، ابن حبان: ۷۲۴ و  
أسنادہ صحیح۔ الترمذی: ۲۳۶۷ و إسناده صحیح ]

رسول کریم ﷺ کی محبت اہل صفہ کے ساتھ:

مطالعہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اہل صفہ کے پاس جا کر بیٹھے، ان سے ملاقات کرتے، خیریت دریافت کرتے اور احوال معلوم کرتے، انھیں آخرت یاد دلاتے، قرآن کی قراءت اور قرآن پر غور و فکر کی جانب توجہ دلاتے، انھیں ذکر الہی اور آخرت پر نگاہ جمائے رکھنے کی تلقین کرتے، دنیا سے بے رغبتی کی تلقین کرتے اور دنیاوی آرائش کی جانب سرپٹ بھاگنے کی تمنا کا علاج کرتے۔

[ مسند أحمد: ۹، ۸/۱۴، ح: ۱۵۴، ۱۶۲۶۳ و إسناده صحیح و ۱۷۵۴۳ و إسناده صحیح۔ مسلم: ۸۰۳ ]

بیماروں کی عیادت فرماتے، ان کی راہنمائی کرتے، غم گساری کرتے، جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس صدقے کی کوئی شے آتی تو اسے اہل صفہ کی طرف بھیج دیتے اور اس سے خود کچھ بھی نہ لیتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو اسے بھی اہل صفہ کی طرف روانہ کر دیتے لیکن اہل صفہ کے ساتھ بیٹھ کر تحفے کے اس کھانے میں شامل ہو جاتے۔

[ بخاری: ۶۴۵۲۔ ترمذی: ۲۴۷۷ و إسناده حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۶۵۳۵ و  
إسناده صحیح۔ مستدرک حاکم: ۱۶، ۱۵/۳، ح: ۴۲۹۱ و إسناده حسن لذاتہ ]

آپ ﷺ اپنی بیویوں کے گھروں میں اکثر ان لوگوں کو دعوت طعام پہ مدعو کرتے رہتے۔ ان لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ گھر والوں کے مقابلے میں اہل صفہ کو ترجیح دیتے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ”تمہارے ابا جان کے پاس غلام، لونڈیاں اور مال آیا ہے، جاؤ اور خدمت کے لیے کسی کو لے آؤ۔“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”اللہ کی قسم! چکی چلا کر میرے ہاتھوں پر چھالے

پڑ گئے ہیں۔“ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا جان کے پاس آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”بیٹا! کیسے آنا ہوا!“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”ابا جی! بس سلام کرنے آئی تھی۔“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شرمناگین اور کچھ مانگے بغیر ہی واپس چلی گئیں۔ جب گھر گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”کیا بنا؟“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”اللہ کی قسم! مجھے تو مانگتے ہوئے شرم آ گئی اور میں خالی ہاتھ ہی واپس آ گئی ہوں۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”آؤ ہم اکٹھے چلتے ہیں۔“ اب دونوں آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فاطمہ رضی اللہ عنہا! کہہ رہی ہیں کہ آتا پیس پیس کر میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام، لونڈیاں اور مال و دولت آیا ہے، ہمیں بھی کچھ عطا فرما دیجیے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« وَاللَّهِ لَا أُعْطِيكُمْ مَا وَادَّعُ أَهْلَ الصُّفَّةِ تَطْوِي بَطُونَهُمْ، لَا أَجِدُ مَا أَنْفِقُ عَلَيْهِمْ وَلَكِنِّي أُبِيعُهُمْ وَأَنْفِقُ عَلَيْهِمْ أَتْمَانَهُمْ »

”میں تمہیں خادم فراہم کر دوں اور اہل صفہ کو چھوڑ دوں کہ ان کے پیٹ فاقوں سے دہرے ہوتے رہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں جو میں ان پر خرچ کروں۔ اب یہ جو کچھ آیا ہے، انھیں فروخت کے لیے بھیجوں گا اور ملنے والی رقم ان پر خرچ کروں گا۔“

چنانچہ دونوں میاں بیوی یہ سن کر واپس گھر چلے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بستر بڑا چھوٹا ہے۔ اوڑھنے والی چادریں بھی چھوٹی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کے کلمات بتلا دیے اور جو کچھ مال تھا وہ صفہ والوں کو دے دیا۔

[مسند احمد: ۱/۱۰۶، ۱۰۷، ح: ۸۴۱ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ و سماع حماد بن سلمة من ابن السائب قبل الاختلاط عند المعجور]

الغرض، اپنے داماد اور پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا جملے اور الفاظ تاریخ کا حصہ بن گئے۔

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسا بھی کرتے کہ عشاء کی نماز کے بعد

اہل صفہ کو انصاری صحابہ میں تقسیم کر دیتے تاکہ وہ رات کا کھانا ان کے ہاں کھائیں، اور فرماتے:

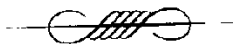
”جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے۔“

چنانچہ انصاری صحابہ کرام اہل صفہ کو اپنے گھروں میں لے جاتے اور جو باقی بچ رہتے انھیں اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر میں لے جاتے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر رات کا کھانا کھاتے۔

[بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب السمر مع الأهل والمضيف: ۳۵۸۱، ۶۰۲]

قارئین کرام! آج کے دانشور کہتے ہیں کہ جرائم بے روزگاری اور غربت کی وجہ سے پھیلتے ہیں۔ ان لوگوں کی یہ بات سوائے جہالت کے کچھ نہیں۔ اہل صفہ کا کردار دیکھ لو، اس دور کے جاہلی معاشرے سے نکلے ہوئے ان لوگوں کی تربیت کی ہے جناب محمد کریم ﷺ نے اور اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جرائم سے کوسوں دور ہیں، لیکن وہ لوگ جن کی تربیت قرآن و سنت سے ہٹ کر ہوتی ہے، زیادہ تر وہی قتل کرتے اور ڈاکے ڈالتے ہیں۔ زمینوں، پلاٹوں، فیکٹریوں اور کوٹھیوں کے مالک ہونے کے باوجود غریبوں کو بے گھر کرتے پھرتے ہیں اور ان کے پلاٹ ہتھیا لیتے ہیں۔ اس حقیقت کو آج بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، لہذا یہی فرق ہے، رسول کریم ﷺ کی تربیت اور جاہلی تربیت کے درمیان، اللہ کے نظام اور انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے درمیان۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں ایک صوفی کے کردار کا جو تصور ہے وہ اس کردار سے بالکل مختلف ہے جو صفہ کے رہنے والے صحابہ کا تھا۔ اگر آج کا صوفی جناب رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے صفہ اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ اہل صفہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے تو پھر آج کے صوفیائے کرام کو تبھی صوفیائے عظام مانا جائے گا جب وہ علم، عبادت، زہد اور جہاد کے میدانوں میں برابر برسرِ پیکار ہوں گے۔ جہاد کے میدان مجاہدین کو پیکار ہے ہوں اور کوئی سمجھے کہ اس جہاد سے کئی کترا کر وہ تصوف کی عبا اوڑھ کر صوفی بنا رہے گا تو یہ خام خیالی ہے، اہل صفہ کا منہج اس کا واضح انکار کر رہا ہے۔



## یہود کا انخلاء اور قوم پرستی کا بگولہ

بنو نضیر کی جلا وطنی :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہودیوں کے قبیلہ) بنو نضیر کے کھجوروں کے باغ کو عسکری وجوہات کی بنا پر آگ لگوا دی تھی۔ اسی کے بارے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ شعر کہا تھا.....

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ  
حَرِيقٌ بِالْبُؤَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ

”بنو لوی یعنی قریش کے سرداروں نے بڑی آسانی کے ساتھ اس آگ کو برداشت کر لیا جو مقام بویرہ پر پھیل رہی تھی۔“

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بتلاتے ہیں: ”میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے سورہ حشر کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے: ”اسے سورہ نضیر کہو، کیونکہ یہ سورت بنو نضیر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر..... الخ : ۴۰۲۹، ۴۰۳۱،  
۴۰۳۲۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب جواز قطع أشجار..... الخ : ۱۷۴۶ ]

بنو نضیر جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور مدینہ سے چند کلومیٹر دور اپنی بستی میں قیام پذیر تھا۔ ان کے باغات جن کا نام ”بویرہ“ تھا، ان کے جلنے کا حال اور ”سورہ حشر“ کی جو شان نزول بیان کی گئی ہے، وہ ثقہ و صدوق امام ابن سعد نے طبقات الکبریٰ (۲/۴۴)، امام ابن جریر طبری اور امام ابن کثیر نے اپنی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر انہی کے بارے میں محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں نازل کی، فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَلَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾ [الحشر: ٢٥٩]

”وہی تو ہے جس نے پہلے ہی حملے میں اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تمہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ سے بچالیں گے، مگر اللہ نے ایسے رخ سے انہیں آ لیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ خود ہی اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی برباد کروانے لگے، پس اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو۔“

یہودیوں کے اندر کی بات اللہ عالم الغیب نے مسلمانوں کو بتلا کر یوں احسان عظیم کیا:

﴿لَا يَأْتِيَنَّكُمْ جِيْعًا إِلَّا فِي قَرْيٍ مُخَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جِيْعًا وَقَدْ هَمُّوا شَيْئًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاتُوا آلًا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَإِنَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [الحشر: ١٤٦/١٥٩]

”یہ اکٹھے ہو کر تم (مسلمانوں) سے جنگ نہیں کریں گے، الا یہ کہ قلعہ بند بستوں میں بیٹھ کر، یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر (جنگ کریں) ان کی آپس میں مخالفت شدید ہے۔ آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے دل چھٹے ہوئے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ ان کا حال ان لوگوں (بنی قینقاع) کا سا ہے جو ان سے تھوڑی مدت پہلے اپنے کیے کا مزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے المناک عذاب ہے۔“

بنو نضیر کے یہودی دیکھ رہے تھے کہ احد کے غزوہ کے بعد اردگرد کے قبائل مسلمانوں کے ساتھ بد عہدیاں کر کے انہیں نقصان پہنچا رہے ہیں؛ چنانچہ وہ بھی بد عہدی پر تیار ہو گئے۔ ان



کے برے ارادے یہاں تک تھے کہ محمد کریم ﷺ کو قتل کر دیں، پھر ان کے اموال پر قبضہ کر لیں، ان کی عورتوں پر بھی قبضہ کر لیں اور مردوں کو قریش مکہ کے ہاتھ بیچ دیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے جرات مندانہ اقدام کیا، حالانکہ خطرہ بڑا واضح تھا کہ اندر بھی اور چاروں طرف بھی دشمن ہی دشمن تھے، مگر آپ ﷺ نے اندر کے اس دشمن کا صفایا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھیں مدینہ سے نکال باہر کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یوں اس دلیرانہ اقدام کے بعد مدینہ کی سٹیٹ کو استحکام نصیب ہوا۔ جی ہاں! ایسے مواقع پر کہ جب قومی تحفظ کو چیلنج کر دیا جائے تو استحکام، جرات مندانہ اقدامات سے ملتے ہیں، بزدلی کے پردوں میں چھپی ہوئی حکمتوں اور مصلحتوں سے نہیں، رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کا طرز عمل یہی تھا اور یہی رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے رہنما و رہبر ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا جانے لگا، تو ان کے ساتھ وہ یہودی جوان بھی تھے جو نسلی طور پر اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ماؤں نے محض منتیں مان کر بچوں کو یہودی بنایا تھا۔ اب انصار کہنے لگے: ”یہ ہمارے بیٹے ہیں، ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے۔“ ابو داؤد کی روایت صحیح سند کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا تُكْرَهُ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: ۲۰۶/۲]

”دین میں کوئی جبر نہیں۔“

[أبو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الأسیر..... الخ: ۲۶۸۲ و [إسناده صحیح]

سبحان اللہ! کیا بات ہے قرآن کے انداز کی کہ اسلام دلیل سے دلوں کو بدلتا ہے، تلوار اور جبر سے نہیں۔ بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر میں جا آباد ہوئے۔

مصطلق قبیلے پر رسول کریم ﷺ کی یلغار:

ابن عون کہتے ہیں: ”میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو انھوں نے (رسول کریم ﷺ کی یلغار کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے) مجھے جواب لکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب مصطلق قبیلے پر یلغار کی تو وہ بالکل بے خبر تھے۔ اس وقت ان کے مویشی پانی پی رہے تھے،

چنانچہ جو لوگ آپ (ﷺ) سے لڑائی کے لیے آمادہ ہوئے، آپ نے انہیں قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ انھی قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”یہ واقعہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا، جو اس لشکر میں بذات خود موجود تھے۔“

[ بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقا..... الخ : ۲۵۴۱ - مسلم،

کتاب الجهاد و السیر، باب جواز الإغارة علی الکفار..... الخ : ۱۷۳۰ ]

مدینہ اور مکہ کے درمیان ساحل سمندر کے قریب ایک چشمہ تھا، جس کا نام ”مرسیع“ تھا۔ بنو مصطلق کے لوگ یہاں آباد تھے۔ بنو مصطلق دراصل خزاعہ قبیلے کی ایک شاخ تھی۔ خزاعہ قبیلے والے اللہ کے رسول ﷺ کے حلیف تھے مگر بنو مصطلق کے لوگ قریش کے طرف دار تھے۔

### قوم پرستی کی لہر:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”ہم اس لڑائی میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ تھے (مرسیع کے کنویں پر پانی لیتے ہوئے جھگڑا ہوا اور) ایک مہاجر نے انصاری کو اپنی ٹانگ سے ضرب لگا دی، اس پر انصاری نے آواز لگائی: ”انصار کے لوگو! مدد کو پہنچو۔“ جواب میں مہاجر نے بھی آواز لگا دی: ”مہاجر! مدد کو دوڑو۔“ یہ آوازیں اللہ کے رسول ﷺ نے سنیں تو آپ (ﷺ) نے (صحابہ سے) کہا: ”یہ کیا جاہلیت کی آوازیں لگائی جا رہی ہیں؟“

صحابہ نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ایک مہاجر نے انصاری کو ٹانگ سے ضرب لگائی ہے۔“ اس پر آپ ﷺ نے (غصے کا اظہار کرتے ہوئے) فرمایا:

﴿ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ ﴾

”ان پکاروں کو دفع کرو، یہ بدبودار ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا حَبِيْنَةٌ ﴾

”ایسی آوازوں کو چھوڑو، یہ تو ناپاک بولیاں ہیں۔“

[ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ ﴾ : ۴۹۰۵،

۴۹۰۷، ۳۵۱۸۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب نصر الأخر ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴ [صحیح بخاری، کتاب المناقب (۳۵۱۹) میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ”جس نے جاہلیت کی ایسی پکار لگائی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔“ چنانچہ جو چند لوگ اس پکار پر اکٹھے ہوئے تھے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی تنبیہ سن کر تائب ہوئے۔

وہ لوگ جو قومیت کے حقوق کے نام پر باہم لڑتے ہیں، ہتھیار اٹھاتے اور مسلمان ہونے کے باوجود محض علاقائیت، قومیت یا نسل و زبان اور برادری وغیرہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت تک کے لیے ایسے لوگوں پر واضح کر دیا کہ قومیت پرستی کے نعرے اور سلوگن بد بودار ہیں، ناپاک ہیں اور ایسے لوگوں کا محمد کریم ﷺ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس دین کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں جسے محمد کریم ﷺ لائے ہیں۔ جی ہاں! بد بودار اور ناپاک چیزوں کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے کیا تعلق؟ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس نجاست اور گندگی سے بچائے رکھے۔ (آمین)

قومیت پرستی کا بد بخت داعی:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب مذکورہ واقعہ کے بارے میں عبد اللہ بن ابی نے سنا تو وہ کہنے لگا: ”کوئی بات ہے کرنے والی کہ یہ مہاجر اب ہمارے خلاف اپنی قوم کو آوازیں دینے لگ گئے ہیں۔ قوم کے لوگو! سن لو، ہمیں ذرا مدینہ جا لینے دو، ان سے نبٹ لیں گے، جو سب سے زیادہ عزت دار ہے، وہ مدینہ سے ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔“

[بخاری، کتاب المناقب، باب ما ینہی من دعوی الجاهلیۃ: ۳۵۱۸۔ مسلم، کتاب

البر والصلۃ، باب نصر الأخر ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴]

صحیح بخاری (۳۹۰۰) میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی نے کہا: ”یہ لوگ جو اللہ کے رسول (ﷺ) کے ارد گرد نظر آتے ہیں تم لوگ ان پر خرچ کرنا بند کرو، یہ بھاگ جائیں گے۔“

جی ہاں! آج بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ مقامی لوگ باہر سے آنے والوں کو کمتر خیال کرتے ہیں، پھر باہر سے آنے والے بھی رد عمل کا شکار ہوتے ہیں۔ یوں قومیت کے نام پر ایک دوسرے کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ حقوق کی جنگ کے نام پر سیاست کی جاتی ہے۔ الغرض،

اسلام نے اپنے علاوہ ساری پکاروں اور آوازوں کو جاہلیت قرار دیا ہے، لہذا قومیتوں کے نام پر بھڑکانے والے جاہلیت کے لیڈر ہیں۔ اسی طرح کے لیڈر ہیں جس طرح کا لیڈر عبد اللہ بن ابی تھا۔ قومیت پرستی کے نام پر آواز پکار اور سیاست ناپاک، خبیث اور بدبودار ہے۔ یہ بدبودار سیاست کسی مسلمان لیڈر کی سیاست نہیں ہو سکتی، وہ مسلمان کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کر رکھا ہو۔

دنیا کا یہ کس قدر عجب اور منفرد واقعہ ہے کہ مدینہ کے مقامی لوگوں نے مکہ کے باسی محمد کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور جب وہ مہاجر بن کے آگئے تو حکمرانی کا تاج ان کے سر پر رکھ دیا۔ اللہ کی قسم! قومیتوں کا غرور خس و خاشاک بن کر بہہ گیا اور جس سیلاب نے یہ کام کیا وہ اللہ کا دین تھا، لہذا محمد کریم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے کی سیاست وہی سیاست ہے جس کی بنیاد انصار اور مہاجرین نے مدینہ میں رکھی تھی۔ عبد اللہ بن ابی جو قوم پرست تھا، اس کی ساری سیاست ناکام ہوئی تو مقابلے میں اسی طرح کی قوم پرستی سے نہیں بلکہ مقابلہ ہوا تو قوم پرستی کی جڑ پہ کلباڑا مارنے والے اسلام کی سیاست سے ہوا، لہذا مسلمان کامیاب ہوئے اور قوم پرست ناکام ہو گئے۔

لوگ کہیں گے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے:

جب عبد اللہ بن ابی منافق کی مذکورہ باتیں اللہ کے رسول ﷺ نے سنیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعَا لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

”عمر! چھوڑ اس بات کو، لوگ یہی کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔“

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿سواء عليهم أستغفرت لهم﴾: ۴۹۰۵، ۴۹۰۷]

قربان جائیں اللہ کے رسول ﷺ کے علم و حوصلے اور حکمت و دانائی پر کہ آپ ﷺ اسے

قتل کروا بھی دیتے تو حق رکھتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہے، مگر آپ ﷺ نے قتل نہیں کروایا، بلکہ قتل کی تجویز آئی تو اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔

چونکہ ساتھیوں اور سنیوں کو قتل کرنا انتہائی گھٹیا بات ہے، لہذا محمد کریم ﷺ یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے اعلیٰ ترین کردار پر اس طرح کی گھٹیا بات کا حرف آئے؟ یہ رسول کریم ﷺ کی عظمت و بلندی کی دلیل ہے۔

اللہ کی قسم! ایک طرف اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کردار اور اسوہ ہے جب کہ دوسری طرف آج صورتحال یہ ہے کہ پارٹیوں کے لیڈر اپنے ہی ساتھیوں اور دوستوں کو محض اس لیے قتل کرواتے ہیں کہ یہ ان کے سیاسی نظریات کا مخالف ہے۔ مذہبی لوگ اپنے مذہبی مخالفین کو قتل کرواتے ہیں اس لیے کہ اس کا مسلک کوئی اور ہے۔ اس کا نتیجہ پھر یہی نکلتا ہے کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو! مسلمان اپنے مسلمان کو کافر قرار دے کر مار رہا ہے، یعنی وہی بات جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی تھی۔ جو لوگ اس کے الٹ کرتے ہیں، آج انھیں وہی طعنے سننا پڑتا ہے جس طرح کے طعنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا دامن بچا لیا تھا۔

یہاں یہ فرق بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آج جو مذہبی یا سیاسی لیڈر اپنے کسی مخالف کو قتل کرواتا ہے۔ وہ لاکھ اس پر کفر و نفاق کے فتوے لگاتا رہے مگر اس کے فیصلے اور فتوے کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ اس کی طرف وحی نہیں آتی کہ فلاں بندہ کافر ہو گیا اور فلاں منافق ہو گیا ہے اور اگر فرض کریں کہ کوئی شخص واضح طور پر کفر کا اعلان کر بھی دے تو تب بھی اسے قتل کی سزا دینا حکومت کا کام ہے، ناکہ ہر فرد یہ کام شروع کر دے۔ اگر ہر شخص اس طرح کے کام شروع کر دے تو معاشرہ بد امنی اور قتل و غارت کے جنگل میں بدل جائے گا، لہذا اسلام ایسی حرکتوں کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکمران ہونے کے باوجود بھی منافق کو قتل نہیں کیا۔ آج کسی ملک کی پارٹی کا لیڈر ایسا کس اصول پر کرے گا؟

قارئین کرام! کشف الاستار عن زوائد الہزار میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا سر لانے کی پیشکش کی تھی۔ اس روایت کے راوی ثقہ و صدوق یعنی قابل اعتماد ہیں۔

اس روایت میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ جواب بھی مرقوم ہے کہ آپ نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے سے، جن کا نام بھی عبد اللہ ہی تھا اور جو مخلص مجاہد صحابی تھے، فرمایا:

«لَا وَلَٰكِنُ بَرَّ أَبَاكَ وَ أَحْسِنُ صُحْبَتَهُ»

[كشف الأستار عن زوائد البزار: ۲/۲۶۰، ج: ۲۷۰۸، و إسناده حسن لذاته - ابن

حبان: ۴۲۸، حسن]

”نہیں، قتل نہیں کرنا بلکہ اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اس کے ساتھ

اچھے انداز سے رہو۔“

یاد رہے! اللہ کے رسول ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جنگ سے واپسی پر لشکر کے آخر پر آپ خود چلتے اور مدینہ میں سب سے آخر میں داخل ہوتے۔ عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا، وہ جنگ احد سے بھاگ گیا اور باقی جنگوں سے بھی نہ صرف الگ رہا بلکہ فتنے بھڑکاتا رہا، صرف غزوہ بنی مصطلق میں گیا اور یہاں سے بھی فتنے بھڑکاتا ہوا واپس آیا۔ جب وہ سب سے پہلے مدینہ میں داخل ہونے لگا تو بیٹے نے روک لیا اور کہا: ”جب تک تم اپنی زبان سے یہ نہ کہو گے کہ میں ذلیل ہوں اور رسول کریم ﷺ عزت والے ہیں تب تک میں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔“

[الترمذی، کتاب التفسیر، (باب و من) سورة المنافقين: ۳۳۱۵، صحیح]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین بن گئیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ”جب اللہ کے رسول ﷺ نے ”بنو مصطلق“ کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو حارث کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس، یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ان سے یہ طے کر لیا کہ وہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں گی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوبصورت خاتون تھیں، انھیں جو بھی دیکھتا ششدر رہ جاتا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تاکہ اس رقم کے حصول میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کا تعاون حاصل کریں، جو رقم انھوں نے اپنی آزادی کے لیے طے کر لی تھی۔

جب وہ ہمارے کمرے کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئیں تو اللہ کی قسم! صورتحال یہ تھی کہ

میں نے انہیں دیکھتے ہی ان کی موجودگی کو ناپسند کیا، یہ سوچ کر کہ جو میں دیکھ رہی ہوں، یہی اللہ کے رسول ﷺ دیکھیں گے۔ آخر کار وہ آپ (ﷺ) کے پاس آئی اور کہنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، جو اپنی قوم کے سردار تھے۔ اس وقت جس مصیبت سے میں دوچار ہوں، وہ آپ (ﷺ) سے مخفی نہیں، میرے مقام سے بھی آپ باخبر ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ میں قیس بن شماس کے حصے میں چلی گئی ہوں۔ میں نے اپنی آزادی کے بدلے اس کو رقم دینا طے کر لیا ہے۔ آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر اس لیے ہوئی ہوں کہ آپ (ﷺ) سے مطلوبہ رقم کے سلسلہ میں تعاون حاصل کروں۔“ آپ (ﷺ) نے استفسار کیا:

«فَهَلْ لَكَ خَيْرٌ مِّنْ ذَلِكَ؟»

”اگر تیرے لیے اس سے بھی بہتر صورت پیدا ہو جائے تو؟“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ”وہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)؟“ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”تیری رقم میں ادا کرتا ہوں اور تجھ سے شادی بھی کر لیتا ہوں۔“

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”جی ہاں! یہ تو مجھے قبول ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”لوگوں نے جب یہ خبر سنی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حارث کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی ہے تو لوگ کہنے لگے: ”یہ بنو مصطلق والے تو اللہ کے رسول ﷺ کے سسرال بن گئے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے گرفتار قیدیوں کو آزاد کر دیا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد کر دیے گئے، چنانچہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے اس قدر بابرکت ثابت ہوئی ہو جس قدر کہ جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے بابرکت ثابت ہوئیں۔“

[ أبو داؤد، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب إذا فسخت المکاتبہ : ۳۹۳۱ و إسناده حسن لذاتہ۔ مسند أحمد : ۲۷۷/۶، ح : ۲۶۸۹۷ و إسناده حسن لذاتہ۔ صحیح ابن حبان : ۴۰۵۴، ۴۰۵۵ و إسناده حسن لذاتہ ]

آج سے چودہ سو سال پہلے کا جو معاشرہ تھا، اس میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی فاتح حکمران ایک ایسی قوم کی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے اس کی رضامندی حاصل کرے کہ جسے اس نے فتح کیا ہے، پھر وہ فاتح حکمران جو پیشکش کر رہا ہے، وہ مشورے کی پیشکش ہے کہ چاہے تو مفتوح قوم کی لڑکی قبول کرے اور چاہے تو رد کر دے۔ اللہ کی قسم! وہ زمانہ تو دور کی بات ہے آج کے دور میں بھی اس کا تصور محال ہے۔ اس لیے کہ فاتح حکمران اور جرنیل تو صرف حکم دینا جانتے ہیں، مشورے اور رضامندیاں ان کی لغت میں نہیں ہوتیں، قربان جاؤں رسول ہاشمی ﷺ جیسے فاتح حکمران اور جرنیل اعظم پر کہ جو ایک بے بس خاتون کے سامنے مشورہ پیش کرتے ہیں، جسے قبول کرنا یا نہ کرنا اس خاتون کے اختیار میں ہے، اگر وہ رد بھی کر دیتی تو رسول رحمت ﷺ جو سب سے بڑھ کر سخاوت کرنے والے تھے جویریہ رضی اللہ عنہا کو اس کی رقم دے کر رخصت کر دیتے، مگر جویریہ رضی اللہ عنہا کو جو خاوند مل رہا تھا وہ خوبصورت ترین تھا، رسول بھی تھا، حکمران بھی تھا، فاتح بھی تھا اور شہد سے بڑھ کر بیٹھا جرنیل تھا کہ جہاں نرمی اور مٹھاس کی ضرورت ہوتی، ان سے بڑھ کر کوئی بیٹھا نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے جو دو الفاظ استعمال کیے، وہ یہ ہیں:

«وَكَاثِبَ امْرَأَةٍ حُلُوَّةً مَلًّا حَةً»

[مسند احمد ۶/۲۷۷ ح: ۲۶۸۹۷ و [اسنادہ حسن لذاتہ]

”وہ خوبصورت بیٹھی خاتون تھیں۔“

جی ہاں! بیٹھی اور خوبصورت خاتون نے اپنے لیے خوبصورت اور بیٹھا محمد ﷺ پسند کر لیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہم سب کی روحانی ماں بن گئیں۔ عورت کی خواہش کا احترام کیا اور اسے فیصلے کا حق دیا تو میرے محبوب نبی ﷺ نے، صدقے اور قربان جاؤں اس پیارے رسول ہاشمی پر، جس نے انسانیت کو جینے کا ڈھنگ سکھایا اور دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ حقوق نسواں کی پاسداری کو اونچا سے ہمکنار کیا۔ صنف نازک کے حقوق کی مانگ میں تاروں کو سجایا، کیوں؟ واہ! کیا خوب ہے حقوق نسواں کی یہ تاباں تاباں ضوفشاں افشاں۔

ہم سب مومنوں کی ماں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس قدر بابرکت ثابت ہوا کہ ایک



سو خاندان مسلمان ہو گئے۔ ان کے جوان اسلام کے جاں نثار سپاہی بن گئے۔ یوں جرنیل اعظم محمد کریم رضی اللہ عنہ دلہا کیا بنے جرنیلی کی عظمت کو بھی چار چاند لگ گئے۔

زید سچا ہے اور عبداللہ بن ابی جھوٹا:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں جنگ مصطلق میں موجود تھا۔ میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا: ”جو لوگ رسول ﷺ کے ارد گرد جمع ہیں ان پر خرچ مت کرو، یہ خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔“ اس نے یہ بھی کہا: ”اب اگر ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔“ میں نے یہ بات اپنے چچا (حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ) سے کر دی۔ انھوں نے یہ بات رسول کریم ﷺ کو بتلا دی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نے سارا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا۔ انھوں نے قسم کھالی کہ انھوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے میری بات کو جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کی بات کو سچ سمجھ لیا۔ مجھے تو اب اس بات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ ایسا رنج و غم کبھی نہ ہوا تھا، چنانچہ مدینہ میں آنے کے بعد میں تو گھر میں بیٹھ گیا کہ باہر کس منہ سے نکلوں، مجھے میرے چچا کہنے لگے: ”میرا خیال نہیں تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس طرح تجھے جھٹلا دیں گے اور تجھ پر ناراض ہوں گے۔“ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمادیں:

﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا ۗ وَيَلُوْا خِزْيٰنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۙ يَقُولُوْنَ لَیْن رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَنُعْزِجَنَّ اِلَیْهَا الْاَدْلَۃَ ۗ وَيَلُوْا الْعِزَّةَ ۗ وَيَلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون: ۶۳/۸۰۷]

”یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو، حتیٰ کہ وہ تتر بتر ہو جائیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ کے پاس ہیں مگر منافق لوگ سمجھتے نہیں۔ کہتے ہیں، اگر ہم مدینہ واپس گئے تو (وہاں کا) عزیز تر آدمی

ذلیل تر آدمی کو نکال باہر کرے گا، عزت تو تمام تر اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے۔“

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بلوایا، ان آیات کی تلاوت کی اور فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ!»

[بخاری، کتاب التفسیر (سورۃ المنافقین) باب قوله ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ الخ: ۴۹۰۰]

”زید! کوئی شک نہیں کہ اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔“

یہ واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت پر زبردست دلیل ہے۔ یہاں ان لوگوں کے منہ بند ہو جاتے ہیں جو کہتے تھے اور آج بھی بعض کفار کہتے ہیں کہ یہ کلام محمد کریم ﷺ نے خود بنایا ہے۔ اگر قرآن خود بنایا ہوتا تو سورۃ منافقون کا وجود قرآن میں نہ ہوتا، اسی طرح وہ لوگ جو رسول کریم ﷺ کو ”کابن“ کہتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو کہانت یعنی غیب وغیرہ کی باتیں جن بتلاتے ہیں، ان کی باتیں بھی غلط ہو گئیں کہ اگر آپ ﷺ کہانت یا غیب وغیرہ کی باتیں جانتے ہوتے تو حضرت زید بنی ہاشم کو نہ جھٹلاتے۔ الغرض، زید بن ارقم والا پورا واقعہ اور سورۃ ”منافقون“ بتلاتی ہے کہ جناب محمد کریم ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں، جو اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے، اسے بلا کم وکاست پہنچا دیتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے نوخیز لڑکے کو بلا کر قرآن سنایا اور یہ سوچا تک نہیں کہ اس سے تو میری توہین ہوگی۔ قربان جاؤں آپ ﷺ کی نبوت کی سچائی پر کہ آپ ﷺ نے نبوت کا حق ادا کر دیا، مگر منافق کہاں باز آنے والے تھے۔ وہ تو ایک اور طوفان کھڑا کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ یہ طوفان پہلے طوفان ہی کی طرح انتہائی خطرناک تھا۔ پہلا طوفان مسلمانوں کو پھاڑنے کے لیے تھا تو اب جس طوفان کا اودھم مچانے کی تیاری تھی وہ رسول کریم ﷺ کی نجی زندگی کو پھاڑ کھانے والا تھا، یہ طوفان کیا تھا؟ پھر کیسے تھا؟ آئیے! اب اس کی داستان ملاحظہ کیجیے۔

منافقوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان:

مومنوں کی ماں جناب رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

”آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ سفر پر جاتے تو اپنی بیویوں کے نام قرعہ ڈالتے۔ جس خاتون کے نام قرعہ نکلتا اسے آپ ﷺ ساتھ لے جاتے، چنانچہ آپ ﷺ نے غزوہ بنی مصطلق میں قرعہ ڈالا، جو میرے نام نکلا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئی اور یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ایک ہودج میں سوار رہتی اور جب اترتی تو ہودج سمیت اتار لی جاتی۔ ہم اس طرح سفر کرتے رہے، جب آپ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور سفر سے لوٹے تو ہم لوگ مدینہ کے نزدیک آن پہنچے۔ پڑاؤ کے دوران میں اٹھی اور پیدل چل کر لشکر سے پار نکل گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی اور لشکر کی طرف آنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ ظفار کے کینوں کا ہار میرے گلے سے ٹوٹ کر گر چکا ہے۔ میں ڈھونڈنے لگی اور اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے دیر ہو گئی۔ اتنے میں وہ لوگ جو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر لا داکرتے تھے، انھوں نے ہودج اٹھایا اور میرے اونٹ پر لا دیا۔ رات کا وقت تھا لشکر کوچ کر گیا، وہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہودج میں موجود ہوں کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، کم خوراک کھایا کرتیں، گوشت سے بوجھل اور بھاری بھر کم نہ ہوتی تھیں، لہذا ان لوگوں نے ہودج اٹھایا اور ہودج اونٹ پر لا کر چل دیے۔

لشکر کے روانہ ہونے کے بعد میرا ہار مل گیا، میں جب واپس آئی تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی پکارنے والا ہے اور نہ جواب دینے والا۔ میں وہاں جا کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی ہوئی تھی، مجھے یقین تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھی رہی، نیند نے غلبہ کیا اور میں سو گئی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے گرے پڑے سامان کی خبر رکھنے کے لیے صفوان بن محطل سلمیؓ مقرر تھے۔ وہ بچھل رات چلے اور صبح میرے ٹھکانے کے قریب پہنچے تو انھوں نے دور سے کسی انسان کو سوتے ہوئے دیکھا، پھر میرے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا، کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انھوں نے مجھے پہچانا تو ”إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا جس پر میں بیدار ہو گئی اور اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ کے سوا کوئی بات سنی۔

انہوں نے اب اپنی سواری بٹھائی اور اس کا پاؤں اپنے ہاتھ سے دبائے رکھا۔ میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ پیدل چلتے رہے اور اونٹنی کو چلاتے رہے، تا آنکہ ہم لشکر سے اس وقت جا ملے، جب اہل لشکر عین دوپہر کو گرمی کی شدت کی وجہ سے پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ جن لوگوں کی قسمت میں بربادی لکھی تھی وہ تباہ ہوئے۔ اس تہمت کو سب سے زیادہ پھیلانے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول (رئیس المنافقین) تھا۔ خیر ہم لوگ مدینہ پہنچے، وہاں پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور مہینا بھر بیمار رہی۔ لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے اور مجھے خبر تک نہ ہوئی، البتہ ایک بات سے مجھے وہم سا ہوا کہ آپ ﷺ کی وہ مہربانی جو بیماری کی حالت میں مجھ پر ہوا کرتی تھی، وہ اس بیماری میں نہیں تھی۔ آپ تشریف لاتے، السلام علیک کہتے، پھر یہ پوچھ کر کہ اب طبیعت کیسی ہے؟ چل دیتے۔ اس بات سے مجھے کچھ شک تو پڑتا مگر کسی بات کی خبر نہ تھی۔

بیماری سے کچھ افاقہ ہوا، میں ابھی کمزور ہی تھی کہ ”مناصح“ کی طرف گئی۔ مسطح کی ماں (سلمیٰ) میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ ہر رات وہاں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اپنے گھروں کے نزدیک ہم بیت الخلاء نہیں بناتے تھے، بلکہ اگلے زمانہ کے عربوں کی طرح حاجت ضروریہ کے لیے جنگل میں جایا کرتے، کیونکہ گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے بدبو ہمیں تکلیف دیتی۔ خیر میں اور ام مسطح جو ابو رہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور ان کی والدہ صحرا بن عامر کی بیٹی تھی یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی خالہ، اسی کا بیٹا مسطح تھا۔ رفع حاجت سے فراغت کے بعد ہم دونوں گھر کو آ رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھ کر پھسلا تو وہ کہنے لگی: ”مسطح ہلاک ہو۔“ میں نے اسے کہا: ”کیا کہتی ہو، کیا تم ایسے شخص کو کوستی ہو جو بدر میں شریک تھا؟“ وہ کہنے لگی: ”اے بھولی لڑکی! کیا تم نے وہ کچھ سنا جو وہ کہتا ہے؟“ پوچھا: ”کیا کہتا ہے؟“ تب اس نے تہمت لگانے والوں کی باتیں مجھ سے بیان کیں تو میری بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کے بعد پوچھا: ”اب طبیعت کیسی ہے؟“

میں نے کہا: ”آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اپنے والدین کے ہاں جانا چاہتی ہوں۔“ میرا مطلب یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تحقیق کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی تو میں اپنے والدین کے ہاں آگئی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا: ”امی! یہ لوگ (میری نسبت) کیا باتیں بنا رہے ہیں؟“ اس نے کہا: ”بیٹی! اتنا رنج نہ کرو، اللہ کی قسم! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کے پاس کوئی خوبصورت عورت ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سونکھیں بھی ہوں تو سونکھیں بہت کچھ کرتی رہتی ہیں۔“ میں نے کہا: ”سبحان اللہ! لوگوں نے اس کا چرچا بھی کر دیا۔“ چنانچہ میں ساری رات روتی رہی، صبح ہوگئی مگر نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا کیونکہ وحی اترنے میں دیر ہو رہی تھی اور آپ ﷺ اس سلسلہ میں ان سے مشورہ چاہتے تھے۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جو وہ جانتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی باتوں سے پاک ہیں اور اسامہ رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ کی بیویوں سے محبت تھی۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن اور بے قصور ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی، عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں، ان کی باندی (بریرہ) سے بھی آپ اس معاملہ میں دریافت فرمائیں۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس سے پوچھا: ”کیا تم نے کوئی ایسی بات بھی دیکھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تمہیں کچھ شک ہو؟“ بریرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ ہاں میں اس میں ایک بات دیکھتی ہوں اور اس سے چشم پوشی کر جاتی ہوں اور وہ یہ کہ وہ ابھی نو آموز لڑکی ہے، آنا گندھا پڑا چھوڑ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر آنا کھا جاتی ہے۔“

میرا وہ دن بھی رونے دھونے میں گزرا، میں مسلسل دو دن سے رو رہی تھی۔ نہ میرے آنسو تھمتے اور نہ نیند آتی۔ میرے والدین سمجھے کہ رو رو کر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی، میں نے اجازت دی تو وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ اسی حالت میں

آپ ﷺ تشریف لائے، سلام کہا، پھر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینا آپ ﷺ انتظار کرتے رہے مگر وحی نہ آئی۔ آپ ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا، پھر فرمایا: ”عائشہ! (رضی اللہ عنہا) مجھے تیری نسبت ایسی ایسی خبر آئی ہے، اگر تو پاک ہے تو اللہ تیری براءت فرمائے گا اور اگر واقعی تجھ سے قصور ہو گیا ہے تو اللہ سے اپنے قصور کی معافی مانگ اور توبہ کر، کیونکہ جب بندہ گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔“ جب آپ ﷺ یہ گفتگو ختم کر چکے تو ایک بارگی میرے آنسو ٹھم گئے، یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی میری آنکھوں میں نہ رہا۔ میں نے اپنے والد سے کہا: ”آپ (رسول اللہ ﷺ) کو جواب دیں۔“ وہ کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں“ پھر میں نے اپنی والدہ (ام رومان) سے کہا کہ تم جواب دو۔ انھوں نے بھی کہا: ”میں نہیں جانتی کہ کیا جواب دوں۔“ آخر میں خود ہی جواب دینے لگی، میں ایک نو عمر لڑکی تھی، قرآن بھی مجھے زیادہ یاد نہ تھا، میں نے کہا: ”اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ یہ بات جو آپ لوگوں نے سنی ہے آپ کے دل میں جم گئی ہے، اب اگر میں گناہ کا انکار کروں اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے گناہ نہیں کیا تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں گناہ کا اقرار کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور تمہاری مثال ایسے ہی سمجھتی ہوں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کی تھی، انھوں نے جو کچھ کہا، میں بھی وہی کچھ کہتی ہوں کہ ”اب صبر کرنا ہی بہتر ہے اور تمہاری باتوں پر اللہ میری مدد کرنے والا ہے۔“

یہ کہہ کر میں نے کروٹ بدلی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں، لہذا اللہ تعالیٰ ضرور آپ ﷺ پر میری بے گناہی واضح کر دے گا مگر اللہ کی قسم! مجھے یہ خیال تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں آیات نازل کرے گا جو ہمیشہ پڑھی جائیں گی۔ میں اپنی شان اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی۔ ہاں مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے، جس سے اللہ میری براءت کر دے گا مگر اللہ کی قسم! ابھی اللہ کے رسول ﷺ وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ہی وہاں سے باہر گیا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ معمول کے موافق آپ پر سختی ہونے لگی اور پسینا موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے

ٹپکنے لگا، حالانکہ وہ سردی کا دن تھا، مگر وحی اترنے میں ایسی ہی سختی ہوا کرتی تھی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ خوش تھے اور ہنس رہے تھے، پھر پہلی بات آپ ﷺ نے یہی کی: ”عائشہ! (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت فرمادی۔“

میری والدہ مجھے کہنے لگیں: ”اٹھو اور آپ (ﷺ) کا شکر یہ ادا کرو۔“ میں نے کہا: ”اللہ کی قسم! میں نہیں اٹھوں گی، میں تو صرف اللہ عزوجل کا شکر یہ ادا کروں گی۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی آیات نازل فرمائیں: (ملاحظہ ہو سورہ نور: ۲۰ تا ۲۱)

جب یہ آیات اتریں تو ابو بکر رضی اللہ عنہ، جو محتاجی اور رشتہ کی وجہ سے مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد کیا کرتے تھے، انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! آئندہ میں مسطح کو کچھ نہیں دینا کروں گا، کیونکہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی باتیں کیں۔“ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتِلُ أَوْلِيَا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أَوْلِيَ الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

[النور: ۲۴/۲۲]

”اور تم میں سے آسودہ حال لوگوں کو یہ قسم نہیں کھانی چاہیے کہ وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ (صدقہ وغیرہ) نہیں دیں گے، انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے (یہ پسند ہے تو پھر بندوں کی غلطیوں کو معاف کیا کرو) اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔“

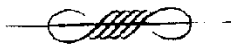
یہ آیات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”کیوں نہیں! اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ مجھے بخش دے۔“ پھر مسطح سے دوبارہ پہلے سا سلوک کرنے لگے۔ نیز یہ کہا: ”اللہ کی قسم! جب تک مسطح زندہ رہا میں یہ معمول بند نہیں کروں گا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس تہمت کے زمانہ میں) آپ ﷺ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین) سے پہرا حال پوچھتے: ”تم عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیسی سمجھتی ہو؟ تم نے کیا دیکھا ہے؟“ تو انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! (ﷺ) میں اپنے کان اور آنکھ کی خوب احتیاط رکھتی ہوں، میں تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھا سمجھتی ہوں۔“ آپ ﷺ کی بیویوں میں سے زینب رضی اللہ عنہا ہی میرے برابر

کی تھیں، بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتی تھیں، اللہ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں بچا لیا اور ان کی بہن حمنہ بنت جحش اپنی بہن سے اس بارے میں جھگڑنے لگی۔ الغرض، جیسے دوسرے تہمت لگانے والے تباہ ہوئے وہ بھی تباہ ہوئی۔“

[ بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ...﴾ : ۴۷۵۰ ]

قارئین کرام! اگلے چیپٹر میں ہم غزوہ خندق بیان کرنے لگے ہیں اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بنو نضیر کے یہودی جو اپنی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلا وطن ہوئے تھے، وہ اپنی شرارتوں سے اب بھی باز نہ آئے تھے۔ ان کے اہم ترین سردار سلام بن ابی حقیق، جی بن اخطب نضری، کنانہ بن ابی حقیق نضری ہوزہ بن قیس اور ابوعمار داکلی مکہ کے مشرکین کے پاس گئے اور انہیں پیشکش کی کہ وہ مدینہ کے مسلمانوں پر یلغار کریں، وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ قریش کے لوگوں نے پوچھا، اچھا یہ تو بتلاؤ کیا ہم حق پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟ یہودی کہنے لگے: تمہارا دین سچا ہے۔ الغرض، اسلام دشمنی میں یہودیوں نے بت پرستوں کو بہتر قرار دے دیا۔ اسی طرح مدینہ میں موجود یہودیوں کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا، یوں مشرکین مکہ کے ساتھ عرب کے چند قبائل جمع ہو کر مدینہ کی طرف یلغار کے لیے چل پڑے اس دوران اللہ کے رسول ﷺ کو خبریں مل چکی تھیں چنانچہ آپ نے مشورے کے ساتھ خندق کھود کر اپنا دفاع کرنے کا فیصلہ کیا۔





## ✽ اجزاب (اتحادی فورسز) کی یلغار..... شکست سے دوچار ✽

خندق کھودتے ہوئے جہادی ترانے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے معانے کے لیے تشریف لائے، اس وقت مہاجر اور انصاری سویرے سویرے ہی سردی میں خندق کھود رہے تھے۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے کہ خندق کھودنے کے کام میں وہ بھی حصہ ڈال دیتے، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجاہدوں کی مشقت اور بھوک کو ملاحظہ کیا تو فرمایا: ۛ

اللَّهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ  
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

”اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس انصار اور مہاجروں کو بخش دے۔“

مجاہدین جو مدینے کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے اور مٹی کو اپنی کمریوں پر ڈھو رہے تھے..... انھوں نے اس دوران اپنے عزم کا یوں اظہار کیا: ۛ

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا  
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

”ہم وہ ہیں جنھوں نے جہاد پر اس وقت تک محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جوابی طور پر یوں دعا دی:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرٌ الْآخِرَةِ  
فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

”اے اللہ! جو خیر ہے..... وہ آخرت ہی کی خیر ہے تو انصار اور مہاجرین میں برکت پیدا فرمادے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وھی الأحزاب: ۴۰۹۹، ۴۱۰۰]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان صحابہ کی صورت حال یہ تھی کہ ایک مٹھی بھر جو کا آنا (جو ایک مجاہد کے حصے میں آتا) وہ ایسے روغن میں ڈال کر پکایا جاتا تھا جس میں سے بو آتی تھی۔ یہی کھانا مجاہدین کے سامنے رکھا جاتا تھا، وہ بھوکے ہوتے تھے، کھاتے تو ان کے حلق میں ایک ایک جاتا تھا، بو الگ آتی تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وھی الأحزاب: ۴۱۰۰]

فرانس میں زندگی گزار دینے والے مشہور سیرت نگار اور اسلامی محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق خندق کی چوڑائی اور گہرائی کا مورخین ذکر نہیں کرتے مگر گھوڑا پھلانگ نہ سکنے کی تصریح کی بنا پر شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ خندق دس گز چوڑی اور شاید پانچ گز گہری تھی۔ مجاہدین کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے اور ہر دس مجاہدین کے دستے کو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق کھودنے کا کام سپرد ہوا۔ یوں یہ دستے تین سو بنتے ہیں۔ ہر مجاہد دستے نے بیس گز کھدائی کی۔ اس حساب سے اس خندق کی لمبائی پانچ کلو میٹر کے قریب بنتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا مٹی ڈھونا اور سپر پاوروں کی چابیاں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”احزاب کے دن میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ خندق کھود رہے تھے اور اس کے اندر سے مٹی اٹھا اٹھا کر لارہے تھے۔ آپ ﷺ کے پیٹ مبارک پر اس قدر مٹی پڑ گئی تھی کہ پیٹ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ ﷺ کے (سینے سے پیٹ تک) گھنے بالوں (کی ایک لکیر) تھی۔ میں نے خود سنا آپ ﷺ مٹی ڈھوتے ہوئے حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے جنگی اشعار پڑھ رہے تھے.....

اللَّهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا  
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا  
فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا

وَبَيَّتِ الْأَقْدَامَ إِنَّ لَاقَيْنَا  
 إِنَّ الْأَلَى قَدْ بَعُؤَا عَلَيْنَا  
 وَ إِنَّ أَرَادُوا فِتْنَةً أَيْنَا

”اے اللہ! اگر تو (کرم) نہ کرتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا، ہم صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے، پس ہم پر تو اپنی طرف سے سکینت نازل فرما اور اگر ہمارا آنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہ لوگ ہمارے اوپر ظلم سے چڑھ آئے ہیں، جب یہ ہمیں آزمائش سے دوچار کرنے کا پروگرام بناتے ہیں تو ہم انکاری ہو کر ڈٹ جاتے ہیں۔“

راوی نے بیان کیا ہے کہ آخری کلمات کو اللہ کے رسول ﷺ ذرا کھینچ کر پڑھتے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وھی الأحزاب: ۴۱۰۶]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کبھی خندق کھودتے اور کبھی مٹی ڈھوتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند (۳۰۳/۴ ح: ۱۸۸۹۸) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتلایا ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ہمارے سامنے خندق کے ایک حصے میں ایسی چٹان آگئی کہ کدال اس پر پڑتی تو اچھل کر سر کو آتی تھی، چنانچہ ہم نے اس مسئلے کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ اس جگہ تشریف لائے۔

اگلا منظر امام نسائی ”کتاب الجہاد“ باب ”غزوة الترك والحبشة: ۳۱۷۸، وحسنہ الشیخ الصدوق الابانی رحمة الله عليه“ میں یوں کھینچتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے چٹان کا منظر دیکھا تو اٹھے، کدال کو پکڑا، اپنی چادر کو خندق کے کنارے پر رکھا اور تین ضربیں ماریں۔

امام طبرانی نے (۱۱/۲۹۸، ح: ۱۲۰۵۲) حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالے سے جو منظر کشی کی ہے وہ یوں ہے کہ

یہ چٹان حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکاوٹ بنی تھی۔ آپ ﷺ نے ”بسم اللہ“ کہا اور اس پر چوٹ لگائی تو اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُ أَكْبَرُ فَصُورُ الرُّومِ وَرَبُّ الْكَعْبَةِ»

”اللہ سب سے بڑا ہے، کعبہ کے رب کی قسم! رومیوں کے محلات۔“

پھر دوسری ضرب ماری تو باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب کے آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُ أَكْبَرُ فَصُورُ فَارِسَ وَرَبُّ الْكَعْبَةِ»

”اللہ سب سے بڑا ہے، کعبہ کے رب کی قسم! فارس کے محلات۔“

مسند امام احمد ابن حنبل کی حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَبْصُرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ السَّاعَةَ»

”مجھے شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت شام کے سرخ

محلات دیکھ رہا ہوں۔“

پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب ماری تو باقی ماندہ چٹان کا دوسرا ٹکڑا بھی ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے اب کے پھر ”اللہ اکبر“ کہا اور فرمایا:

«أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَبْصُرُ قُصْرَ الْمَدَائِنِ أَيْضَ»

”مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن کا سفید محل دیکھ رہا

ہوں۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے تیسری ضرب کے لیے ”بسم اللہ“ کہا۔ چوٹ ماری تو چٹان کا باقی حصہ بھی ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ”اللہ اکبر“ کہا اور فرمایا:

«أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَبْصُرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِي هَذَا

السَّاعَةَ»

”مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم! میں اپنی جگہ پر کھڑا اس وقت

”صنعاء“ کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔“

قارئین کرام! اس دور کی دو ہی سپر پاورز تھیں، پہلے نمبر پر رومی تھے جو صلیب کے پہاڑی تھے۔ ان کا بادشاہ قیصر کہلواتا تھا۔ اس کے سرخ مملات شام میں تھے۔ دوسری سپر پاور ایران کے مشرک مجوسیوں کی تھی۔ یہ ایرانی تھے۔ ان کا بادشاہ کسری کہلواتا تھا۔ اس کا دار الحکومت مدائن تھا۔ یہاں اس کا سفید محل تھا، دونوں سرخ و سفید محل (Red and White Palaces) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے۔

خندق کے موقع پر کھانے میں برکت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت قسم کی چٹان نمودار ہوگئی (ہم سے وہ نہ ٹوٹ سکی) تو مجاہدین اپنے سالار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ”خندق میں ایک سخت قسم کی چٹان سامنے آگئی ہے (جو ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔)“ اس وقت بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن ہو چلے تھے کہ ہمیں چکھنے کے لیے بھی ایک لقمہ نہ ملا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں چٹان کے پاس پہنچے۔ کدال ہاتھ میں تھام کر ضرب لگائی تو ضرب لگتے ہی وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن کر بکھر گئی۔ اب میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ذرا گھر جانے کی اجازت دیجیے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ میں نے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی بیوی سے کہا: ”میں نے آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتحوں کی جس حالت میں دیکھا اس نے مجھے تڑپا دیا ہے۔ مجھے بتلا تیرے پاس کھانے کو کوئی شے ہے۔“

بیوی نے کہا: ”کچھ جو اور بکری کا یہ بچہ ہے۔“ ایک روایت میں ہے کہ وہ چڑے کا ایک تھیلا نکال کر میرے سامنے لے آئی اور کہا: ”اس میں ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) جو ہیں اور یہ بکری کا ایک بچہ بھی بندھا ہوا ہے۔“ اب میں نے بکری کے بچے کو ذبح کر دیا اور میری بیوی نے جو چکی میں پیس ڈالے۔ جب میں گوشت بنانے سے فارغ ہوا تو وہ بھی جو پینے سے فارغ ہو چکی تھی۔ میں نے بوٹیاں کیں اور گوشت ہانڈی میں ڈال دیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کو چلا۔ میری بیوی مجھے کہنے لگیں: ”دیکھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے صحابہ کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر دینا۔“ چنانچہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اب گوشت پکنے کو تھا اور آٹا گوندھا جا چکا تھا۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے کان میں آہستہ سے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور جس قدر جو ہمارے پاس تھے اس کا آٹا بھی تیار کر دیا ہے، وہ ایک صاع ہے، لہذا تشریف لائیے اور اپنے ساتھ چند مجاہدین کو بھی لے لیجیے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے آواز بلند کی اور اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

« يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنْ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُورًا فَحِيهَلًا بِكُمْ »

”خندق کھودنے والے مجاہدو! جابر نے دعوت پکائی ہے، سب کام یہیں چھوڑ دو اور جلدی چلو۔“

یہ اعلان کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا: ”اپنی ہانڈی چولہے سے نیچے نہیں اتارنی، نہ آٹا پکانا شروع کرنا ہے جب تک کہ میں نہ آ جاؤں۔“ اب میں گھر کو دوڑا، تاکہ بیوی کے پاس پہنچوں اور اسے بتا دوں کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ سارے مجاہد تیزی سے چلے آ رہے ہیں۔ میں جونہی بیوی کے پاس پہنچا اور صورتحال بتلائی تو وہ مجھے کہنے لگی: ”میں نے جو بات کہی تھی وہ اللہ کے رسول ﷺ کے گوش گزار نہیں کی، اب یہی ہوتا تھا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیوی سے کہنے لگے: ”میں نے تو وہی کہا اور وہی کچھ کیا جو تو نے مجھے کہا تھا۔“ (اب اللہ کے رسول ﷺ اور انصار و مہاجرین کے تمام مجاہد پہنچ چکے تھے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اب) میری بیوی آٹا نکال کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے لے آئی۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس میں ملایا اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

”اب روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ، وہ میرے سامنے روٹیاں پکانا شروع کرے اور

سالن ہانڈی سے نکالتی چلی جائے لیکن چولہے سے ہنڈیا نہ اتارے۔“

اب حضور ﷺ نے مجاہدین سے کہا: ”اندر داخل ہو جاؤ اور بھیڑ نہ کرنا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ پکی ہوئی روٹیوں کا چورا کرنے لگے اور اس پر گوشت ڈالنے لگے۔ یہ کھانا

آپ ﷺ مجاہدین کے آگے رکھنے لگے۔ ہانڈی اور تنور دونوں ڈھکے ہوئے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ روٹی چورا کرتے جاتے اور اس میں گوشت ڈالتے جاتے، یہاں تک کہ تمام مجاہدین نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانا پھر بھی بچ گیا۔ اب آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو مخاطب کر کے کہا:

”خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھی بھیجو، کیونکہ آج کل لوگ فاقہ میں مبتلا ہیں۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”صحابہ کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھانا کھایا مگر کھانا پھر بھی بچ گیا۔ جب سارے مجاہدین واپس جا رہے تھے تو ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی جس طرح شروع میں تھی اور آنے کی روٹیاں برابر پک رہی تھیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و هي الأحزاب: ٤١٠١، ٤١٠٢]

جہاد کے میدان میں یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ تھا۔ کس قدر خوش قسمت تھے وہ مجاہد صحابہ جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ مبارک کا چورا کیا ہوا اور شہید بنایا کھانا کھا رہے تھے۔ جب آزمائش انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ پھر غیب سے یونہی مدد فرماتے ہیں۔

پیٹ جب دو تین دن کا بھوکا ہو تو کمر کے ساتھ جا لگتا ہے، اس دوران اگر مشقت کا کام کیا جائے تو جسم جو پہلے ہی کمزور ہوتا ہے مشقت کا کام کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اگر گول پتھر کپڑے میں ڈال کر بطور پٹی کے پیٹ پر باندھ لیا جائے تو مشقت کا کام کرنا کافی حد تک آسان ہو جاتا ہے۔ اس تکنیک پر صحابہ کے سالار ﷺ نے خود بھی عمل کیا اور صحابہ نے بھی کیا۔ وہ جہاد کے باعزت راستے پہ ڈٹ گئے مگر اتحادی طاقتوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ زبان سے بھی جنگی اشعار کہہ کر انکار کیا۔ ”أَيُّنَا“ کا معنی انکار کرنا ہے اور یہی وہ لفظ ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے بولنے میں لمبا کر کے انکار کیا اور عمل کے میدان میں بھی انکار کیا۔ معاشی تنگیوں کی انتہا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیے، جی ہاں! پیٹ پر پتھر باندھنے والے ﴿أَيْدَاءَ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ کافروں کے خلاف سخت ترین پتھر ٹلی چٹان بن گئے۔

اتحادی فورسز کے کمانڈروں نے خندق کو دیکھا تو ٹپٹا کر رہ گئے۔ وہ خندق عبور کرنے کی جس جگہ سے بھی کوشش کرتے تیروں کی بوچھاڑ سے جواب ملتا۔

یہودی معاہدے سے پھر گئے:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خندق کے روز جب حالات انتہائی خطرناک ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی ایسا شخص ہے جو ہمارے پاس بنو قریظہ کی خبر لائے؟“

اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گئے اور ان لوگوں (یہودیوں) کا حال ملاحظہ کر کے آئے۔

[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ:

۳۷۲۰۔ مسلم: ۲۴۱۶۔ مسند احمد: ۱۶۴، ح: ۴۰۹ و إسناده صحيح]

بنو قریظہ کے یہودی جو مدینہ کے اندر ہی آباد تھے، ان کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا کہ اگر کوئی باہر سے مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دفاع کریں گے، لیکن اب ان کی طرف سے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ان کا ذہن خراب ہے۔ یہ اطلاع انتہائی تکلیف دہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان باہر سے تو دس ہزار کے لشکروں میں گھرے ہوئے ہیں، اندر سے بھی وہ خطرے سے دوچار ہیں۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور جب وہ واپس آئے تو صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کے لیے: «فَذَاكَ أَبِي وَ أُمِّي» کے الفاظ استعمال فرمائے اور ان کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی کا ایک مددگار ہوتا ہے اور میرا حواری (مددگار) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہے۔“

[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب الزبیر بن العوام رضی اللہ

عنہ: ۳۷۲۰، ۳۷۱۹]

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے برے ارادوں کی خبر معلوم کر کے لانا کس قدر اعلیٰ مقام کا حامل عمل ہے کہ ایسا کرنے والے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کہہ رہے ہیں: ”تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔“ اور پھر اسے اپنا مددگار قرار دے رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جو مزید معلومات حاصل کیں ان کا نتیجہ یہی سامنے آیا کہ بنو قریظہ کے یہودی اپنا عہد توڑ چکے ہیں، چنانچہ یہ وہ صورتحال تھی جس کا قرآن نے نقشہ یوں کھینچا ہے۔

ملاحظہ ہو!



جی ہاں! کلیجے منہ کو آ گئے:

﴿ إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝﴾

[الأحزاب: ۲۳، ۱۰، ۱۲ تا ۱۶]

”جب وہ تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر چڑھ آئے تھے اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر مومنوں کی آزمائش کی گئی اور وہ بری طرح ہلا دیے گئے۔ جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ بس دھوکا ہی تھا۔“

عصر کی نماز قضا ہونے کا غم:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”خندق کا دن تھا، سورج غروب ہو چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہما قریش کے کافروں کو برا بھلا کہتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں تو نماز بھی نہیں پڑھ سکا، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کو پہنچ گیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کی قسم! نماز تو میں بھی ادا نہیں کر سکا۔“

چنانچہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ وادی بطنان میں گئے، وہاں ہم نے وضو کیا، پھر سورج غروب ہونے کے بعد پہلے عصر اور بعد میں مغرب کی نماز ادا کی۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وھی الأحزاب: ۴۱۱۲]

عصر کی نماز کو اللہ کے رسول ﷺ نے ”نماز وسطیٰ“ کہا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ صحیح بخاری (۲۹۳۱) کی ایک اور روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے مشرکوں کے لیے بددعا کی کہ ان کی وجہ سے بروقت نماز ادا نہ کی جاسکی۔ اس سے نماز عصر کی

اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

غطفان کے سردار نے بھاگنا چاہا، مگر:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غطفان قبیلے کی شاخ بنی مرہ کا سردار حارث بن عوف اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”مدینے کی کھجوروں میں سے ہمیں حصہ دے دو (تو ہم محاصرہ چھوڑ کے چلے جاتے ہیں)۔“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں۔“

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، سعد بن مسعود اور سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ سارا عرب تم لوگوں کو ایک ہی کمان سے مارنے کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ اس صورتحال میں حارث یہ پیشکش کر رہا ہے کہ تم اس کو مدینہ کی کھجوروں میں سے حصہ دے دو۔ اب اگر تم ایسا کرنا چاہو تو اپنے اس سال کی پیداوار میں سے انھیں دے دو۔“

یہ سن کر صحابہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر تو آسمان سے وحی آئی ہے تو اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے، اگر یہ آپ ﷺ کی رائے اور خواہش ہے تو بھی ہم آپ ﷺ کی خواہش اور رائے کی پیروی کریں گے لیکن اگر آپ ﷺ ایسا صرف ہماری خاطر کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی قسم! جب یہ لوگ اور ہم بت پرستی پر تھے تو یہ لوگ ہم سے میزبانی اور خرید و فروخت کے علاوہ ایک پھل کی بھی توقع نہیں کرتے تھے۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ ذَا تَسْمَعُونَ مَا يَقُولُونَ»

”بات محض اتنی سی ہے کہ جو کچھ وہ لوگ کہہ رہے ہیں اسے تم بھی سن لو۔“

[ كشف الأستار عن زوائد البزار : ۲ / ۳۳۱، ۳۳۲، ح : ۱۸۰۳ و إسناده حسن

لذاته۔ طبرانی کبیر : ۶ / ۲۸، ۲۹، ح : ۵۴۰۹ و إسناده حسن لذاته۔ عقبہ بن سنان

”صدوق“ کتاب الجرح والتعديل : ۶ / ۳۹۹، ۴۰۰، ح : ۱۷۳۴ و إسناده صحيح ]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے انداز پر کہ دنیاوی معاملات میں قدم قدم پر اپنے

صحابہ سے مشاورت کا التزام کرتے ہیں۔ بنو غطفان کے سردار نے پیشکش کی تو آپ ﷺ نے وہ بات بھی صحابہ کے سامنے رکھ دی۔ انصار نے اولوالعزمی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی حیثیت محض اس قدر ہے کہ وہ لوگ جو پیشکش کر چکے وہ تم لوگوں کے بھی علم میں آجائے۔

یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں اللہ کی طرف سے وحی کی راہنمائی نہ ہوتی تھی وہاں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو رائے دینے کے لیے آزاد ماحول فراہم کیا اور ماحول کی آزادی کے لیے آپ ﷺ نے انصار کو واضح طور پر کہا کہ اگر تم لوگ چاہو تو اپنی پیداوار میں سے کچھ حصہ دے دو۔ صد آفریں ہے حکمرانی کے اس انداز پر کہ جو مشاورت پر مبنی ہے اور جس میں صحابہ کو رائے کے اظہار کی آزادی ہے۔

فتح کے لیے دعا:

حضرت ابن ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ اتحادی فورسز کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ نے یوں دعا کی:

« اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ! سَرِيْعَ الْحِسَابِ ! اهْزِمِ الْاَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ ! اهْزِمُهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ »

”اے کتاب نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے اللہ! اتحادی فورسز کو شکست سے دوچار کر۔ اے اللہ! ان کو ہزیمت دے، انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دے۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و هي الأحزاب : ٤١١٥ ]

حضرت سعد بن معاذؓ کا خون رگ گیا:

ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ خندق کے دن میں چلی جا رہی تھی کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی دھمک سنی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت سعد بن معاذؓ تھے۔ ان کے ساتھ ان کا بھائی حارث بن اوس بھی تھا، جو ڈھال اٹھائے ہوئے تھا۔ میں اب ایک طرف ہو کر زمین پر بیٹھ گئی۔ حضرت سعد بن معاذؓ گزر

گئے۔ انھوں نے لوہے کی زرہ (قیص) پہن رکھی تھی۔ زرہ چھوٹی تھی جبکہ حضرت سعدؓ تمام لوگوں میں سے بدن کے اعتبار سے مضبوط اور لمبے قد کے آدمی تھے۔ لہذا ان کے بازو لوہے کی قیص سے نکلے ہوئے تھے۔ مجھے قیص سے نکلے ہوئے بازوؤں کے بارے میں خوف محسوس ہو رہا تھا (کہ دشمن کا کوئی تیر یہاں لگ کر نقصان نہ پہنچا دے) حضرت سعدؓ چلتے ہوئے گزر گئے۔ وہ جہادی شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِئْسَ قَلِيلًا يُدْرِكُ الْهَيْجَا حَمَلُ  
مَا أَحْسَنَ الْمَوْتُ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ

”حمل (ایک جنگجو شخص) میدان جنگ میں جانے کے بعد اگرچہ قلیل مدت ہی زندہ رہے لیکن اس موت کے کیا کہنے جو بہتر وقت پر آ جائے۔“

اب میں کھڑی ہوگئی اور ایک باغ میں جا داخل ہوئی، وہاں مسلمانوں کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے۔ ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے سر پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔ حضرت عمرؓ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے: ”یہاں کیوں آئی ہو؟ اللہ کی قسم! تو بڑی جرأت مند اور دلیر ہے، لیکن یہ بتلا کہ اگر کوئی مصیبت آن پڑی، جنگ یہاں تک آگئی یا قیدی بننے کی کوئی آفت آگئی تو پھر.....؟“ الغرض، حضرت عمرؓ مجھے لگاتار ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میرا یہ حال ہو گیا کہ کاش! اس وقت زمین پھٹ جائے اور میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ اس دوران وہ شخص جس کے سر پر خود تھی، اس نے اپنے چہرے سے خود اٹھایا اور کہنے لگا: ”اے عمر! اب بس بھی کر، جانے دے، آپ نے تو ملامت کرنے کی حد کر دی۔ آج لڑائی اور قیدی کی مصیبت سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی ٹھکانا نہیں۔“ یہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ تھے۔

ادھر حضرت سعد بن معاذؓ کو قریش کے مشرکوں میں سے ایک شخص نے تیر مارا، اس کا نام ابن عرقہ تھا۔ تیر مارتے ہوئے اس نے کہا: ”یہ رہا میرا تیر اور میں ہوں عرقہ کا بیٹا!“ یہ تیر حضرت سعد بن معاذؓ کے بازو پر لگا، بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ (تیزی سے بہتا ہوا خون دیکھ کر) حضرت سعدؓ نے اللہ کے حضور دعا کی:

«اللَّهُمَّ لَا تُمَتِّنِي حَتَّى تَقَرَّ عَيْنِي مِنْ قُرَيْظَةَ»

”اے اللہ! جب تک قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، مجھے موت نہ دینا۔“

دور جاہلیت میں قریظہ کے یہودی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلیف اور دوست ہوا کرتے تھے (اب وہ بد عہدی کر چکے تھے) بہر حال حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا۔

[ابن حبان: ۷۰۲۸ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد: ۱۴۱/۶، ح: ۲۵۰۹۷ و إسناده حسن لذاته۔ فی إسناده عمر و بن علقمة بن وقاص و هو صدوق حسن الحدیث وثقه ابن حبان و ابن خزيمة و الحاكم و الذہبی بتصحيح حديثه (الثقات: ۱۷۴/۵۔ ابن خزيمة: ۲۱۷/۱۔ المستدرک: ۱/۴۵)]

قارئین کرام! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انصار کے سردار اور مجاہدین کے لیڈر کی سلامتی کی فکر کس قدر دامن گیر تھی، وہ ان کے الفاظ سے واضح ہے۔ ہر مومنہ کو اللہ ایسی ہی فکر نصیب فرمائے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی خواہش بھی کیا خوب ہے کہ دور جاہلیت کے جو دوست تھے، آج محض اللہ کے لیے دشمن تھے۔ قریظہ کے یہودی عہد شکن تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اللہ کے حضور زندگی کی بھیک صرف اس لیے مانگتے ہیں کہ ان عہد شکنوں کا برا حشر آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر شہید ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی اور زخم سے خون کا بہاؤ بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عہد شکن اور ظالم کفار کو ذلیل ہوتا ہوا دیکھنے کی خواہش کا جذبہ ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ (آمین!)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوا کے ذریعے مدد:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا

لَمْ تَرَوْهَا ۗ﴾ [الأحزاب: ۹/۳۳]

”اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو احسان کیا اسے یاد کرو کہ جب تم پر لشکروں کے لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان چلا دیا اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
 «نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ أَهْلِكَتْ عَادَ بِالذَّبُورِ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق و ہی الأحزاب: ۴۱۰۵]

”میری مددشالی ہوا کے ساتھ کی گئی اور عاد قوم کے لوگوں کو تند و تیز طوفانی ہوا سے  
 تباہ و برباد کر دیا گیا۔“

قارئین کرام! مشرک جو کئی دنوں سے یہاں ڈیرے لگائے ہوئے تھے ان کے خیمے اڑ  
 گئے، دیکھیں الٹ گئیں، وہ سخت پریشان ہو گئے اور واپس بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔  
 جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں:

لقد محدث جناب یزید بن شریک تمہی فرماتے ہیں: ”میں جناب حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے  
 پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص بولا: ”اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہوتا تو جہاد کرتا  
 اور لڑنے میں بھرپور کوشش کرتا۔“ یہ سن کر جناب حذیفہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ”تو ایسا کرتا! حالانکہ اگر  
 تو ہم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوة خندق کی سخت ٹھنڈی رات میں دیکھتا (تو ہوش ٹھکانے آ  
 جائے) جب بہت تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی تب رسول اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَا بُنَيُّ بِخَبِيرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللَّهُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

”کیا کوئی شخص ہے جو جا کر کافروں کی خبر لائے اور اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن  
 میرے ساتھ کر دے گا؟“

یہ سن کر کسی نے جواب نہ دیا، پھر آپ ﷺ نے جناب حذیفہ رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرتے  
 ہوئے فرمایا:

«قُمْ يَا حَذِيفَةَ! فَأَتَيْنَا بِخَبِيرِ الْقَوْمِ»

”حذیفہ! کھڑے ہو جاؤ اور دشمن کی خبر لاؤ۔“

اب تو مجھے جانا ہی تھا کیونکہ آپ نے میرا نام لے کر مجھے جانے کا کہا تھا، پھر آپ (ﷺ)  
 نے فرمایا:

« اِذْهَبْ فَأَتَيْنِيُ بِخَبِيرِ الْقَوْمِ وَلَا تَدْعُهُمْ عَلَيَّ »

”جاؤ اور کافروں سے متعلق معلومات لے کر آؤ اور انہیں مجھ پر نہ اکسانا (یعنی ایسا

کام مت کرنا جس کی وجہ سے انہیں غصہ آ جائے)۔“

جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب میں آپ (ﷺ) کے پاس سے چلا تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں، یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ ابوسفیان آگ سے اپنی کمر سینک رہا تھا، میں نے تیر کو کمان پر چڑھایا اور ابوسفیان کو مارنے کا ارادہ کیا تو مجھے آپ (ﷺ) کا حکم یاد آ گیا کہ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے ان کو غصہ آئے، اگر میں تیر پھینک دیتا تو وہ سیدھا ابوسفیان کو لگتا۔ میں ریکی مکمل کرنے کے بعد پلٹا تو مجھے پھر ایسا معلوم ہو رہا تھا جس طرح کہ میں حمام میں چل رہا ہوں، میں آپ (ﷺ) کے پاس آیا اور آپ (ﷺ) کو سب کچھ بتا دیا تو اس وقت مجھے (دوبارہ) سردی محسوس ہوئی۔

پھر مجھے آپ (ﷺ) نے اپنا ایک زائد کبیل اوڑھا دیا، جس کو اوڑھ کر آپ (ﷺ) نماز ادا فرمایا کرتے تھے، میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سویا رہا، جب صبح ہوئی تو آپ (ﷺ) نے مجھ سے فرمایا: ”بہت زیادہ سونے والے اٹھ جا۔“

[ مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة أحزاب : ۱۷۸۸ ]

قارئین کرام! یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اللہ اپنے پیارے رسول (ﷺ) کی زبان سے یہ جملہ نکلوا دیتا کہ جو کوئی مشرکوں کی خبر لینے جائے گا اسے سردی نہیں لگے گی بلکہ وہ یوں جائے گا جس طرح کہ گرم کمرے میں چہل قدمی کر رہا ہو تو ہر کوئی جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔ مگر پھر نہ آزمائش ہوتی اور نہ امتحان اور نہ اجر و ثواب کا وہ مقام ہوتا جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ تو ثابت ہوا بلند مقام آزمائش کی بھٹیوں میں سے گزر کر ہی ملتے ہیں۔

مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا:

حضرت سلیمان بن مرد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اتحادی فورسز چلی گئیں تو میں نے

جناب نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«الآن نَعْرُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب: ۴۱۱۰]

”اب ہم ان سے جنگ کریں گے، وہ ہم پر فوج کشی نہ کر سکیں گے بلکہ ہم ان پر فوج کشی کیا کریں گے۔“

عرب کی تمام قوتوں نے اتحاد بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا، ان قوتوں میں سے ہر ایک کا مقصد دوسرے سے مختلف تھا۔ قریش کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر ضرب لگا کر تجارتی راستے محفوظ بنائے جائیں اور اپنے بت پرستانہ شرکیہ نظام کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ بنو غطفان وغیرہ جو دیہاتی تھے، ان کا مقصد یہ تھا کہ جانتے ہی مدینہ پر دھاوا بولیں گے اور لوٹ مار کر کے واپس آجائیں گے۔ اسی طرح یہودیوں نے بے شک مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا تھا، لیکن وہ شک اور خوف میں مبتلا ہو کر مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکے اور کھل کر مشرکوں کا ساتھ نہ دے سکے، یوں یہ سارے گروہ اپنے اپنے گھٹیا مفادات کے قیدی تھے، جب وہ بھاگ نکلے تو اس کے بعد یہ امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا کہ اب یہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے آسکیں گے۔ الغرض، جب متحد قوتیں شکست کھا گئیں تو اکیلے قریش مکہ کیا کر سکتے تھے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے واضح کر دیا کہ اب فوج کشی ہم ہی کریں گے۔

اب مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ غزوة خندق سے پہلے مسلمانوں کا جہاد دفاعی جہاد تھا یعنی وہ اپنے تحفظ کے لیے لڑتے تھے۔ خندق کی فتح ایک ایسا موڑ ثابت ہوا کہ اب دفاعی کی بجائے اقدامی جہاد کا آغاز ہو گیا۔

اتحادی فورسز کی شکست:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَحَدٌ عَزَّ جُنْدُهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَعَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب: ۴۱۱۴]

”اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو فتح سے



نوازا۔ اپنے بندے (رسول کریم ﷺ) کی مدد فرمائی۔ اکیلے نے اتحادی فورسز کو بھگا ڈالا۔ اللہ کے بعد کوئی شے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتی۔“

اس شکست کے بعد سارے عرب میں کفار کی ہوا اکھڑ گئی، وہ اپنے مقاصد میں ناکام ہو کر لوٹے، بے پناہ مالی اخراجات اور نقصانات اس کے علاوہ تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغِيظِهِمْ لَمْ يَأْتُوا خَيْرًا ۗ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۙ ﴾ [الأحزاب: ۲۵/۳۳]

”اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے نامراد لوٹا دیا۔ ان کی کوئی مراد پوری نہ ہوئی۔ اللہ نے مومنوں کی طرف سے خود قتال کیا۔ اللہ قوتوں والا غالب ہے۔“

آپ نے ہتھیار اتار دیے! ہم نے تو نہیں اتارے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ”جونہی اللہ کے رسول ﷺ جنگ خندق سے واپس لوٹے تو ہتھیار اتار کر غسل کیا ہی تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آگے اور کہنے لگے:

﴿ قَدْ وَضَعْتَ السَّلَاحَ ۙ وَاللَّهِ! مَا وَضَعْنَاهُ فَأَخْرَجَ إِلَيْهِمْ ﴾

”آپ ﷺ نے ہتھیار اتار دیے! اللہ کی قسم! ہم نے تو نہیں اتارے، اٹھیے اور ان پر یلغار کیجیے۔“

آپ ﷺ نے پوچھا: ”کن پر؟“ حضرت جبریل علیہ السلام نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ ان پر حملہ آور ہونے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب..... الخ: ۴۱۱۷]

عصر کی نماز، عہد شکن یہودیوں کی بستی میں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”غزوة احزاب سے فارغ ہوتے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا:

”تمام لوگ عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاقے ہی میں ادا کریں۔“

اب ہوا یہ کہ بعض صحابہ کو عصر کی نماز کا وقت راستے میں ہو گیا۔ اس پر بعض کہنے لگے:

”ہم تو بنو قریظہ ہی کے علاقے میں جا کر نماز ادا کریں گے“ اور بعض کہنے لگے: ”ہم تو یہیں نماز پڑھیں گے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ لوگوں نے سمجھا۔“ چنانچہ اس واقعہ کا جب اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی پر بھی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب ..... الخ : ۴۱۱۹۔

مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب المبادرۃ بالغزو ..... الخ : ۱۷۷۰]

ثابت ہوا گنجائش نکلتی ہو تو ایک ہی مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے دو آراء ہو سکتی ہیں۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں کا محاصرہ پچیس راتوں تک کیا۔ جب ان پر محاصرے کی شدت بڑھ گئی۔ آزمائش سخت ہو گئی تو انھیں کہا گیا: ”اللہ کے رسول (ﷺ) کے حکم پر قلعے سے نیچے اتر آؤ۔“ اس پر وہ کہنے لگے: ”انھیں ابولبابہ بن عبدالمذر سے مشورہ کرنے دیا جائے۔“ چنانچہ انھوں نے ابولبابہ سے مشورہ مانگا تو ابولبابہ نے اشارے سے کہا: ”ذبح کر دیے جاؤ گے۔“

[مسند أحمد : ۱۴۱/۶، ۱۴۲، ح : ۲۵۱۵۰ و إسناده حسن لذاتہ۔ ابن حبان :

۷۰۲۸ و إسناده حسن لذاتہ]

عہد شکن یہودیوں کے قتل کا فیصلہ:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث تسلیم کر لیا اور ہتھیار ڈال دیے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس جگہ کے قریب آئے کہ جسے اللہ کے رسول ﷺ نے دوران محاصرہ نماز ادا کرنے کے لیے منتخب کر رکھا تھا تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا:

«قَوْمُوا إِلَي سَيِّدِكُمْ»

”کھڑے ہو جاؤ اور اپنے سردار کے استقبال کے لیے آگے بڑھو۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”بنو قریظہ نے تم کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا: ”ان کے جو لوگ لڑنے کے قابل ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔“ اس فیصلے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللَّهِ »

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الأحزاب ..... الخ : ۴۱۲۱۔

مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب جواز قتال ..... الخ : ۱۷۶۸]

”تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا۔“

قارئین کرام! کسی بڑے آدمی کے آنے پر اہل مجلس چپ چاپ اور جامد وساکت کھڑے ہو جائیں، اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ایسا طرز عمل بادشاہوں اور متکبروں کے درباروں اور ڈیروں پر روا رکھا جاتا ہے، جبکہ معزز مہمان کے لیے یا اپنے قائد کے لیے چل کر جانا اور اٹھتے ہوئے آگے بڑھ کر استقبال کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصار کے اوس قبیلے کے سردار تھے۔ بنو قریظہ کے یہودی اوس کے حلیف تھے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ وہ فیصلہ کرتے ہوئے ہمارا خیال کریں گے، اسی لیے انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصلہ بنانے کا اعلان کیا۔

مسند امام احمد اور ابن حبان میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب اپنے لوگوں کے قریب آئے اور لوگوں نے انہیں گھیر لیا تو لوگ ان سے کہنے لگے: ”اے ابو عمرو! بنو قریظہ کے لوگ آپ کے حلیف ہیں، لہذا ان کے بارے میں نرمی کیجیے گا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب کچھ سنتے جاتے مگر کسی کو جواب نہ دیتے اور نہ کسی کی طرف توجہ ہی دیتے تھے، حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان گزارشات کی بھرمار ہو گئی اور آپ اپنے اترنے کی جگہ کے قریب آگئے تو کہنے لگے: ”میں فیصلہ کروں گا تو اللہ کے سامنے اپنی پیشی کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کروں گا، کوئی مجھے کچھ کہتا رہے مگر میں کسی کی کوئی پروا نہیں کروں گا۔“ چنانچہ انھوں نے یہودیوں کے ان جوان مردوں کے قتل کا فیصلہ دے دیا، جنھوں نے عین دوران

جنگِ مسلمانوں پہ حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

[ مسند أحمد : ۶ / ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ح : ۲۵۱۵۰ و إسناده حسن لذاته - ابن حبان :

۷۰۲۸ و إسناده حسن لذاته ]

یہودی بچے، کیسے بچے؟

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں بنو قریظہ کے بچوں میں شامل تھا، اس لیے بچ گیا۔ مسلمان مجاہدین جائزہ لیتے تھے، جن کے بلوغت کے بال اگ آئے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے اور جن کے نہیں اگے تھے وہ چھوڑ دیے جاتے تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کے بال ابھی نہیں اگے تھے۔“ ایک روایت میں اس طرح ہے: ”ان مجاہدین نے میرے ستر کو دیکھا، ابھی بال نہیں اگے تھے، لہذا انھوں نے مجھے بچوں میں شامل کر دیا۔“

[ أبو داؤد، کتاب الحدود، باب فی الغلام یصیب الحد : ۴۴۰۴ و إسناده صحیح۔

ترمذی : ۵۸۴ و إسناده صحیح۔ ابن ماجہ : ۲۵۴۱ و إسناده صحیح۔ نسائی : ۳۴۶۰

و إسناده صحیح ]

یہودوں کو جب قتل کے لیے آواز دی گئی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”بنو قریظہ کی ایک عورت کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ یہ عورت میرے پاس تھی۔ مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور کبھی وہ کھل کھلا کر ہنستی اور کبھی مسکراتی، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آدمیوں کو بازار میں قتل کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ ایک پکارنے والے نے اس عورت کا نام پکارا اور کہا: ”وہ کدھر ہے؟“ یہ عورت فوراً کہنے لگی: ”میں یہ ہوں، اللہ کی قسم!“ میں نے کہا: ”تیرا ناس ہو، یہ کیا تیرا انداز ہے؟“ یہودوں نے کہا: ”قتل ہی ہے نا اور کیا ہے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اب آواز دینے والے نے اسے لے جا کر اس کی گردن اڑادی۔ اللہ کی قسم! میں یہ عجیب منظر کبھی نہیں بھول سکتی کہ اس عورت کو پتا بھی تھا کہ وہ قتل ہونے والی ہے اس کے باوجود وہ ہنس رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی۔“

[ أبو داؤد : ۲۶۷۱ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۶ / ۲۷۷ ، ح : ۲۶۴۱۸ و

إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۳ / ۳۵ ، ۳۶ ، ح : ۴۳۳۴ و إسناده حسن لذاته ]

یہودی زندگی سے محبت کرنے والی بزدل قوم ہے۔ ان کی بزدلی کا تذکرہ قرآن مجید نے بھی کیا اور احادیث میں بھی آیا ہے، تاہم یہ ایک استثنائی واقعہ ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے۔ ہزاروں بزدلوں میں ایک دو بہادر ہوں تو وہ قوم بہادر نہیں کہلائے گی اور اگر ہزاروں بہادروں میں سے ایک دو بزدل نکل آئیں تو اس قوم کو بزدل نہیں کہا جائے گا۔ یہ خاتون اپنی بزدل قوم میں ایک بہادر عورت تھی۔

یاد رہے! اس عورت نے حضرت خلد بن سویدہ رضی اللہ عنہما پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا لہذا اسے اس جرم میں قتل کیا گیا۔

جن یہودیوں نے اسلام قبول کیا، وہ بچ گئے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”یہودیوں کے قبیلوں بنو نضیر اور بنو قریظہ نے نبی کریم ﷺ سے معاہدہ توڑ کر لڑائی مول لی، چنانچہ آپ ﷺ نے بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیا۔ پھر بنو قریظہ نے بھی یہی حرکت کی، لہذا آپ ﷺ نے ان کے مرد حضرات قتل کر دیا جبکہ عورتوں، بچوں اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ بعض افراد بچ گئے، وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مل گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں امن دیا کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یوں اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی نضیر..... الخ: ۴۰۲۸۔ مسلم، کتاب

الجهاد والسير، باب إخراج اليهود والنصارى..... الخ: ۱۷۶۶]

قتل ہونے والے یہودیوں کی تعداد امام احمد رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ چار سو نقل کی ہے۔

[مسند أحمد: ۳/۳۵۰، ح: ۴۷۸۵ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذی: ۱۵۸۲۔ و

إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۴۷۸۴ و إسناده صحيح۔ رواية الليث بن سعد عن أبي

الزبير محمولة على السماع]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے تو ان یہود پر احسانات کیے لیکن یہ احسانات کے قابل کہاں تھے؟ لہذا قتل کر دیے گئے۔ اس موقع پر جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا اسلام قبول کر لیا۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی تمنا میں اللہ نے پوری کر دیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو تیر لگا تو انھوں نے اللہ کے حضور دعا کی: ”اے اللہ! تو میرا حال خوب جانتا ہے کہ مجھے اس سے بڑھ کر کسی شے سے پیار نہیں کہ میں تیری خاطر ان لوگوں سے جہاد کروں جنہوں نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور پھر مکہ سے نکال باہر کیا۔ اے اللہ! اب میرا خیال یہ ہے کہ تو نے ان کے اور ہمارے درمیان لڑائی ختم کر ڈالی ہے، لیکن اگر میرا یہ خیال درست نہیں اور ان کے اور ہمارے درمیان مزید بھی لڑائی ہوگی تو مجھے وہ لڑائی لڑنے کے لیے زندگی دے دے، تاکہ میں تیری راہ میں ان مشرکوں کے خلاف قتال کروں لیکن اگر تو نے (قریش مکہ سے) لڑائی کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو پھر ان زمنوں کو تازہ کر دے اور انھی جہادی زمنوں سے مجھے موت عطا فرما دے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب ..... الخ : ۴۱۲۲۔

مسند أحمد : ۱۴۱/۶، ۱۴۲، ح : ۲۵۱۵۰ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان :

۷۰۲۸ و إسناده حسن لذاته ]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اللہ کے حضور یہ دعا مکہ کے مشرکوں کے بارے میں تھی، یہ بھی قبول ہوئی اور وہ دعا جو بنو قریظہ کے بدعہد یہودیوں کے بارے میں تھی وہ بھی قبول ہوئی۔ بنو قریظہ کے بارے میں مسند احمد کی حسن صحیح روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یوں دعا کی:

«اللَّهُمَّ! لَا تُخْرِجْ نَفْسِي حَتَّى تُفَرِّعَنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ»

”اے اللہ! میری جان نہ نکالنا جب تک کہ میری آنکھیں بنو قریظہ کا حشر دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوں دعا قبول کی کہ یہودیوں نے فیصلے کے لیے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا نام لیا۔ انھوں نے فیصلہ سنایا تو یہود کاٹ کر رکھ دیے گئے اور جو نبی قتل عام مکمل ہوا تو:

«انْفَتَقَ عِرْقُهُ فَمَاتَ»

[مسند أحمد : ۳/۳۵۰، ح : ۱۴۷۸۵ و إسناده صحيح۔ ترمذی : ۱۵۸۲ و إسناده

صحیح۔ ابن حبان : ۴۷۸۴ و إسناده صحيح۔ رواية الليث بن سعد عن أبي الزبير  
محمولة على السماع ]

”ان کی رگ پھوٹ پڑی اور آپ ﷺ شہید ہو گئے۔“

صحیح بخاری کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خیمہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد ہی میں لگوایا تھا، تاکہ آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کرتے رہیں اور علاج کی نگرانی بھی ہوتی رہے۔ اس دوران ان کا خون خیمے سے بہہ کر باہر جانے لگا اور یوں آپ ﷺ شہید ہو گئے۔  
[بخاری، کتاب الصلاة، باب النخيمة في المسجد بمرضى وغيرهم : ۴۶۳]

فرشتوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازے کو کندھا دیا:

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافق کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم نے آج تک اس جنازے سے ہلکا جنازہ کوئی نہیں دیکھا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”سعد کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی وہ جماعت زمین پہ آئی ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آئی۔ انھوں نے سعد کو تمھارے ہمراہ اٹھا رکھا ہے۔“

[طبقات ابن سعد : ۳/۳۲۶، ۳۲۷ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذی : ۳۸۴۹ حسن۔ مستدرک حاکم : ۲/۲۰۷، ح : ۴۹۲۶ حسن۔ طبرانی کبیر : ۶/۱۲، ۱۳۔ مسند أبی یعلیٰ : ۳/۱۱۴، ح : ۳۰۲۴ حسن]

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِهْتَرَّ عَرْشُ الرَّحْمَانِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ»

”سعد بن معاذ کی موت پر رب رحمان کا عرش بھی ہل گیا۔“

[بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ : ۳۸۰۳]

مشرکوں سے لڑائی کے لیے رب سے زندگی مانگنے والا، بدعہد یہودیوں کا برا حشر دیکھنے کی تمنا کرنے والا اور عہد شکن یہودیوں کے بارے میں عدل کا فیصلہ کرنے والا یہ شخص اللہ تعالیٰ کو اس قدر محبوب ہے کہ جنازہ اٹھانے کے لیے فرشتے آتے ہیں۔

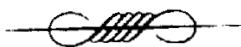
اس کی موت پر اللہ کا عرش جھوم جھوم جاتا ہے اور جنت میں اعلیٰ مقام ملتا ہے۔ قربان

جائیں کیا مقام ہے مجاہد فی سبیل اللہ کا؟ جی ہاں! سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسے یہود دشمن کا کہ طبقات ابن سعد میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جلدی جلدی پہنچ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خود غسل دیا، غسل دیتے ہوئے آپ ﷺ فرما رہے تھے:

”مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرشتے ہم سے سبقت نہ لے جائیں اور سعد کو بھی اسی طرح غسل نہ دے دیں جس طرح انھوں نے حظلہ کو غسل دیا تھا۔“

[ طبقات ابن سعد: ۳۲۶/۳، ۳۲۷، و إسناده حسن لذاته ]

سچان اللہ! کیا مقام ہے مشرکوں اور یہودیوں کے دشمن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرشتوں کو سبقت نہیں لے جانے دیتے اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے غسل دیتے ہیں۔





## دوبارہ دھلک بیٹھ گئی

نبی ﷺ کا زینب بنت جحش سے نکاح:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”پردے کی آیت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس روز آپ ﷺ نے روٹی اور گوشت کے ولیمہ کی دعوت دی۔“

[ بخاری، کتاب التوحید، باب ﴿وکان عرشہ علی الماء﴾ : [۷۴۲۱]

صحیح بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دوسری ازواج مطہرات سے فخر کے طور پر کہا کرتی تھیں: ”تم سب کے نکاح تمہارے ولیوں اور وارثوں نے کیے جبکہ میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے زید رضی اللہ عنہما کے نکاح کے لیے اپنے ہی خاندان میں سے اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔ رشتہ دینے والے سوچ میں پڑ گئے کہ کہاں قرشیہ اور ہاشمیہ اور کہاں زید جو ایک غلام ہے۔ قریب تھا کہ یہ رشتہ ناممکن ہو جاتا لیکن جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ اس میں اللہ کے رسول ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی شامل ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سمیت سب گھر والے مان گئے اور یوں نکاح ہو گیا۔

یہ رشتہ ایک سال تک برقرار رہا لیکن اس میں پائیداری نہ آسکی، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق: ”حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت خوبصورت تھیں، پھر ان کا قبیلہ بھی بڑا اونچا تھا لہذا نباہ نہ ہوسکا۔“ آخر کار حضرت زید رضی اللہ عنہما نے جو خود بھی بلند مرتبہ بیوی سے دبے دبے رہتے تھے، طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے کے لیے انھوں نے اللہ کے

رسول ﷺ سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ زید رضی اللہ عنہ کو منع کرتے تھے کہ ایسا نہ کرو، اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے رب کی طرف سے اشارہ مل گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا تمہارے نکاح میں آنے والی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور مجھے نکاح کرنا پڑا تو لوگ طوفان کھڑا کر دیں گے کہ دیکھو! محمد (ﷺ) نے اپنی مطلقہ بہو سے شادی کر لی ہے۔

ادھر حضرت زید رضی اللہ عنہ بار بار آپ ﷺ کے سامنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شکوے کرتے، جن میں لامحالہ یہ شکوہ سرفہرست تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بحیثیت خاوند وہ احترام نہ مل سکا جو وہ چاہتے تھے۔ شکوہ شکایت پر رسول اللہ ﷺ انھیں صبر کرنے کا کہتے، گزارہ کرنے کا مشورہ دیتے اور سمجھاتے، لیکن آخر تک .....؟ آخر کار معاملہ جب بہت بڑھ گیا تو جناب زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے مشورہ کے بعد طلاق دے دی، جیسا کہ سورہ احزاب میں ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ [الاحزاب: ۳۷/۳۳]

”جب زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کرنے کے بارے میں) کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔“

قارئین کرام! ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا حکم تھا کہ مولا کریم زید اور زینب کا نکاح کر دیا کر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسلام میں ذات پات، اونچ نیچ کوئی نہیں بلکہ مومن مرد اور عورت ایک مومنانہ برادری ہے، اس کی بنیاد پر آپس میں رشتے بنتے ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ معاشرتی تفاوت سے اگر نباہ نہیں ہوتا تو یہ دلوں کا معاملہ ہے۔ اللہ نے یہاں بھی راستہ رکھا ہے کہ ایسی صورت حال میں طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ۔ تیسری بات یہ کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا، لہذا اس وقت کے معاشرے میں اس رسم پر کاری ضرب لگی اور یہ رسم بھی ٹوٹ گئی۔ چوتھی بات یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جو محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اس رشتے کو قبول کیا تو اب طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے

انہیں دنیا کا سب سے بہترین خاوند عطا فرمایا۔

جی ہاں! حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مقام کا بھی اندازہ کرو کہ سارے قرآن میں اللہ کریم نے کسی صحابی کا نام نہیں لیا، صحابہ کی فضیلتوں کے اشارے ضرور ہیں لیکن نام نہیں ہے، واضح نام صرف ایک ہی شخص کا ہے اور وہ ہیں حضرت زید! اللہ! اللہ! اللہ! اللہ نے ایک غلام کے نام کا قرآن میں تذکرہ کر کے واضح کر دیا کہ لوگو! ذات برادریاں تمہارا اپنا معاملہ ہے، میرے تو سب بندے ہیں اور میرے ہاں فضیلتوں کا پیمانہ تقویٰ ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کرامت اور عزت و شرف کا کیا کہنا کہ اللہ کریم نے ان کا نکاح اپنے عرش پر کیا۔ چنانچہ مندا احمد میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جب عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

”تم جاؤ اور انہیں مجھ سے نکاح کا پیغام پہنچاؤ۔“

حضرت زید رضی اللہ عنہ گئے۔ اس وقت وہ اپنے آٹے کو خمیر کر رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر ان کی عظمت و ہیبت اس قدر چھائی کہ ان کے سامنے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھی نہ دے سکے، بلکہ ان کے ایک طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا ذکر کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: ”ٹھہرو! میں اللہ سے استخارہ کر لوں۔“ اور پھر وہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔

[مسند احمد: ۱۹۵/۳، ۱۹۶، ح: ۱۳۰۳۰ و اسنادہ صحیح]

مسلم (۱۳۲۸) میں ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دینے گیا تو میں نے انہیں آنا گوندھتے دیکھا۔ ان کی عظمت میرے سینے پر بیٹھ گئی اور میں ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکا، لہذا میں نے اپنا رخ پھیرا، اپنے قدموں پر پھر اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرا ذکر کر رہے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں اور فوراً کہا:

«مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتَّىٰ أُوَامِرَ رَبِّي»

”جب تک میں اپنے رب سے مشورہ نہ لے لوں کچھ نہیں کر سکتی۔“

اور ساتھ ہی وہ اس جگہ کھڑی ہو گئیں جو جگہ انھوں نے نماز کے لیے مخصوص کی تھی۔  
 قارئین کرام! قربان جائیں زینب رضی اللہ عنہا کے تعلق باللہ پر کہ انھوں نے جواب کیسا خوبصورت  
 دیا کہ پہلے اپنے رب سے مشورہ یعنی استخارہ کروں گی پھر دیکھوں گی رب میرے دل کو کدھر  
 موڑتا ہے؟ جی ہاں! دل نے رسول کریم ﷺ کے علاوہ اور بھلا کدھر مڑنا تھا؟ اس لیے کہ دل  
 تو اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس عمل سے پتا چلتا ہے کہ  
 ان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق کس قدر گہرا اور عمیق تھا۔

جی ہاں! وہ رب سے مشورہ کر رہی تھیں، ادھر قرآن نازل ہو چکا تھا۔ عرش والا رب اپنے  
 نبی ﷺ کا نکاح عرش پر کر چکا تھا، چنانچہ اللہ کے فیصلہ کے بعد رسول کریم ﷺ سیدھے  
 حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ اب وہ ان کی بیوی تھیں، اجازت لینے کی حاجت نہ تھی،  
 لہذا آپ ﷺ سیدھے اندر گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رب کریم کے حکم سے آگاہ فرمایا اور  
 یوں اب دونوں میاں بیوی تھے۔ جی ہاں! نہ ایجاب تھا نہ قبول تھا، نہ انسان گواہ تھے، نہ کوئی  
 ولی تھا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مقدر کے! وہ فخر کیا کرتی تھیں تو بجا کہ ان  
 کا نکاح اللہ نے عرش پر کیا تھا۔

یہودی سردار ابورافع کے پیٹ میں تلوار:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے چند صحابہ کا دستہ روانہ فرمایا۔ جن  
 میں عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ دستے کے امیر تھے، انھیں ابورافع کو  
 قتل کرنے کا ہدف دیا گیا۔ یہ شخص شرارتیں کر کے ہر طریقے سے اللہ کے رسول ﷺ کو  
 تکلیف پہنچاتا رہتا تھا۔ نیز ہمیشہ آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کرتا۔ یہ سرزمین حجاز میں (خیبر  
 کے پاس) ایک قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے مجاہد سفر کرتے  
 ہوئے اس قلعہ کے قریب پہنچے تو عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”تم لوگ  
 یہیں ٹھہرو، میں آگے جاتا ہوں اور حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔“

حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ جب میں وہاں قلعے کے قریب پہنچا تو اس  
 وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے کر گھر واپسی کی راہ لے چکے تھے۔ میں

اب قلعہ کے اندر جانے کی سوچنے لگا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ قلعہ والوں کا ایک گدھا گم ہو گیا تھا۔ وہ اسے تلاش کرنے کے لیے باہر نکلے۔ چراغ ان کے ہمراہ تھے۔ میں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو ڈر گیا کہ کہیں یہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں۔ اب میں قلعے کے دروازے کے قریب آیا۔ اپنے اردگرد کپڑے کر لیے اور یوں بیٹھ گیا جیسے کوئی قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد دربان نے آکر آواز لگائی: ”جس نے قلعے کے اندر داخل ہونا ہے، جلدی آجائے، میں گیٹ بند کرنے لگا ہوں۔“ میں نے موقع غنیمت جانا اور جھٹ سے گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ قلعہ کے دروازے کے پاس ہی ایک جگہ تھی جہاں گدھے باندھے جاتے تھے، میں اسی جگہ چھپ گیا۔

حسب دستور قلعہ کے لوگوں نے ابو رافع کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور پھر اس کی دل لگی کے لیے اسے قصے کہانیاں سناتے رہے۔ جب رات کا کچھ حصہ بیت گیا تو یہ لوگ قلعہ میں واقع اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ کچھ دیر اور گزری تو سنانا چھا گیا۔ کسی حرکت کی اب کوئی آواز نہ تھی۔ میں گدھوں کے طویلہ سے باہر نکلا اور اس کھوٹی کی طرف بڑھا جہاں قلعہ کی چابیاں لٹک رہی تھیں، جب میں اندر داخل ہوا تھا تو طویلے میں چھپ کر دربان کو یہاں کنجیاں رکھتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے چابیاں قبضے میں کرتے ہی سب سے پہلے قلعے کا گیٹ کھولا۔ ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستا نہیں بیان کی جا رہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب داستاں گواں کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس عرصہ میں میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا انہیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میری یہاں موجودگی کا پتا چل بھی جائے تو وہ اس وقت تک مجھ تک نہ پہنچ پائیں جب تک کہ میں ابو رافع کو قتل نہ کر دوں۔ الغرض، یوں کرتے کرتے سیرھی کے زینے چڑھتے ہوئے اب میں ابو رافع کے بالا خانوں تک پہنچ چکا تھا۔

ابو رافع کے کمرے میں پہنچا تو وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ چراغ بجھا ہوا تھا۔ ابو رافع اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ سویا تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ ابو رافع کہاں سویا ہے، چنانچہ میں نے اس کی پوزیشن معلوم کرنے کے لیے اس کو آواز دی: ”اے ابو رافع!“ اس پر ابو رافع

بولاً: ”یہ کون ہے؟“ آواز سنتے ہی میں آواز کی طرف لپکا اور تلوار کا وار کر دیا۔ میں وار کر کے دور ہٹ گیا اور وہ چلانے لگ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وار کارگر ثابت نہیں ہوا، چنانچہ میں دوبارہ اس کے قریب آیا۔ اسے یہ باور کرانے کے لیے کہ میں اس کی مدد کو آیا ہوں، آواز بدلی اور بڑے ہمدردانہ لہجے میں اسے پوچھا: ”ابورافع! تمہیں کیا ہوا؟“

وہ کہنے لگا: ”تیری ماں کا بیڑا غرق، ابھی کوئی شخص میرے کمرے میں داخل ہوا ہے اور اس نے مجھ پر تلوار کا حملہ کر دیا ہے۔“ یہ سنتے ہی میں نے اس پر پھر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بھی وہ قتل نہ ہو سکا اور چیخنے لگ گیا۔ اب کے اس کی بیوی بھی اٹھ گئی۔ میں جلدی سے پھر اس کی جانب لپکا۔ آواز کو پھر بدلا، گویا میں اس کی مدد کو پہنچا ہوں وہ بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی اور اس قدر دبانے کی دوسری طرف سے آ رہا کر دی۔ اب میں نے کمر کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز بھی سنی۔ یوں اس کے قتل کا یقین کر کے میں یہاں سے نکلا۔ گھبراہٹ تو تھی ہی، چنانچہ اسی گھبراہٹ میں ہر کمرے کا دروازہ کھولتا چلا گیا حتیٰ کہ ایک زینے پر آن پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ اب میرا اگلا قدم زمین پر ہوگا، ایسا نہ تھا، چنانچہ میں نے اپنی طرف سے زمین پر قدم رکھا لیکن بلندی سے نیچے گر گیا۔

چاندنی رات تھی۔ میرا پاؤں ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے اپنی پگڑی پاؤں پر باندھی اور لنگڑاتے ہوئے گیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے عزم کر لیا کہ اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لوں کہ ابورافع قتل ہو چکا یا نہیں؟ اب کے مرغ نے اذان دی، اس کے ساتھ ہی قلعے کی فصیل پر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: ”میں اہل حجاز کے تاجر ابورافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔“ یہ سن کر میں چلنے کے لیے اٹھا تو مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا: ”چلنے کی جلدی کرو، اللہ نے ابورافع کو قتل کر دیا ہے۔“ میں جب اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو کامیابی کی خوشخبری دی تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

«أَبْسَطُ رَجُلَكَ»

”اپنا پاؤں پھیلاؤ۔“

میں نے اپنا پاؤں باہر نکالا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ اب تو پاؤں ایسا ہو گیا گویا مجھے کبھی کوئی تکلیف اس پیر میں ہوئی ہی نہ تھی۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع..... الخ: ۴۰۳۹]

ابورافع یہودی سردار تھا، اس کا نام سلام تھا، جس کا معنی سلامتی ہے، لیکن یہ اپنے نام کے برعکس فتنہ و فساد اور شرانگیزی پھیلاتا تھا۔ یہ اتنا بڑا تاجر تھا کہ اسے ”رئیس التجار“ اور ”تاجر الحجاز“ کہا جاتا تھا۔ یہ اپنی دولت خرچ کرتا تھا تو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول ﷺ کی گستاخیاں کیا کرتے، نیز اس نے عرب قبائل کو مدینہ پر چڑھالانے میں بھی خوب کردار ادا کیا تھا۔ اس کی شرطوں کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی تھی کہ اسے قتل کرنے کا مشن انھیں سونپا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ اس مہم کو اس لیے بھی سرانجام دینا چاہتے تھے کہ اس سے پہلے اوس قبیلے کے لوگ یہودی سردار کعب بن اشرف کو قتل کر چکے تھے۔ اب خزرج والے بھی ایسا ہی کارنامہ سرانجام دینا چاہتے تھے جیسا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیا تھا۔

ثابت ہوا اگر دین اور جہاد کے امور میں آگے بڑھنے اور سبقت کرنے کے لیے قبیلوں کے مابین مقابلہ بازی ہو تو یہ مبارک ہے۔ یہاں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔

قربان جائیں اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ پر! وہ کیسے دلیر لوگ تھے کہ اسلام کے موذی اور مہلک دشمنوں کو ان کی قلعہ بند خواب گاہوں میں جا کر قتل کر دیا کرتے تھے۔ ان کے اس عمل سے اسلام دشمنوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ امن کی فضا خراب کرنے کا جب سوچتے تو اس کے متوقع نتائج سے کانپ کانپ جایا کرتے تھے۔ غزوہٴ احزاب کے بعد عرب کا ماحول اسی انداز کا بنتا چلا جا رہا تھا۔ صحابہ کے دستوں نے اب عرب کی سرزمین پر گشت شروع کر دیے تھے اور وہ بدو جو امن و سلامتی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، ان کے خلاف تادیبی کارروائیاں شروع کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے رعب کی فضا جو غزوہٴ احد کے بعد کمزور پڑ گئی تھی اب غزوہٴ احزاب کے بعد مسلمانوں کی دھاک دوبارہ بیٹھ گئی۔



نجد کا سردار مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے نجد کی جانب گھڑسوار مجاہدوں کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ یہ مجاہدین حنیفہ قبیلے کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لائے اور اسے مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ جب گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے تو ثمامہ سے پوچھا:

« مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثَمَامَةُ! »

”ثمامہ! جو تیرے دل میں ہے کہہ ڈال۔“

ثمامہ کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) میرے اندر تو خیر ہی ہے لیکن اس کے باوجود اگر مجھے قتل کرو گے تو ایسے شخص کو قتل کر دے جس کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور اگر مجھ پر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان کی قدر کرنا جانتا ہے یہ بھی بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو مال و دولت کی تمنا ہے تو جس قدر چاہیں تقاضا کریں، اسے پورا کیا جائے گا۔“

یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ کچھ کہے بغیر چلے گئے، حتیٰ کہ اگلے دن تشریف لائے اور ثمامہ سے وہی سوال دہرایا جو پہلے دن کیا تھا۔ ثمامہ نے کہا: ”میرا جواب وہی ہے جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔“ اور ساتھ ہی اپنے جواب کو دہرا بھی دیا۔ اب کے بھی اللہ کے رسول ﷺ کچھ کہے بغیر چلے گئے اور تیسرے دن پھر آپ ﷺ ثمامہ کے پاس آئے تو وہی سوال دہرایا۔ ثمامہ نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دو بار دے چکے تھے۔ اب کے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا:

« أَطْلِقُوا ثَمَامَةَ »

”ثمامہ کو آزاد کر دو۔“

ثمامہ یہاں سے نکلا اور مسجد کے قریب ہی کھجوروں کے ایک باغ میں جا پہنچا، وہاں سے غسل کر کے واپس مسجد میں آ گیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آ کر کہنے لگا:

« أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ »

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا



ہوں کہ بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

پھر کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمین پر جس قدر بھی چہرے ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر مجھے جس چہرے پر غصہ آتا تھا، وہ آپ کا چہرہ تھا، لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ ان تمام چہروں میں مجھے جس چہرے کے ساتھ سب سے بڑھ کر محبت ہے وہ آپ کا چہرہ مبارک ہے۔ اسی طرح میں یہ بات بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دنیا پر تمام ادیان میں سے مجھے جس دین پر سب سے زیادہ غصہ آتا تھا وہ آپ کا دین تھا، مگر اب آپ کا دین مجھے تمام دینوں میں سب سے زیادہ محبوب لگ رہا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی میں اللہ کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کے اس شہر پر مجھے تمام شہروں سے بڑھ کر غصہ آتا تھا مگر اب یہ شہر سب شہروں سے بڑھ کر مجھے پیارا لگ رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کے گھڑ سوار مجاہدین نے مجھے اس وقت گرفتار کیا جس وقت میں عمرہ ادا کرنے جا رہا تھا، اب آپ کی مرضی ہے جو حکم فرمائیں۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے قبول اسلام پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: ”تم عمرہ ادا کر لو۔“ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہما جب مکہ میں پہنچے تو ایک شخص انھیں کہنے لگا: ”کیا تو بے دین ہو گیا؟“ ثمامہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ”بالکل نہیں! اللہ کی قسم! میں تو اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور سنو! یہ بات ہے تو یمامہ سے تمہارے پاس اب گندم کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچے گا حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اناج دینے کی اجازت دے دیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ..... الخ: ۴۳۷۲]

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہما کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما گرفتار کر کے لائے تھے۔ اس مشرک قیدی کو مسجد میں اس لیے باندھا گیا، تاکہ وہ مسلمانوں کی نماز دیکھے، قرآن سنے اور اسلام سمجھے۔ چنانچہ وہی ہوا، اس نے دین بھی دیکھ لیا اور حکمران مدینہ کا بلند اخلاق بھی دیکھ لیا، چنانچہ اس کا جسم آزاد ہوا تو دل ہمیشہ کے لیے قیدی بن کے رہ گیا۔

یمامہ کے سردار نے مال و دولت کی پیشکش کی، مگر اللہ کے رسول ﷺ کو مال و دولت نہیں بلکہ ثمامہ چاہیے تھا، اس کی اخروی بھلائی چاہیے تھی، چنانچہ اللہ نے اپنے مہربان رسول ﷺ

کو شامہ دے دیا۔

حضرت شامہ رضی اللہ عنہا نے گندم کی سپلائی روکی تو مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے رشتے ناتے کا واسطہ دے کر سپلائی جاری کروانے کی درخواست کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے شامہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ گندم کی سپلائی جاری کر دو۔ یہ تھے سرزمین عرب میں غزوہٴ احزاب کے نتائج، جنہیں اللہ کے رسول ﷺ ملاحظہ کر رہے تھے۔ احزاب یعنی اتحادی فورسز کا ناکام ہو کر بھاگ جانا اس قدر اہم واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول بن گیا تھا کہ آپ ﷺ جب بھی کسی جنگ، حج یا عمرہ سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر فرماتے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آتِيُونَ، تَأْتِيُونَ، عَابِدُونَ، سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

[بخاری، کتاب العمرة، باب ما يقول إذا رجع من الحج ..... الخ: ۱۷۹۷۔ مسلم: ۱۳۴۴۔ ابن حبان: ۲۷۰۷ و [إسناده صحيح]

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو ایک اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک بھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اس کی تعریف ہے، وہ ہر چیز کو اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہے، اے اللہ! ہم واپس آرہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ ریز ہوتے ہوئے، اپنے مالک کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا، اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور اکیلے نے تمام اتحادی فورسز کو بھگا ڈالا۔“

مرتد اور قاتل ڈاکوؤں کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عکلم اور عینہ قبائل کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد (ایک دن) وہ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہم لوگ مویشی رکھتے تھے، کھیت وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھے، لہذا ہم تو صرف دودھ پر اپنی گزر اوقات کیا کرتے

تھے۔“ دراصل مدینہ کی آب و ہوا ان لوگوں کو راس نہ آئی تھی، اس بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے چند اونٹ اور ایک چرواہا ان کو دے دیا اور فرمایا: ”مدینہ سے باہر چراگاہ میں چلے جاؤ اور وہاں اونٹیوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ صحت مند ہو جاؤ گے۔“ یہ لوگ چراگاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں حرہ کے پاس چراگاہ میں اقامت پذیر ہو کر مذکورہ علاج سے وہ خوب موٹے تازے ہو گئے، پھر ان کی نیت بدلی اور وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگ نکلے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو ان کی تلاش کے لیے بھیجا۔ صحابہ نے انھیں جا لیا اور انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ دیا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور اسی حرہ کے کنارے پر انھیں دھوپ میں پھینک دیا گیا، یہاں تک کہ وہ اسی حال میں مر گئے۔ جب وہ پانی مانگتے تھے تو انھیں کوئی پانی نہ دیتا تھا۔“

[ بخاری، کتاب الوضوء، باب أبو الابل : ۲۳۲، ۴۱۹۲۔ مسلم : ۱۶۷۱، ۱۶۷۱/۱۱ ابن حبان : ۴۴۶۸ و [إسناده صحيح ]

ان ڈاکوؤں نے اللہ کے رسول ﷺ کے جس چرواہے صحابی کو شہید کیا اس کا نام حضرت یسار رضی اللہ عنہ تھا۔ ان ظالموں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں کانٹے مارے اور بری طرح قتل کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی انٹیلی جینس کا نظام اس دور میں کس قدر مضبوط تھا کہ فوراً آپ ﷺ کو اطلاع مل گئی اور پھر آپ ﷺ نے مدینہ کے انتظامی حاکم کی حیثیت سے فوراً ایکشن لیا اور اپنے صحابہ کو بھیجا۔ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے، یہ صحابہ کیسے فرض شناس اور تیز طرار تھے کہ انھیں جا پکڑا، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں عبرتناک سزا دی۔

یاد رہے! ایسے قاتل اور ڈاکو معاشرے کا کینسر ہیں، اگر ان پر رحم کیا جائے تو یہ کینسر سارے معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔ قتل و غارت گری کا ہر طرف راج ہو جاتا ہے۔ وہ ڈاکٹر انتہائی مہربان ہوتا ہے جو کینسر زدہ عضو کو کاٹ پھینکتا ہے، پھر کئی ہوئی جگہ شعائیں بھی لگاتا ہے، تاکہ رہے سہے جراثیم بھی ختم ہو جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے، جو سراپا رحمت ہیں، ان کو

عبرت ناک سزا دی۔ اسی حرہ کے مقام پر مرنے کے لیے سورج کی دھوپ اور تمازت میں پھینکا، جہاں ڈاکوؤں نے بے گناہ شخص کو قتل کیا تھا۔ ڈاکوؤں کا یہ اعلانیہ حشر دیکھ کر کون ہے جو ڈاکے مار کر قتل کرے گا اور اسلامی حکومت کی رٹ کو چیلنج کرے گا؟

آج سعودی عرب ساری دنیا میں سب سے زیادہ پر امن ملک ہے۔ وہ اس وجہ سے ہے کہ وہاں اسلام کی سزاؤں کا نفاذ ہے۔ دنیا کا واحد ملک ہے جس کا دستور کتاب و سنت ہے۔ جرائم میں کون کیا ہے؟ 2005ء میں ”یو این او“ کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ جرائم امریکہ اور یورپ میں ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہاں مجرموں سے ہمدردی اختیار کی جاتی ہے..... عجب غیر فطری انداز ہے ان لوگوں کا کہ جس کا مال لٹ گیا، قتل ہو گیا وہ اور اس کے لواحقین تو ہمدردی کے مستحق نہیں بلکہ مستحق وہ ہے جو قاتل ہے؟ اللہ نے ایسے قاتل ڈاکوؤں کی سزا کا قرآن میں حکم دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر عمل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اللہ کی طرف سے تجویز کردہ سزا:

﴿ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُنَقَّلَ أَيْدِيهِمْ وَأَنْزُلَهُمْ مِنْ خَلْفِ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ [المائدة: ۳۳/۵]

”ان لوگوں کی جزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، یہی ہے کہ انھیں عبرت ناک طریقے سے قتل کیا جائے، یا سولی دی جائے، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹے جائیں، یا انھیں اس سر زمین سے نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔“

دیو ہیکل مچھلی فاقہ کش مجاہدین کے سامنے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ساحل سمندر کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ہدف قریش کا قافلہ تھا۔ مجاہدین کی تعداد تین سو تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا کمانڈر بنایا۔ دوران سفر سخت بھوک اور فاقوں

کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے پاس جو کچھ بیچ گیا وہ کمانڈر صاحب کے حکم پر جمع کیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسی میں سے روزانہ ہمیں تھوڑا تھوڑا دیتے تھے۔ آخر جب یہ بھی ختم ہو گیا تو ہمارے حصے میں ایک ایک کھجور آتی۔ جناب وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”ایک ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟“ انھوں نے کہا: ”اس وقت یہ بھی غنیمت تھی، جب یہ بھی نہ رہی تو پھر اس کی بھی قدر کا احساس ہوا۔ اس کے بعد تو کیکر کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑا، اسی وجہ سے اس لشکر کا نام ”جیش الجبط“ یعنی پتے جھاڑ کر کھانے والا لشکر پڑ گیا۔

اس کے بعد ایک مجاہد قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے تین اونٹ ذبح کیے۔ دوبارہ بھوک لگی تو پھر تین اونٹ ذبح کر دیے اور ضرورت پڑنے پر جب تیسری بار تین اونٹ ذبح کیے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا، کیونکہ اگر سب اونٹ ذبح کر دیے جاتے تو سفر کس طرح ہوتا؟ جب ساحل سمندر پر پہنچے تو وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے ٹیلے کی طرح مچھلی پڑی ہے۔ ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس مچھلی کو غیر کہا جاتا تھا۔ سارے لشکر نے اٹھارہ دن تک اس مچھلی کو کھایا، وہ اس کی چربی سے اپنے جسموں پر ماش کرتے رہے۔ اس کے بعد کمانڈر صاحب کے حکم پر اس مچھلی کی پسلی کی دو ہڈیاں کھڑی کی گئیں تو وہ اس قدر بلند تھیں کہ اونٹ پر کجاوہ کسا گیا، اس کے اوپر سوار بٹھایا گیا اور اسے جب مچھلی کی ہڈیوں کے نیچے سے گزارا گیا تو سوار کا سر ہڈیوں کو چھوئے بغیر نیچے سے گزر گیا، پھر جب ہم مدینہ واپس آئے تو ہم نے اس کا ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ ، اَطْعَمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ مِنْهُ»

”یہ رزق اللہ نے سمندر سے نکال کر عطا فرمایا ہے، اسے کھاؤ اور اگر تمہارے پاس

اس میں سے کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔“

چنانچہ ایک شخص نے اس کا گوشت لا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة سيف البحر ..... الخ : ۴۳۶۰ تا ۴۳۶۲۔

مسلم، کتاب الصيد، باب إباحة ميتات البحر : ۱۹۳۵ ]

قارئین کرام! اس مچھلی کے بارے میں ایک ہی صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی تین روایات آئی ہیں۔ ایک بات ایک روایت میں ہے اور دوسری میں نہیں، یوں ہم نے تینوں روایات کو سامنے رکھ کر ایک جامع روایت اردو کے قالب میں ڈھال کر آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ ان جہادی سفروں کی شدت کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت (۶۳۵۳) میں ہے کہ صحابہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے پھر جب قضائے حاجت کرتے تو بکری کی میٹگنیوں کی طرح کرتے۔

غزوہٴ احزاب کے بعد مشرکوں کو دھکانے کے لیے یہ مہم تھی اور پیغام تھا کہ ہم اب تمہارا پیچھا کریں گے، تمہارے پاس پہنچیں گے۔ اس سلسلے میں بہت ساری مہمات سر کی گئیں اور متعدد دستے اور لشکر سرکش مشرکوں کی تادیب کے لیے روانہ کیے گئے۔ وادی القریٰ جس کو ”العلا“ کہا جاتا ہے، شام کی طرف واقع ہے، یہاں بھی لشکر بھیجا گیا۔

الغرض، اتحادی فورسز کے بھاگنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ہر جانب لشکر دوڑائے، کوئی زیر ہو گئے، کوئی خائف ہو گئے اور کسی نے اسلام قبول کر لیا۔

ایسے حالات میں غطفان قبیلے کے ایک شخص عیینہ بن حصین خزازی نے اپنے تئیں ہمت سے کام لیا اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کی دودھ دینے والی گا بھن اونٹنیوں کو لے دوڑا۔ یہ اونٹنیاں مدینہ سے باہر ”غابہ“ کی چراگاہ میں چر رہی تھیں۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما نے گھوڑے پر ان کا پیچھا کیا۔ وہ ان کی جانب تیر برساتے رہے اور لاکارتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے ساری اونٹنیاں ان سے چھڑوا لیں، یعنی اتنے بڑے قبیلے کے سردار نے حرکت کی تو وہ یہ تھی کہ چوری چھپے اونٹنیاں بھگانے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کا رعب ایسا پڑ چکا تھا کہ ایک ہی مجاہد نے سب کو بھگا مارا اور تمام اونٹنیاں چھڑوا لیں۔

[بخاری: ۴۱: ۴۰، ۴۱: ۴۱، ۴۱: ۴۱، مسلم: ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ابن حبان: ۴۵۲۹ و إسناده صحیح]

مشرک جب اس قدر بے جان ہو چکے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے امن کی فضا قائم کرنے کے لیے ایک اقدام کیا۔ آئیے! اس تاریخ ساز پر امن اقدام اور کوشش کو ملاحظہ کریں جو اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کی طرف سے ہو رہی تھی۔ یہ اقدام اور کوشش ”صلح حدیبیہ اور غزوہٴ حدیبیہ“ کے نام سے معروف ہے۔ قرآن نے اسے ”واضح فتح“ قرار دیا ہے۔

## حدیبیہ میں صلح..... شاندار اور واضح فتح

اللہ کے رسول ﷺ کو حدیبیہ میں پڑاؤ کرنا پڑا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مردان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ ایک ہزار سے اوپر صحابہ کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلاوہ پہنایا، اونٹوں کی کوبان کو چیرا، عمرے کے لیے احرام باندھا اور خزاعہ قبیلے کے ایک شخص کو آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ قریش کے ارادوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آگاہ کرے۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية: ٤١٧٨، ٤١٧٩ ]

سورہ فتح کی آیت نمبر (٢٤) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے خواب کا تذکرہ کیا ہے، اس خواب کی تفصیل اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول جناب محمد کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ آپ (ﷺ) نے خانہ کعبہ کی چابی لی، اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اللہ کے گھر کا طواف کیا اور عمرہ ادا کیا۔ پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈوائے اور کچھ نے کٹوائے۔

آپ ﷺ نے یہ خواب اپنے صحابہ کو سنایا تو صحابہ بے حد خوش ہوئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ اور اردگرد کی آبادیوں میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہونا چاہیں وہ تیار ہو جائیں۔ یوں آپ ﷺ ذی القعدہ کی یکم تاریخ کو روانہ ہوئے، سال چھ ہجری کا تھا، دن سوموار کا۔

عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ بھیڑ بکری وغیرہ قسم کے جو جانور قربانی کے لیے بیت اللہ

کی طرف روانہ ہوتے تو ان کے گلے میں بالوں کا بنا ہوا ایک مخصوص قسم کا ہار ڈال دیا جاتا اور اونٹ کی کوہان کو چیرا دے کر خون بہایا جاتا۔ یہ علامتیں ہوتی تھیں اس بات کی کہ یہ جانور اللہ کے گھر کی طرف قربانی کے لیے جا رہے ہیں، لہذا ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ سارا عرب ان جانوروں اور جانوروں کو لے جانے والے لوگوں سے کوئی تعرض نہ کرتا اور وہ پر امن طریقے سے مکہ میں داخل ہو جاتے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس دستور کو برقرار رکھا، اس پر عمل کیا، اپنی تلواروں کو میانوں میں ڈالا اور احرام باندھا۔ یہ سارا کچھ حسب دستور اس بات کی علامت تھا کہ مسلمان لڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے جا رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۱۵۴) میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، اس میں وہ کہتے ہیں: ”اس روز ہم صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔“

اس سفر میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لیا تھا، آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جس کا نام ”قصواء“ تھا اور یہ امن کا قافلہ احرام پہننے ہوئے مکہ کی جانب چل دیا۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة..... الخ: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۱۷۸، ۴۱۷۹) کے مطابق جب یہ قافلہ ”غدير الاطواط“ کے مقام پر پہنچا تو بشر بن سفیان کعمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسے آپ ﷺ نے قریش کے ردعمل کو معلوم کرنے کے لیے بھیج رکھا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ قریش نے آپ ﷺ کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، اپنے حلیف قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملایا ہے۔ وہ آپ ﷺ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں، وہ آپ ﷺ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں گے۔

اس صورتحال پر آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو طے یہی ہوا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے، لہذا اللہ کا نام لے کر سفر کو جاری رکھا جائے اور جو کوئی ہمارے اور اللہ کے گھر کے درمیان رکاوٹ بنے گا تو ہم اس سے لڑیں گے۔



یاد رہے! غدیر الاطحاظ کا مقام عسفان کے قریب ہے۔ عسفان مکہ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، اسلامی قافلہ مکہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور اب سفر جاری ہو چکا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی:

ابن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ مکہ جا رہے تھے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے اطلاع کنندگان کے حوالے سے صحابہ کو آگاہ فرمایا:

”خالد بن ولید قریش کے (دوسو) گھڑ سواروں کے ساتھ ہماری نقل و حرکت کا اندازہ کرنے کے لیے ”الغمیم“ کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے، اس لیے تم لوگ دائیں جانب سے جاؤ۔“

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ بدلنے کی حکمت عملی کا کچھ بھی علم خالد بن ولید کو نہ ہو سکا، چنانچہ جب صحابہ کے لشکر نے کوچ کیا اور گردوغبار اٹھا تو اسے دیکھ کر خالد بن ولید کے دستے کو معلوم ہوا کہ مسلمان تو نکل گئے۔ خالد بن ولید اس صورتحال سے قریش مکہ کو آگاہ کرنے کے لیے جلدی جلدی مکہ پہنچے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے سفر پر گامزن رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس گھاٹی (حمیۃ المرار) پر پہنچے جس میں چل کر مکہ میں جایا جاتا ہے۔ اب ہوا یہ کہ اس جگہ اللہ کے رسول ﷺ کی سواری بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کی سواری کو اٹھانے کے لیے ہانکنے لگے لیکن سواری نے اپنی جگہ سے ہٹنے کا نام نہ لیا۔ اس پر صحابہ کہنے لگے:

”قصواء اڑ گئی۔“ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

”قصواء اڑی نہیں، نہ اس کی ایسی عادت ہے، اسے تو مکہ میں داخل ہونے سے اس رب نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں (پہ مشتمل ابرہہ) کے لشکر کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”اس اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریش جو بھی کوئی ایسا مطالبہ رکھیں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کا خیال رکھا گیا ہو تو میں ان کا مطالبہ مان لوں گا۔“

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹنی کو کھڑا کرنے کے لیے ڈانٹا تو وہ کھڑی ہو گئی۔

[ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة..... الخ : ۲۷۳۱،

۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲ و [إسناده صحيح ]

ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ جنگ نہیں بلکہ امن چاہتے تھے، اسی لیے وہ بیخ بچ کر راستہ بدل بدل کر چل رہے تھے جبکہ مشرک ایسے لوگوں سے لڑنے کا عزم کر رہے تھے جو احرام باندھے ہوئے تھے اور احرام باندھنے والوں سے لڑنا سارے عرب میں انتہائی معیوب، ظلم اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسی حالت میں مسلمانوں کو لڑائی سے بچانا چاہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اونٹنی مکہ کے راستے کی جانب نہیں چلی کیونکہ یہ راستہ جنگ کا راستہ تھا۔ اب مسلمان حدیبیہ میں بیٹھے تھے کہ شاید یہاں سے کوئی صورت نکل آئے اور ہم امن کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کر لیں۔

یاد رہے! ”الغیم“ کا مقام مکہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکلنے لگا:

حضرت ابن مخرمہ اور حضرت مروان بن الحکم بتلاتے ہیں: ”اب اللہ کے رسول ﷺ چلتے ہوئے صحابہ سے آگے نکل گئے اور حدیبیہ کے آخری کنارے پر پڑاؤ کیا۔ یہاں ایک تھوڑے پانی والا چشمہ تھا۔ صحابہ نے اس کا تھوڑا تھوڑا پانی ہی استعمال کرنا شرع کر دیا اور پانی کو جمع نہیں ہونے دیا۔ سارا پانی ساتھ ساتھ ختم کر ڈالا، اس پر لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے شکایت سنی تو اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ کو پیاس کو حکم دیا کہ اس تیر کو چشمے میں ڈال دیں۔ اللہ کی قسم! تیر ڈالنے کی دیر تھی کہ صحابہ کو سیراب کرنے کے لیے پانی جوش مارنے لگا اور صحابہ خوب سیر ہو کر پینے لگے۔

[ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة..... الخ : ۲۷۳۱،

۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲ و [إسناده صحيح ]

حضرت جابر بن عبد اللہ بتلاتے ہیں کہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر سارا ہی لشکر پیاسا ہو چکا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک بڑا برتن پڑا تھا۔ اس سے پانی لے کر آپ ﷺ نے وضو کیا۔

اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا مسئلہ درپیش ہے؟“ صحابہ نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اب ہمارے پاس اتنا بھی پانی نہیں رہا کہ ہم اس کے ساتھ وضو کر لیں یا پی لیں۔ پانی تو بس یہی ہے جو اس بڑے برتن میں آپ (ﷺ) کے سامنے پڑا ہے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات سنتے ہی اپنا ہاتھ مبارک اس بڑے برتن میں ڈال دیا، بس پھر کیا تھا، آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی یوں پھوٹ پھوٹ کر ایلنے لگا جس طرح چشموں سے نکلتا ہے، چنانچہ ہم نے اس روز پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ اگر ہم اس روز ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی تھا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية: ٤١٥٢]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہماری تعداد چودہ سو تھی، وہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس کنویں سے اس قدر پانی کھینچا کہ اس کے اندر ایک قطرہ بھی پانی کا نہ رہا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس صورتحال کا پتا چلا تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لے آئے۔ اس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور پانی کا ایک برتن منگوا یا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا پھر کھلی کی، اللہ کے حضور دعا کی اور یہ پانی کنویں میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم رکے، پھر جس قدر ہم نے چاہا اس کنویں سے پانی نکالا، خود بھی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پلایا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية: ٤١٥١، ٣٥٧٧]

قارئین کرام! جدہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جائیں تو جدہ و مکہ روڈ پر ایک بورڈ دکھائی دیتا ہے جس پر ”شمسی“ لکھا ہوا ہے۔ یہاں سے بائیں طرف مڑ جائیں تو چند کلومیٹر کے فاصلے پر حدیبیہ کا مقام ہے، اسے اب شمسی کہا جاتا ہے۔ یہاں حکومت سعودی عرب نے ایک خوبصورت مسجد بنا دی ہے۔ مسجد کے ساتھ ہی یہ کنواں ابھی تک موجود ہے۔ میں اس کنویں کی منڈیر پر کافی دیر بیٹھا رہا اور صحابہ کا چودہ سو سالہ پرانا منظر یاد کر کے مزے لیتا رہا۔ کنویں میں ابھی تک پانی موجود تھا لیکن استعمال میں نہیں لایا جاتا، ببول کے درخت بھی یہاں بہت سارے ابھی تک موجود ہیں۔

جدہ سے شمسی کا جوکل فاصلہ ہے وہ 45 کلومیٹر کے قریب ہے، جی ہاں! یہی وہ علاقہ

ہے جہاں پانی کی فراہمی کے تین معجزات یہاں پڑاؤ کے دنوں میں ظہور میں آئے، جنہیں ہم نے تین مختلف راویوں سے درج کیا ہے۔

اس دین کی خاطر لڑوں گا حتیٰ کہ میرا سر جسم سے الگ ہو جائے:

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مردان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ صحابہ پانی سے سیراب ہو چکے تھے کہ خزاعہ قبیلے کا سردار بدیل بن ورقاء اپنی قوم کے کئی آدمیوں کے ہمراہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ تہامہ کے رہنے والے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کے محرم راز اور خیر خواہ تھے۔ ان کے سردار نے اللہ کے رسول ﷺ کو آگاہ کرتے ہوئے کہا:

”میں کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو دیکھ کر آ رہا ہوں، انھوں نے حدیبیہ کے فراواں پانی کے پاس اپنا ڈیرہ جمایا ہے۔ ان کے پاس اونٹنیاں ہیں جو دودھ دینے والی ہیں۔ ان اونٹنیوں کے تازہ بہ تازہ بچے ہیں۔ یہ لوگ آپ (ﷺ) سے لڑنے اور بیت اللہ سے روکنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”ہم کسی سے بھی لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہم تو عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ویسے بھی قریش کو مسلسل لڑائیوں نے تھکا مارا ہے اور انھیں بے پناہ نقصان سے دوچار کیا ہے۔ اب اگر وہ چاہیں تو میں ان کے ساتھ ایک مدت کے لیے صلح کر لوں گا۔ اس عرصہ میں وہ میرے اور لوگوں کے درمیان مزاحم اور رکاوٹ بننے سے ہٹ جائیں..... میں کامیاب ہو جاؤں تو وہ دعوتی کامیابی کو دیکھ کر چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں عام لوگ داخل ہو چکے ہوں گے اور اگر وہ میری پیشکش کے خلاف اپنی روش سے نہیں ہٹتے اور صلح سے انکار کرتے ہیں تو اس اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے اس دین کے معاملے میں ان کے خلاف اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن بدن سے جدا نہ ہو جائے اور اللہ اپنے اس دین کو نافذ نہ کر دے۔“

بدیل بن ورقاء یہ سن کر کہنے لگا: ”میں آپ کی یہ گفتگو قریش تک پہنچا دوں گا۔“ چنانچہ بدیل یہاں سے نکلا اور قریش کے پاس جا پہنچا۔ وہاں جا کر ان سے کہنے لگا: ”ہم تمہارے پاس آئے ہیں تو اس شخص (جناب محمد کریم ﷺ) سے مل کر آرہے ہیں، ہم نے انہیں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے سنا ہے، اگر آپ لوگوں کو پسند ہو تو ہم ان کا موقف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔“ اس پر ان کے نادان چھجھورے کہنے لگے: ”ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تم اس شخص (محمد کریم ﷺ) کی کوئی بات ہمیں سناتے پھرو۔“

لیکن ان میں رائے رکھنے والے وانا لوگ کہنے لگے: ”نہیں نہیں! تم لوگوں نے جو کچھ ان کو کہتے ہوئے سنا ہے وہ بیان کرو۔“ اس پر بدیل کہنے لگا: ”میں نے ان کو (محمد کریم ﷺ) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔“ اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ کی وہ ساری باتیں جو آپ ﷺ نے فرمائی تھیں، بدیل نے کہہ دیں۔

[ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة..... الخ : ۲۷۳۱،

۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحیح - مسند أحمد : ۴/۳۲۹، ح :

۱۸۹۵۲ و إسناده صحیح ]

تہامہ ”تہم“ سے ہے۔ اس کا معنی گرمی ہے۔ مکہ اور اس کے مضافات کو تہامہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہاں گرمی شدید پڑتی ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑیں گے؟

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی پیشکش کو سننے کے بعد ان کا ایک سمجھدار آدمی عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور اپنی خدمت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی قوم سے کہنے لگا: ”اے میری قوم کے لوگو! کیا تم میرے ساتھ اس طرح محبت نہیں کرتے ہو جس طرح باپ اپنے بیٹے کے ساتھ محبت کرتا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”بالکل۔“ پھر کہنے لگا: ”کیا میں تمہارا اس طرح خیر خواہ نہیں ہوں جس طرح باپ اپنے بیٹے کا خیر خواہ ہوتا ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”کیوں نہیں! تم ایسے ہی ہو۔“ اس کے بعد عروہ کہنے لگا: ”اگر مجھ پر کسی جرم کے ارتکاب کی کوئی تہمت ہے تو وہ بھی تبتلا دو؟“ لوگوں نے کہا: ”تمہارا

دامن صاف ہے۔“ اس کے بعد کہنے لگا: ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے عکاظ کے لوگوں کو کہا تھا کہ وہ (جنگ میں) تمہاری مدد کریں، انہوں نے مدد سے انکار کیا تو میں نے اپنے خاندان کے لوگوں، اولاد اور ان تمام افراد کو تمہارے سامنے لاکھڑا کیا جنہوں نے میری بات کو مانا۔“ قریش کے لوگ کہنے لگے: ”کیوں نہیں! آپ کی یہ باتیں بالکل برحق ہیں۔“

اب کے عروہ بن مسعود کہنے لگے: ”اگر یہ بات ہے تو پھر اس شخص (محمد کریم ﷺ) نے تمہارے سامنے ایک بہترین لائحہ عمل رکھا ہے، تم لوگ اسے قبول کر لو اور مجھے اس (محمد کریم ﷺ) کے پاس گفتگو کے لیے جانے دو۔“ سب بولے: ”ہاں، ہاں! آپ ضرور جائیں۔“

عروہ بن مسعود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچے اور گفتگو کا آغاز کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے عروہ سے بھی وہی باتیں کہیں جو اس سے قبل بدیل سے کہہ چکے تھے۔ یہ ساری باتیں سن کر عروہ کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) اس بارے آپ کا کیا خیال ہے، فرض کریں آپ اپنی قوم (قریش مکہ) کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر دیتے ہیں تو کیا آپ (ﷺ) نے اس سے قبل کبھی یہ سنا کہ عربوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی ہی قوم کو تباہ و برباد کر دیا ہو؟ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے کہ قریش آپ لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر دیں تو تب کیا ہوگا؟ مجھے تو پھر یہی نظر آ رہا ہے کہ اللہ کی قسم! یہ جو چہرے ہیں (صحابہ کی طرف اشارہ کر کے) بھلوڑے لوگوں کے چہرے ہیں، جو بھاگ انھیں گے اور آپ کو چھوڑ کر اپنی راہ لیں گے۔“ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے عروہ کو کہا:

«إِمَّصَّصُ بَطْرَ اللَّاتِ، أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَ نَدْعُهُ؟»

”ارے جا! (اپنے معبود) لات (بت) کی شرمگاہ چوس لے، کیا ہم رسول اللہ ﷺ

کو چھوڑ دیں گے اور بھاگ جائیں گے؟“

عروہ کہنے لگا: ”یہ کون ہے؟“ صحابہ نے کہا: ”یہ جناب ابو بکرؓ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔“ اب عروہ، حضرت ابو بکرؓ سے کہنے لگا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمہارا مجھ پر ایک احسان ہے، میں اب تک اس کا بدلہ نہیں چکا سکا، اگر یہ احسان نہ ہوتا تو میں تمہیں

[ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة..... الخ : ۲۷۳۱،

۲۷۳۲۔ ابن حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحيح ]

قارئین کرام! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو لوگوں پر احسانات کرنے والے، نرم خور اور بڑے خلیق و بردبار انسان تھے، وہ اس وقت ٹپٹس اور جذبات میں آگئے جب عروہ نے ان صحابہ کو طعنہ دیا جو بدر و احد میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں فدا کرنے کی لاجواب اور شاندار تاریخ رقم کر چکے تھے۔ حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مکہ ہی نہیں مکہ کی جائدادیں اور بیوی بچے تک چھوڑ چکے تھے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بڑا برموقع اور باکمال ہے۔ عروہ کے ذریعے قریش کو یہ پیغام ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہونے کا طعنہ ہماری برداشت سے باہر ہے، نیز ایسا غلیظ طعنہ سن کر نرم جواب غیرت مندوں کی غیرت کا جنازہ ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیامت تک کے لیے غیرت مند مسلمانوں کو ایک سبق پڑھا دیا ہے۔ مزید برآں! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سخت جواب پر خاموش رہ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کر دیا ہے۔ کافر ایسا طعنہ دیں تو جواب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، مسلمان و زرائے خارجہ کو یہ نکتہ نوٹ کرنا چاہیے۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا دستہ اپنے چچا کے ہاتھ پر دے مارا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ عروہ بن مسعود دوبارہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے لگا۔ وہ جب گفتگو کرتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی پکڑتا۔ ادھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار اور سر پر خود تھی۔ عروہ جب بھی اپنا ہاتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی طرف بڑھاتا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار کا دستہ عروہ کے ہاتھ پر مارتے اور اسے کہتے:

«أَجْرُ يَدِكَ عَنْ رَحِيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا۔“

عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھنے لگا: ”یہ کون ہے؟“ صحابہ نے کہا: ”مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ“

ہے۔“ اب عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: ”اودعا باز! کیا میں نے تیری دعا بازی کی سزا سے تجھے بچایا نہیں؟“

بات یہ تھی کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے، اسلام قبول کرنے سے قبل جن لوگوں کے ہمراہ وہ رہتے تھے، ان کو قتل کر ڈالا تھا اور ان کا مال و دولت لے کر بھاگ نکلے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (مال بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور کہا کہ جو چاہیں آپ اس بارے میں حکم فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جہاں تک اسلام کی بات ہے میں اسے قبول کرتا ہوں اور جو مال ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔“

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد.....: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن حبان

: ۴۸۷۲/۲ و [سنادہ صحیح۔ مسند أحمد: ۴/۳۲۹۔ ح: ۱۸۹۵۲ و [سنادہ صحیح ]

چونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے، اس لیے عروہ بن مسعود نے اپنے بھتیجے کی خلاصی کے لیے دوڑ دھوپ کی تھی۔ اب جب اسے پتا چلا کہ جناب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نوجوان محافظ بن کر کھڑا ہے وہ میرا ہی بھتیجا ہے تو اس نے اپنے کیے ہوئے احسان کا طعنہ دے ڈالا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو اسلامی تاریخ کے ایک بڑے فاتح جرنیل بنے، انھیں کس قدر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے کہ پہلی بار تو عروہ نے داڑھی مبارک پکڑ لی مگر اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ نے اپنے چچا کو یہ گستاخی نہیں کرنے دی۔ محافظ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار کے ایلچی کو یہ پیغام دیا کہ وہ اپنے حکمران، جرنیل اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا عجب انداز:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مردان رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق اس کے بعد تو عروہ پھٹی پھٹی لگا ہوں سے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھنے لگا کہ وہ تعلق و محبت کے کیا کیا مناظر پیش کرتے ہیں، وہ واپس قریش کے پاس گیا تو ان کے سامنے کچھ اس طرح نقشہ کھینچنے لگا:



”اے قوم کے لوگو! اللہ کی قسم! میں کئی بادشاہوں کے درباروں میں وفود لے کر گیا ہوں، حتیٰ کہ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں مگر اللہ کی قسم! میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کی تعظیم و توقیر اس کے لوگ اس حد تک کرتے ہوں جس حد تک محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے لعاب بھی تھوک دیا تو ان کے اصحاب نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیا، آپ (ﷺ) نے انھیں اگر کوئی حکم دیا تو ہر شخص نے اسے بجالانے میں ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کی۔ آپ (ﷺ) نے اگر وضو کیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ (ﷺ) کے وضو پر لڑائی ہو جائے گی۔ آپ (ﷺ) نے جب گفتگو شروع کی تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ ان کے دلوں میں آپ (ﷺ) کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ آپ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ انھوں نے تمہارے سامنے ایک بھلی صورت رکھی ہے، تمہیں چاہیے کہ اسے قبول کر لو۔“

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد ..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ ابن

حبان : ۴۸۷۲/۲ و إسناده صحیح ]

قارئین کرام! تمام مسلمانوں نے اپنے رسول ﷺ اور سپریم کمانڈر جناب محمد ﷺ کے ساتھ الفت و محبت، تعظیم و توقیر اور اطاعت و فرماں برداری کا جو بے مثال نمونہ پیش کیا، اس نے قریش مکہ کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ انھیں باور کرا دیا کہ اپنے حکمران سے اس درجہ محبت کرنے والے متحد لوگ جب ہم قریش سے مقابلے کے لیے سامنے آئیں گے تو ہمارا حشر نشر کر دیں گے۔ آج کے حکمرانوں کو بھی یہ نکتہ سمجھنا ہو گا کہ اگر انھیں اپنی رعایا کی محبت اور اعتماد حاصل ہو گا تو وہ دشمنوں سے بخوبی مقابلہ کر پائیں گے اور اگر ان کی حکمرانی کا طرز عمل اپنے عوام کے خلاف لوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور دغا بازی پر مشتمل ہو گا تو وہ کئی پھٹی اور منتشر قوم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ایسی قوم کے حکمرانوں کو دشمن بھی کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

عروہ بن مسعود جو یہ مناظر دیکھ کر گئے تھے، ان کا اثر ان کی ذات پر اس درجہ ہوا کہ انھوں نے بعد ازاں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور یوں وہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ بن گئے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحابہ نے حدیبیہ میں آپ ﷺ کا تھوک مبارک جسم پر

ملنے اور وضو کا پانی دوڑ دوڑ کر لینے کا جو مظاہرہ کیا، ایسا محبت آمیز منظر اور کہیں نظر نہیں آتا۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے اس موقع پر حد درجہ باکمال، روشن خیال اور دانشمندانہ روش کا اظہار کیا۔ اس روش نے نتیجہ یہ دکھلایا کہ قریش جو جنگ پر تلے بیٹھے تھے، وہ صلح و امن قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔

### قربانی کے جانور آگے کر دو:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم کی روایت کے مطابق اس کے بعد بنو کنانہ کا ایک شخص کھڑا ہوا۔ جس کا نام حلیس بن علقمہ تھا۔ وہ کہنے لگا: ”مجھے بھی اجازت دو، میں بھی مسلمانوں کے پاس جاتا ہوں۔“ اہل مجلس نے کہا: ”تم بھی ہو آؤ۔“ جب حلیس..... اللہ کے رسول ﷺ اور اصحاب رسول کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ سے فرمانے لگے: ”یہ فلاں شخص جو آرہا ہے اس کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو ”ہدی“ (یعنی بیت اللہ جانے والے قربانی کے جانوروں) کا بہت احترام کرتی ہے، لہذا قربانی کے جانور اس کے سامنے کر دو۔“

صحابہ نے یہ جانور اس کے سامنے کر دیے اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب بنو کنانہ کے شخص نے یہ منظر دیکھا تو پکار اٹھا: ”سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکا جائے؟ یہ تو قطعاً مناسب نہیں۔“

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة..... الخ: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

قارئین کرام! اس سے معلوم ہوا کہ مخالف کو اپنا ہمنوا یا ہمدرد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے جو خیالات اور رجحانات ہیں ان کے بارے میں معلوم کیا جائے اور پھر ان معلومات کی بنیاد پر طرز عمل اختیار کیا جائے، حکمرانوں اور سفیروں کو یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کرنا چاہیے۔

ہاں! البتہ یہ بھی پیش نظر رہے کہ غیر مسلموں کو خوش کرنے کے لیے ایسا طرز عمل مت اپنایا جائے جس سے اسلام پہ حرف آئے، نام نہاد روشن خیالی کے نام پر ایسا کیا گیا تو الٹا اثر ہوگا اور عزت و وقار خاک میں مل جائے گا۔

بھڑکتی جنگ کے شعلوں کو اللہ نے بجھا دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ کے باسیوں میں سے 80 جوان متعمیم کے پہاڑ سے اترے۔ وہ پوری طرح اسلحہ سے لیس تھے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ پر حملہ کے لیے آئے تھے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ پر بے خبری میں ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو لڑے بغیر پکڑ لیا اور پھر انہیں چھوڑ بھی دیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُوَ الَّذِي لَغَا آيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَايْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ ﴾ [الفتح: ۲۴/۴۸]

”وہی اللہ تو ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم پر یلغار کرنے سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو انہیں ذبح کرنے سے اس وقت روک دیا جب تم لوگوں کو ان پر قابو پانے کی قوت سے نواز چکا تھا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد و السیر، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ ۱۸۰۸]

مسند احمد میں ہے کہ کفار کے اسی (۸۰) آدمی ہتھیاروں سے لیس جبل متعمیم کی جانب سے خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف اتر آئے۔ آپ ﷺ غافل نہ تھے۔ آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کو آگاہ کیا، چنانچہ یہ سب گرفتار کر لیے گئے اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے گئے۔ آپ ﷺ نے کمال مہربانی سے درگزر کیا اور سب کو زندہ چھوڑ دیا۔

[مسند احمد: ۱۲۴/۳، ۱۲۵، ح: ۱۲۲۶۲ و اسنادہ صحیح۔ مسلم: ۱۸۰۸]

جی ہاں! رسول رحمت جو احرام کی حالت میں تھے، انھوں نے ان کا خون بہانے سے ہاتھ ہی نہ روکا بلکہ قیدی بھی نہ بنایا اور چھوڑ دیا۔ یہ ایک بہت بڑا پیغام تھا کہ محمد کریم ﷺ قریش مکہ کے چھوڑنے کی شرطوں کے باوجود امن اور صلح چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اس طرز عمل نے قریش کے لوگوں کو اخلاقی طور پر اوندھے منہ گرا دیا۔ بہر حال! اللہ کے رسول گرامی ﷺ نے اب فیصلہ کیا کہ قریش کی جانب اپنا بھی کوئی سفیر بھیجتا چاہیے جو قریش کو ہمارا

مقصد اچھی طرح سمجھائے اور انھیں قائل کرے۔

چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا انھیں وہاں صلاح مشوروں میں ناظم زیادہ لگ گیا جس کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے جہاد و قتال کرنے کی بیعت لینے کا پروگرام بنا لیا۔ پروگرام یہی تھا کہ بیعت لے لی جائے اور اگر شہادت کی خبر درست ہو تو پھر بھر پور لڑائی کر کے بدلہ لیا جائے کہ سفیر کا قتل اس دور میں بھی انتہائی گھٹیا حرکت اور جنگ بھڑکانے کا اقدام سمجھا جاتا تھا۔

### درخت کے نیچے بیعت:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”درخت والے دن میں بھی موجود تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ وہ ٹہنیاں جو اللہ کے رسول ﷺ کے سر مبارک پر تھیں، میں ان کو اٹھائے کھڑا تھا۔“

[مسلم، کتاب الإمامة، باب استحباب مبايعة الإمام الحشيش ..... الخ: ۱۸۵۸]

حدیبیہ کے مقام پر میں نے دیکھا کہ آج بھی وہاں بے شمار جنگلی کیکر ہیں۔ جنگلی کیکر کی کانٹے دار ٹہنیوں کا پھیلاؤ زیادہ اور سایہ کم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا قد بڑا نہیں ہوتا۔

بخاری کی روایات (۳۱۸۷ تا ۳۱۸۹) کے مطابق چودہ سو صحابہ انھی درختوں کی چھاؤں میں پھیلے ہوئے بیٹھے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر جہاد و قتال کی بیعت لی، اس لیے کہ مسلمانوں کی طرف سے اس قدر نرمی کے باوجود وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرتے ہیں تو سفیر کا قتل جہالت و سنگدلی کی انتہا ہے۔ اس موقع پر جنگ ضروری ہے، لہذا آپ ﷺ نے مضبوط قدم اٹھایا اور بیعت لینا شروع کی۔

صحیح مسلم کی روایت (۱۸۰۷) کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی پھر درمیان میں اور آخر پر، یعنی تین بار بیعت کی۔ الغرض، تمام صحابہ جمع ہو گئے اور سب نے بیعت کی۔

صحیح بخاری (۳۱۶۹) اور مسلم (۱۸۲۰) کی روایت کے مطابق حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ہم نے یہ بیعت موت پر کی۔“ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت معقل بن یسار اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

«بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ»

[مسلم، کتاب الإمامة، باب استحباب مبايعة الإمام الحيش ..... الخ: ۱۸۵۶، ۱۸۵۸]

”آپ ﷺ کی بیعت اس عہد پر کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔“

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

«بَايَعَهُمْ عَلَى الصَّبْرِ»

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا: ۲۹۵۸]

”صحابہ نے ڈٹ جانے پر بیعت کی۔“

امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا ساری باتوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے بیعت لی اور یہ ایسی مبارک بیعت تھی کہ اللہ نے بیعت کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبِيعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ

فَأَنْزَلَ السَّلِيمَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنَابَهُمْ فَتَمَّاقَرِينَا﴾ [الفتح: ۱۸/۴۸]

”بے شک اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا، جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اسے معلوم ہو گیا، اس نے ان پر الطمینان نازل فرمایا اور انھیں جلد ہی فتح دے دی۔“

قریش کو مسلمانوں کی بیعت جنگ اور عزم مصمم کا پتا چلا تو انھوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کیا مگر مرکز بن حفص نامی شخص خود ہی قریش کو یہ کہہ کر کہ میں بھی محمد (ﷺ) کے پاس جاتا ہوں، چلا آیا تھا۔ یہ شرارتی قسم کا آدمی تھا۔ صحیح بخاری (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بدترین آدمی کہا تھا۔ قریش کو احساس ہوا کہ اس شخص کا حدیبیہ میں چلے جانا کہیں مزید خرابی کا باعث نہ بن جائے، چنانچہ انھوں نے فوراً ایک دانا اور سمجھدار سردار سہیل بن عمرو کو صلح کے اختیارات دے کر روانہ کر دیا۔

## سہیل آیا اور صلح کا راستہ سہل ہو گیا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش مکہ نے عامر بن لوئی قبیلہ کے ایک سردار سہیل بن عمرو کو بھیجا اور اسے کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کرو لیکن یاد رہے کہ ان کے ساتھ صلح میں یہ بات بہر صورت ہو کہ وہ اس سال واپس جائیں گے، ہمارے پاس بالکل نہیں آئیں گے۔ اگر انھیں آنے دیا گیا تو اللہ کی قسم! سارے عرب میں یہی بات مشہور ہو جائے گی کہ وہ محض اپنے زور کے بل بوتے پر مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ صحابہ کہتے ہیں مگر زابھی اللہ کے رسول ﷺ سے گفتگو کرنے ہی لگا تھا کہ سہیل بن عمرو آن پہنچا، جب وہ آ رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے کہا:

« قَدْ سَهَّلَ اللَّهُ أَمْرَكُمْ »

”اللہ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے۔“

سہیل نے آتے ہی اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ”آئیے! اپنے اور ہمارے درمیان تحریر لکھیے۔“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے کاتب کو بلوایا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور مشرکوں کے درمیان صلح کے معاہدہ کی تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

اس پر سہیل اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا: ”یہ جو رحمان ہے، اللہ کی قسم! میں تو نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ تم ”بِسْمِكَ اللَّهُمَّ“ (اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ) لکھو، جس طرح پہلے لکھا جاتا ہے۔“

مسلمان کہنے لگے: ”اللہ کی قسم!“ ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ کی بجائے کوئی دوسرا جملہ ہمیں نہیں لکھنا چاہیے۔“ اس پر اللہ کے رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ”بِسْمِكَ اللَّهُمَّ“ لکھ دو۔ پھر آپ ﷺ نے کہا لکھو:

”یہ صلح کا جو فیصلہ ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہے۔“

سہیل نے پھر اعتراض کر دیا، کہنے لگا: ”اگر ہمیں یہ علم ہو جاتا کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو ہم آپ کو نہ تو بیت اللہ کی زیارت سے روکتے اور نہ آپ سے لڑائی ہی کرتے، ہاں یہ لکھو کہ یہ تحریر محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہے۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں تو اللہ کا رسول ہوں، تم اگرچہ مجھے جھٹلاتے پھرو، چلو! محمد بن عبداللہ ہی لکھ دو۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ”رسول اللہ“ کا لفظ مٹا دو۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”میں کس طرح مٹاؤں؟“

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس لفظ کو مٹا دیا۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

مسند أحمد : ۴ / ۳۲۸ تا ۳۳۰، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۴۸۷۲ و

[إسناده صحيح]

### صلح حدیبیہ کی شرائط :

(۱) سہیل نے کہا: ”ہم اس سال بیت اللہ کی زیارت نہیں کرنے دیں گے، البتہ آئندہ سال کے لیے اجازت ہے۔“

اس سال آپ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں نہ آئیں اگلے سال آئیں۔ جب تم لوگ آؤ گے ہم مکہ سے باہر نکل جائیں گے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئیں۔ تین دن مکہ میں قیام کریں۔ تمہارے پاس ہتھیار اس قدر ہی ہوں جس قدر ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں اور تلواریں میان میں رہیں۔“

[بخاری (۲۷۳۲، ۲۷۳۱) مسلم : ۱۷۸۳۔ مسند أحمد : ۴ / ۳۳۰، ح : ۱۸۹۵۲ و

[إسناده صحيح]

(۲) سہیل نے کہا: ”یہ شرط بھی لکھ لو کہ ہماری طرف سے جو بھی شخص تمہارے پاس جائے گا، بے شک وہ تمہارے دین ہی پر کیوں نہ ہو، آپ کے ذمہ ہوگا کہ اس شخص کو ہمارے حوالے کر دیں۔“

[بخاری : ۴۱۸۰، ۴۱۸۱۔ مسند أحمد : ۴ / ۳۳۰، ح : ۱۸۹۵۲ و إسناده صحيح]

قارئین کرام! اس صلح کی مدت (۱۰) سال قرار پائی تھی۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ یہ بھی طے پایا کہ فریقین میں سے جو شخص پسند کرے کہ وہ محمد (ﷺ) کے عہد و پیمان میں داخل ہو تو

اسے اجازت ہے۔ جو نبی تحریر مکمل ہوئی خزانہ قبیلے کے لوگ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم اللہ کے رسول ﷺ کے عہد و پیمان میں آتے ہیں۔ ساتھ ہی بنو بکر کے لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے ہم قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

ابو جندل بیڑیاں گھسیٹتا مسلمانوں کے درمیان آن گرا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت ابو جندل مسلمان تھے۔ مشرکوں نے انھیں مکہ میں قید کر رکھا تھا۔ ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے۔ انھوں نے جب سنا کہ حضور نبی کریم ﷺ حدیبیہ میں تشریف لائے ہیں تو وہ کسی نہ کسی طرح موقع پا کر نکلے اور زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آ گئے۔

سہیل کی یہ شرط کہ ہماری طرف سے جو بھی آدمی، خواہ وہ مسلمان ہو، آپ کی طرف بھاگ کر جائے گا تو تمہیں واپس کرنا ہوگا، اسے سن کر مسلمان کہنے لگے: ”سبحان اللہ! ایک شخص مسلمان ہے، اسے کس طرح مشرکوں کے سپرد کیا جا سکتا ہے؟“ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سہیل ہی کا بیٹا ابو جندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں کو گھسیٹتا ہوا آن پہنچا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ کے نشیبی علاقے کی طرف سے بھاگے تھے۔ انھوں نے خود کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ سہیل کہنے لگا: ”اے محمد! (ﷺ) یہ پہلا شخص ہے جس کے لیے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اس کو میرے حوالے کر دیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابھی تو ہم نے تحریر کو مکمل نہیں کیا ہے۔“

اس پر سہیل کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! یہ بات ہے تو میں کسی بھی بنیاد پر آپ سے صلح نہیں کروں گا۔“ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے اس سے کہا: ”اچھا، چلو پھر ابو جندل مجھے دے کر احسان ہی کر دے۔“

سہیل کہنے لگا: ”نہیں، میں یہ احسان نہیں کر سکتا۔“ آپ ﷺ نے پھر کہا: ”نہیں، یہ احسان تو کر ہی دینا چاہیے۔“

سہیل بولا: ”نہیں، میں نہیں کر سکتا۔“ مکرز نے کہا: ”چلو یہ احسان کر دیتے ہیں۔“ لیکن



سہیل نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔ اب ابو جندل مسلمانوں کے سامنے دہائیاں دینے لگا: ”اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا اب مجھے ان مشرکوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا؟“

[ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

مسند أحمد : ۳۳۰ / ۴، ح : ۱۸۹۵۲ و [سنادہ صحیح]

الغرض، سہیل اپنے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو طمانچے مارتا ہوا لے گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشانی میں مبتلا:

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مردان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل مکالمہ کیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول نہیں؟“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم : ”کیوں نہیں!“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ”کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر؟“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم : ”کیوں نہیں!“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ”یہ بات ہے تو پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں دبے کیوں ہیں؟“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم : ”یاد رکھو! میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا، اللہ ہی میرا

مددگار ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے

اور اس کا طواف کریں گے؟“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم : ”ٹھیک ہے، لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ جائیں گے

اور اس کا طواف کریں گے؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ : ”نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔“

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم : ”پھر اے عمر! یاد رکھو! تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے یہ انداز اختیار کرنے کی جو جسارت کی، اس کے

مداوے کے لیے بہت سے نیک اعمال کیے۔“

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسند  
أحمد : ۳/ ۳۳۰، ۳۳۱، ح : ۱۸۹۵۲ و [سنادہ صحیح]

صحابہ کا غم میں ڈوبنے کا منظر:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صلح نامے سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا: ”اٹھو! جانور قربان کرو اور سر منڈاؤ۔“ اللہ کی قسم! ان لوگوں میں سے ایک شخص بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا جملہ تین بار دہرایا، پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں چلے گئے اور ان کے سامنے صحابہ کے طرز عمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”اے اللہ کے نبی! ﷺ اگر آپ ﷺ قربانی کرنا پسند کرتے ہیں؟ تو پھر آپ ﷺ باہر تشریف لے جائیں، کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ آپ اپنا جانور قربان کر دیں اور اپنے حجام کو بلا لیں جو آپ کے بال مونڈ دے۔“ مسند احمد میں یہ بھی لفظ ہیں: ”یہ لوگ اس وقت جس صدمے سے دوچار ہیں آپ اسے بخوبی جانتے ہیں۔“

چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ خیمے سے باہر نکلے، کسی سے کچھ نہیں کہا اور خود عمل پیش کر دیا۔ اپنا اونٹ بھی قربان کر دیا، حجام کو بلوایا اور اس نے آپ ﷺ کا سر بھی مونڈ دیا۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جانور قربان کرنے لگے۔ آپس میں ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ رنج و غم میں ڈوبے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔ مسند  
أحمد : ۴/ ۳۳۰، ۳۳۱، ح : ۱۸۹۵۲ و [سنادہ صحیح]

صحابہ صلح کی دفعات پر اس قدر پریشان تھے کہ انھیں اپنے آپ کا ہوش ہی نہ رہا تھا۔ ان حالات میں مومنوں کی ماں اور رسول کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ کا مشورہ خوب کارگر ثابت ہوا، عورت کے مقام کا بھی پتا چلا کہ حکمران مدینہ اور سالار صحابہ نے اپنے حکم کے نفاذ کا بہترین اور کارگر مشورہ حاصل کیا تو اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے۔

غم واندوہ میں ڈوبی صحابہ کی حالت جب معمول پر آگئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا:

« إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللَّهُ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ قُرْبًا وَمَخْرَجًا »

”جو ہمیں چھوڑ کر مشرکوں سے جا ملا ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے، اچھا ہوا کہ اسے اللہ نے ہم سے دور کر دیا اور جو شخص ان مشرکوں میں سے نکل کر ہمارے پاس آئے گا تو اللہ اس کے لیے وسعت پیدا کرے گا اور کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب صلح الحديبية: ۱۷۸۴]

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے ان کی ہمت یوں بندھائی:

« أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ »

”آج کے روز تم لوگ تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔“

[مسلم، کتاب الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش..... الخ: ۱۸۵۶]

آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ خوشخبری بھی سنائی:

« لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا »

”درخت والوں میں سے ہر وہ شخص، جس نے درخت کے نیچے بیعت کی، ان شاء اللہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔“

[مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أصحاب الشجرة..... الخ: ۲۴۹۶]

مسند أحمد: ۴۲۰/۶، ح: ۲۷۴۲۹ و إسناده صحيح۔ أبو داود: ۴۶۵۳ و إسناده صحيح۔

[ترمذی: ۳۸۶۰ إسناده صحيح]

جب مشرک کی مومنہ بیٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئی:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت مسور اور مروان رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں: ”مدت صلح میں (مکہ سے فرار ہو کر) جو بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا آپ ﷺ اسے واپس کر دیتے، اگرچہ وہ مسلمان ہی ہوتا، لیکن اس مدت میں بعض مومن عورتیں بھی ہجرت کر کے مکہ سے آئیں، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ان عورتوں میں سے ہیں جو اس

مدت میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آئی تھیں، وہ اس وقت نوجوان تھیں، ان کے گھر والے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا کہ وہ انھیں واپس کر دیں، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کے بارے میں حکم نازل کیا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية: ٤١٨٠، ٤١٨١]

قارئین کرام! اللہ کا یہ حکم قرآن کی سورہ ممتحنہ میں ہے۔ دسویں آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کرتے ہوئے (مکہ چھوڑ کر مدینہ میں) تمہارے پاس آجائیں تو ان کی جانچ پڑتال کر لو باقی ان کے ایمان (کی سچائی کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اب اگر تم اپنی حد تک معلوم کر لو کہ وہ واقعی ایمان والیاں ہیں تو انھیں واپس کافروں کے حوالے مت کرو، اب یہ مومن عورتیں ان کافر خاندانوں کے لیے جائز نہیں رہیں اور نہ وہ کافر خاند ہی ان مومنات کے لیے حلال رہے ہیں۔“

قارئین کرام! حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ مشرک جب عورتوں کو لینے آئے تو مسلمانوں کی طرف سے انھیں یہ جواب بھی ملا کہ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں مرد حضرات کو واپس کرنے کی شرط تو موجود تھی جبکہ عورتوں کا اس معاہدے میں کوئی ذکر نہیں، لہذا ہم معاہدے کی رو سے عورتوں کو واپس کرنے کے پابند نہیں۔

اسی طرح سورہ ممتحنہ کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی کافر عورتوں کو نکاح میں مت رکھیں چنانچہ مسلمانوں نے فوراً عمل کیا، جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الشروط (٢٤٣١، ٢٤٣٢) میں ہے کہ سورہ ممتحنہ کی آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو طلاق دے دی۔ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے تو معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جبکہ دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔

قارئین کرام! یہ تھا اسلام کا معاشرہ جو توحید پر استوار ہو رہا تھا۔ اس معاشرے میں مومن کے گھر مشرک عورت ہو، یا مومن عورت مشرک کے نکاح میں ہو، اسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار

دے دیا، لہذا رشتوں کی بنیاد خونی رشتہ داری نہیں بلکہ ایمان قرار پایا۔

ستاروں کی تاثیر کے عقیدہ پر کاری ضرب:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم حدیبیہ کے مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ رات کو بارش برسی رہی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو رخ انور ہماری طرف کیا اور فرمایا:

«أَتَذَرُونِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟»

”کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟“

ہم نے عرض کیا: ”اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں۔“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں نے آج صبح اس حال میں کی ہے کہ کچھ تو مجھ پر ایمان رکھے ہوئے ہیں اور کچھ نے میرے ساتھ کفر کر ڈالا ہے۔ اس طرح کہ جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش اللہ کی رحمت سے ہوئی، اللہ کی عنایت اور اللہ کے فضل سے ہوئی، وہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کی تاثیر کا انکار کرنے والا ہے اور وہ شخص کہ جس نے اس موقع پر یہ کہا کہ یہ بارش فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوئی ہے، وہ ستاروں پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔“

[بحاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية: ٤١٤٧]

چودہ سو سال قبل کے بت پرستانہ معاشروں میں ستاروں کی پرستش کا خوب چلن تھا۔ اس کے علمبردار یونانی تھے۔ عراق اور ایران کے ”صابی“ بھی ستارہ پرست تھے۔ جزیرہ عرب میں بھی یہی چلن تھا۔ حیرت اور افسوس ہوتا ہے کہ آج کے سائنسی دور میں بھی وہی پرانی جہالت اپنے عروج پر ہے۔ عیسائی، یہودی، ہندو اور بدھ مت کے معاشروں میں جو اخبارات اور میگزین چھپتے ہیں اور ٹی وی چینلز چلتے ہیں ان میں ستاروں کی تاثیر کے فیچر باقاعدگی سے شائع اور نشر ہوتے ہیں۔ زائچے بننے اور تقدیریں معلوم کی جاتی ہیں۔ رونے کا مقام ہے کہ مسلمان معاشروں کا چلن بھی اسی طرح کا بن چکا ہے۔ ”یہ ہفتہ کیسے گزرے گا“ کے عنوان سے ہمارے

میگزین بھی ستارہ پرستی میں کسی سے کم نہیں۔

ستاروں کے جو موجودہ نام ہیں، ہم نے ان پر تحقیق کی تو حیرت میں ڈوب گئے کہ ہر نام اپنے ساتھ شرک کی آلودگی لیے ہوئے ہے۔ قدیم دور سے معلوم ستاروں سے متعلق شرکیہ تصور تو تھا ہی، آج کے سائنسی دور میں بھی جو ستارے دریافت ہوئے ان کے نام بھی دیوتا پرستی کے مشرکانہ عقائد کے مطابق ہی رکھے گئے۔ آئیے ایک نظر اس پہ ڈالیں۔ سورج کو Sun God کہہ کر ایک دیوتا کے روپ میں پیش کیا گیا ہے جبکہ دیگر ستاروں کو حاکم ستارے کہا جاتا ہے، یعنی جن کا حکم چلتا ہے۔ ان ستاروں کے نام بھی ان دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں جن کی پوجا یونان کے مشرک کرتے تھے، ملاحظہ ہوں ان کے نام اور تفصیل:

(۱) مرمری : دیوتاؤں کا قاصد جو ہوا کے دوش پر اڑتا ہے۔

(۲) وینس : حسن کی دیوی (Goddess Of Beauty)

(۳) مرغ : جنگ کا دیوتا (God Of War)

(۴) یورے نس : آسمان کا دیوتا۔

(۵) نیپچون : سمندر کا دیوتا۔

قارئین کرام! اب ستاروں کے جہر منوں کے نام ملاحظہ کریں۔ انگریزی اور یونانی زبانوں کے ان ناموں میں شرک دکھائی دے گا، یا پھر درندہ جانوروں کے نام پر درندگی دکھائی دے گی۔

(۱) God Of War باز

(۲) Arcturus ریچھ

(۳) Wolf بھیڑیا

(۴) Procyon کتا

(۵) Canopus قدیم مصری دیوتا جس نے یونان اور روم کی پوجا کی۔

قارئین کرام! اب برجوں کی تفصیل ملاحظہ کیجیے کہ سورج اپنے سالانہ چکر میں مختلف برجوں میں ہو کر گزرتا ہے۔ بڑا دیوتا یعنی سورج جب جس برج میں ہوتا ہے، اس دوران وہاں

کا برج کیا تاثیر دکھلاتا ہے، ملاحظہ ہو۔

### (Star Buzz) ستارے کیا کہتے ہیں؟

- (۱) برج حمل (مینڈھا) تصوف کے دانشمندانہ دور میں داخلہ۔  
 (۲) برج ثور (Bull) تقدیر بدلنے والی ہے۔  
 (۳) برج جوزا (جڑواں) مستقبل کے جیون ساتھی سے ملاقات۔  
 (۴) برج سرطان (Cancer) طویل المعاد منصوبے۔  
 (۵) برج اسد (Leo) پوپ نے روم کو بربروں (مسلمانوں) کے حملوں سے بچالیا۔  
 (۶) برج سنبلہ کنواری ”تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“  
 (۷) برج میزان Balance نشہ آور مشروبات ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کریں۔  
 (۸) برج عقرب بچھو گھر اور اردگرد کے کاموں میں سستی پیدا ہوگی۔  
 (۹) برج قوس (تیر) چانس لینے پر زور رہے گا۔  
 (۱۰) برج جدی سمندری بکری موسیقی سنیے۔  
 (۱۱) برج دلو Water بیوی بچے سستی سے جواب دیں گے۔  
 (۱۲) برج حوت Fish 24 گھنٹوں میں تقدیر بدل جائے گی۔

قارئین کرام! اب مثال کے طور پر کسی کی تاریخ پیدائش برج عقرب کے مطابق ہے تو اس کی تقدیر اور قسمت کا جو زائچہ بنے گا وہ ممتاز امریکی ماہر نجوم سڈنی اومار کے زائچوں کی روشنی میں یوں بنے گا۔ ملاحظہ ہو:

### تعارف برج عقرب:

نشانی	.....	بچھو
عنصر	.....	پانی
حاکم سیارہ	.....	مریخ اور پلوٹو
خوش بختی کا ہندسہ	.....	5-3

پکھراج

سعد یعنی خوش بختی کا پتھر

گہرا سرخ اور سیاہ

موافق رنگ

قارئین کرام! جو لوگ مندرجہ بالا طریقے سے اپنی قسمتیں معلوم کر کے اپنے عقیدے کا ستیاناس کرتے پھر رہے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عرب کے مشرک۔ شعری ستارے سے اپنی قسمت وابستہ کر کے اس کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ هَوْرَبُ الشَّعْرَى﴾ [النجم: ۴۹/۵۳]

”اصل بات یہی ہے کہ اللہ ہی شعری ستارے کا رب ہے۔“

اسی طرح سورہ رحمان میں فرمایا:

﴿الْقَامِسُ وَالْقَمَرُ يُحْسِبَانِ ۝ وَاللَّجَمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝﴾ [الرحمن: ۶۰/۵۵]

”سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں اور یہ ستارے اور درخت

(اللہ ہی کو) سجدہ کر رہے ہیں۔“

صحیح بخاری (۱۶۱۰) اور صحیح مسلم (۱۲۷۰) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے کہا: ”اللہ کی قسم! تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان دے سکتا ہے، اگر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے چوم رہے ہیں تو کبھی نہ چومتا۔“

جی ہاں! یہ ہے وہ عقیدہ جو اللہ تعالیٰ نے سبھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا، صحابہ نے عمل کر کے دکھلایا، لہذا پکھراج اور فیروزے وغیرہ کے گینوں کے پتھروں کو سعد سمجھنے والو! برج کے موافق گینے کا رنگ منتخب کرنے والو! پتھروں کی پوجا کو چھوڑو اور اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگو۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَتَحْنُ لَهُ عِيدُونَ﴾ [البقرة: ۱۳۸/۲]

”اللہ کا رنگ! اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کس کا رنگ خوبصورت ہو سکتا ہے۔ (جو

اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، وہ بے ساختہ کہتے ہیں) ہم تو اسی کی عبادت

کرنے والے نہیں گے۔“



قارئین کرام! تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ کھربوں گلیکسیوں میں سے وہ گلیکسی یعنی کہکشاں کہ جس میں ہمارا نظام شمسی ہے، اس گلیکسی کو ملکی وے کہا جاتا ہے۔ اس میں ایٹمی دوربین کے ذریعہ دو سو بلین سورج دیکھے گئے ہیں۔ اس سے بڑی کہکشاؤں میں ٹریلین یعنی کھربوں ستارے ہیں۔ پھر ہر ستارے کے گرد اس کے سیارے اور چاند گھوم رہے ہیں۔

اس لامتناہی نظام کو کائنات (Universe) کہا جاتا ہے اور اب تو صورتحال یہ ہے کہ سائنسدان کہتے ہیں اس کائنات جیسی بے شمار کائناتیں موجود ہیں۔ سائنسدانوں نے اس نظریے کے مطابق (Multiverse) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ نے قرآن کا آغاز ہی یہاں سے کیا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

”سب تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

جی ہاں! وہ کائناتیں جس تعداد میں بھی ہیں اللہ کے ہاں کفایتی شدہ ہیں۔ ہم مخلوق کے لیے بے شمار ہیں چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اس سائنسی دور میں جب کوئی ستاروں سے قسمت معلوم کرتا ہے تو اس کی جہالت اور اندھیر خیالی پر رونا آتا ہے۔

اور جو مسلمان ایسا کرتا ہے اس کی بد قسمتی پر افسوس ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی موجودگی میں گمراہی کی گھنا ٹوپ اندھیر خیالی میں جا پڑا ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ کے میدان میں اس اندھیر خیالی سے آگاہ فرما دیا تھا۔

اب آپ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ راستے میں ”سورہ فتح“ نازل ہوئی۔ اللہ نے صلح کو فتح اسی لیے کہا کہ اب امن کے ماحول میں دعوت پھیلے گی۔ بت پرستی اور ستارہ پرستی نابود ہوگی اور توحید جگمگائے گی۔

عورتوں سے مصافحہ نہیں، زبانی بیعت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”مومن عورتیں اس بات یعنی ایمان پر جب ہجرت کر کے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرتی تھیں تو اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے فرمان کے مطابق ان کی جانچ پڑتال کر لیتے۔“ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ تھا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبِيَّنَّكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسُوْفْنَ

وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهَتَّانِ يَفْتَرِيْنَ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ  
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوفٍ قَبْلَ يَعْنُونَ وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللهُ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

[الممتحنة: ١٢/٦٠]

”اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ اور پاؤں میں کوئی (بدکاری یا بدچلنی کا) بہتان گھڑ کر لائیں گی اور کسی نیک معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی، تو آپ ان سے بیعت بھی لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگ لگیں، اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید بتلاتی ہیں: ”ان مہاجر مومن عورتوں میں جو عورت ان شرائط کا اقرار کر لیتی اس کے بارے میں سمجھا جاتا کہ یہ خاتون امتحان میں کامیاب ہو گئی، چنانچہ جب یہ خواتین اپنی زبان سے اقرار کر لیتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ان سے فرماتے:

﴿إِنِّطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُنَّ﴾

”میں نے تم سے بیعت لے لی، اب جاؤ۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”اللہ کی قسم! بیعت لیتے وقت اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ مبارک کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، بس آپ ﷺ گفتگو کے ذریعہ ہی بیعت لیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں سے صرف انھی باتوں پر عہد لیا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔“

[بخاری، کتاب الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ..... الخ: ٥٢٨٨]

سبحان اللہ! اللہ کے رسول ﷺ نے کیا پاکیزہ معاشرہ تشکیل دیا۔ مشرکوں کی بیٹیاں، بیویاں اور بہنیں محض ایمان کی بنیاد پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے مدینہ آ رہی ہیں اور مومنوں سے نکاح کر رہی ہیں، جبکہ مومن مرد کہ جن کی جو بیویاں مسلمان نہیں ہوتیں، ہجرت نہیں کرتیں، مشرکوں کے ساتھ رہتے ہوئے مشرک رہتی ہیں، ان کے خاوند جو مسلمان ہیں، وہ انھیں طلاقیں دے رہے ہیں۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے تو ایک روز قریش کا ایک جوان ابوبصیر رضی اللہ عنہ جو مسلمان تھا، بھاگ کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آگیا۔ قریش کے لوگوں نے اسے واپس لانے کے لیے دو آدمی روانہ کیے۔ انھوں نے آکر اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ”ہم وہی عہد یاد دلانے کے لیے آئے ہیں، جو آپ (ﷺ) نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے۔“ چنانچہ آپ (ﷺ) نے ابوبصیر (رضی اللہ عنہ) کو ان دو آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں ابوبصیر کو لے کر چلتے بنے۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ اپنی سواریوں سے اترے، تاکہ وہ اپنے پاس موجود کھجوریں کھائیں۔

اس دوران ابوبصیر رضی اللہ عنہ ان دونوں میں سے ایک سے کہنے لگا: ”یار! تیری تلوار بڑی زبردست ہے۔“ (اپنی تلوار کی تعریف سنتے ہی) اس نے اب یہ کیا کہ تلوار پکڑی، نیام سے نکالی اور کہا: ”ہاں ہاں! اللہ کی قسم! یہ بڑی باکمال ہے۔ میں تو اس کا کئی بار تجربہ کر چکا ہوں۔“ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کہنے لگا: ”ذرا دکھانا، میں اسے دیکھوں تو سہی۔“ یوں ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار اپنے قبضے میں کر لی، وار کرنے کی پوزیشن میں تھا اور دشمن کی گردن اڑادی۔ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا، دوسرا بھاگ اٹھا اور اس نے مدینے آکر سانس لیا۔ بھانکتا ہوا سیدھا اللہ کے نبی ﷺ کی مسجد میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو کہا: ”یہ تو خوف زدہ دکھائی دے رہا ہے۔“

جب یہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پہنچا تو سخت گھبرایا ہوا کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔“ اور اتنے میں اوپر سے ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی آن پہنچا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا: ”اے اللہ کے نبی! (ﷺ) اللہ کی قسم! اللہ نے آپ (ﷺ) کا ذمہ پورا کر دیا۔ آپ (ﷺ) نے تو مجھے ان کے حوالے کر ہی دیا تھا، اب اللہ نے مجھے ان سے چھڑوا دیا ہے۔“

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

« وَيَلُ أَمِيهِ مَسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ »

”اس کی ماں کا بیڑا غرق! اسے کوئی ساتھی مل جائے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا ڈالے گا۔“

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو سمجھ گئے کہ اللہ کے رسول ﷺ دوبارہ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر دیں گے، اس لیے وہ یہاں سے نکلے اور سمندر کے ساحل پہ آن ڈیرے لگائے۔ ادھر سہیل کا بیٹا ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مشرکوں سے نکل بھاگا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس آن ٹھہرا۔ اب تو یہ سلسلہ چل نکلا کہ جو بھی اسلام قبول کرتا، وہ قریش سے نکل بھاگتا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آتا۔ اس طرح سے ان لوگوں کا ایک جھنڈا بن گیا۔ اللہ گواہ ہے، ان لوگوں کے جتنے کو جب بھی معلوم ہوتا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جا رہا ہے تو یہ اسے راستے ہی میں روک لیتے۔ انھیں قتل کرتے اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے۔ اس صورتحال سے پریشان ہو کر قریش نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پیغام بھیجا، اللہ کا واسطہ دیا، رشتے داری اور ناتے کے لحاظ کا اہتمام کیا اور کہا: ”آپ (ﷺ) کسی کو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں اور اسے روکیں۔ اب کے جو شخص بھی ہمارے پاس سے آپ کے ہاں جائے گا، اسے امن ہے۔“ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔“

[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد ..... الخ : ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

اب کے صحابہ کو واضح طور پر نظر آ گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معاہدہ حدیبیہ کس قدر حکمت و دانش اور تدبیر و دور اندیشی پر مبنی تھا کہ مسلمان فائدے ہی فائدے اٹھا رہے تھے اور قریش کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ انھوں نے معاہدہ کر کے دراصل مسلمانوں کی حکومت اور قوت کو تسلیم کر لیا۔ مومن عورتوں کو بھی وہ واپس لانے میں معاہدہ کی رو سے ناکام ہو گئے اور اب مرد حضرات کو لانے سے بھی تائب ہو گئے۔ مسلمان امن کی حالت میں خود کو مستحکم کرتے رہے اور اللہ کا دین پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔

مدینہ کے مضافات میں رہنے والے وہ دیہاتی جنھیں قرآن نے ”اعراب“ کہا، وہ بھی امید لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمان جو نہتے ہو کر عمرہ کرنے گئے ہیں، قریش کی قوت انھیں تباہ کر ڈالے گی اور یہ واپس نہ آسکیں گے، لیکن وہ نہ صرف یہ کہ واپس آ گئے بلکہ اسلام کے پھیلنے کی رفتار تیز ہو گئی، لہذا اب یہ بھی اسلام کے بارے میں محتاط ہو گئے اور قبولیت اسلام کی فضا بننے لگی۔



## رسول عربی ﷺ کے پیام..... شاہوں کے نام

تبلیغ کا نیا اسلوب، بادشاہوں کو خطوط کے ذریعہ دعوت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ نے کسری اور قیصر کو خطوط لکھے۔ نجاشی اور ہر جابر حکمران کو خط لکھا۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب کتب النبی ﷺ إلى ..... الخ : ۱۷۷۴ ]

قارئین کرام! اس دور میں دنیا کی دو سپر پاورز تھیں۔ ایک سپر پاور رومی عیسائیوں کی تھی جن کے بادشاہ کو ”قیصر“ کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں روم کے قیصر کا نام ”ہرقل“ تھا۔ دوسری سپر پاور ایران کے مجوسیوں کی تھی، جو آگ کی پوجا کرتے۔ ان کے بادشاہ کو ”کسری“ کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کسری ایران کا نام خسرو پرویز تھا۔

رومی سلطنت کے بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کا دار الحکومت اٹلی کا شہر ”روم“ تھا۔ اس بادشاہت کو بازنطین کہا جاتا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں بازنطین کی بادشاہت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے مغربی یعنی یورپین حصے کا دار الحکومت بدستور ”روم“ ہی رہا جبکہ اپنی الگ بادشاہت بنانے والے رومی بادشاہ کونستانتائن (Constantine) نے اپنا الگ دار الحکومت بنایا۔ یہ دار الحکومت آبنائے باسفورس کے کنارے پر تعمیر ہوا۔ اس کا نام ”قسطنطنیہ“ رکھا۔ مشرقی علاقوں یعنی ایشیا اور افریقہ کے علاقوں پر مشتمل یہ اتنی بڑی بادشاہت بن گئی کہ یہ مغربی بادشاہت سے بڑی اور مضبوط بن گئی، حتیٰ کہ سپر پاور بن گئی۔

مشہور انگریز مؤرخ مسٹر ایڈورڈ گین لکھتا ہے کہ ”یہ اپنے وقت کی عظیم بادشاہت اور ترقی یافتہ سلطنت تھی، اس کے بادشاہ کو سیاسی اقتدار کے ساتھ مذہبی قیادت بھی حاصل تھی۔“

ایرانی بادشاہت بھی صدیوں سے قائم تھی اور وہ برصغیر میں سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ وسط ایشیا میں افغانستان، آذربائیجان اور وادی فرغانہ تک اس کا پھیلاؤ تھا۔ عرب علاقوں میں عمان، بحرین اور یمن وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔ عراق میں دجلہ و فرات تک انھی کا پرچم لہرا رہا تھا۔

رومی سلطنت کے ماتحت موجودہ ترکی، شمالی افریقہ کے ممالک مصر، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ ہی نہ تھے بلکہ شام کا سارا علاقہ جس میں موجودہ اردن، شام، لبنان، فلسطین وغیرہ شامل تھے، وہاں تک ان کا پھیلاؤ تھا۔ عراق میں دجلہ و فرات تک دونوں ملک ایک دوسرے کا سامنا کرتے تھے یعنی دونوں سپر پاوروں میں سرحد عراق کے دریا تھے اور اکثر یہیں سے دونوں کے مابین جنگ کا آغاز ہوتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں سپر پاورز کے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ قرآن کی پیشگوئی سورہ روم کے حوالے سے ملاحظہ کر چکے، ایران کا کسریٰ جس نے رومی بادشاہ کو شدید ترین شکست سے دوچار کیا تھا، اب نو سال بعد جوابی حملے میں رومی بادشاہ نے اس کا بدلہ لے کر شام کا علاقہ واپس لے لیا تھا۔ وہ واپس لیے ہوئے علاقوں میں آنے کے لیے قسطنطنیہ سے چلا اور خوشی خوشی یرושلم کی زیارت کے لیے آیا۔ وہ بڑی شان اور جاہ و جلال سے آیا تھا۔ بادشاہ کے وزراء، ایک بڑی فوج اور افسران اس کے ہمراہ تھے۔

آپ ﷺ نے چاندی کی مہر بنوائی:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے روم کے بادشاہ کو خط لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ عجم کے لوگ کوئی خط اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اس پر مہر نہ لگی ہو، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ کندہ کروایا۔

انگوٹھی کا یہ نقش تین سطروں پر مشتمل تھا، ایک سطر میں ”محمد“ ایک میں ”رسول“ اور ایک میں ”اللہ“ تھا۔

سب سے اوپر لفظ ”اللہ“ تھا، نیچے ”رسول“ اور تیسری اور آخری سطر میں ”محمد (ﷺ)“ تھا۔ سبحان اللہ! کس قدر با معنی ترتیب ہے کہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا جناب محمد کریم ﷺ کو۔ آج جو خطوط دریافت ہوئے ہیں ان میں یہ مہر اسی ترتیب سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی وفات تک آپ ﷺ کے ہاتھ میں رہی، آپ ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وہ ”ارلس“ نامی کنویں میں گر گئی اور باوجود تلاش کے نہ مل سکی۔“

[بخاری، کتاب اللباس، باب هل يجعل نقش الخاتم ثلاثة أسطر : ۵۸۷۹]

دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ خط لے کر جاتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ”حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مجھے بتلایا کہ میرے اور رسول کریم ﷺ کے درمیان صلح کا معاہدہ (حدیبیہ) ہو گیا۔ پھر صلح کے دنوں میں تجارت کی غرض سے میں شام چلا گیا، اس دوران اللہ کے رسول ﷺ کا خط ”ہرقل“ کے پاس پہنچا۔ یہ خط حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے یہ خط بصری کے عظیم (گورنر) کے حوالے کیا، پھر عظیم بصری نے انھیں ہرقل کے پاس پہنچا دیا۔“

[بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبي ﷺ ..... الخ : ۲۹۴۰، ۲۹۴۱]

امام ابن طولون رضی اللہ عنہ جو شام کے شہر دمشق کے رہنے والے تھے، ۸۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال کی عمر میں ۹۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے خطوط پر ایک جامع کتاب لکھی، جس کا نام ”اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین“ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے سردار کے جو خطوط ہیں، ان کے متلاشیوں کے لیے اس کتاب میں خطوط کے یہ جواہر پارے موجود ہیں۔ امام ابن طولون شامی لکھتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطوط دے کر جن سفیروں کو بھیجا وہ خوبصورت اور عقل مند تھے۔ گفتگو کے ماہر اور قائل کرنے کے لحاظ سے دلیل کی قوت سے بھی مالا مال تھے۔“

کتب احادیث و سیر میں ہے: ”حضرت جبرئیل جب انسانی شکل و صورت میں آتے تو

حضرت دجیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کی شکل و صورت اختیار کرتے تھے۔“ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

[ مسلم : ۲۴۵۱، ۱۶۷۔ السنن الکبریٰ للنشائی ۵۲۹/۶ ح : ۱۱۷۲۲ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد : ۱۴۲/۶، ح : ۲۵۱۵۰ و إسناده حسن لذاته۔ طبقات ابن سعد : ۳۲۲/۳ و إسناده حسن لذاته، عمرو بن علقمة صدوق حسن الحديث،  
وقفه الجمهور ]

بصری کا شہر دمشق کے جنوب میں اور اردن کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں کا حاکم ”ہرقل“ کے ماتحت تھا، اسے شاہ غسان کہا جاتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بصری کے حاکم کی طرف بھیجا کہ خط اس کے حوالے کریں، پھر وہ قیصر تک پہنچانے کا بند و بست کر دے گا۔ چنانچہ حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ حاکم بصری یعنی شاہ غسان کے پاس پہنچے اور پھر بصری کے حاکم نے انھیں بیت المقدس میں قیصر روم ہرقل کی جانب روانہ کر دیا۔

[ بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبی ﷺ..... الخ : ۲۹۴۰ ]

## ہرقل کی پریشانی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

”ابن ناطور ایلیا (بیت المقدس) کا حاکم، شام کے عیسائیوں کا بہت بڑا دینی رہنما تھا اور ہرقل کا خاص دوست تھا، وہ بیان کرتا ہے، ہرقل ایلیا میں آیا، ایک روز وہ صبح کو اٹھا تو انتہائی پریشان تھا۔ اس پر بادشاہ کے علماء ساتھیوں نے اس سے پوچھا: ”کیا وجہ ہے کہ آج ہم آپ کو بجھا بجھا سا محسوس کر رہے ہیں؟“ ہرقل ستاروں کے علم کا ماہر تھا، یہ سن کر کہنے لگا: ”میں نے آج رات ستاروں میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ ہم پر غالب آچکا ہے۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟“ عیسائی علماء نے کہا: ”یہودیوں کے علاوہ تو کوئی ختنہ نہیں کرتا اور ان سے بھلا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اپنی مملکت کے تمام شہروں میں ایک حکم دے دیں تو جس قدر بھی یہودی موجود ہیں، سب قتل کر دیے جائیں گے۔“

یہ لوگ اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ہرقل بادشاہ کے دربار میں ایک شخص لایا گیا،



جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا۔ آنے والے شخص (دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ) نے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں معلومات بیان کیں۔ جب ہرقل بادشاہ ان معلومات سے آگاہ ہوا تو اپنے سکیورٹی کے لوگوں کو حکم دیتے ہوئے کہنے لگا: ”جاؤ اور دیکھ کر مجھے بتلاؤ کہ اس شخص کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟“

سکیورٹی والوں نے حکم کی تعمیل کی اور آکر بادشاہ کو بتلایا کہ یہ صاحب (حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ) ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ اب ہرقل نے حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ سے عربوں کے بارے میں پوچھا تو حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ نے بادشاہ کو بتلایا: ”عرب لوگ ختنے تو کرتے ہیں۔“ یہ سنتے ہی ہرقل بولا:

« هَذَا مَلِكٌ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ »

[بخاری، کتاب الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ..... الخ: ۷]

”یہی ہے وہ اس امت کا بادشاہ جس کا ظہور ہو چکا ہے۔“

قارئین کرام! ایلیا کا معنی اللہ کا گھر ہے۔ ایلیا کو یرشلیم بھی کہا جاتا تھا۔ ہرقل جو قسطنطنیہ سے چل کر یہاں ”ایلیا“ میں آیا تھا، اللہ کے گھر میں اس خوشی میں آیا تھا کہ مجوسی آگ پرستوں پر اسے فتح ملی تھی، یہاں آکر اب وہ پریشان ہو گیا کہ جس بادشاہت کی فتح پر وہ خوش ہو رہا ہے وہ تو عنقریب چھن جانے والی ہے اور جو قوم ختنہ کرتی ہے وہ اس مملکت پر غالب آنے والی ہے۔

نجوم یعنی ستاروں کا علم ایک تو وہ سائنسی علم ہے کہ جس سے پتا چلتا ہے کہ کائنات میں اربوں کھربوں ستارے اور سیارے ہیں، بے شمار کہکشائیں ہیں، ہر ایک اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ اس سے خالق کائنات کی عظمت کا ادراک و احساس ہوتا ہے۔ اس سائنسی علم کے ماہر اس دور میں بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم غیب کی خبریں دینا ہے، اسے علم نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ انکل پچو ہوتا ہے۔ اس انکل پچو کے ماہر یعنی نجومی اس دور میں بھی تھے اور آج بھی موجود ہیں۔

قرآن نے اس کی حقیقت سورہ جن میں بیان کی ہے، صحیح بخاری کی وہ حدیث گزر چکی ہے۔ جس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ جو لوگ غیب کی خبریں دیتے ہیں اصل میں ان کے دوست شیطان ہوتے ہیں جو ایک آدھ آسمانی خبر چرا کر کاہن کو بتلاتے ہیں اور وہ اس میں سو

جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک بار صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: ”ان کا ہنوں (نجومیوں) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کی باتیں محض لغو ہیں۔“ صحابہ نے عرض کی: ”کبھی تو ان کی بات سچ نکل آتی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہ وہ بات ہوتی ہے جو نجومی کو شیطان کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اور شیطان (جن) یہ خبر اڑا لیتا ہے، پھر کاہن اس خبر میں سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔“

[بخاری، کتاب الطب، باب الکھانۃ: ۵۷۶۲]

جی ہاں! یہ ہے کہانت اور نجومیت کی حقیقت۔ عیسائیوں نے اپنی انجیل تو بدل ڈالی، اب وہ یہود کے طرز عمل پر چلتے ہوئے نام نہاد علم نجوم کا شکار ہو گئے۔ ہرقل جو سپر پاور کا بادشاہ بھی تھا، عیسائی مذہب کا عالم بھی تھا اور علم نجوم کا بھی ماہر تھا، اس نے ستاروں پر توجہ مرکوز کی تو شیطان نے اس کو یہ بات بتلا ڈالی کہ تختے کرنے والی قوم کا بادشاہ غالب آنے والا ہے۔ اللہ نے فرشتوں کی سکورٹی اور شہابی میزائلوں کی اذان کو ڈھیلا کر کے ہرقل کو اس ذریعہ سے بھی خبر دے دی، جو ذریعہ ۹۹ فیصد جھوٹ پہنچتا ہے اور جھوٹ کے اس تالاب میں کوئی ایک آدھ چلو سچ کے پانی کا بھی ہوتا ہے۔ جی ہاں! آج اللہ کی مشیت سے شیطان نے درست بات بتلائی ہے۔ ساتھ ہی حضرت دجیہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے ہیں۔ ہرقل نے تختے بھی چیک کر والیے ہیں اور اب ہرقل اگلا قدم اٹھاتا ہے۔

ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان مکالمہ:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے انھیں بتلایا کہ ہرقل نے استفسار کیا: ”یہ شخص جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، کیا اس کی قوم کے اور لوگ ایسے مل سکتے ہیں جو یہاں ہمارے علاقے میں موجود ہوں؟“ اہل دربار نے کہا: ”جی ہاں! مل سکتے ہیں۔“ اور پھر مجھے قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ دربار میں حاضر ہونے کی دعوت دی گئی۔ ہم ہرقل کے پاس گئے تو اس نے ہم لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور کہنے لگا: ”یہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی ہے، تم لوگوں میں رشتہ داری کے حوالے سے کون سا ایسا شخص ہے جو اس

نبی کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو؟“ میں نے کہا: ”میں ہوں۔“ یہ سن کر بادشاہ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا تو ترجمان سے کہا: ”ان لوگوں کو بتلاؤ کہ وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے، میں اس کے بارے میں اس سے چند سوالات کروں گا، اگر یہ (ابوسفیان) مجھ سے کوئی جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا۔“

ابوسفیان نے کہا: ”اللہ کی قسم! اگر مجھے اپنی عزت کا ڈرنہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے تو میں آپ ﷺ کی نسبت ضرور غلط گوئی سے کام لیتا۔“ ہرقل اب اپنے ترجمان سے کہنے لگا: ”اس سے پوچھو، تم لوگوں میں اس (محمد ﷺ) کا خاندان کس مرتبے کا حامل ہے؟“

ابوسفیان: ”وہ ہمارے اندر بلند مرتبہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔“

ہرقل: ”کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟“

ابوسفیان: ”نہیں!“

ہرقل: ”کیا ان (محمد ﷺ) کے نبوت کے دعویٰ کرنے سے قبل تم لوگوں نے کبھی ان پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائی؟“

ابوسفیان: ”نہیں!“

ہرقل: ”کیا بڑے سردار لوگ اس (محمد ﷺ) کے پیروکار بن رہے ہیں، یا عام کمزور لوگ؟“

ابوسفیان: ”کمزور طبقہ کے لوگ ہی زیادہ ہیں۔“

ہرقل: ”پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔“

ابوسفیان: ”گھٹ نہیں رہے، بلکہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔“

ہرقل: ”کیا ایسا بھی ہے کہ ان پیروکاروں میں سے کوئی ان (محمد ﷺ) سے ناراض ہو جائے اور ان (محمد ﷺ) کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل بھاگے۔“

ابوسفیان: ”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“

ہرقل : ”کیا کبھی ان کے ساتھ تمھاری کوئی جنگ بھی ہوئی ہے۔“

ابوسفیان : ”جی ہاں! ہوئی ہے۔“

ہرقل : ”پھر ان کے ساتھ لڑنے کا نتیجہ کیا نکلتا رہا۔“

ابوسفیان : ”ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا نتیجہ پانی کے ایک ڈول کی طرح رہا کہ کبھی

ڈول ان کے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں آ گیا۔“

ہرقل : ”کیا انھوں نے کبھی بد عہدی بھی کی ہے؟“

ابوسفیان : ”نہیں، البتہ اس وقت ہم اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں۔

دیکھیں اب اس میں وہ کیا کرتا ہے؟“

(ابوسفیان کہتے ہیں: ”اللہ کی قسم! اس جملے کے علاوہ مجھے کہیں بھی کچھ گھسیڑنے کا

موقع نہیں ملا۔“)

ہرقل : ”اس سے قبل بھی (نبوت کا) ایسا دعویٰ تم لوگوں میں سے کسی نے کیا؟“

ابوسفیان : ”نہیں۔“

ہرقل : ”وہ تمہیں کیا کیا کرنے کا حکم دیتا ہے؟“

ابوسفیان :

« يَقُولُ : أُعْبُدُوا اللَّهَ وَحَدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ

آبَاءُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقِ وَالْعِفَافِ وَالصَّلَاةِ »

”وہ کہتا ہے ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو

تمھارے باپ دادا کہتے چلے آ رہے ہیں اس کو چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز ادا کرنے، سچ

بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور رشتے ناتے جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔“

بادشاہ کا تبصرہ :

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے کہا:

۱۔ ”میں نے تم سے نبی کے نسب (خاندان) کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتلایا کہ وہ ہم

لوگوں میں اونچے نسب کے ہیں۔ یاد رکھو! انبیاء کی بعثت اپنی قوم کے بہترین خاندان ہی میں ہوتی ہے۔“

۲۔ ”میرا تم سے یہ سوال کرنا کہ اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے جواب دیا کہ نہیں، اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ایک شخص اپنے آباء کی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔“

۳۔ ”پھر میں نے تم سے ان کے پیروکاروں کے بارے میں پوچھا کہ وہ قوم کے سردار لوگ ہیں یا کمزور طبقے کے لوگ، تو تم نے بتلایا کہ کمزور طبقے کے لوگ زیادہ ہیں۔ یاد رہے! یہی وہ طبقہ ہے جو شروع سے انبیاء کا پیروکار چلا آ رہا ہے۔“

۴۔ ”میں نے تم سے جب یہ پوچھا کہ نبوت کے اعلان سے پہلے تم لوگوں نے کبھی ان پر جھوٹ کا الزام لگایا تو تم نے ’نہیں‘ میں جواب دیا۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص نے انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ کے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول سکتا ہے؟“

۵۔ ”میں نے جب یہ استفسار کیا کہ ان کا دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص ان سے ناراض ہو کر دین چھوڑ کر تو نہیں گیا؟ تو تم نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ جی ہاں! ایمان کی بشارت جب کسی دل میں بس جائے تو پھر وہ انسان جائے تو کہاں؟“

۶۔ ”میں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ تم نے کہا بڑھ رہی ہے، آگاہ رہنا چاہیے کہ ایمان کا یہی معاملہ ہے حتیٰ کہ وہ کمال کو پہنچ جائے۔“

۷۔ ”میرا سوال یہ بھی تھا کہ کیا کبھی تم نے ان سے جنگ بھی کی ہے تو تم لوگوں نے بتلایا کہ جنگ ہوتی رہی ہے اور نتیجہ کبھی ہمارے حق میں اور کبھی ان کے حق میں نکلتا رہا ہے۔ انبیاء کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے، انھیں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، پھر آخری انجام انھی کے حق میں نکلتا ہے۔“

- ۸۔ ”اسی طرح جب میں نے تم سے پوچھا کہ اس نے کبھی عہد شکنی کی ہے تو تم نے اس سے بھی انکار کیا۔ یاد رکھیے! انبیاء کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔“
- ۹۔ ”اور میں نے تم سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ کیا تمہارے ہاں اس طرح کا دعویٰ پہلے بھی کسی نے کیا تھا تو تم نے کہا کہ نہیں، اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر تمہارے ہاں کسی نے اس سے پہلے اس طرح کا دعویٰ کیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ بھی اس کی نقل کر رہے ہیں۔“
- ۱۰۔ ”پھر میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کیا کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں تو تم نے اس کا تذکرہ یوں کیا کہ وہ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمیں بتوں کے آستانوں کی عبادت کرنے سے منع کرتا ہے۔ ہمیں نماز ادا کرنے، سچ بولنے اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔“
- یہاں عنقریب محمد ﷺ کی حکمرانی ہوگی:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، اس کے بعد بادشاہ انھیں مخاطب کر کے کہنے لگا:

”اگر یہ سچ ہے جو تم کہہ رہے ہو اور وہ نبی ہیں تو پھر:

« سَبِمَلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ »

جس تخت پر میرے یہ دونوں پاؤں ہیں وہ عنقریب اس جگہ کا مالک بن جائے گا۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر یہ میرے گمان میں نہ تھا کہ وہ تم میں سے مبعوث ہوگا، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو آپ سے ملاقات کے لیے ہر تکلیف گوارا کرتا، اور

« لَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَنَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، وَ لَيَبْلُغَنَّ مَلِكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ »

”اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا، میرے قدموں کے نیچے کی بادشاہت تک ان کی حکومت بہر صورت پہنچ کر رہے گی۔“

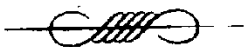
[ بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی ..... الخ : ۷، ۲۶۶۱۔

مسلم، کتاب الجهاد، باب کعب النبی ﷺ الی هرقل ..... الخ : ۱۷۷۳ ]

هرقل جو بازنطین کے مشرقی حصے کی سب سے بڑی سلطنت کا بادشاہ تھا، اس کے کہے

ہوئے یہ جملے اس طرح پورے ہوئے کہ ایلیا یا یرؤثلم کا وہ شہر جہاں اس کا تخت تھا وہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس کا نام ”بیت المقدس“ اور ”القدس“ ٹھہرا، موجودہ اردن، شام، لبنان، عراق، مصر، لیبیا، الجزائر، تونس، مراکش، موریتانیہ، ترکی اور بالآخر اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول) اور قسطنطنیہ کے تحت یورپی علاقے سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور ایسے آئے کہ ان تمام علاقوں سے قیصر کے دور کی تہذیب، تمدن، معاش، زبان اور مذہب سب کچھ مٹ گیا اور رسول کریم ﷺ کا لایا ہوا دین چھا گیا۔

جی ہاں! محمد عربی ﷺ کے پیروکار ہر قتل کی سلطنت کے وارث بنیں گے، ہر قتل اپنے علم اور تجربے کی اساس پر یہ پیشگوئی کر چکا تھا اور اب اس نے حکم دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا خط پڑھا جائے۔ رسول کریم ﷺ کے الفاظ خط کی صورت میں سپر پاور کے دربار میں گونجنے لگے۔



## خط مبارک کے الفاظ:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرْقَلِ عَظِيمِ الرُّومِ .

سَلَامٌ عَلَيَّ مِنْ أَتْبَعِ الْهُدَى ، أَمَا بَعْدُ : فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ ، أَسْلِمَ تَسْلِمًا ، يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ ، فَإِن تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرْيَسِيِّينَ ، وَ ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾

[ال عمران: ۶۴/۳]

”اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا ہی مہربان ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے شاہ روم ہرقل کی جانب ہدایت کے پیر و کار پر سلام ہو۔ میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پا جاؤ گے، نیز اسلام لے آؤ تو اللہ تعالیٰ آپ کو دہرے اجر سے نوازیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ نے اعراض کیا تو آپ کی رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہوگا۔ اے انجیل کے حامل لوگو! ایسی اساس پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم اللہ کے سوا اپنے میں سے کسی کو بھی رب نہ بنائیں، پھر اے مسلمانو! اگر اہل کتاب یہ نہ مانیں تو تم اعلان کر دو کہ لوگو! گواہ رہنا، ہم تو بہر حال مسلمان ہیں۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی ..... الخ: ۷، ۲۹۶۱]

## خط مبارک کی موجودہ دور میں دستیابی:

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو روم کے بادشاہ قیصر کو لکھا گیا، اس خط کی موجودگی کے بارے میں حضرت علامہ سہیلی سرزمین حسین کا ذکر کرتے ہیں۔ علامہ سہیلی مشہور محدث اور





مؤرخ گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے علامہ قسطلانی، جو ۱۵۱ء میں فوت ہوئے، وہ شرح بخاری کی جلد اول میں لکھتے ہیں کہ مصر کے بادشاہ ملک منصور قلاوون نے ۱۲۸۳ء میں ایک سفارتی وفد پھین کے بادشاہ الفانسو کے پاس بھیجا تھا، اس وفد کا سربراہ سیف الدین قلیج تھا۔ شاہ الفانسو نے سیف الدین کو اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دکھلایا جو سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔ شاہ الفانسو نے سیف الدین کو بتلایا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ وہ خط ہے جو ہمارے دادا قیصر روم کے نام بھیجا گیا تھا۔ ہرقل کی اولاد نے اس خط کو سونے کے صندوقچے میں محفوظ کر کے سنبھال رکھا تھا۔

اس کے بعد یہ خط کسی طرح مکہ مکرمہ پہنچا اور وہاں کے حاکم شریف حسین کے بیٹے عبداللہ کے ہاتھ لگ گیا۔ اردن کے جو موجودہ بادشاہ ہیں ان کا نام بھی عبداللہ ہے۔ عبداللہ اول، موجودہ شاہ عبداللہ کے پڑا دادا تھے۔ بہر حال! اردن کے شاہی خاندان کی ایک ملکہ کے پاس جب اس خط کی موجودگی کے بارے میں اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں تو متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظہبی کے حکمران شیخ زید بن سلطان النہیان ﷺ نے یہ خط حاصل کرنے کے لیے اردن کی ملکہ سے رابطہ کیا اور دس لاکھ پونڈ کی رقم سے یہ خط خرید لیا۔

شیخ زید بن سلطان ﷺ نے تحقیق کے لیے یہ خط ڈاکٹر ابراہیم کے سپرد کیا، جو ثقافتی امور میں شیخ زید بن سلطان ﷺ کے مشیر تھے۔ ڈاکٹر ابراہیم نے اس پر تحقیقی کام کیا۔ یہ خط مبارک رق یعنی ہرن کی کھال پر لکھا ہوا ہے۔ آٹھ سطروں پر مشتمل ہے۔ اس خط پر تحقیق اور جدید سائنسی ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے کہ خط اصل ہے۔

اس خط کی عبارت بالکل وہی ہے جو صحیح بخاری میں دیے ہوئے خط کی ہے۔ مہر بھی وہی ہے جس کا نقشہ صحیح بخاری میں کھینچا گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ محدثین نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث میں جس تین اور پختگی کا التزام کیا وہ کس قدر صحت و ثقاہت کے اعلیٰ ترین معیار پر قائم ہے۔

بادشاہ کے دربار میں غلغلہ ہو گیا:

ابوسفیان سے مروی ہے: ”جب ان کے ساتھ مکالمے اور خط پڑھنے کے بعد بادشاہ اپنے ریمارکس دے چکا تو اس کے ارد گرد بہت شور و غوغا ہوا۔ بہت سی آوازیں بلند ہوئیں اور کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں تو اس صورت حال میں ہم لوگوں کو دربار سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔“

جب ہم باہر آگئے تو میں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ”یارو! ابوکبشہ کے بیٹے (رسول کریم ﷺ) کا معاملہ تو بہت اونچا ہو گیا۔ ذرا غور تو کرو بنو اصفہر (سپر پاور روم) کا بادشاہ بھی محمد (ﷺ) سے خوف کھانے لگا ہے۔“ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اسی وقت یہ یقین ہو گیا تھا کہ آپ (ﷺ) عنقریب غلبہ حاصل کر لیں گے اور پھر آخر وہ دن آ گیا کہ اللہ نے مجھے اسلام میں داخل کر دیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ..... الخ: ۷، ۲۹۶۱]

عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جس کے ساتھ دشمنی ہوتی اس کا ذکر کرتے تو اس کے آباؤ اجداد میں سے ایسے شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے جو غیر معروف ہوتا، چنانچہ ابوکبشہ آپ (ﷺ) کے نانا کی کنیت تھی، وہ غیر معروف آدمی تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے آپ (ﷺ) کو ابوکبشہ کا بیٹا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔

روم کے پوپ نے اسلام قبول کر لیا:

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اس کے بعد ہرقل نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جو روم میں رہتا تھا۔ وہ بھی علم نجوم میں ہرقل کی طرح ماہر تھا۔ خط لکھنے کے بعد ہرقل حمص شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ..... الخ: ۷]

تاریخ طبری میں ہرقل کے اس دوست کا نام ضفاطر ذکر کیا گیا ہے جو رومیوں کی مغربی سلطنت کے شہر روم میں پاپائے روم تھا۔ پوپ جناب ضفاطر نے جب اللہ کے رسول (ﷺ) کا

خط پڑھا کہ وہ خط ہرقل نے اس کی طرف بھیجا تھا اور حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ہرقل کا پیغام بھی وصول کیا تو اس نے رومی عیسائیوں کے ایک مجمع میں خطاب کیا اور اسلام لانے کا اعلان کر دیا، اس پر اٹلی کے رومی عیسائی مشتعل ہو گئے اور اپنے پوپ کو مارنے لگے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط جو ہرقل کے نام تھا اور جناب ضفاطر اسے پڑھ چکے تھے، وہ خط اور خود ضفاطر کا خط جو ہرقل کے نام تھا، لیتے ہوئے واپس ہرقل کے پاس حمص آگئے اور سارے واقعات سے ہرقل کو باخبر کیا۔ یوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مشرقی حصے میں اور رومی سلطنت کے مغربی حصے میں بھی پہنچ گئی اور اٹلی کے شہر روم میں بھی پہنچ گئی۔ پوپ کے اس ہیڈ کوارٹر میں بھی جسے آج ”پینٹن سٹی“ کہا جاتا ہے۔

ہرقل نے اسلام قبول کرنا چاہا، مگر:

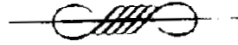
حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہرقل ابھی حمص ہی میں تھا کہ اس کے رومی دوست (ضفاطر) کا جواب آ گیا۔ یہ جواب ہرقل کی رائے کے عین مطابق تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اس رائے کے آنے کے بعد ہرقل نے بڑے رومی لوگوں کو اپنے محل میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ حمص کے محل میں جمع ہو گئے تو ہرقل نے حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر دیے جائیں، چنانچہ وہ بند کر دیے گئے تو اس کے بعد بادشاہ نمودار ہوا اور خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا: ”اے روم کے لوگو! کیا ہدایت اور کامیابی میں سے کوئی حصہ تمہاری بھی قسمت میں لکھا ہے؟ یاد رکھو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت باقی رہے تو: «فَتَبَايَعُوا هَذَا النَّبِيَّ»

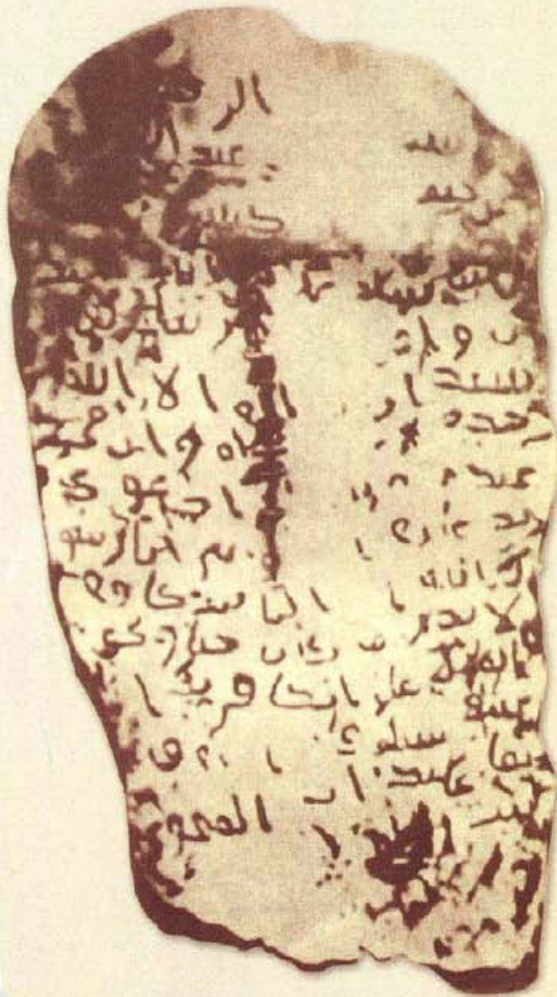
”اس نبی کی بیعت کر لو۔“

بس یہ جملہ سننے کی دیر تھی کہ وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو بند پڑے ہیں۔ جب ہرقل نے ان کی یہ نفرت ملاحظہ کی اور اس بات سے ناامید ہو گیا کہ وہ ایمان لائیں گے تو اس نے سکیورٹی والوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ۔ جب یہ لوگ آگئے تو ہرقل بات بدلتے ہوئے کہنے لگا: ”سنو! میں نے

تو یہ باتیں اس لیے کی تھیں تاکہ تمہارا امتحان لوں کہ تم اپنے دین پر کس قدر پختہ ہو؟ اس پختگی کا نظارہ میں نے کر لیا۔“ ہرقل کا یہ کہنا تھا کہ سب لوگ بادشاہ کو سجدہ کرنے لگے اور اس کی بات سے خوش ہو گئے۔ جی ہاں! ہرقل کے بارے میں جو آخری خبر تھی وہ یہی تھی۔“

[بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف كان بدء الوحی ..... الخ : ۷]





اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو ایرانی سپر پاور کے بادشاہ خسرو پرویز کو لکھا گیا..... خط مبارک پھینا ہوا دکھائی دے رہا ہے، اصل حالت میں آج موجود ہے

## ایرانی بادشاہ کو خط عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پہنچایا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو خط لکھا تو عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو گورنر بحرین کے حوالے کر دے۔ پھر گورنر بحرین نے انھیں کسریٰ (شاہ ایران) کے پاس پہنچا دیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی کسریٰ و قیصر: ۴۴۲۴]

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا ایران آنا جانا تھا، وہ وہاں کے حالات کو بخوبی سمجھتے تھے، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روانہ فرمایا۔ سہم قریش کی ایک شاخ ہے، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔

امام ابن کثیر اپنی کتاب ”السیرة النبویة“ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”میں محل کے دروازے پر پہنچا تو میں نے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ آخر کار میں بادشاہ کے پاس جا پہنچا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے حوالے کر دیا۔“

ایران کے بادشاہ کے نام خط کا متن:

« بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى كِسْرَى عَظِيمِ  
فَارِسٍ ، سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ، وَ آمَنَ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ ، وَ شَهِدَ أَنْ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ حْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ ، وَ  
أَدْعُوكَ بِدَاعِيَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ كَمَا فَعَلْتُ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ  
حَيًّا وَ يُحِقُّ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ أَسْلِمَ تَسَلَّمَ ، فَإِنَّ آيَةَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ  
الْمَجْهُوسِ »

”اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عظیم فارس ”کسریٰ“ کے نام:

اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیروکار بن جائے اور اللہ اور اس کے رسول پر

ایمان لے آئے، اس بات کی گواہی بھی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس بات کی بھی شہادت دے کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کا (مذکورہ) اعلان قبول کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، کیونکہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، لہذا مجھے ہر اس شخص کو برے انجام سے تنبیہ کرنا ہے جو زندہ ہے اور نہ ماننے والوں پر اتمام حجت کرنا ہے، لہذا اگر تم اسلام لے آؤ تو محفوظ ہو جاؤ گے اور اگر انکار کرو تو پھر ساری مجوسی قوم کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہوگا۔“

[عیون الأثر لابن سید الناس: ۳۴۷/۲، ۳۴۸]

ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے خط پھاڑ دیا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«فَلَمَّا قَرَأَهُ مَرَّهً»

[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ إلى كسرى و قیصر: ۴۴۲۴]

”جب اس نے خط پڑھا تو پھاڑ دیا۔“

ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے سامنے جب ترجمان نے خط پڑھا تو وہ خط شروع ہوتے ہی غضبناک ہو گیا۔ اس نے خط کی ابتدا کے انداز کو اپنی توہین سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے میرا نام اپنے نام کے بعد کیوں لکھا؟ یمن و بحرین وغیرہ تو اس کے ماتحت تھے، چنانچہ وہ عربوں کو اپنی رعایا سمجھتا تھا۔ اس سوچ کے تحت اس نے تکبر میں آکر خط پھاڑ دیا۔ تاریخ طبری (۶۵۵/۲) میں ہے کہ پھر وہ کہنے لگا:

«يَكْتُبُ إِلَيَّ هَذَا وَ هُوَ عَبْدِي»

”وہ مجھے اس طرح سے خط لکھتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی میرا ایک غلام ہے۔“

لیکن خط تو ہرن کی باریک کھال پر لکھا گیا تھا۔ وہ آج کا کاغذ نہ تھا کہ پرزے پرزے ہو جاتا۔ اس دور میں ہرن اور اونٹ کی کھال کو انتہائی باریک کر کے خاص طریقے سے کاغذ کی شکل میں تیار کیا جاتا تھا۔ قرآن نے اس کاغذ کو ”رق“ ہی کہا ہے۔ تورات بھی اس ”رق“ ہی پر لکھی گئی تھی۔ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے، اس کے لیے ہرن کی نرم، پتلی اور ملائم



کھال کا کاغذ ”رق“ ہی استعمال ہوتا تھا۔ اس دور کے دستور کے مطابق اسی انداز سے شاہ ایران کے پاس بھی خط گیا، اس کے پھاڑنے سے وہ پرزے پرزے تو نہیں ہوا، ہاں ایک دو جگہ سے پھٹ گیا۔ جب کوئی کسی تحریر پر غضبناک ہوتا ہے تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اسے پھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ جب بادشاہ نے پھاڑ کر پھینک دیا تو جس کاغذ پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام ہو بھلا محمد کریم ﷺ کے جاں نثار کے سامنے وہ زمین پر پڑا کیسے رہ سکتا ہے؟ انھوں نے یقیناً اٹھایا ہوگا اور سنبھال کر رکھ لیا ہوگا۔ بادشاہ نے پھاڑ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی پھینکا ہوگا کہ وہی خط لانے والے تھے، غصہ کے اظہار کو سہنے کے لیے ایک خط اور دوسرا خط لانے والا تھا۔ لہذا جب خط پھٹ کر خط لانے والے پر پھینکا گیا ہوگا تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے خط اٹھا کر سنبھال رکھا ہوگا، بادشاہ کی فطرت نے اپنا کام کیا تو محبت رسول ﷺ کی فطرت نے اپنے کام بھی ضرور کیا ہوگا۔

شاہ مجوس اور مجوسیوں کی بربادی:

ثقت تابعی سعید بن المسیب کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ان مجوسیوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا:

« أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مَمْرَقٍ »

”وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ جائیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ، کسری و قیصر: ۴۴۲۴]

حضرت عبداللہ سہمی رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں آ کر اللہ کے رسول ﷺ کو جب حالات سے آگاہ کیا کہ کس طرح ایران کے کسری نے خط مبارک پھاڑ دیا تو اس وقت آپ ﷺ نے سعید بن مسیب کے مطابق ان کے لیے بددعا کرتے ہوئے مندرجہ بالا الفاظ ارشاد فرمائے۔

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہوئے کہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویز نے بھرے دربار میں قتل کر دیا اور خود حکمران بن بیٹھا..... اس کے بعد مسلمانوں نے ایران پر فوج کشی کی تو مجوسیوں کا ایران تباہ و برباد ہو گیا..... یہ بربادی اللہ کے رسول ﷺ کے اس محافظ کے ہاتھوں ہوئی جس کا نام مغیرہ بن

شعبہ ۱۹۶۲ء ہے..... صلح حدیبیہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے محافظ بن کر کھڑے ہونے والا..... آج جرنیل بن گیا ایران کا فاتح بن گیا..... صورتحال یہ بن گئی کہ جس نے اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک پھاڑا اس کی مجوسی قوم آج علامتی طور پر دنیا میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود رہ گئی ہے، اس کا وجود دنیا سے ناپید ہو گیا ہے..... جبکہ ایران کی فضاؤں میں چودہ سو سالوں سے نام محمد (ﷺ) بلند ہو رہا ہے اور گونجتا چلا آ رہا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا پھاڑا گیا خط مل گیا:

مئی 1963ء، بمطابق 1382ھ لبنان کے دارالحکومت بیروت کے اخبارات نے خبر شائع کی کہ لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کی آبائی لائبریری سے اللہ کے رسول ﷺ کا خط برآمد ہوا ہے۔ ہنری فرعون ایک عیسائی ہے، اس نے اس خط کی تحقیق کے لیے معروف مسلمان محقق ڈاکٹر صلاح منجد سے رابطہ کیا اور خط ان کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر منجد نے اس خط پر تحقیق کرنے کے بعد بیروت کے اخبار ”الحیات“ میں ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کو ایک تحقیقی مقالہ لکھا، جس میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

”نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں ہنری فرعون نے میرے پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ اس پر کوئی رسم الخط سے ملتی جلتی ایک تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لیے اس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کر کے اسے ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا۔ اب یہ کپڑا تو بالکل گل چکا تھا جبکہ فریم کے سہارے کی وجہ سے کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ دقت نظر سے معلوم کرنے اور پڑھنے شروع کیے تو یہ عظیم انکشاف ہوا کہ یہ تو وہی خط ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ایران کے بادشاہ کسریٰ کو تحریر کیا تھا۔ اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

میری زندگی کے وہ لمحات بڑے مبارک تھے جب میں نے یہ خط مبارک پڑھا۔ میں نے پچھلے کئی ماہ اس خط کی تحقیق پر صرف کیے۔ حروف اور الفاظ پر ریسرچ کی، تاریخ اور سیرت کے تمام بنیادی مصادر کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا وہ خط مبارک ہے جو خسرو پرویز کو لکھا گیا تھا۔ اپنی اس کوشش کا نتیجہ اب شائع کر کے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔“

جی ہاں! یہ نتیجہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کے عربی اخبار ”الحیات“ کے صفحہ

اول پر شائع ہوا۔ بیروت سے شائع ہونے والے اس اخبار میں خبر اور تحقیق شائع ہونے کے بعد یہ خبر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ ہنری فرعون کو پیشکشیں شروع ہو گئیں کہ وہ اس خط کے عوض جتنی رقم چاہے لے لے لیکن وہ لاکھوں ڈالر کے معاوضے پر بھی خط بیچنے پر تیار نہ ہوا۔

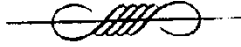
ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے سو سال کے قریب زندگی پائی اور ساری زندگی اسلام کی تحقیق و اشاعت پر لگا دی، فرانس کے شہر پیرس میں فوت ہوئے، انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور خلافت راشدہ کے سیاسی معاہدوں اور دستاویزات پر ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ عربی زبان میں لکھی ہوئی یہ کتاب میرے سامنے ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا عکس شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود ہنری فرعون سے ملاقات کی اور خط کی نقل حاصل کی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس خط کے مالک ہنری فرعون کی اجازت سے اس خط کی فوٹو کاپی حاصل کی گئی۔

خط مبارک کا مضمون وہی ہے جو احادیث میں وارد ہوا ہے۔ اس سے مزید واضح ہو گیا اور تصدیق ہو گئی کہ آج دریافت ہونے والا خط وہی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا۔ اس سے کتب احادیث کی ثقاہت کا بھی پتا چلتا ہے کہ محدثین کرام نے کس حزم و احتیاط کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اکٹھی کیں ..... اس انداز سے کہ آج دریافت ہونے والے خطوط کی عبارت اور احادیث میں درج خطوط کی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ خط مبارک لبائی اور چوڑائی میں پھٹا ہوا ہے، اس کے بعد اس خط کی مرمت ایک باریک کھال کو نیچے رکھ کر، سلائی کر کے کی گئی ہے۔ جس کھال سے سلائی کی گئی ہے وہ اصل خط کی باریک کھال سے ذرا ہلکی قسم کی کھال ہے۔ تحقیق میں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جس کھال سے سلائی کی گئی وہ کھال کم پرانی جبکہ خط کی اصل کھال کی عمر زیادہ ہے۔

سبحان اللہ! اللہ کی شان کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پھاڑا ہوا نط آج بھی موجود ہے جبکہ جس خسرو پرویز نے پھاڑا تھا، وہ خود بھی مٹ گیا اور اس کی بادشاہت بھی مٹ گئی۔ آتش

پرست مجوسی قوم بھی ملیا میٹ ہو گئی، اس وقت دنیا میں محض چند سو مجوسی باقی ہیں جو بطور علامت کے باقی ہیں کہ یہ تھی وہ سپر پاور قوم جو جاں نثاران رسول ﷺ کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے غائب ہو گئی۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان گرامی حرف بحرف پورا ہوا کہ اس کسریٰ کے بعد دنیا میں کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔



بسم الله الرحمن الرحيم  
 من كتب - ووالله ان الله  
 على عظيم العظمة سلام على من  
 اسع القدي اما والى اظمت الله  
 ك الله الذي لا اله الا هو القادر  
 القدير والسلام فهو من العظمى  
 و اسعد ان من من عريفه روح  
 الله و كمنه العاهة التي في السو  
 ل الطيبه الحبيب فملا نفسي من  
 وجهه و به كما طلق ادو بسده و  
 ابي ادع في الى الله و قد  
 ك له و الفوا الاله على طاعتهم و اب  
 نفسي و نور في يادي خاني فاني ر  
 سور الله و اس ادع في و  
 و الى الله عرف و تلي  
 و بعد فاقبلوا نصي و الله  
 من اسم القدي

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو شاہ جشہ کو لکھا گیا آج اپنی اصل  
 حالت میں مل گیا ہے۔

## شاہدش نجاشی کے نام خط :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- ۱۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَاشِ
- ۲۔ شَيْءٍ عَظِيمٍ الْحَبَشَةِ سَلَامٌ عَلٰى مَنْ
- ۳۔ اتَّبَعَ الْهُدٰى. اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلٰى
- ۴۔ كَ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا اِلهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
- ۵۔ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَّهَمِ
- ۶۔ وَ اَشْهَدُ اَنَّ عِيسٰى بِنَ مَرْيَمَ رُوْحُ
- ۷۔ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهُ اَلْقَاها اِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُو
- ۸۔ لِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِيْبَةِ فَحَمَلَتْ بِعِيسٰى مِنْ رُ
- ۹۔ وُجْهِهِ وَ نَفَخَہُ كَمَا خَلَقَ اَدَمَ بِيَدِهِ، وَ
- ۱۰۔ اِنِّىْ اَدْعُوْكَ اِلٰى اللّٰهِ وَحَدَّهٖ لَا شَرِي
- ۱۱۔ بِكَ لَهٗ وَ الْمَوَالِىَةِ عَلٰى طَاعَتِهِ وَ اَنْ
- ۱۲۔ تَتَّبِعَنِىْ وَ تُوقِنَ بِالَّذِىْ جِئْتُنِىْ فَاِنِّىْ رُ
- ۱۳۔ سُوْلُ اللّٰهِ، وَ اِنِّىْ اَدْعُوْكَ وَ جُنُو
- ۱۴۔ دَكَ اِلٰى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ قَدْ بَلَّغُ
- ۱۵۔ تْ وَ نَصَحْتُ فَاَقْبَلُوْا نَصِيْحَتِىْ، وَ السَّلَامُ
- ۱۶۔ عَلٰى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

محمد رسول الله

[عیون الأثر : ۳۴۹/۲۔ زاد المعاد، سیرة ابن کثیر، نصب الراية۔ مجموعة الوثائق  
السیاسية۔ الطبقات الكبرى : ۱/۲۵۸، ۲۵۹]

”اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام..... سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے..... میں تمہارے لیے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں..... وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ انتہائی پاک ہے۔ وہ سلامتی دینے والا، امن فراہم کرنے والا اور نگہبانی کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ (ﷺ) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اس نے مریم پر القا کیا، جو دنیا سے کٹی ہوئی تھیں، پاک دامن اور عفت مآب تھیں۔ حضرت مریم (ﷺ) نے عیسیٰ کو اپنے شکم میں اٹھایا..... عیسیٰ (ﷺ) اللہ کی روح تھے۔ اللہ ہی نے ان کو پھونک مار کر اسی طرح پیدا کیا جس طرح اس نے آدم (ﷺ) کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا..... میں تمہیں اللہ واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ مودت و محبت کے ساتھ اس کی اطاعت بجالانے کی طرف بلاتا ہوں..... اور یہ کہ میری پیروی کرو اور اس پیغام پر یقین کرو جو میرے پاس آچکا ہے، کیونکہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکروں کو عزت و جلال والے اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں..... میں نے دعوت کا یہ پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا فریضہ ادا کر دیا، لہذا میری خیر خواہی قبول کرو..... سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے۔“

محدثین کرام، سیرت نگاروں اور مؤرخین اسلام نے اللہ کے رسول ﷺ کے خط مبارک کا جو متن نقل کیا کسی ایک بھی لفظ کی تبدیلی کے بغیر وہ ہم تک اس طرح پہنچا کہ آج نجاشی کے نام لکھا ہوا خط دریافت ہوا ہے تو وہ ہو بہو اسی طرح ہے جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنی کتابوں میں درج فرمایا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ”رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی“ میں لکھا ہے کہ ”دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں حبش کے دارالسلطنت ”ادیس ابابا“ کے ایک مسلم اخبار ”برہان اسلام“

نے یہ خبر شائع کی تھی کہ ہیلا سلاسی شاہ حبش نے اپنے خزانے سے سرور عالم ﷺ کا یہ نامہ مبارک نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھلایا تھا۔“

علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ”خطبات مدراس“ میں ہے کہ ”یہ نامہ مبارک ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی جھلی پر لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں یہ دستاویز ۱۹۳۸ء میں دمشق میں دستیاب ہوئی۔ برطانیہ کے مشہور زمانہ برٹش میوزیم میں مسٹر بل اور مسٹر فلٹن نے ایک تقریب میں بتلایا کہ یہ اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص (دلوپ) کے پاس ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ ﷺ نے پروفیسر مارگو لیوٹ کے توسط سے اس آدمی کو خط لکھا، جس کے جواب میں اس نے خط کا عکس بھیجا۔ خط کی تمام تفصیل لندن کے رسالے J.R.A.S جنوری 1940ء میں مسٹر ڈفالپ کے قلم سے شائع ہوئی۔ خط کے آخر پر مہربوت کا عکس ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ ﷺ نے اپنی کتاب ”الوثائق السیاسیہ“ میں خط مبارک کا عکس شائع کیا اور لکھا کہ استاذ دلوپ کی اجازت سے خط کا یہ عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! اس خط کی سطروں اور عبارت کے مطابق ڈاکٹر حمید اللہ ﷺ نے خط کی عبارت شائع کی، میں نے بھی خط کی عبارت اور اصلی خط کے ایک ایک لفظ کا موازنہ کیا، کہیں کوئی فرق نہیں پایا۔ آخری لائن میں جو لفظ ”اتج“ ہے، اصل خط میں یہ لفظ تین ڈنڈوں کے ساتھ یوں ہے ”اسح“۔ یہ فرق اس لیے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں جو عربی لکھی جاتی تھی اس میں نقطے، زبر، زیر، شد، جزم اور مد وغیرہ نہیں لکھے جاتے تھے۔ بولنے میں یا پڑھنے میں ان کا اظہار ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے ان چیزوں کو رواج دیا، اس لیے کہ اسلام چار سو پچھیل گیا تو غیر عرب لوگ قرآن پڑھتے وقت مشکل میں پڑھ جاتے تھے، لہذا ان کی آسانی کے لیے زبر زیر وغیرہ لگا دیے۔

اس لحاظ سے تین ڈنڈوں کے ساتھ اصل خط میں جو لفظ یوں ”اسح“ لکھا گیا ہے، جب حجاج بن یوسف نے شد لگائی تو ڈنڈے دو ہو گئے کیونکہ جو ”ت“ ہے اس پر نقطے بھی لگ گئے اور شد بھی لگ گئی تو اس کی شکل یوں ہو گئی ”اتج“..... یعنی اصل خط میں جو دو ڈنڈے ہیں وہ



دو عدد ”ت“ کو ظاہر کرتے ہیں اور تیسرا ڈنڈا ”ب“ کو ظاہر کرتا ہے۔

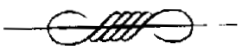
اس خط کی دریافت نے بھی دنیا بھر کے اہل علم کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث اور سیرت اس صفحہ ہستی پر جس قدر مستند اور ثقہ ہیں اس قدر دنیا کی کسی شخصیت کے اقوال و افعال محفوظ اور مستند نہیں ہیں..... جو مستند ہے وہ شخصیت صرف ایک ہے اور اس کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہے۔

قارئین کرام! یہ بھی عرض کر دیں کہ اس وقت حبشہ کا نام ”ایتھویا“ ہے۔ اس کا دارالحکومت ”ادیس ابابا“ ہے، لیکن جس شہر میں اللہ کے رسول کا خط اور سفیر پہنچا اس کا نام ”اکسوم“ تھا۔ یہ اس دور میں نجاشی کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر آج بھی موجود ہے، یہ عیسائیوں کا مقدس شہر ہے، اس کی آبادی بیس ہزار کے قریب ہے۔

اس شہر میں اللہ کے رسول ﷺ کا سفیر جو خط لے کر آیا تھا، اس خط کی عبارت کو ہم نے اسی طرح درج کیا ہے جس طرح اصل خط میں موجود ہے کہ ایک لفظ کا ایک حصہ ایک لائن میں ختم ہو رہا ہے تو اسی لفظ کا دوسرا حرف اگلی لائن میں لکھ دیا گیا ہے۔

قارئین کرام! امام بخاری، کتاب مناقب الانصار باب موت النجاشی ۳۸۷۷ تا ۳۸۷۹ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ جب جناب نجاشی فوت ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے (اللہ کی طرف سے اطلاع پا کر صحابہ کو بتلایا کہ) آج ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے، لہذا اپنے بھائی ”اصحہ“ کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تیار ہو جاؤ، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا..... آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔

قارئین کرام! یہ تھا غائبانہ نماز جنازہ جو اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی کا پڑھایا۔ جن کا نام ”اصحہ“ تھا۔



بسم الله الرحمن الرحيم فقد رسول الله  
 المرسلين سواي سلا لند فاي عهد الله  
 الذي الرزلا اله سره و نسك الا  
 الله وان عهد سكه ورد بمقامه عالي امر و  
 ليو ناه عهد و انقاهد مر - م طرو  
 لارسي عهد انك كرا الله ان مدس  
 عهد نابر - للمسلم ما سلوا لله و  
 بالمر - دس لسه واد صانعه لله  
 ما هر كل ذبه و لسه و لسا السرمه

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کو لکھا  
 گیا..... خط مبارک اصلی حالت میں آج موجود ہے۔

شاہِ مصر جرتج بن مینا کے نام:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلَى الْمَقْوَ قَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ  
 اتَّبَعَ الْهُدٰى . اَمَّا بَعْدُ ! فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ بِدَعَايَةِ الْاِسْلَامِ ، اَسْلِمْتُ تَسْلِمًا ، يُؤْتِيْكَ  
 اللّٰهُ اِحْرَاكَ مَرَّتَيْنِ ، فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ .  
 ﴿ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلَى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ  
 شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَوْلُوا الشَّهٰدٰتَ  
 مُسْلِمُوْنَ ﴾ [ آل عمران : ۶۴ ]

”اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔“

”یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مقوقس کے نام ہے، جو قبط قوم کا بادشاہ ہے۔ سلام اس پر جو ہدایت کا پیروکار بن جائے۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام میں داخل ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اللہ تمہیں دہرے اجر سے نوازے گا، لیکن اگر تم نے منہ پھیر لیا تو پھر قبطی قوم (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تمہاری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ رب مانے۔ اب اگر تم (اس ساجھی دعوت سے) منہ موڑتے ہو تو (مسلمانو! تم انہیں) کہہ ڈالو! گواہ رہنا، ہم تو مسلمان ہیں۔“

[ ”عیون الاثر“ لابن سید الناس : ۲۰۳۰۲۰۲۰ وابن قیم فی زاد المعاد، طبقات ابن سعد :

۲۰۰۱ء محمد بن طولون فی اعلام السائلین و حمید اللہ فی مجموعۃ الوثائق

[السیاسة]

اللہ کے رسول ﷺ نے اسے خوشخبری دی کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے پہلے دین عیسائیت کا ثواب بھی ملے گا اور مسلمان ہونے کا بھی یعنی اگر وہ اسلام لے آئے تو نو مسلم کے لیے دواجر ہیں۔

خط مبارک کا انکشاف:

مصر میں عیسائیوں کی ایک قدیم خانقاہ ”انجیم“ کے قریب واقع ہے۔ ۱۸۵۴ء میں یہاں فرانس کا ایک مستشرق تحقیق و ریسرچ کے لیے آیا۔ اس کا نام ”موسیو بار تھلمی“ ہے۔ یہاں تحقیق کے دوران اس کی نظر ایک قطعی عیسائی راہب کی انجیل کے اس صفحہ پر پڑی جہاں کھال کی ایک باریک جھلی پر لکھا ہوا ایک خط چپکا ہوا تھا۔ اس نے پڑھا تو حیران رہ گیا کہ یہ تو وہ خط ہے جو اسی مصر کی سرزمین پر جناب محمد کریم (ﷺ) نے عیسائی حکمران مقوقس کو لکھا تھا۔

یہ بات جب سلطان عبدالجید تک پہنچی کہ وہ اس دور میں خلافت عثمانیہ کے سلطان تھے، تو انھوں نے یہ خط دیکھا اور تین سو پاؤنڈ کی رقم کے عوض خرید لیا۔ سلطان ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۸۶۱ء میں فوت ہوا تھا۔ خط کے مضمون کا جب اصل خط کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو کوئی فرق نہ تھا۔ سلطان نے اس خط کو سونے کے فریم میں لگوایا اور شاہی محل کے خزانے میں دیگر تبرکات نبوی ﷺ کے ساتھ اسے بھی محفوظ کر دیا۔

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا اور میں ترکی گیا تو استنبول کے عجائب گھر میں اس خط مبارک کو بھی دیکھا۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد شاہی محل کو عجائب گھر بنا دیا گیا۔ اس عجائب گھر کا نام ”توپ کا پی“ ہے جس کا معنی توپ کا دروازہ ہے۔ یہ محل سلطان محمد الفاتح رحمۃ اللہ علیہ نے قسطنطنیہ یعنی استنبول کی فتح کے بعد ۱۴۵۸ء میں تعمیر کروایا تھا۔ سلطان کا بنایا ہوا یہ محل جس میں کئی ہال کمرے ہیں۔ ایک ہال کمرے کا نام ”قاعة العرش“ ہے۔ اس میں جب میں داخل ہوا تو یہاں اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دیکھا جو سونے کے فریم میں جڑا ہوا یہاں محفوظ تھا۔ پھرے دار یہاں ہر وقت موجود ہوتا تھا۔ میں یہ خط دیکھ رہا تھا تو میرے ذہن میں چودہ

سو سالہ پرانا نقشہ گھوم رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ مقوس کی طرف خط لکھوا رہے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں۔ مشہور مؤرخ واقدی نے کاتب کے طور پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا نام لکھا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اس عجیب گھر کا دورہ کیا تھا۔ انہوں نے عجائب گھر کے ڈائریکٹر جنرل کی اجازت سے خط کی فوٹو کاپی کروائی۔ اسے اپنی کتاب ”مجموعۃ الوثائق السياسية“ میں لگایا اور اس دور میں فرانسیسی، انگریزی اور اردو وغیرہ میں اس خط پر جو تحقیق ہوئی اس کے حوالہ جات بھی دیے۔

یاد رہے! حدیث کے بعض علماء نے خطوط کے متن میں سند کے لحاظ سے کلام بھی کیا ہے لیکن آج یہ خطوط اپنی اصل شکل میں سامنے آ کر یہ دعوت دے رہے ہیں کہ محدثین کرام نے سیرت رسول ﷺ کا جو ذخیرہ جمع کیا وہ کس قدر مستند اور ثقہ ہے۔



## رسول کریم ﷺ اور حاکم بحرین کا رابطہ:

علامہ ابن سید الناس جناب واقدی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جناب واقدی..... حضرت عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنی سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ مدنی کہتے ہیں: ”میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی کتابوں میں اللہ کے رسول ﷺ کا مکتوب دیکھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہو چکے تھے۔ میں نے وہاں سے خط کی عبارت نقل کی وہ اس طرح تھی:

”اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہما کو منذر بن ساویٰ کی طرف منذر کے نام خط دے کر روانہ فرمایا۔ اس خط میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔“

اس خط میں منذر بن ساویٰ نے اللہ کے رسول ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:

((أَمَّا بَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَإِنِّي قَرَأْتُ كِتَابَكَ عَلَى أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ، فَمِنْهُمْ مَنْ أَحَبَّ الْإِسْلَامَ وَأَعْجَبَهُ وَدَخَلَ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ. وَبَارِضِي مَجُوسٍ وَيَهُودٍ، فَأَحَدِثْ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ أَمْرًا))

”اللہ کی حمد و ثنا کے بعد، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں نے بحرین کے باسیوں کو آپ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا۔ ان لوگوں میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے، جبکہ بعض لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ مزید برآں! یہ بھی عرض ہے کہ میری مملکت میں مجوسی بھی رہتے ہیں اور یہودی بھی آباد ہیں۔ آپ ﷺ ان کے بارے میں حکم صادر فرمائیے کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔“

الحمد لله الرحمن الرحيم  
 صوره الى الله وحده  
 من اسع العدي  
 ساه بنا سلم  
 فليس والله اعلم  
 ان قرأ كتاب  
 هو سا وسك  
 ولا يحوك  
 لونا فهو لونا  
 لونا

اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک جو شاہ مصر مقوس کو لکھا گیا..... یہ خط آج

دریافت ہو چکا ہے۔  
 محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول کریم ﷺ کا جوابی خط منذر بن ساوی کے نام:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ اِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوِی،

سَلَامٌ عَلَیْكَ، فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ، اَمَّا بَعْدُ : فَاِنِّیْ اُذْکَرُکَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّهٗ مَنْ یَنْصَحُ فَاِنَّمَا یَنْصَحُ لِنَفْسِهٖ، وَ اِنَّهٗ مَنْ یُطِيعُ رُسُلِیْ وَ یَتَّبِعُ اَمْرَهُمْ فَقَدْ اطَاعَنِیْ، وَ مَنْ نَصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِیْ، وَ اِنِّ رُسُلِیْ قَدْ اَتَوْا عَلَیْكَ خَیْرًا وَ اِنِّیْ قَدْ شَفَعْتُکَ فِیْ قَوْمِکَ، فَاتْرُکْ لِلْمُسْلِمِیْنَ مَا اَسْلَمُوْا عَلَیْهِ، وَ عَفُوْتُ عَنْ اَهْلِ الذُّنُوْبِ، فَاَقْبَلْ مِنْهُمْ وَ اِنَّکَ مَهْمَا تُصْلِحُ فَلَنْ نَعْرِ لَکَ عَنْ عَمَلِکَ، وَ مَنْ اَقَامَ عَلٰی یَهُودِیَّةٍ اَوْ مَجُوسِیَّةٍ فَعَلِیْهِ الْجَزِیَّةُ.

”اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام!

تم پر سلام ہو۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اللہ کی اس حمد و ثنا کے بعد میں تمہیں اللہ عز و جل کی یاد دلاتا ہوں۔ جو شخص بھی نصیحت قبول کرتا ہے وہ دراصل اپنے آپ ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جو شخص میرے نمائندوں کی اطاعت کرے گا اور ان کے احکامات کی پیروی کرے گا وہ حقیقت میں میری اطاعت کرے گا اور جو شخص ان نمائندوں کے ساتھ خیر خواہی کرے گا تو وہ میرے ساتھ خیر خواہی کرے گا۔ میرے نمائندوں نے آپ کے طرز عمل کی پیروی کرنا میرا دین ہے اور میں اپنے تمام کارکنوں کے ساتھ آپ کی پیروی کرنے کی دعا کرتا ہوں۔



سفارش قبول کر لی ہے، لہذا مسلمان جس حال میں بھی اسلام لائے ہیں انہیں اس پر (دعوت پہنچانے کے لیے) چھوڑ دو۔ میں نے قصور واروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے، آپ بھی ان کی معذرت قبول کر لیجئے۔ مزید برآں! جب تک آپ اصلاحی طرز عمل اختیار کیے رکھیں گے، ہم آپ کو آپ کی ذمہ داریوں سے ہرگز معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے، اس سے جزیہ لیا جائے۔“

[عیون الاثر لابن سید الناس : ۳۵۲/۲ - طبقات ابن سعد : ۲۰۲/۱]

### خط مبارک کا انکشاف :

آج سے ایک سو باون سال یعنی ڈیڑھ صدی قبل ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۴ء کو اس خط کا انکشاف اس طرح ہوا کہ وہی فرانسیسی سیاح جسے مصر میں اللہ کے رسول ﷺ کا خط بنام مقوقس ملا تھا، اسے تحقیق اور ریسرچ کے دوران مصر ہی کے ایک قبلی راہب سے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ خط بھی ملا۔ ترکی کے سلطان عبدالحمید خان نے یہ خط بھی خرید لیا اور سونے کے فریم میں لگا کر قسطنطنیہ کے عجائب گھر میں رکھوا دیا۔ بجز اللہ اس عجائب گھر کو دیکھنے کے دوران جہاں میں نے مقوقس کے نام اللہ کے رسول ﷺ کا خط مبارک دیکھا، وہاں اس خط مبارک کو بھی دیکھا، یہ مکتوب گرامی ایک ایسی کھال (رق) پر لکھا گیا ہے، جو بھورے رنگ میں سیاہی مائل ہو چکی ہے۔ اس اصل خط میں اور وہ خط جسے ہم نے اپنے اسلاف کی کتابوں کے حوالے سے درج کیا، کوئی فرق نہیں ہے، صرف ایک جگہ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلاف کی کتابوں میں «لا إله إلا هو» ہے اور خط میں «لا إله إلا غیرہ» ہے..... یعنی یہاں بھی مفہوم میں کوئی فرق نہیں صرف ایک لفظ کا مترادف لایا گیا ہے۔

کراچی میں حکومت بحرین کے سفیر سے ۱۹۷۶ء میں جب میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے اپنی میز پر پڑی وہ ثرائی دکھلائی جس پر اس خط کی فوٹو کاپی کو ایک خوبصورت سفید رنگ دھات پر اتارا گیا ہے۔ یہ خط مبارک حکومت بحرین کا سرکاری اسمبل ہے۔ اہل بحرین کے لیے اس خط مبارک کی دریافت یقیناً ایک بڑا اعزاز ہے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے یہ خطوط جو دریافت ہو چکے ہیں اور آج اصلی حالت میں موجود ہیں، وہ تعداد میں پانچ ہیں۔ ہم نے ان پانچوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ یہ پانچ خطوط اس طرح ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ کے دریافت شدہ پانچ خطوط:

نمبر شمارہ	اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد	حکمران	مقام
۱	حضرت دجیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	قیصر روم، ہرقل	یروشلم
۲	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	کسریٰ ایران، خسرو پرویز	مدائن
۳	حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نجاشی حبشہ، اصمہ ابن ابجر	اکسوم
۴	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	شاہ مصر، مقوقس	اسکندریہ
۵	حضرت علاء بن حفص رضی اللہ عنہ	حاکم بحرین، منذر بن ساوی	بحرین

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے اور بھی کئی بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ ان میں عمان کے بادشاہ قابیل ذکر ہیں۔ یہاں دو بھائی حکمران تھے۔ بڑے کا نام جیلر بن جلدی اور چھوٹا عبد بن جلدی تھا۔ مکتوب مبارک دونوں کے نام تھا۔ خط لے کر جانے والے حضرت عمرو بن عامس رضی اللہ عنہ تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں عمان کی حاکمیت پر برقرار رکھا۔ آج کل عمان کا دار الحکومت ”مسقط“ ہے۔ کیا معلوم کہ کل کو کسی وقت یہ خط مبارک بھی دریافت ہو جائے اور اہل عمان کے اعزاز و افتخار میں اضافہ ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دیگر خطوط مبارک اور دستاویزات کی تفصیل مجموعہ دلائل وبراہین سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ تاہم ہم نے صرف انہی خطوط کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، جو آج دریافت ہو چکے ہیں اور دنیا بھر کو یہ دعوت دے رہے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ، سیرت پاک کا ایک ایک نقش اس طرح حفاظت و سیانت سے محفوظ ہے کہ دنیا میں نہ کوئی ایسی مثال آپ ﷺ کی ذات گرامی سے قبل ملتی ہے اور نہ بعد میں آج تک مل سکی ہے اور نہ قیامت تک آئندہ ہی مل سکے گی۔ جی ہاں! اس شخصیت کا نام نامی اور اسم گرامی ہے ”محمد ﷺ“

## خیبر میں یہودی ادھیڑ دیے گئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر خیبر کی طرف:

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف جہاد کے لیے نکلا تھا۔ ”صہبا“ خیبر کے نشیب میں ایک مقام ہے، جب ہم وہاں پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ نے وہاں عصر کی نماز ادا کر کے سفر کا کھانا طلب فرمایا، مگر ستو کے سوا کچھ موجود نہ تھا، چنانچہ وہی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے بھگونے کا حکم دیا اور پھر وہی آپ ﷺ نے بھی کھایا اور ہم سب نے بھی کھایا۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ۴۱۹۵۔ مسند أحمد: ۳/۴۶۲، ح:

۱۵۸۰۶ و إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۱۱۵۵ و إسناده صحيح ]

خیبر کھجوروں کے باغات سے مالا مال علاقہ ہے۔ یہ شہر مدینہ منورہ سے ۱۸۱ کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں ہے۔ یہاں کے یہودی مدینہ منورہ میں قائم اسلامی حکومت کو ملیا میٹ کرنے کے لیے لگا تار سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں کا سردار سلام بن ابی العقیق ہی مشرکین مکہ اور بنو غطفان کو تیار کر کے مدینہ پر حملے کے لیے لایا تھا۔ اندر سے بنو قریظہ کے یہودیوں کو تیار کیا تھا اور یوں مل ملا کے غزوة اتراب وجود میں آیا تھا۔ غزوة اتراب میں کامیابی اور پھر صلح حدیبیہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے طے کر لیا کہ ان موذی دشمنوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔

مسند احمد کی صحیح روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے مدینے کا انتظام و انصرام حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

[ مسند أحمد: ۳/۴۵۰۲، ح: ۸۵۷۲ و إسناده صحيح ]

مجاہدین صحابہ کا یہ پاکباز لشکر چلا جا رہا ہے۔ مدینہ منورہ سے ایک سو کلو میٹر تک کا دروں پر مشتمل بیچ دار پہاڑی راستہ صحابہ نے طے کر لیا ہے۔ اب آگے وادی پست اور کشادہ ہے۔ اسی کشادہ وادی میں ”صہبا“ نام کا تالاب آ گیا ہے۔ لشکر کے لشکریوں کی معاشی حالت کا یہ حال ہے کہ وہ یہاں ستوؤں کو پانی میں بھگو کر بطور کھانا استعمال کر رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد طیبہ سے نکلنے والا لشکر حسب معمول خیبر کی جانب رواں دواں ہو چکا ہے۔

شہادت پکی ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میرے چچا جان حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے رجزیہ یعنی جنگی اشعار پڑھنے شروع کیے.....

تَاللّٰهِ ! لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا  
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا  
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَعْنَيْنَا  
فَبَيَّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا  
وَ أَنْزَلْنَ سَكِينَةً عَلَيْنَا

”اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی راہ نہ پاتے، نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے اور اے اللہ! ہم تیرے فضل سے بے پروا نہیں ہوئے..... اے اللہ! جب ہماری کافروں سے جنگ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہم پر اپنی رحمت اور سکینت اتار۔“

یہ اشعار سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں عامر ہوں!“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ »

”تیرا رب تیری مغفرت فرمائے۔“

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے لیے بطور

خاص مغفرت طلب کرتے تو وہ شخص شہید ہو جاتا تھا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة ذی قرد وغیرہا: ۱۸۰۷]

زبان نبوت نے جہادی سفر کے دوران حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو گویا شہید قرار دے دیا ہے۔ یہ ہے زندہ شہید جو جہادی ترانہ پڑھتا ہوا راہ جہاد میں چلتا ہوا..... میدان جہاد کی طرف گامزن ہے۔ لشکر اب خیبر کے قریب پہنچ چکا ہے۔ رات خیبر کے قریب ہی گزاری گئی ہے۔

اللہ کی قسم! محمد ﷺ اور لشکر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ جب حملہ آور ہونے کے لیے دشمن پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے تک ان پر یلغار نہ کرتے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اگلا منظر یوں دکھاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صبح کی نماز خیبر کے قریب پہنچ کر ادا کی۔ اس وقت ابھی اندھیرا تھا۔ صبح مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں کہ جب اندھیرے میں ہم صبح کی نماز ادا کر چکے تو اللہ کے رسول ﷺ (گھوڑے پر) سوار ہوئے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ سوار ہوئے اور میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے بازاروں میں گھوڑا دوڑانا شروع کیا تو آپ ﷺ کی ران مبارک سے کپڑا ہٹ گیا، چنانچہ میرا گھٹنا اللہ کے رسول ﷺ کی ران مبارک کے ساتھ گٹنے لگا۔ میں اللہ کے نبی ﷺ کی سفید ران کو دیکھنے لگا، پھر جب آپ ﷺ شہر میں پہنچے تو یوں اعلان کرنے لگے:

« اَللّٰهُ اَكْبَرُ، حَرَبَتْ حَيْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْدَرِيِّنَ »

”اللہ بہت بڑا ہے، خیبر خراب ہو گیا، ایسی قوم کہ جسے پہلے ہی تشبیہ کی جا چکی ہے، اس سے لڑنے کو جب ہم ان کے میدان میں آ جاتے ہیں تو ان کی صبح بربادیوں کا پیغام لے کر آتی ہے۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے تین بار مذکورہ اعلان فرمایا۔ اس وقت لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف نکل رہے تھے۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب ما یذکر فی الفخذ: ۳۷۱۔ مسلم، کتاب النہجۃ والسیر، باب غزوة خیبر: ۱۳۶۰، بعد ۱۸۰۱]

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں ہیں:

”جب صبح ہو رہی تھی تو یہودی اپنے کلباڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکل رہے تھے۔ انہوں نے جو نبی اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا تو یوں شور مچانے لگے:

«مُحَمَّدٌ وَاللَّهِ! مُحَمَّدٌ وَالْحَمِيسُ»

”محمد ہیں..... اللہ کی قسم! محمد ہی ہیں..... وہ لشکر لے کر آگئے ہیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ۴۱۹۸]

احزاب یعنی اتحادی افواج جب بھاگ گئیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ اب وہ نہیں آئیں گے بلکہ ہم ان کی طرف جائیں گے، سو غزوة خندق کے بعد خیبر کی یہ پہلی لڑائی تھی جو اقدامی اور ہجومی جنگ تھی۔ اس کا آغاز اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں پر یلغار سے کیا جو بار بار جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے۔ دوسری قوموں کو بار بار مسلمانوں پر چڑھا لایا کرتے تھے۔ اب جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ آگئے ہیں اور انہیں ان کی کرتوتوں کی سزا ملنے والی ہے تو وہ بھاگ بھاگ کر اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہونے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور لشکر کے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔

تلوار مڑ کر اپنی ہی شہ رگ پہ جا لگی:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا بادشاہ -رحب تلوار لہراتا ہوا مہارزت کے میدان میں نکلا اور یوں چنگھاڑنے لگا:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْرَ اَنِّي مَرْحَبُ  
شَاكِي السَّلَاحِ بَطْلُ مُحَرَّبُ  
اِذَا الْحُرُوبُ اَقْبَلَتْ تَلَّهَبُ

”سارا خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، پوری طرح ہتھیار بند، نہاد، آزمودہ کار (جو ہر دکھلاتا ہوں) جب لڑائیاں شعلے اڑاتی ہوئی آتی ہیں۔“

یہ سن کر میرے چچا جان حضرت عامر رضی اللہ عنہ مبارزت کے میدان میں، یہ کہتے ہوئے نکلے:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْبِرَ اَنِّي عَامِرٌ  
شَاكِي السَّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

”سارا خیر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، پوری طرح ہتھیار بند لڑائی میں گھسنے والا۔“

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نقشہ کھینچتے ہیں کہ دونوں نے ایک ایک وار ایک دوسرے پر اس طرح کیا کہ پہلے مرحب نے وار کا آغاز کیا۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے وار کو ڈھال پر روک لیا اور پھر جب عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب پر نیچے سے وار کیا تو (مرحب جھپ لگا کر اوپر کود گیا اور) تلوار کا وہ وار واپس عامر رضی اللہ عنہ ہی کو آن لگا۔ جس سے ان کی شررگ کٹ گئی اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر میں نکل کھڑا ہوا..... اب کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ عامر کا معاملہ تو خراب ہو گیا۔ یہ سنتے ہوئے میں روتا روتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور عرض کرنے لگا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عامر کا معاملہ تو خراب ہو گیا۔“ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«مَنْ قَالَ ذَلِكَ؟»

”ایسا کس نے کہا؟“

میں نے عرض کی: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض نے یہ کہا ہے۔“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَذَّبَ مَنْ قَالَ ذَلِكَ بَلْ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ»

”جس نے ایسا کہا، غلط کہا، اس کے برعکس عامر کے لیے تو دہرا اجر ہے۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة ذی قرد وغیرہا: ۱۸۰۷]

مبارزت کا میدان یہود نے جیت لیا۔ اس اکڑفوں سے نہیں جس سے وہ میدان میں آیا

تھا، حضرت عامر رضی اللہ عنہما تو اپنے ہی وار سے شہید ہوئے اور شہادت کا دہرا اجر پائے۔ اللہ کے رسول ﷺ راتے ہی میں خبر دے چکے تھے اور وہ خبر آغاز کار ہی میں پوری ہو گئی۔ میدان مبارزت میں تکمیل کو پہنچی اور حضرت عامر رضی اللہ عنہما شہادت کی دہری خلعت فاخرہ زیب تن کیے جنت میں جا پہنچے۔ اب اگلا روز پھر مقابلے کا روز تھا۔ اس روز کیا ہوا؟ دیکھتے ہیں اگلا منظر.....!

خیبر کا پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ خیبر کے روز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”یہ جھنڈا کل میں ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت کرتا ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔“

اب صورتحال یہ ہو گئی کہ لوگوں کی رات اسی سوچ میں گزر گئی کہ دیکھیں کل جھنڈا کس کو ملتا ہے؟ پھر جب صبح ہوئی تو سارے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہر ایک یہی آس لگائے ہوئے تھا کہ جھنڈا اس کو مل جائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيْنَ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ»

”ابو طالب کا بیٹا علی کہاں ہے؟“

عرض کی گئی: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ان کی تو آنکھیں خراب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”انھیں میرے پاس بلا لاؤ۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة حبیر: ۴۲۰۔ مسلم: ۲۴۰۶]

صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا، ان کی آنکھیں خراب تھیں، میں انھیں اللہ کے رسول ﷺ



کے پاس لایا۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة ذی قرد وغیرہا: ۱۸۰۷ ]

صحیح بخاری میں ہے: ”جب انھیں لایا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگا دیا اور ان کے لیے دعا بھی کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ٹھیک ہو گئے جیسے ان کی آنکھوں میں کبھی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں پرچم عطا فرمایا۔ پرچم تمام کر حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک کہ وہ ہمارے جیسے (مسلمان) نہ ہو جائیں۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہاں! اسی طرح اپنے عزم پر ڈٹے ہوئے میدان میں جاؤ پھر انھیں اسلام قبول کرنے کی طرف بلاؤ، انھیں اللہ کے اس حق کے بارے میں آگاہ کرو جو ان پر واجب ہے۔ اللہ کی قسم! تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خبیر: ۴۲۱۰ ]

### مرحب کی کھوپڑی اڑ گئی:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پرچم عطا فرمایا۔ مرحب میدان میں نکلا اور لگا وہی بول بولنے: ”سارا خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، پوری طرح ہتھیار بند، بہادر آزمودہ کار کہ جب لڑائیاں شعلے اڑاتی ہوئی آتی ہیں۔“ مقابلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور یوں لکارنے لگے:

أَنَا الَّذِي سَمَّيْتُ أُمَّي حَيْدَرَهُ  
تَكَلَيْتُ غَابَاتِ كَرِيهِ الْمُنْظَرَهُ  
أَوْ فِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلِ السَّنْدَرَهُ

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، مثل اس شیر کے جو جنگلوں میں ہوتا ہے اور اس کا چہرہ خوف کی علامت ہوتا ہے، میں دشمن کو اینٹ کا جواب

پھر سے دیتا ہوں۔“

یوں لکارتے ہوئے حضرت علیؑ نے مرحب کے سر پر وار کیا، اسے قتل کر دیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة فرد وغیرہا: ۱۸۰۷]

طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

«سَمِعْتُ وَقَعَ السَّيْفُ فِي أَسْنَانِ مَرْحَبٍ»

”میں نے سنا تلوار کا وار مرحب کے دانتوں پر لگا۔“

[طبرانی فی الکبیر: ۲۳/۲۵۱، ح: ۵۰۹، و إسناده حسن لذاته]

یعنی وہ جو بول بولتے ہوئے آیا تھا..... انھی دانتوں پر حضرت علیؑ کا وار پڑا اور چیرتے ہوئے اس کی کھوپڑی اڑا کر ہوا میں اچھال دی۔

یاد رہے! حیدر! شیر کو کہتے ہیں اور جنگل کے طاقتور شیر کو شیر بھر کہتے ہیں یعنی حیدر کرار۔

کرار کا مطلب ہے چھپنے اور پلٹ کر بار بار چھپنے والا۔

”صاع“ ایک چھوٹا پیاناہ ہے اور ”سدرہ“ اس سے بڑا پیاناہ ہے۔ دشمن کو صاع کے بدلے ”سدرہ“ دیتا ہوں یعنی حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں کہ دشمن مجھ پر جس قدر بھی حملہ کرے گا خفیف اور ہلکا ہی کرے گا اور جب میں جواب دوں گا تو کہیں بڑا جواب دوں گا۔

اردو زبان میں معروف ”انسائیکلو پیڈیا“ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق خیبر کی آبادی مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم تھی:

۱۔ نطاۃ کا علاقہ: اس علاقے میں ”ناعم“ ”صعب بن معاذ“ اور ”زبیر“ نامی قلعے تھے۔

۲۔ شق کا علاقہ: اس میں ”ابی“ اور ”نزار“ نامی قلعے تھے۔

۳۔ کتیبہ کا علاقہ: اس میں ”قوص“ ”طح“ اور ”سلام“ کے قلعے تھے۔

نیز چھوٹے قلعے اور تنگ گڑھیاں بھی تھیں۔ حضرت علیؑ کا مقابلہ مرحب کے قلعے کے

باہر ہوا۔ اس کا نام ”ناعم“ ہے..... اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ یہ کئی ہفتے جاری رہی۔

بعض محلے اور قلعے لڑائی سے فتح ہوئے۔ بعض محاصرے ہی سے فتح ہو گئے اور بعض کے باسی

یہودی دہشت زدہ ہو کر خود ہی زیر ہو گئے۔

یہودیوں نے خزانہ چھپایا اور معاہدہ توڑا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے جنگ کی، یہاں تک کہ انھیں مغلوب ہونے پر مجبور کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی جاگیروں، کھجوروں کے باغات اور کھیتوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہودیوں نے اس صورتحال میں آپ ﷺ سے اس شرط پر صلح کرنا چاہی کہ وہ خیبر سے نکل جائیں گے، البتہ ان کی سواریاں جس قدر سامان اٹھا سکیں، انھیں لے جانے کی اجازت دے دی جائے، باقی زیورات اور نقدی وغیرہ اللہ کے رسول (ﷺ) کی ہوگی۔ یہودی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ شرط لگائی:

”وہ نہ کوئی چیز چھپائیں گے اور نہ کچھ غائب کریں گے، اگر وہ ایسی حرکت کا ارتکاب کریں گے تو ان کی حفاظت کا ذمہ ختم ہو جائے گا۔“

اب یہودیوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کھال کا بنا ہوا ایک بورا چھپا لیا۔ اس میں مال و دولت اور وہ زیورات تھے جنہیں حی بن اخطب اس وقت لایا تھا جب بنو نضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر یہاں خیبر میں آئے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ”حی کے اس بورے کا کیا بنا جسے وہ بنو نضیر کے پاس سے لایا تھا؟“ سعید کہنے لگا: ”جنگوں کے اخراجات اور دیگر ضروریات نے اس خزانے کو اڑا دیا۔“ یہ جواب سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کہا: ”تمہارا عہد ابھی تازہ تازہ ہوا ہے اور جو مال و دولت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔“

اب اللہ کے رسول ﷺ نے سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سعید کی ٹھکانی کی تو وہ بول اٹھا کہ فلاں ویرانے میں حی بن اخطب گیا تھا اور میں نے اسے وہاں گھومتے پھرتے بھی دیکھا تھا۔ چنانچہ مجاہدین وہاں گئے اور کھوج لگانے کے لیے ذرا گھومے پھرے تو انھیں ویرانے میں وہ بورا مل گیا۔ چنانچہ ابی حقیق کے دونوں بیٹے جو یہ خزانہ

چھپانے میں شامل تھے، آپ ﷺ نے ان دونوں کو قتل کروا دیا۔ ان دونوں بھائیوں میں سے ایک کی بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی عورتوں اور مردوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا اور عہد شکنی کی وجہ سے ان کے مالوں کو بھی تقسیم کر دیا اور ان کو جلاوطن کرنے کا بھی ارادہ کر لیا، لیکن یہود کہنے لگے:

”اے محمد! (ﷺ) جانے دیجیے، ہمیں یہیں رہنے دیجیے، ہم کھیتی باڑی کریں گے اور زمینوں کی نگرانی و حفاظت کریں گے..... اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی ایسے نوکر چاکر نہیں تھے جو اس کھیتی باڑی کا کام کرتے اور نہ وہ اس قدر فارغ تھے کہ ان کاموں میں لگ جاتے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی بات مان لی اور خیبر کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس شرط پر کہ وہ باغات اور کھیتوں میں سے نصف اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کریں گے اور اس کے علاوہ جو کچھ سامنے آیا اس میں سے بھی حصہ نکالیں گے۔“

[ أبو داؤد، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم أرض خیبر: ۳۰۰۶ و إسناده حسن

لذاته۔ ابن حبان: ۵۱۹۹ و إسناده حسن لذاته ]

یہود کی عہد شکن حرکت کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے درگزر سے کام لیا۔ عہد شکنوں کو سزا دی اور باقی ساری قوم کو رہنے کی اجازت دے دی۔ مجاہدین کو کھیتی باڑی میں نہیں لگایا، اس لیے کہ اگر یہ کھیتی باڑی پر لگ گئے تو جہاد و قتال کون کرے گا؟ اور ابھی سارے جزیرۃ العرب کی فتح باقی ہے اور پھر قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کون کرے گا؟

خیبر کے سردار کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ جب ہم نے زور و قوت سے خیبر پر قبضہ کر لیا اور قیدی ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تو اس دوران حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہا کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے نبی (ﷺ)! قیدیوں میں سے مجھے بھی ایک لونڈی عطا فرما دیجیے!“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ ایک لونڈی لے لو۔“

اب وحیہ رضی اللہ عنہا نے حیی کی بیٹی صفیہ رضی اللہ عنہا کو پسند کر لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے:

”قیدی عورتوں میں ہم نے اس جیسی کوئی عورت نہیں دیکھی۔“ ایک اور شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: ”اے اللہ کے نبی (ﷺ)! آپ ﷺ نے جی کی بیٹی صفیہ، دحیہ (رضی اللہ عنہا) کے حوالے کر دی، وہ تو بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی ہے۔ بنو نضیر کی چوہدرانی ہے، وہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے مناسب نہیں۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”دحیہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما کو بلاؤ۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ تلاتے ہیں: ”حضرت دحیہ رضی اللہ عنہا اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو لایا گیا اور جب اللہ کے رسول ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو دحیہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ”قیدی عورتوں میں سے تم اس کے علاوہ کوئی اور لوٹری لے لو۔“ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔“

[مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاق أمة ثم يتزوجها: ۱۳۶۵/۸۴ قبل ۱۴۲۸]

یہودن نے زہر آلود گوشت کھلا دیا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”ایک یہودی عورت بکری کا زہر آلود گوشت لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا کھا لیا (اس کے بعد فرمایا کہ اس میں تو زہر ملایا گیا ہے۔) چنانچہ اس عورت کو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے عورت سے اس حرکت کے بارے میں پوچھا تو وہ اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگی: ”میرا پروگرام آپ کو قتل کرنے کا تھا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تجھے ایسی ہمت دینے والا نہیں کہ تو مجھے قتل کر سکے۔“

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ”اجازت ہو تو ہم اس عورت کو قتل کر دیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بالکل نہیں!“

حضرت انس رضی اللہ عنہ تلاتے ہیں: ”مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے تالو میں ہمیشہ اس زہر کا اثر رہا۔“

[مسلم، کتاب السلام، باب السم: ۲۱۹۰]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے اخلاق پر کہ یہودن اقرار بھی کر رہی ہے مگر آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے اسے قتل نہیں کروایا۔

منصوبہ ہم سب نے بنایا تھا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”خیبر کی فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی ہوئی بکری پیش کی گئی۔ اس میں زہر ملا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: ”یہاں جو یہودی ہیں، ان سب کو میرے سامنے پیش کرو۔“ وہ پیش کر دیے گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا: ”میں تم سے کچھ پوچھنے والا ہوں، کیا تم مجھے اس کے متعلق سچ بتلا دو گے؟“ یہودی کہنے لگے: ”جی ہاں!“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”کیا تم نے اس بکری میں زہر ملانے کا پروگرام بنایا تھا؟“ کہنے لگے: ”ہاں!“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”تم نے یہ حرکت کس وجہ سے کی؟“ کہنے لگے: ”ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جھوٹے نبی ہوں گے تو آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہوئے تو زہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

[ بخاری، کتاب الطب، باب ما یدکر فی سم النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۵۷۷۷۔ طبقات ابن سعد:

۱۰۴، ۸۹، ۸۸، ۸۷ [ ولسنادہ صحیح ]

ثابت ہو گیا کہ اس پروگرام کے پیچھے ایسی عورت نہ تھی بلکہ یہ سارے یہودیوں کا ملے شدہ منصوبہ تھا۔

اس جرم کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے منصوبہ ساز یہودیوں کو قتل کرنے کا حق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کیا اور انہیں کچھ نہیں کہا جبکہ یہ یہودی ایسے جھوٹے اور بد فطرت تھے کہ زہر آلود گوشت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید نہ ہونے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے، حالانکہ وہ خود کہہ رہے تھے کہ ہم نے یہ حرکت اس لیے کی تاکہ ہمیں پتا چل جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں یا سچے؟

شہادت پر مبارکباد دینے کا کلمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ”وادئ القرئی“ کی طرف چل دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا۔ اسے ”مدعم“ کہا جاتا تھا۔ بنو ضباب کے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ غلام بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ جب وہ اللہ

کے رسول ﷺ کا کجاہ سواری سے اتار رہا تھا تو کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آیا اور اس غلام کو جا لگا۔ اس پر صحابہ کہنے لگے:

« هَيْنَمَا لَهُ الشَّهَادَةُ »

”اسے شہادت مبارک ہو۔“

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”بالکل نہیں! اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو چادر اس نے خیر میں تقسیم سے قبل ہی مال غنیمت میں سے چرائی تھی، وہ اس پر آگ کا لاؤ بن کر بھڑک رہی ہے۔“

یہ سننا تھا کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک یا دو تے حاضر کر کے کہنے لگا: ”میں نے یہ اٹھالیے تھے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اگر پیش نہ کیے جاتے تو یہ بھی آگ بن جاتے۔“

[بحاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر : ٤٢٣٤]

ثقف و صدوق تابعی صلہ بن اشیم رضی اللہ عنہ کا بیٹا کسی معرکہ میں شہید ہو گیا، چنانچہ عورتیں شہید کی ماں معاذہ بنت عبداللہ کے پاس آ کر یمن کرنے لگیں، اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شاگردہ معاذہ نے کہا:

« إِنْ كُنْتِنَ جِئْتِنَ لِتَهْنِئِنِي فَمَرْحَبًا بِكِنِّ وَ إِنْ جِئْتِنَ لِغَيْرِ ذَلِكَ فَارْجِعِنَ »

[ کتاب الزهد للإمام أحمد : ص ٢٠٨ و إسناده صحيح - طبقات ابن سعد : ٩٩٧/٧، ت

٣٠٢٢ و إسناده صحيح ]

”اگر تو تم مجھے (میرے بیٹے کی شہادت پر) مبارک باد دینے آئی ہو تو میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ (بین وغیرہ کرنے) آئی ہو تو پھر واپس چلی جاؤ۔“

شہادت پر مبارکباد دینے کا کلچر صحابہ کرام اور تابعین میں رواج پذیر تھا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ چاہے کوئی اللہ کے رسول ﷺ کا خدمتگار ہی کیوں نہ ہو، میدان جہاد میں

خیانت کرے گا تو جہنم کی آگ سے بچ نہ پائے گا۔

تیر لگنے کا یہ واقعہ وادی القرئی میں پیش آیا تھا۔ وادی القرئی یہودیوں کا علاقہ تھا۔ اس علاقے کو موجودہ دور میں ”العلاء“ کہا جاتا ہے۔ العلاء کا شہر مدینہ منورہ سے ۳۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کا تعلق مدینہ منورہ کے صوبہ سے ہے، خیبر سے ”العلاء“ کا فاصلہ ۱۹۰ کلومیٹر کے قریب ہے۔

دلہن کا بناؤ سنگھار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں روایت ہے: ”حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ابھی دلہن بن کر آئی ہی تھیں کہ ان کا خاوند قتل ہو گیا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر واپس مدینہ روانہ ہوئے، حتیٰ کہ جب ہم ”صہبا“ کے بند کے پاس پہنچے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پاک ہو گئیں۔“ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ”یہاں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں میری والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا اور فرمایا: ”ان کا بناؤ سنگھار کرو۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ۴۲۱۱۔ مسلم، کتاب النکاح، باب

فضیلة إعتاقہ أمته ثم یتزوجها: ۱۳۶۵/۸۷، بعد ۱۴۲۷]

ثابت ہوا دلہن کے لیے بناؤ سنگھار اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کو ولیمہ کھلایا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”جس کے پاس ضرورت سفر سے زائد کھانے کا سامان ہو وہ اس سامان کو ہمارے پاس لائے۔“

اب جس کے پاس کھجوریں ضرورت سے زیادہ تھیں وہ کھجوریں لا رہا تھا، کوئی ”جو“ لا رہا تھا اور کوئی ستولا رہا تھا، حتیٰ کہ ایک ڈھیر لگ گیا۔ ان ساری چیزوں کو ملا کر ”حصص“ بنا دیا گیا۔

[مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقہ أمته..... الخ: ۱۳۶۵/۸۴ بعد ۱۴۲۷]

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ”میں نے



آپ ﷺ کا ولیمہ کھانے کے لیے مسلمانوں کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کے ولیمہ میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت تھا، ایسا ہوا کہ اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ وہ بچھا دیا گیا تو اس پر کھجور، خیر اور گھی رکھ دیا گیا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة حبیر: ۴۲۱۳ ]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ”سب مجاہدین ولیمے کی دعوت کھانے اور قریب ہی بارش سے بنے پانی کے حوضوں سے پانی پینے لگے، تو یہ تھا اللہ کے رسول ﷺ کا ولیمہ جو اس وقت کیا گیا۔“

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مزید آگاہ کرتے ہیں: ”یہاں خیر اور مدینہ کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ نے تین دن قیام فرمایا۔“ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتلایا: ”آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور ان سے شادی کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا آزاد کرنا ہی ان کا حق مہر تھا۔“

[ مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقہ أمته ثم یتزوجها : ۱۳۶۵/۸۸، بعد

۱۴۲۷۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة حبیر: ۴۲۱۳، ۴۲۰۱ ]

### چاند میری گود میں آگرا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر سبز نشان دیکھا تو پوچھا: ”اے صفیہ! یہ سبز نشان کیسا ہے؟“ انھوں نے بتلایا: ”ابی حقیق کے بیٹے کی گود میں میرا سر تھا اور میں سو رہی تھی۔ اسی دوران میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آن گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اسے سنایا تو اس نے مجھے طمانچہ دے مارا اور کہنے لگا: ”تو یثرب کے بادشاہ کی خواہش کرتی ہے؟“

[ طبرانی کبیر: ۶۷/۲۴، ح: ۱۷۷ و إسناده حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۵۱۹۹ و إسناده

حسن لذاتہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۴/۲۳۰ و إسناده حسن لذاتہ ]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ خواب پورا ہو گیا اور مدینہ منورہ کا چاند ان کی گود میں آن گرا اور رسول کریم ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بن گئے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا کا پاؤں شوہر کے گھسنے پر:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اس کے بعد ہم مدینہ کی طرف چلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی عبا کو اونٹ کی کوہان کے ساتھ باندھ دیا، تاکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اونٹ پہ بیٹھی اسے پکڑے رہیں، اس کے بعد آپ ﷺ اونٹ کے پاس بیٹھ گئے، اپنا گھٹنا یوں پھیلایا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھسنے پر رکھا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر: ۴۶۱۱]

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ کے لیے کمال شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا گھٹنا پیش کیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے تاجدار نبوت حضور عالی مقام ﷺ کے گھسنے پر اپنا پاؤں رکھا۔ ہندوؤں کا وہ معاشرہ جس میں یہ رواج ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے پاؤں بے مقصد چھوتی ہے، قدموں میں گرتی ہے، ذلت اختیار کرتی ہے اور آج تک چلن یہی ہے۔ سبحان اللہ! قربان اس رسول ہاشمی ﷺ پر جنہوں نے شکست خوردہ قوم کی بیٹی کو بیوی بنایا تو ان کے پاؤں کو اپنے گھسنے پہ رکھ کر اونٹ پر سوار کرایا اور عورت کی عزت و حرمت کو چار چاند لگا دیے۔

ساری رات رسول اللہ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”آج تم زوال کے بعد (سارا دن) اور ساری رات چلتے رہو گے، اللہ نے چاہا تو

کل پانی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔“

چنانچہ لوگ چل پڑے، چلتے چلتے ایسے تھکے کہ کوئی کسی کی طرف دھیان نہ دیتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی متواتر چلتے ہی چلے گئے، حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ایک جانب چل رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ پر اونگھ طاری ہوئی اور آپ ﷺ اپنی سواری پر بیٹھے ایک جانب جھک گئے۔ میں نے جلدی سے آپ کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کو جگائے بغیر سہارا دیا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر سفر جاری ہو گیا،

یہاں تک کہ جب بہت رات گزر گئی تو آپ پھر جھکے، میں نے پھر آپ کو جگائے بغیر سہارا دیا اور آپ پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ پچھلی رات ہو گئی، اللہ کے رسول ﷺ پھر ایک جانب کو جھک گئے، مگر اب کی بار تو اس قدر جھکے کہ بس گرنے ہی والے تھے، چنانچہ میں نے جلدی سے آپ ﷺ کو سہارا دیا، مگر اس بار آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ”کون ہے؟“ میں نے عرض کی: ”ابوققادہ ہوں۔“

اس پر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ”کب سے میرے ساتھ ساتھ چل رہے ہو؟“ میں نے عرض کی: ”جب سے اس رات کا سفر شروع ہوا ہے، میں متواتر آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا ہوں۔“ اس پر آپ ﷺ نے یوں دعا دی:

(( حَفِظَكَ اللَّهُ بِمَا حَفِظْتَ بِهِ نَبِيَّهٖ ))

[مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة ..... الخ : ۶۸۱]

”جس طرح تو نے اللہ کے نبی ﷺ کی حفاظت کی اسی طرح اللہ تیری حفاظت کرے۔“

اللہ ہی ہے جسے اونگھ تک نہیں آتی، ورنہ ہر انسان جب تھکاوٹ سے چور ہوتا ہے تو اس پر اونگھ طاری ہو جاتی ہے اور وہ سو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ جہاد و قتال کے سفر میں تھکاوٹ سے چور ہو چکے ہیں مگر آپ ﷺ کا جاں نثار اللہ کی توفیق سے اپنے سالار کی حفاظت کرتا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ وہ محافظ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت بھی کر رہا ہے اور جب آپ ﷺ گرنے لگتے ہیں تو وہ آگے بڑھ کر حفاظت کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے اور پھر اللہ کے رسول ﷺ سے دعا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے محافظوں کی خدمت بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)  
جس رب نے مجھے سلائے رکھا اسی نے.....:

حضرت ابو ققادہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”جب اللہ کے رسول ﷺ غزوہ خیبر سے واپس پلٹے تو رات بھر چلتے رہے، حتیٰ کہ جب آپ (ﷺ) اونگھنے لگے تو ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اگر ہم پڑاؤ ڈال

دیں تو کیسا رہے گا؟“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے خدشہ ہے کہ اس وقت پڑاؤ ڈال لیا تو تم سوتے رہ جاؤ گے اور نمازِ فجر جاتی رہے گی۔“ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”آپ سب کو جگانا میرے ذمہ رہا۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا: ”ٹھیک ہے، آج رات تم پہرا دو۔“

اب سارے لوگ سو گئے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے لگے، چنانچہ جس قدر اللہ کو منظور تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے رہے اور پھر جب صبح قریب ہوئی تو انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر لیا اور اپنی اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگالی۔ یوں بیٹھنا تھا کہ ان کی آنکھوں پر نیند نے غلبہ پا لیا اور وہ سو گئے، پھر نہ تو اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھ کھلی نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اور نہ صحابہ ہی میں سے کسی اور کی آنکھ کھل سکی، حتیٰ کہ سورج کی دھوپ جب ان کے چہروں پر پڑی تو سب سے پہلے جس کی آنکھ کھلی وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ گھبرا گئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دینے لگے:

« يَا بِلَالُ! اَيْنَ مَا قُلْتِ؟ »

”اے بلال! جو تو نے کہا تھا وہ کہاں گیا؟“

اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) جیسی نیند آج آئی ایسی پہلے کبھی نہیں آئی اور بات یہ ہے کہ آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان! اسی رب نے میرے نفس کو پکڑ کر نیند میں مبتلا کیا، جس نے آپ (ﷺ) کے ساتھ ایسا کیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ وَ رَدَّهَا عَلٰيكُمْ حِيْنَ شَاءَ »

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو جب چاہتا ہے (نیند میں مبتلا کر کے) قبضے میں کر لیتا

ہے اور جب چاہتا ہے ان روحوں کو تمہارے جسموں میں لوٹا کر (بیدار کر دیتا ہے۔)“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہاں سے اونٹوں کو ہانکو۔“ صحابہ کرام نے اونٹوں کو تھوڑا سا بانکا تو نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ”چلو اور اذان کہو۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو کیا اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے تو فرمایا: ”جس کی نماز

رہ جائے اسے جس نام یاد آئے اسی وقت ادا کر لے۔“

[ بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت : ۵۹۵۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة ..... الخ : ۶۸۰، ۶۸۱۔ أبو داؤد : ۴۳۵۔ ترمذی : ۳۱۶۳۔ مسند أحمد : ۳۰۷/۵ ح : ۲۲۹۸۵ و إسناده حسن لذاته ]

نیند نے سالار لشکر ﷺ اور پہرے دار سمیت تمام مجاہدین کو سلا دیا، اللہ کے رسول ﷺ کی پیشگوئی بھی پوری ہو گئی اور اگلے دن پانی مل گیا۔ سورج چڑھے آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے پوری زندگی میں سورج چڑھے نماز فجر ایک ہی دفعہ پڑھائی اور یہ واقعہ جہاد کے سفر میں پیش آیا۔  
قصواء نے ٹھوکر کھائی :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”جب سارے لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹنی کو ذرا تیز دوڑایا، ہم نے بھی اپنی سواریوں کو دوڑا دیا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی ”قصواء“ نامی اونٹنی نے ٹھوکر کھائی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ گر پڑے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی گر پڑیں۔ آپ ﷺ اٹھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر چادر ڈالی۔“

[ مسلم، کتاب النکاح، باب فضیلة إعتاقہ أمته ..... الخ : ۱۳۶۵/۸۷، بعد ۱۴۲۷ ]

صحیح مسلم (۴/۱) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بار گھوڑے سے بھی گرے تھے جس سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کی دائیں جانب چھل گئی تھی۔ جی ہاں، لوگو! شہسوار ﷺ گرے تو جہادی سفر میں اور زخمی ہوئے تو جہادی وہیکل گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے۔ راہ جہاد کے یہ زخم اللہ کو بڑے محبوب ہیں اور پھر محبوب ﷺ کے زخم؟ بھلا کتنے پیارے ہوں گے؟ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ دکھلا رہے ہیں کہ لوگو! میرا رسول ﷺ میرا محبوب ہے مگر وہ میرا ایک بندہ بھی ہے اور میں اپنے بندے اور رسول کو دعوتی اور جہادی زندگی میں انھی عام اور فطری طریقوں سے گزار رہا ہوں جن کا ہر شخص کو سامنا ہوتا ہے، تاکہ آنے والے دور میں کوئی یہ نہ کہے کہ وہ تو اللہ کے رسول ﷺ تھے، اللہ کے محبوب اور خلیل یعنی گہرے دوست تھے، ہم کتنھن راہوں کے راہی کیسے بن سکتے ہیں؟ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ کائنات کو قائم رکھنے والا قیوم

صرف اللہ ہی ہے۔ گرتوں کو تھامنے والا وہی ہے، لہذا عبادت اور سجدہ صرف اسی رب کے لیے جو سب گرتوں کو تھامنے والا ہے۔ اس طرح کی تکالیف سے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی تکالیف کو خود رسول اللہ ﷺ کو پہنچی ہیں، چنانچہ

۱۔ جو یتیم ہو اسے یتیمی کا خیال آئے تو جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کے در یتیم ﷺ کو یاد کرے۔

۲۔ جس کا دادا فوت ہو جائے وہ حضور اکرم ﷺ کے دادا کی موت کو نگاہوں میں لائے۔

۳۔ جس کا چچا فوت ہو جائے وہ یاد کرنے کہ رسول کریم ﷺ کے چچا ابو طالب بھی فوت ہوئے تھے۔

۴۔ جس کو بیوی کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑے وہ سردار دو جہاں ﷺ کے غم کو دیکھے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئی تھی۔

۵۔ جس کی بیٹی فوت ہو وہ سوچے کہ محبوب رب العالمین ﷺ کی تین بیٹیاں ان کی زندگی میں فوت ہوئیں۔

۶۔ جس کا بیٹا فوت ہو وہ یاد کرے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے چار بیٹے فوت ہوئے۔

۷۔ جسے سسرالیوں کے ہاتھوں بیٹی کو تکلیف دیے جانے کا غم ستائے تو وہ رسول کریم ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ستائے جانے کو یاد کر لے۔

۸۔ جب کسی کو یہ غم ستائے کہ وہ دنیا میں اکیلا ہے، اس کا نہ کوئی بھائی ہے نہ بہن ہے تو وہ رسول کریم ﷺ کو یاد کر لے کہ آپ ﷺ کا بھی نہ کوئی بھائی تھا اور نہ کوئی بہن تھی۔

۹۔ جس کے پاس اولاد نہ ہو تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی دو بیٹیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے پاس بھی اولاد نہ تھی۔

۱۰۔ جس کو سردرد اور بخار ہو وہ یہ سوچ لے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی بیماری کی یہ تکلیفیں آئی تھیں۔

الغرض، آپ ﷺ کی زندگی آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں کے لیے زندگی کے ہر دکھ سکھ میں نمونہ ہے۔

مالِ غنیمت کی وجہ سے مجاہدین خوشحال ہو گئے :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کے لوگوں کے ساتھ قتال کرنے سے فارغ ہوئے اور واپس مدینہ تشریف لے آئے تو وہ جاندادیں جو انصار نے اپنے مجاہد بھائیوں کو دے رکھی تھیں، مجاہدین نے اب وہ جاندادیں اپنے انصار بھائیوں کو واپس کر دیں۔“

[ بخاری، کتاب الہبۃ، باب فضل المنیحة : ۲۶۳۰ ]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا: ”اب تو کجھوئیں پیٹ بھر کر کھائیں گے۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خیبر : ۴۲۴۲ ]

مسند احمد کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے لوگوں کے ہمراہ جب مدینہ آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جا چکے تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے خیبر جا پہنچے، وہ جب پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا، چنانچہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آئے، اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔

[ مسند أحمد : ۲/۳۴۵، ۳۴۶، ح : ۸۵۳۳ و إسناده صحيح ]

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حبشہ کے مجاہدین حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں واپس آ گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے مجاہدین کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔

[ بخاری، کتاب فرض الخمس، باب و من الدلیل ..... الخ : ۳۱۳۶، ۴۲۳۳ ]

یہودیوں نے رشوت کی پیشکش کر دی :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال خیبر کے یہودیوں کے پاس جاتے، پھلوں اور فصلوں کا حساب لگا کر ان سے حصہ وصول کرتے۔ ہونے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکوہ کیا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حصے کا حساب لگانے

میں سختی کرتا ہے اور ادھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی پیشکش کی، اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

« يَا أَعْدَاءَ اللَّهِ! أَتَطْعَمُونِي السُّحْتِ؟ »

”اے اللہ کے دشمنو! تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو؟“

پھر کہنے لگے: ”یاد رکھو! اللہ کی قسم! میں اس ہستی (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے آیا ہوں جو ساری دنیا کے لوگوں سے کہیں بڑھ کر مجھے محبوب ہے اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تم مجھے ساری انسانیت میں سب سے بڑھ کر مبغوض ہو، اس وجہ سے کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں بندر اور خزیر بنایا گیا تھا، مگر اس کے باوجود سن لو! تمہارے ساتھ بغض اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اپنی جگہ، یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہارے ساتھ کوئی نا انصافی کروں۔“ یہ سن کر یہودی کہنے لگے:

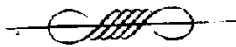
« بِهَذَا قَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ »

[ ابن حبان: ۵۱۹۹ و إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى، للبيهقي: ۱۱۴/۶، ح:

۱۱۶۲۶۔ دلائل النبوة له: ۲۲۹/۴، ۲۳۰، ابو داؤد: ۳۰۰۶ و إسناده حسن لذاته ]

”اسی عدل کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔“

سبحان اللہ! اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل بھی دیکھو، یہودی کی خصلت بھی ملاحظہ ہو اور پھر ان کا اعتراف حق بھی ملاحظہ ہو کہ دنیا قائم ہے تو ایسے عدل ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی کیسی شاندار تربیت کی ہے، اللہ ان سے راضی ہو۔ قارئین کرام! اب ہم تذکرہ کرتے ہیں ان عرب قبائل کا جو مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑنے کی شرارتوں میں فوراً شامل ہو جایا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے مختلف دستے روانہ فرمائے اور ان کے علاقوں ہی میں انہیں توڑ کر رکھ دیا۔





## چند غزوات اور دلچسپ واقعات

قیدی لڑکی کے بدلے دوسرے قیدی چھڑوا لیے گئے :

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم عرب کے مشہور قبیلہ فزarah کے خلاف جہاد کے لیے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے لشکر کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ ہم جب ان کے علاقے کے قریب پہنچے تو وہ جگہ جہاں سے دشمن پانی بھرتا تھا اس سے تھوڑے فاصلے پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اس وقت پچھلی رات کا وقت تھا۔ فجر کے بعد ہمیں ہر سو حملے کا حکم تھا۔ ہم پانی والی جگہ بھی پہنچے پھر تو جو مارا گیا بس وہ اس حملے میں مارا گیا اور جو باقی بچے انھیں ہم قیدی بنا رہے تھے۔ ان لوگوں میں میری نظر ایک ایسے گروہ پر تھی جس میں بچے اور عورتیں تھیں۔ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ پہنچ جائیں، چنانچہ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر پھینکا، وہ لوگ تیر دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے۔ اب میں بھی ان کے پاس جا پہنچا اور انھیں اپنے ساتھ لے آیا۔ ان قیدیوں میں بنو فزarah کی ایک ایسی خاتون بھی تھی جس نے چڑے کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی حسین ترین لڑکی تھی۔ میں ان سب کو جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی بیٹی کو میرے سپرد کر دیا۔ ہم مدینہ میں آ گئے۔ میں نے اس لڑکی کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بازار میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

« يَا سَلْمَةُ! هَبْ لِي الْمَرْأَةَ »

”اے سلمہ! وہ عورت مجھے دے دے۔“

میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! وہ تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے اور میں نے تو ابھی اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔“ اگلے دن اللہ کے رسول ﷺ سے پھر بازار ہی میں ملاقات ہو گئی۔ اب کے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے وہی بات کہی: ”اے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ! تیرا باپ تو بہت اچھا تھا، میں نے لڑکی کا کہا تھا کہ وہ مجھے دے دے۔“ اب میں نے یہ سنتے ہی کہہ دیا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ آپ کی ہو گئی، اللہ کی قسم! میں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔“ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے وہ لڑکی مکہ والوں کے سپرد کر دی اور اس کے بدلے میں کئی مسلمانوں کو آزاد کروا لیا جو مکہ میں قید ہو گئے تھے۔

[ مسلم، کتاب الجہاد و السیر، باب التنفیل و فداء ..... الخ : ۱۷۵۵۔ طبقات ابن

سعد : ۹۰ / ۲ و [إسناده صحيح]

”معجم البلدان“ کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کا لشکر ”نجد“ کے علاقے ”ضمریہ“ کی طرف گیا تھا۔ یمامہ بھی نجد کے علاقے میں ہے اور ”جموم“ بھی اسی علاقے میں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ”اس یلغار میں مسلمانوں کا جنگی شعار ”أَمْتُ أَمْتُ“ تھا۔“ اس کا مطلب ہے ”مارو مارو۔“

[ طبقات ابن سعد : ۹۰ / ۲ و [إسناده صحيح]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عورتوں اور بچوں کو مارا نہیں بلکہ صرف ایک تیران کی اگلی جانب پھینکا۔ مکہ اور بنو فزارہ کے مشرک باہم ایک ہی تھے۔

قارئین کرام! اسلام وہ دین ہے جو انسانوں کے حقوق کو تحفظ دینے آیا ہے۔ جنگ کے دوران لوگ جب کثیر تعداد میں مارے جاتے ہیں تو ان لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو معاشرہ بے راہ روی، فحاشی اور جرائم کا شکار ہو جائے۔ حالیہ جنگ عظیم اول اور دوم کے بعد صورتحال یہ تھی کہ عورتوں کو شادی کے لیے کوئی مرد نہ ملتا تھا۔ پورے یورپ میں، خاص طور پر جرمنی میں فحاشی کا سیلاب آ گیا تھا۔

اسلام ہر فرد کو قیمتی قرار دیتے ہوئے اس کو معاشرے کا مفید فرد بناتا ہے۔ عورتیں جو

لوئڈیاں بنتی ہیں، اس کا ایک طریق کار ہے۔ وہ سالار یا سربراہ حکومت کے پاس جمع ہوتی ہیں اور وہ ان کو تقسیم کرتا ہے۔ عورت جس کے حصے میں آتی ہے گویا اسے ایک مالک میسر آ جاتا ہے۔ اس کی عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کے بچے کے لیے کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ اس کے مقدر میں ہو تو اسے اسلام کی نعمت بھی مل جاتی ہے۔

حکمران کی تقسیم کے بعد بھی جب تک عورت پاک نہ ہو جائے اس کا مالک اس کے قریب نہیں جاتا، یعنی نسل اور نسب کا پورا تحفظ موجود ہے۔ الغرض، اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ قیدی عورتوں، مردوں اور بچوں کو ان کے وارثوں کے پہنچنے پر فدیہ لے کر اور کبھی بغیر فدیہ کے بھی آزاد کیا اور قیدیوں کے بدلے قیدیوں کو بھی رہا کیا ہے۔

اس کے برعکس نام نہاد مہذب معاشروں کا حال کیا ہے؟ بونیا میں سرب صلیبی دزدوں نے ہزاروں مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کی۔ جانوروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے، قید میں رکھ کر ظلم کرتے رہے، اور قتل بھی کرتے رہے۔

1947ء میں برصغیر کی محض تقسیم تھی، جنگ نہ تھی لیکن ہندوؤں نے لاکھوں مسلمان عورتوں کی عزتیں لوٹنے کے بعد انھیں قتل کر دیا۔

کشمیر میں گزشتہ 15 سالوں کے دوران دس ہزار عورتوں کے ساتھ آبروریزی کا ظلم ہندو فوج نے کیا۔ امریکہ کی فوج نے عراق میں دس ہزار عورتوں کی آبروریزی کی۔ ابو غریب جیل سے مظلوم عورتوں کے خطوط دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام لکھے جاتے رہے۔ افغانستان میں جب 1979ء میں روسی آئے تو انھوں نے ہزاروں افغان عورتوں کی عزتوں کو بارہ سالوں تک پامال کیا۔ 2001ء میں امریکہ نے افغانستان پر چڑھائی کی تو مجاہدین کی بے شمار عورتیں فروخت ہوئیں۔ الغرض، صلیبی اور مشرک آج بھی عورتوں پر درندے بن کر ٹوٹتے ہیں اور جانوروں کی طرح جنسی پیاس بجھا کر فوچکر ہوتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کے پاس ایک ضابطہ حیات ہے، وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے۔ جس عورت یا فرد کو بھی اپناتے ہیں اس کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ جبکہ صلیبیوں کا حال یہ ہے کہ وہ تو اپنی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح نہیں کرتے، محض نباہ کرتے ہیں، اس وقت تک جب تک دل چاہے اور اس نباہ میں عورت اور اس سے ہونے والی اولاد

کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ قربان جائیں اسلام پر کہ جو جنگ میں مارے گئے دشمنوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی کفالت کا نظام مہیا کرتا ہے، وہ نظام کہ جسے دشمن نے پروپیگنڈے کے زور پر بدنام کر رکھا ہے۔

کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا؟

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول ﷺ نے ”حرقہ“ قبیلے کے خلاف ہمیں لڑائی کے لیے روانہ کیا۔ ہم نے صبح سویرے ان لوگوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست سے دو چار کر دیا۔ اس کے بعد میں اور انصار کا ایک مجاہد دشمن قوم کے ایک شخص سے لڑنے لگے۔ جب ہم نے اس پر قابو پایا تو وہ پڑھنے لگا: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» انصاری مجاہد تو اسے قتل کرنے سے فوراً رک گیا جبکہ میں اسے برہم سے مارتا رہا، حتیٰ کہ میں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَسَامَةَ! أَقْتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟»

”اے اسامہ! اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اس کے بعد تو نے اسے قتل کر دیا؟“ صحیح مسلم کی روایت میں ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اسے میں نے قتل تو کر دیا مگر میرے دل میں یہ قتل کھٹکنے لگا۔ چنانچہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ قَتَلْتَهُ»

”اس نے ”لا الہ الا اللہ“ کہا اور تو نے اسے قتل کر دیا؟“

میں نے عرض کی: ”اس نے محض بچنے کے لیے اور اسلحہ کے ڈر سے ”لا الہ الا اللہ“ کہا تھا۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقَالَ شَقَقْتَ عَن قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟»

”تو نے اس کا دل کھول کر دیکھ لیا تھا، تاکہ تجھے پتا چل جاتا کہ اس نے صدقِ دل

سے ”لا الہ الا اللہ“ کہا تھا یا محض بچنے کے لیے کہا تھا۔“

آپ ﷺ یہ جملہ متواتر دہراتے رہے حتیٰ کہ میں دل میں کہنے لگا: ”کاش! میں آج ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہوتا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ أسامة ..... الخ : ۴۲۶۹۔ مسلم،

کتاب الإیمان، باب تحريم قتل الکافر ..... الخ : ۹۶ ]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے لیے جو باب باندھا ہے اس میں واضح کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جہیدہ قبیلے سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ”حرقات“ کے علاقے میں بھیجا تھا۔

ابن سعد نے اپنی کتاب ”طبقات (۹۱/۲)“ میں بتایا ہے کہ یہ علاقہ نجد میں واقع ہے۔ بستی کا نام ”مَيْفَعَه“ ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ 96 میل (140 کلومیٹر) کے قریب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس مہم کا کمانڈر حضرت غالب بن عبد اللہ لیشی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی اس غزوہ میں شامل تھے۔ ان سے غلطی سرزد ہو گئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سخت سرزنش کی تو ان کے دل میں تمنا پیدا ہو گئی کہ کاش! وہ اس سے قبل مسلمان نہ ہوئے ہوتے، نہ یہ غلطی کرتے اور نہ ایک شخص کے قتل پر یوں اللہ کے رسول ﷺ سے اس قدر سخت بات سنتے۔ غلطی پر ندامت ایک مومن کا خاصہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اسی کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان نے واضح کر دیا کہ کسی کی نیت اور دل پر فتویٰ لگا کر انتہائی اقدام مت کرو بلکہ اس کے ظاہر پر یقین کرو۔ دلوں کے حال اللہ ہی جانتا ہے، کوئی انسان نہیں جانتا اگرچہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا محبوب ترین صحابی ہی کیوں نہ ہو۔ دلوں کے احوال سے کوئی واقف نہیں، لہذا مفتی فتویٰ دے گا تو ظاہری حالات ہی پر دے گا۔ قاضی فیصلہ کرے گا تو ظاہری حالات ہی پر کرے گا۔

یہ شخص جسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے غلطی سے قتل کیا مولانا داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی شرح میں اس کا نام مرداس بن عمرو ذکر کیا ہے۔ (۵/۵۱۶)

راہ جہاد میں پاؤں زخمی ہو گئے، ناخن جھڑ گئے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ کے لیے نکلے۔ ہم چھ ساتھی تھے جو باری باری ایک ہی اونٹ پر سوار ہوتے تھے، چنانچہ ہمارے پاؤں پھٹ گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں پھٹ گئے، ناخن بھی گر گئے۔ ہم اپنے پاؤں پر کپڑے کی پٹیاں باندھ کر چل رہے تھے۔ اس غزوہ کا نام بھی ”ذات الرقاع“ اسی لیے مشہور ہوا کہ ہم اپنے پاؤں پر پٹیاں باندھے ہوئے تھے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع: ۴۱۲۸]

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح (قبل، ج: ۲۱۲۵) میں بتلایا ہے کہ یہ غزوہ غطفان قبیلے کی ایک شاخ بنو ثعلبہ کے خلاف ہوا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ”نخل“ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ بطن نخل نجد کا علاقہ ہے۔ بنو غطفان کے بدو قبائل کو سبق سکھانے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ادھر کا رخ کیا، مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔ یہ فائدہ ضرور ہوا کہ نجد کے قبائل متواتر یلغاروں سے دب گئے۔ یہ لوگ ہر موقع پر یہود اور مشرکین مکہ کا ساتھ دیتے تھے اور مدینہ کی جانب چلے آتے تھے، خیبر میں یہود کی تیغ کنی کے بعد اب جب مسلمانوں نے ان کی جانب متواتر یلغاریں کیں تو ان یلغاروں کو دیکھ کر نہ صرف یہ کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مزید مہم جوئی سے باز آ گئے۔ بلکہ خوفزدہ ہو گئے۔

آفرین ہے مجاہد صحابہ پر کہ وہ اس غزوہ کے لیے سفر پر روانہ ہوئے، ان کے جوتے گھس گئے۔ وہ بھی چلے جو ننگے قدم تھے، ان کے قدموں کے تلوے پھٹ گئے، خون کی شریانیں پھٹ کر تلووں کو لال کرنے لگیں۔ انگلیوں کے ناخن جھڑ گئے مگر مجاہدین پٹیاں باندھ باندھ کر اپنے سالار محمد کریم ﷺ کے ہمراہ برابر سفر پر گامزن رہے۔

مجھے تیری تلوار سے اللہ بچائے گا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ کے لیے نجد کے علاقے میں گئے، جب اللہ کے رسول ﷺ یہاں سے واپس چلے تو ہم بھی

آپ ﷺ کے ہمراہ واپس نکلے۔ ایک وادی میں پہنچے تو دوپہر کے آرام کا وقت ہو چکا تھا۔ یہاں جنگلی کیکر کے درخت بہت زیادہ تھے۔ یہاں جو بہت گھنے سائے والا درخت تھا اسے ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے مخصوص کر دیا کہ آپ ﷺ یہاں آرام فرمائیں۔ باقی صحابہ درختوں کے سائے کے لیے پوری وادی میں پھیل گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کیکر کے گھنے درخت تلے سو گئے اور انھوں نے اسی درخت کے ساتھ اپنی تلوار بھی لٹکا دی۔ ہم ابھی تھوڑی ہی دیر کے لیے سوئے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں آواز دی۔ ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیں بتلایا:

”یہ شخص میری ہی تلوار پکڑ کر میرے سر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میں سویا ہوا تھا، آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اب یہ مجھے کہنے لگا: ”بتلاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟“ میں نے کہا: ”اللہ بچائے گا۔“ ”دیکھ لو! وہ شخص بیٹھا ہوا ہے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع: ۴۱۳۵]

صحیح مسلم (۸۳۳) میں ہے کہ صحابہ نے اسے جھڑکنا شروع کیا، اس پر اس نے تلوار نیام میں ڈالی اور اسے درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ صحیح بخاری (۴۱۳۵) میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ کتب احادیث میں اس شخص کا نام غورث بن حارث بتلایا گیا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے غورث سے کہا: ”مجھے اللہ بچائے گا۔“ تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اب وہی تلوار اللہ کے رسول ﷺ نے پکڑی اور غورث سے کہا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي»

”بتلا اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟“

اس پر غورث کہنے لگا: ”مہربانی کی درخواست ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟“ کہنے لگا: ”یہ تو نہیں، البتہ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں اب آپ سے لڑوں گا نہیں اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے۔“ اس پر آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد غورث اپنی قوم کے لوگوں کے

پاس گیا تو کہنے لگا:

« قَدْ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ »

”میں اس شخص کو مل کر تمہارے پاس آیا ہوں جو ساری انسانیت میں بہترین ہے۔“

[مسند احمد: ۳/۳۶۴، ۳۶۵، ح: ۱۴۹۹۱، وإسناده صحيح۔ ابن حبان: ۲۸۸۲]

وإسناده صحيح۔ مستدرک حاکم: ۳/۲۹، ح: ۴۳۲۲، وإسناده صحيح [

صدقے اور قربان اس رحمت دو عالم ﷺ پر جو قابو پا کر معاف کرنے والا ہے۔

پہرا دیتے ہوئے نماز پڑھتا رہا، تیر کھاتا رہا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ”ذات الرقاع“ کے غزوہ میں شامل ہوئے، وہاں مشرکوں کی ایک عورت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ مجاہدین کے قافلے کو لے کر واپس ہوئے تو اس عورت کا خاوند جو اس وقت موجود نہیں تھا۔ گھر پہنچا، صورتحال ملاحظہ کی تو اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے کسی کا خون نہیں بہائے گا، چین سے نہیں بیٹھے گا، چنانچہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں کے نشانات پر چلتا ہوا پیچھا کرنے لگا۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ چلتے ہوئے ایک مقام پر پڑاؤ کے لیے رک گئے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”ہم رات یہاں گزریں گے، کون ہے جو اس رات کا پہرا دے گا؟“ ایک شخص مہاجرین میں سے کھڑا ہو گیا اور ایک شخص انصار میں سے، دونوں کہنے لگے: ”ہم پہرا دیں گے، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)“ چونکہ مجاہد نے وادی کی ایک گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا تھا اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں سے فرمایا: ”گھاٹی کے درے میں چلے جاؤ۔“ دونوں مجاہدین گھاٹی کے درے میں جا پہنچے۔ اب انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہنے لگا:

”رات کے دو حصے ہیں، جس حصے میں آپ آرام کرنا چاہتے ہیں میں اس حصے کا پہرا دیتا ہوں۔“ مہاجر کہنے لگا: ”آپ رات کے پہلے حصے کا پہرا دے لیں۔“ یہ کہہ کر مہاجر مجاہد سو گیا۔ (انصاری مجاہد پہرا دینے لگا اور پھر نصف رات کے قریب جا کر) وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے لگ گیا۔ اب وہ مشرک آدمی جس نے خون بہانے کی قسم اٹھائی تھی وہ بھی ادھر آ نکلا۔



جب اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے تو وہ پہچان گیا کہ یہ لشکر کا پہرے دار ہے، چنانچہ اس نے تیر دے مارا، پہرے دار مجاہد نے (اپنے جسم سے وہ) تیر نکالا اور ثابت قدمی کے ساتھ نماز میں کھڑا رہا۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا تو نمازی مجاہد نے اسے بھی ایک طرف نکال کر رکھ دیا اور مضبوطی سے کھڑا رہا۔ دشمن نے اب تیسرا تیر مارا تو انصاری مجاہد نے حسب معمول اسے بھی نکال لیا اور ایک جانب رکھ دیا مگر اب وہ رکوع میں جھک گیا۔ پھر سجدہ ریز ہو گیا، یوں نماز ختم کر کے اس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور اسے کہا: ”اٹھ بیٹھو، تمہارے پہرے کا وقت آ گیا ہے۔“ مہاجر جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ اب دشمن نے جب دو بندوں کو دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ خبردار ہو گئے ہیں، چنانچہ دشمن وہاں سے بھاگ اٹھا۔

مہاجر نے جب اپنے انصاری بھائی کو خون میں لت پت دیکھا تو کہنے لگا: ”سبحان اللہ! آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟“ انصاری نے جواب دیا: ”میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، دل نہیں مانا کہ اسے درمیان میں ختم کر دوں چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اسے پورا کر ہی لوں، پھر جب متواتر مجھ پر تیر برسے لگے تو میں نے رکعت پوری کی اور آپ کو جگا دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ درہ جس کی حفاظت کا حکم مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے کہیں گنوا ہی نہ دوں تو دو کاموں میں سے ایک ضرور ہوتا، یا تو سورت پوری ہونے سے پہلے میری جان چلی جاتی یا پھر سورت پوری ہو جاتی۔“

[ مسند أحمد : ۳/ ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۵۹، ح : ۱۴۷۶۰، ۱۴۹۲۶ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داؤد : ۱۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ صحيح ابن خزيمة : ۱/ ۲۵۰، ۲۴۱، ح : ۳۶ و إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۱۰۹۶ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم : ۱/ ۱۵۶، ۱۵۷، ح : ۵۵۷ و إسناده حسن لذاته۔ سيرة ابن هشام : ۳/ ۱۵۹ و إسناده حسن لذاته۔ و عقيل بن جابر بن عبد الله الأنصاري صدوق حسن الحديث، وثقه ابن خزيمة و ابن حبان (الثقات : ۲۷۲/۵) و الحاکم و الذهبي تصحيح حديثه ]

ابن هشام نے اپنی سیرت (۱۵۹/۳) میں ان دونوں مجاہد صحابہ کے نام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہما بتلائے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے مجاہدین، فوجیوں اور سپاہیوں کو دشمن کے مقابلے میں ایسا ہی مومن اور

ذمہ دار بنا۔ آمین!

## جفا کا جواب مسکراہٹ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ ﷺ نے نجران کی بنی ہوئی چادر اوڑھ رکھی تھی، چادر کا حاشیہ بنائی میں موٹا تھا۔ اچانک گاؤں سے آنے والے ایک دیہاتی سے سامنا ہوا، اس نے چادر کو زور سے کھینچا، اتنا زور سے کہ کھینچے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ اس کے گلے جا گئے۔ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے چادر پھٹ گئی، اس کا حاشیہ اللہ کے رسول ﷺ کی گردن میں رہ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ میں نے اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اب وہ دیہاتی کہنے لگا:

”اے محمد! (ﷺ) اللہ کا وہ مال جو تمہارے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دینے کا حکم دو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دیہاتی کی طرف دیکھا اور (اس کے اس طرز عمل پر غصہ کرنے کی بجائے) ہنسنے لگے اور پھر آپ ﷺ نے اسے عطا کرنے کا حکم دیا۔“

[ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء المولفة..... الخ: ۱۰۵۷ ]

قارئین کرام! صحابہ کرام اپنے پیارے رسول ﷺ کو ”یا محمد ﷺ“ کہہ کر نہیں پکارا کرتے تھے، بلکہ ”یا رسول اللہ“ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی کہا کرتے تھے: ”میرے ماں باپ قربان۔“ مگر مذکورہ شخص جو تھا تو مسلمان مگر اس میں جفا اور سختی تھی، وہ شہری آداب سے واقف نہ تھا، پھر مانگنے کا اس کا جو انداز تھا اس میں بھی شقاوت کی انتہا تھی، مگر قربان جاؤں رحمة للعالمین ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے اس کا جواب نہ صرف مسکراہٹ سے دیا بلکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اسے جو ضرورت ہے وہ اسے دے دو۔ یہ ہیں مدینہ کے حکمران جو اپنی رعایا کے ایک سخت خود دیہاتی کی جفا کا جواب ایسے کریمانہ اخلاق سے دیتے ہیں، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی حکمران نہیں دے سکتا۔

اسی باب میں امام مسلم صحیح مسلم (۱۰۵۸) میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ کے پاس قبائیں (عبائیں) آئیں، آپ ﷺ نے انھیں تقسیم کر

دیا۔ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ نہ دیا۔ اب گھر آ کر حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے:

”بیٹا! آؤ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں، ممکن ہے آپ ہمیں کچھ نہ کچھ عطا فرمادیں۔“

چنانچہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جا پہنچے، میرے والد صاحب مجھے کہنے لگے ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاؤ۔“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری گفتگو کو سن لیا اور آواز بھی پہچان لی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قباء تھی۔ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عبا میرے باپ کو دکھانے لگے، اس کا حسن و جمال بیان کرنے لگے اور (ہمارے مانگنے سے قبل ہی) فرمانے لگے:

«حَبَّاتُ هَذَا لَكَ، حَبَّاتُ هَذَا لَكَ»

”یہ تو میں نے تمہارے لیے چھپا کر رکھی تھی، یہ خوبصورت والی میں نے تیرے لیے ایک طرف کر لی تھی۔“

قارئین کرام! یہ تھے مہربان و مشفق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی رعایا کے حکمران، ہر ایک کا خیال رکھنے والے، بن مانگے دینے والے۔ دعا کیا کرو کہ حکمران ملے تو متکبر اور لالچی نہیں بلکہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ملے۔

یاد رہے! ریشمی گوٹوں کے حاشیہ والی عبائیں جو آج سعودی عرب کے حکمران اور علماء زیب تن کرتے ہیں یہ عربوں کا کلچر ہے، جو شروع سے چلا آ رہا ہے، یہ پہن کر حکمران اور علماء جس قدر باوقار لگتے ہیں اس جیسا وقار کسی اور لباس میں نظر نہیں آتا۔ نظر آئے بھی کیسے کہ اس عبا کو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا ہے۔

مجاہد کے ساتھ سپریم کمانڈر کی دل لگی:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ایک جہادی سفر میں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آ رہا تھا، میرا اونٹ تھک گیا اور سست ہو کر آہستہ آہستہ چلنے لگ گیا۔ (تو میں نے

اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا) اللہ کے رسول ﷺ میرے قریب آئے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: ”جابر!“ میں نے کہا: ”جی حاضر!“ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا ہوا؟“ میں نے عرض کی: ”اونٹ تھک گیا اور سست ہو کر آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔“ آپ ﷺ نے یہ سنا تو اپنی سواری سے نیچے اترے اور لاشی کے ساتھ میرے اونٹ کو ہانکنے لگے اور پھر مجھے کہا: ”اب سوار ہو جا۔“ میں اس پر سوار ہوا تو اب وہ اس قدر تیز چلنے لگا کہ مجھے اس کو مشکل سے روکنا پڑا کہ کہیں وہ اللہ کے رسول ﷺ سے آگے نہ نکل جائے۔ اب اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے باتیں کرنے لگے:

رسول اللہ ﷺ : ”شادی کر لی؟“

جابر رضی اللہ عنہ : ”جی ہاں!“

رسول اللہ ﷺ : ”کنواری سے کی یا بیوہ سے؟“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ : ”میری بہنیں کافی ہیں (ماں فوت ہو گئی ہے) لہذا سوچا کہ ایسی خاتون

سے شادی کروں جو ان کو باہم جوڑے رکھے۔ ان کی کنگھی کرے اور ان

پر پوری پوری نگرانی کرے۔“

رسول اللہ ﷺ : ”اچھا! اب گھر پہنچنے والے ہو، وہاں خوب مزے اڑانا۔“ پھر فرمایا:

”اونٹ بیچو گے؟“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ : ”جی ہاں!“

اور پھر ایک اوقیہ چاندی کے بدلے سودا حطے ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں اگلے دن صبح کو پہنچا۔ میں اور اللہ کے رسول ﷺ اکٹھے ہی مسجد کے پاس پہنچے۔ میں نے دروازے پر آپ ﷺ کو پایا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ”ابھی پہنچے ہو؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں!“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنا اونٹ چھوڑ دو، مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔“

میں مسجد میں داخل ہوا، دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چاندی تولی تو جھکتی ہوئی

تول کر دی۔ اب میں نے چاندی پکڑ کر چل دیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جابر کو میرے پاس بلاؤ۔“

میں نے دل میں کہا: ”اب میرا اونٹ مجھے واپس ہوگا۔“ اور واپسی مجھے ناگوار تھی۔ میں جب آپ ﷺ کے پاس گیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”اونٹ بھی لے جاؤ اور چاندی بھی پاس ہی رکھو۔“

[ بخاری، کتاب البيوع، باب شراء الدواب. والحمير : ۲۰۹۷۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب البكر نكاح : ۱۴۶۶/۳۶۴۱۔ ابن حبان : ۷۱۴۳ و  
[إسناده صحيح]

قربان جائیں رسول کریم ﷺ کے اخلاق پر کہ مدینہ کا حکمران، افواج کا سپریم کمانڈر اپنے سپاہی کی مدد کے لیے اپنی سواری سے نیچے اترتا ہے اور سپاہی کی سواری کو ہانکتا ہے، اس کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرتا ہے، تول میں پلڑا جھکا کے احسان کرتا ہے، پھر اپنے مجاہد سپاہی کو دونوں ہی چیزیں دے کر خوش کر دیتا ہے، پھر لڑنے والے کیوں نہ جان چھڑکیں ایسے سپریم کمانڈر کے اشارہ ابرو پر؟ سیرت ابن ہشام (۱۵۷/۳، ۱۵۸، ۱۵۹) و اسنادہ حسن لذاتہ) کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر پیش آیا تھا۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوئے سات سال ہونے کو ہیں۔ ایک سال پہلے ہی کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کے لیے گئے تھے تو آپ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے اور مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو عمرہ ادا نہیں کرنے دیا۔ صلح ہوئی تو یہ طے پایا کہ اگلے سال عمرہ کرنے کے لیے آجائیں۔ تین دن مکہ میں قیام کر کے چوتھے دن واپس چلے جائیں۔ دلائل النبوة میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ عمرہ ذی القعدة کے مہینے میں سات ہجری کو کیا گیا۔

[ دلائل النبوة للبيهقي : ۳۱۳/۴ و اسنادہ حسن لذاتہ ]

اللہ کے رسول ﷺ اور عمرہ کی ادائیگی :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کے ہمراہ

مکہ میں تشریف لے گئے تو مشرکوں نے اپنے لوگوں سے کہنا شروع کیا: ”تمہارے پاس وہ لوگ آ رہے ہیں، جنہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔“ اللہ کے رسول ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا: ”وہ طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر تیز چلیں، البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حسب معمول چلیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: ۴۲۵۶۔ مسلم: ۱۲۶۶۔ مسند أحمد: ۲۹۱، ۳۰۶/۱، ح: ۲۶۳۹، ۲۷۹۴ و [سنادہ صحیح۔ أبو داؤد: ۱۸۸۶ و [سنادہ صحیح۔ سنن النسائی: ۲۹۴۸ و [سنادہ صحیح]

صحیح بخاری کی روایت (۴۲۵۷) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے اکڑ کر تیز چلنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ مشرک لوگ مسلمانوں کی قوت ملاحظہ کریں۔“ اس وقت قحقیقان پہاڑ پر کھڑے مشرک لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ صحیح مسلم (۱۲۶۶) میں ہے کہ مشرکوں نے جب یہ نظارہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کے بارے میں تم کہتے تھے کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے، یہ تو اس قدر مضبوط لوگ ہیں کہ ان کی قوت کا کیا کہنا، جی ہاں! ثابت ہوا کہ مسلمان اپنی کسی کمزوری کو دشمن پر ظاہر نہ ہونے دیں۔

### محافظوں کا حصار:

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”جب اللہ کے رسول ﷺ عمرہ ادا کرتے ہوئے (طوافِ وسعی) کر رہے تھے تو ہم نے آپ ﷺ کو ارد گرد سے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ کہیں مشرک لوگ اور ان کے چھوکرے اللہ کے رسول ﷺ کو نقصان نہ پہنچادیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة: ۴۲۵۵۔ ابن ماجہ: ۲۹۹۰، [سنادہ صحیح]

سبحان اللہ! کیا منظر تھا کہ صحابہ تلواریں حماں لکے، اپنے پیارے رسول ﷺ کی ہر جانب ہو کر کعبہ کے گرد یوں طواف کر رہے ہیں جیسے چاند کے گرد ستارے ہوں اور وہ سب سورج کے گرد محو گردش ہوں۔

دوران طواف ایک اور حسین منظر احادیث کی کتابوں میں ثبت ہوتا ہے۔ اس منظر کا نقشہ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن حبان اپنی صحیح میں کھینچتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ

اپنے جہادی اشعار اللہ کے رسول ﷺ کے آگے آگے پڑھتے چلے جا رہے ہیں اور چلتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ  
 الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ  
 ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ  
 وَ يُدْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ  
 يَا رَبِّ إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهِ

”اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، ان کے یہاں آنے پر اگر کوئی حرکت کی تو آج کے دن ہم تم کو ماریں گے، ایسی مار کہ اس سے تمہارے دماغ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور یہ مار ایسی ہوگی جو دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔ اے میرے پروردگار! میں اس رسول (ﷺ) کی بات پر ایمان لانے والا ہوں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”اے ابن رواحہ! (رضی اللہ عنہ) اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اور اللہ عزت و جلال والے کے حرم میں تو یہ اشعار کہہ رہا ہے؟“ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

« خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ! فَلَيْهِ أَسْرَعُ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ »

”اے عمر! ابن رواحہ کو کچھ نہ کہہ، یہ اشعار تو کافروں کو تیروں کی مار سے بھی کہیں زیادہ گھائل کرنے والے ہیں۔“

[ الترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی إنشاد الشعر : ۲۸۴۷ و إسناده حسن لذاته۔ النسائی، کتاب مناسک الحج، باب إنشاد الشعر فی الحرم ..... الخ : ۲۸۷۶  
 إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۵۷۸۸ و إسناده حسن لذاته ]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے میڈیا کی اہمیت کا احساس دلایا کہ وہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر کی شکل میں، وہ بعض حالات میں توپوں کی گھن گرج سے بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے، لہذا اس صحافی کا کیا کہنا جو دوران جنگ بے کردار ادا کرتا ہے۔ اس جرنلسٹ کا کیا کہنا جو امن کی محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حالت میں بھی مسلمانوں کے مورال کا خیال رکھتا ہے۔

مکہ میں رسول اکرم ﷺ کا نکاح:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ احرام کی حالت میں تھے تو آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے ساتھ خلوت میں اس وقت گئے جب آپ ﷺ احرام کھول چکے تھے (آپ ﷺ نے خلوت بھی سرف کے مقام پر کی اور اتفاق کہ) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی سرف ہی کے مقام پر ہوا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: ۴۲۴۵]

قارئین کرام! سرف کا مقام مکہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ منورہ کے راستے میں ہے۔ میں نے یہ مقام دیکھا اور وہاں اپنی روحانی اماں جان حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی دیکھی آپ رضی اللہ عنہا یہاں ۵۱ ہجری میں یعنی اپنے شوہر نامدار رسول کریم ﷺ کی وفات کے ۲۸ سال بعد فوت ہوئیں۔

امام ابن قیم اپنی شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ میں بتلاتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، جبکہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا خاندان فوت ہو چکا تھا۔ اس وقت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۶ سال تھی۔ انھوں نے خود اللہ کے رسول ﷺ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے قبول فرمایا۔

صحیح بخاری (۲۶۹۹) میں ہے جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے نکل رہے تھے تو حضرت حمزہ سید الشہداء کی صاحبزادی چچا پچا پکارتے ہوئے آپ ﷺ کے پیچھے آگئی، آپ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کیونکہ بچی کی حالت حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔

الغرض، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ السَّجْدَ الْعَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أُوَّيِّنَ



مُخَلِّقِينَ رُءُوسِكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ﴿٤٨﴾ [الفتح: ٤٨/٢٧]

”اللہ نے اپنے نبی ﷺ کا برحق خواب سچا کر دکھایا کہ اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد الحرام میں امن کے ساتھ جاؤ گے، اپنے سر منڈاؤاؤ گے اور کتر داؤاؤ گے، کوئی خوف و خطر نہ ہوگا۔“

خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”مکہ فتح ہونے سے قبل میں مکہ سے نکلا، مدینے کا رخ کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تھوڑی دور گیا تو خالد بن ولید سے ملاقات ہو گئی، وہ بھی مکہ سے نکل رہے تھے۔ میں نے خالد بن ولید کو مخاطب کر کے کہا: ”اے ابوسلمان! کدھر جا رہے ہو؟“ حضرت خالد کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! بات یہ ہے کہ حق سچ کا راستہ واضح ہو گیا، یہ شخص (محمد کریم ﷺ) سچا نبی ہے۔ میں تو اس کے پاس جا رہا ہوں۔ کب تک اس سے بے پروا ہو کر بھٹکتے پھریں گے، لہذا میں نے تو اللہ کی قسم! اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ خالد کا یہ عزم سن کر میں نے اسے کہا: ”اللہ کی قسم! میں بھی اسی مقصد کے لیے نکلا ہوں کہ اسلام قبول کر لوں۔“

چنانچہ اب ہم دونوں چلنے لگے، حتیٰ کہ مدینہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جا پہنچے۔ سب سے پہلے خالد آگے بڑھا، اس نے اسلام قبول کیا اور بیعت کر لی، اب میں آپ (ﷺ) کے قریب ہو گیا۔“

صحیح مسلم (۱۲۱) کی روایت میں یوں ہے کہ اب میں نے آپ ﷺ سے عرض کی: ”اپنا ہاتھ پھیلائیے، تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔“ چنانچہ آپ (ﷺ) نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا، ادھر میں نے یہ کیا کہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ آپ ﷺ نے یہ صورتحال دیکھ کر فرمایا: ”اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟“ میں نے عرض کی: ”مجھے خیال آیا کہ میں بیعت کرنے سے پہلے ایک شرط طے کر لوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کس بات کی شرط لگاتا ہے؟“ میں نے عرض کی: ”میرے پہلے گناہ معاف ہو جائیں تو؟“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَمَا عَلِمْتُمْ يَا عَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَ أَنَّ الْهَجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَ أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ »

”اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ پہلے کا جو بھی کیا دھرا ہو اسلام اسے منہدم کر دیتا ہے؟ اور ہجرت وہ عمل ہے جو سابقہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے؟ اور حج بھی وہ عمل ہے جو پہلے کی غلطیوں کو ختم کر دیتا ہے؟“

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”یہ سن کر میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس پلٹ آیا۔“

[مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الإسلام..... الخ: ۱۲۱]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے اور میدان جہاد و قتال کے وہ مرد میدان ثابت ہوئے کہ جہاں گئے فتح نے ان کے قدم چومے اور پھر اسلام کی دعوت اس طرح پھیلی کہ ہر سو گلستان اسلام کی مہک آنے لگی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تو وہ جرنیل بن کر سامنے آئے، جنہوں نے صلیبی سپر پاور کے خلاف اولین جنگ میں فتح حاصل کی۔



## سپر پاور کے ساتھ پہلی جنگ

تین کمانڈروں کی شہادتیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”موتہ کی جنگ میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کا کمانڈر بنایا اور پھر فرمایا: ”اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر کمان سنجال لے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ کمان سنجال لے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة من أرض الشام: ۴۲۶۱]

قارئین کرام! موتہ کا علاقہ اردن میں واقع ہے، یاد رہے! تاریخی طور پر اردن بھی اصل میں شام ہی کا خطہ ہے۔ شام کا علاقہ جو آج کئی ملکوں میں منقسم ہے، ان سب کے مجموعہ کو شام کہا جاتا تھا۔ لبنان، فلسطین اور اسرائیل سب شام ہی کے خطے تھے مگر آج شام کا ملک وہی ہے جس کا دارالحکومت دمشق ہے۔ الغرض، اس سارے علاقے پر اس دور کی عیسائی سپر پاور حکمران تھی اور یہاں رومی عیسائیوں کا گورنر دمشق میں بیٹھ کر سارے علاقے کو کنٹرول کرتا تھا۔ موجودہ سعودی عرب کے وہ علاقے جو ان ملکوں کے ساتھ ملتے ہیں، یہاں کے عرب حکمران بھی رومی سپر پاور کے حلیف ہوا کرتے تھے، ان میں کئی خود بھی عیسائی تھے، یہ حکمران عرب کے مشرکوں اور خیبر کے یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف مدد کیا کرتے تھے۔ خیبر سے فارغ ہونے اور چند باقی قبائل کو زیر کرنے کے بعد اب وقت آ گیا تھا کہ ان کو بھی خبردار کیا جائے کہ وہ آئے روز کی شرارتوں سے باز آ جائیں۔ سیرت نگاروں کی رائے کے مطابق یہ غزوہ جمادی الاولیٰ کے مہینے میں آٹھ ہجری کو ہوا۔

جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا منفرد بہادرانہ انداز:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”موتہ میں جنگ کے روز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا، زخموں کی کنتی شروع کی تو میں نے ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم شمار کیے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ان زخموں میں سے کوئی ایک بھی زخم ان کی کمر پر نہ تھا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة من أرض الشام: ۴۲۶۰]

صحیح بخاری (۳۲۶۱) کی دوسری روایت کے مطابق جب تیروں کے زخموں کو بھی شامل کیا گیا تو تعداد نوے سے اوپر چلی گئی۔ نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم سینے پر تھے۔

اللہ کی تلوار خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پرچم:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا جائے۔“ اہل مدینہ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے:

”مسلمانو! اللہ کی طرف سے مجھے بتلایا گیا ہے کہ تمہارے لشکر کے مجاہدین اپنے سفر پر گامزن رہے حتیٰ کہ دشمن کے خلاف معرکہ آراء ہوئے، اس دوران زید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ان کے لیے بخشش طلب کرو۔“ لوگوں نے ان کے لیے بخشش طلب کی: ”زید کے بعد ابو طالب کے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ نے پرچم تھاما، وہ دشمن کے خلاف جواں مردی سے خوب لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، میں ان کی شہادت کی گواہی دیتا ہوں۔ لوگو! ان کے لیے بھی اللہ سے مغفرت مانگو۔ اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور ثابت قدمی سے جے رہے حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لیے بھی اللہ سے عفو و درگزر کا سوال کرو، اب کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم پکڑ لیا، وہ مقرر کیے گئے کماندروں میں سے نہ تھے، مگر انھوں نے اپنے دل کو اس مشکل وقت میں مشکل ذمہ داری سنبھالنے کا حکم دیا۔“

اب اللہ کے رسول (ﷺ) نے اپنی دو انگلیوں کو بلند فرمایا اور اللہ کے حضور عرض کرنے لگے:

«اللَّهُمَّ اَهُوَ سَيْفٌ مِّنْ سُبُوفِكَ فَاَنْصُرُهُ»

”اے اللہ! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، اس کی مدد فرما۔“  
حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اس طرح بھی فرمایا:  
«فَاَنْتَصِرُ بِهِ» ”خالد کے ذریعے مدد فرما۔“

[مسند احمد: ۲۹۹/۵ تا ۳۰۱، ح: ۲۲۹۱۸، ۲۲۹۳۴ و إسناده صحيح۔ السنن  
الكبرى للنسائي: ۴۸/۵، ح: ۸۱۵۹ و إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۷۰۴۸  
وإسناده صحيح]

حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں رومی سپر پاور کی شکست:

حضرت انسؓ سے مروی ہے: ”لشکر کے بارے میں ابھی کوئی خبر نہ آئی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہؓ کی شہادت سے لوگوں کو آگاہ فرما دیا، آپ ﷺ نے بتلایا: ”زید نے پرچم تھاما، وہ شہید کر دیے گئے تو جعفر نے پرچم پکڑ لیا، وہ شہید ہوئے تو ابن رواحہ نے جھنڈا اٹھا لیا اور پھر وہ بھی شہید ہو گئے۔“ آپ ﷺ خبر سنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے متواتر آنسو رواں تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

”آخر اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے پرچم لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے خلاف فتح سے ہمکنار کر دیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة مودة من أرض الشام: ۴۲۶۲۔ السنن الكبرى  
للبيهقي: ۷۰/۴، ح: ۷۱۵۶ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد: ۱۱۳/۳، ح:  
۱۲۱۳۸ و إسناده صحيح۔ النسائي: ۱۸۷۹ و إسناده صحيح]

رومی سپر پاور کا لشکر دو لاکھ تھا۔ اس لشکر میں اللہ تعالیٰ کی بے نیام تلوار کس طرح چلی، آئیے! اللہ کی تلوار یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ ہی سے پوچھتے ہیں۔

## 9 تلواریں ٹوٹ گئیں:

حضرت قیس بن ابی حازم بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے: ”موتہ کی جنگ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئیں۔ میرے ہاتھ میں اب کوئی تلوار نہ رہی، صرف یمن کا بنا ہوا چوڑے پھل کا تیغ باقی رہ گیا (پھر میں اسی سے لڑتا رہا)۔“

[بخاری، کتاب المغاری، باب غزوة موتة من أرض الشام: ۴۲۶۵، ۴۲۶۶۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۳۷۳/۴، إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۴۲/۳، ح: ۴۳۵۴ و إسناده حسن لذاته]

اللہ ہی جانتے ہیں کہ ایک تلوار سے کتنے صلیبی واصل جہنم ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اللہ کی تلوار تھے اور لوہے کی تلواریں توڑے چلے جا رہے تھے، انھیں بھی معلوم نہیں کہ کس تعداد میں صلیبی کٹ گئے۔ اللہ کی تلوار چلے تو مرنے والے صلیبی شمار کون کرے؟ یہ شمار اللہ ہی کے پاس ہے۔ ہماری کتنی یہی ہے کہ بے شمار مارے گئے اور دسواں جو یمنی تیغ تھا اس تیغ نے کیا تباہی اور کھلبلی مچائی، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اب فتح مل چکی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتح کا اعلان اللہ کی طرف سے کیا۔

جعفر کے گھر والوں کو کھانا کھلاؤ:

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

”جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انھیں (غم و اندوہ میں) مشغول کر رکھا ہے۔“

[أبوداؤد، کتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت: ۳۱۳۲ و إسناده حسن لذاته۔ الترمذی: ۹۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجہ: ۱۶۱۰ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد: ۲۰۵/۱، ح: ۱۷۵۱ و إسناده حسن لذاته]

کوئی فوت ہو جائے یا شہید ہو جائے تو محلہ داروں کا فرض ہے کہ کھانے کا بندوبست

کریں۔ رشتہ دار اور احباب کو کھلائیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ اپنے پیارے رسول ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے بعض مسلمان آپ ﷺ کے فرمان کے بالکل الٹ کرتے ہیں۔ میت کے گھر والوں پر کھانے کا بوجھ ڈالتے ہیں۔ برصغیر ہندوستان اور پاکستان میں تو مزید ڈھٹائی بکے ساتھ فرمان رسول ﷺ کی اس طرح مخالفت کی گئی ہے کہ قتل، ساتواں، دسواں اور چہلم کے نام سے کھانے ایجاد کر لیے گئے اور کھانوں کی یہ رسمیں میت کے گھر والوں پر ڈال دی گئی ہیں۔ پھر ستم بالا ستم یہ کہ ایسی من گھڑت رسومات پر ثواب کی امیدیں بھی باندھ لی گئی ہیں۔

لشکر کے استقبال کا حکم:

حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”(موتہ سے آنے والے مجاہدین جب مدینہ کے قریب آگئے تو) اللہ کے رسول ﷺ نے (اہل مدینہ کو) حکم دیا:

« اِنْفِرُوا فَاَمِدُوا اِخْوَانَكُمْ وَلَا يَتَخَلَّفَنَّ أَحَدٌ »

”سب نکلو، اپنے بھائیوں کا استقبال کرو، یاد رکھو! کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہنے پائے۔“

ان دنوں سخت گرمی تھی، اس کے باوجود لوگ استقبال کے لیے نکلے، پیدل بھی جا رہے تھے اور سوار یوں پر سوار ہو کر بھی جا رہے تھے۔“

[مسند أحمد: ۲۹۹/۵ تا ۳۰۱، ح: ۲۲۹۱۸، ۲۲۹۳۴ و [إسناده صحيح]

اسلامی لشکر کے مجاہدین کی فضیلتوں کا کیا کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے استقبال کا حکم

دے رہے ہیں۔

قارئین کرام! غازی بننے والوں کی عزت افزائی اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں کر رہے ہیں اور جو شہید ہو گئے ہیں ان کی عزت افزائی اللہ تعالیٰ جنت میں کس طرح کر رہے ہیں؟ یہ منظر ملاحظہ کرنے کے لیے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی ملاحظہ ہو جو جنگ موتہ میں لڑتے لڑتے اپنے دونوں بازو شہید کروا کر خود بھی شہید ہو گئے۔ جی ہاں! حضرت طیار رضی اللہ عنہ کا مقام ملاحظہ ہو۔

## جنت کے بادشاہ کی جنت میں پرواز:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَأَيْتُ جَعْفَرَ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ مَلِكًا يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ بِجَنَاحَيْنِ»

”میں نے جعفر بن ابی طالب کو دیکھا (جنت میں) بادشاہ بن کر دو پروں کے ساتھ فرشتوں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ جَعْفَرَ يَطِيرُ مَعَ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ لَهُ جَنَاحَانِ عَوَّضَهُ اللَّهُ مِنْ يَدَيْهِ»

”جعفر تو جبریل اور میکائیل کے ہمراہ پرواز کر رہا ہے، اس کے دو پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھوں کے بدلے اسے عطا فرمائے ہیں۔“

[ مستدرک حاکم : ۲۱۰، ۲۰۹/۳، ح : ۴۹۳۵، ۴۹۳۷ حسن۔ طبرانی کبیر :

۱۰۷/۲، ح : ۱۶۶۷ حسن ]

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں سویا ہوا تھا، اس حال میں میرے پاس دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، پھر وہ مجھے ایک انتہائی بلند مقام کی طرف لے گئے۔ وہاں (جنت میں) میں نے تین آدمیوں کو دیکھا کہ شراب کے جام نوش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: ”یہ کون لوگ ہیں؟“ ان دونوں نے جواب دیا: ”یہ جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم ہیں۔“

[ طبرانی کبیر : ۱۰۵۶، ۱۰۵۷/۸، ح : ۷۶۶۶، ۷۶۶۷ صحیح۔ مستدرک حاکم :

۲۱۰، ۲۰۹/۲، ح : ۲۸۲۷ و اسنادہ صحیح ]

صحیح بخاری (۳۷۰۹) میں ہے، حضرت عامر شعمی بتلاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو سلام کرتے تو یوں کہتے: ”دو پروں والے کے صاحبزادے تجھ پر سلام ہو۔“

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:



”میں جنت میں داخل ہوا تو میرا استقبال ایک نوخیز لڑکی نے کیا، میں نے اس سے پوچھا: ”تو کون ہے؟“ وہ کہنے لگی: ”میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی (دہن) ہوں۔“

[تاریخ دمشق: ۲۶۱/۲۱ و إسناده حسن لذاته]

قارئین کرام! یہ تھیں تفصیلات اس پہلی جنگ کی جو مسلمانوں اور صلیبیوں کے مابین ہوئی، سیرت نگار مورخین کے مطابق صلیبی فوج کی تعداد دو لاکھ تھی جبکہ مسلمانوں کا لشکر تین ہزار لشکریوں پر مشتمل تھا۔ موتہ کی جنگ جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری میں ہوئی تو طبقات ابن سعد (۹۹/۲) اور ابن عساکر کے مطابق اگلے ہی مہینے یعنی جمادی الاخریٰ آٹھ ہجری کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مہم کے لیے لشکر روانہ فرما دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ مہم جن لوگوں کی طرف روانہ کی گئی وہ قبائل بنو قضاعہ ہی کی شاخیں ہیں۔ اس لشکر کی کمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سونپنے کا فیصلہ کیا۔

آئیے! حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی کی زبان سے کمان سونپنے جانے کا منظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

نیکي سے کمایا ہوا مال اور نیک آدمی کون ہے؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو مجھے حکم دیا: ”اپنے کپڑے اور ہتھیار تیار کر لو پھر میرے پاس آؤ۔“ میں لباس اور ہتھیار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر ایک نظر ڈالی، اوپر تک دیکھا پھر نیچے تک نظر لائے اور مجھ سے کہا:

”میں نے ارادہ کیا ہے کہ تجھے لشکر کا کمانڈر بنا کر روانہ کر دوں، اللہ تجھے سلامت رکھے اور تجھے مال غنیمت سے نوازے، حقیقت یہ ہے کہ تیرے لیے میری یہ نیک رغبت و خواہش ہے کہ تجھے مال غنیمت ملے۔“

یہ سن کر میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے مال کے حصول کی خاطر تو اسلام قبول نہیں کیا، یہ تو اسلام کے ساتھ محبت تھی جس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوا اور اس لیے کہ (اس دنیا اور اگلی دنیا میں) اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہوں۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَا عَمْرُو! نِعَمَ الْمَالِ الصَّالِحِ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ »

”اے عمرو! (تیری بات اپنی جگہ درست ہے مگر یاد رکھو) نیک آدمی کے لیے نیکی سے حاصل کیے ہوئے مال کے حسن کا کیا کہنا۔“

[ مسند أحمد: ۴/۱۹۷، ۲۰۲، ح: ۱۷۹۱۵، ۱۷۹۵۵ ] إسناده صحيح۔ ابن حبان:

ح: ۳۲۱۰ و [إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم: ۲/۲۳۶، ح: ۲۹۲۶ ] صحيح

اس غزوہ کو ”ذات السلاسل“ کہا جاتا ہے۔ امام ابن قیم ”زاد المعاد“ میں بتلاتے ہیں: ”اسے ذات السلاسل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں مشرکوں نے اس ڈر سے کہ ان کے لوگ جنگ سے بھاگ نہ جائیں، باہم ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ دیا تھا۔“ ابن ہشام (۲۸۰/۳) میں ہے: ”سلسل کے نام سے وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا۔“ ابن سعد ”طبقات“ (۱۰۰، ۹۹/۲) میں لکھتے ہیں کہ ”سلاسل“ کا علاقہ وادی القرئی سے آگے ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ دس دن کی مسافت پر ہے، یعنی کوئی پانچ سو کلومیٹر کے فاصلے پر بحر احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ جی ہاں! ذات السلاسل کا علاقہ جہاں پانی بھی تھا، وہاں وہ مشرک جو عیسائی سپر پاور کا ساتھ دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے، اب ان پر مسلمانوں کی ہیبت و دہشت اس قدر تھی کہ وہ اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رہے تھے۔ بھلا زنجیروں میں باندھ کر بھی کسی کو لڑایا جاسکتا ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجاہد جیسے صالح اور نیک آدمی کی کمائی جو جہادی کاروبار میں مال غنیمت سے حاصل ہوتی ہے، وہ مال بڑا زبردست، اچھا اور شاندار ہے۔ مال غنیمت کے بارے میں ہم یہ وضاحت کر دیں کہ اسلامی لشکر کے مجاہدوں نے میدان جنگ میں جس دشمن پر قابو پایا، اسے قتل کر دیا تو اس کا سامانِ حرب و ضرب قتل کرنے

والے کو دیا گیا، یاد دشمن کی فوج شکست کھا گئی تو اس کا سامان سالار نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا، یہ کبھی نہیں ہوا کہ مجاہدین نے عام، سول، نہتے اور گھروں میں موجود لوگوں کے سامان کو ہاتھ ڈالا ہو۔ ایسی فتنج حرکات کا ارتکاب ہمیشہ کفار کی طرف سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ آج کے مہذب دور میں بھی امریکہ اور مغرب کی اتحادی افواج نے عراق اور افغانستان میں گھر گھر گھسنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ لوگوں کے اموال، سونا اور نقدی بھی لوٹی، آبرو ریزیاں بھی کیں اور گھروں میں گھس کر بے گناہ لوگوں کا قتل عام بھی کیا۔ یہ بزدلی اور کمینے پن کی انتہا ہے، جبکہ مد مقابل جنگجو دشمن پر قابو پا کر اس کا مال حاصل کرنا بہادری اور دلادوری کا شیوہ ہے۔

غزوہ ذات السلاسل میں پیش آنے والا ایک اور واقعہ بھی بڑا زبردست ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں: ”ذات السلاسل کے غزوہ میں رات بہت سرد تھی۔ مجھ پر غسل واجب ہو گیا، میں ڈر گیا کہ اگر میں نے غسل کر لیا تو مر جاؤں گا، چنانچہ میں نے تیمم کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ واپس آئے تو صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور پوچھا: ”اے عمرو! تجھ پر غسل بھی واجب تھا اور تو نے اسی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز بھی پڑھا دی؟“ اب جس وجہ سے میں نے غسل نہ کیا تھا وہ سبب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا اور کہا: ”میں نے اللہ کا یہ فرمان سن رکھا تھا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ [النساء: ۲۹ / ۴]

”اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ انتہائی مہربان ہے۔“

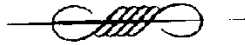
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا، تو ہنس دیے اور پھر آپ کچھ بھی نہیں بولے۔

[أبو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب إذا خاف الحنّب البرد أیتمم: ۳۳۴ و إسناده حسن لذاتہ۔ مستدرک حاکم: ۱/۱۷۷، ح: ۶۲۸ و إسناده صحیح۔ ابن حبان: ۱۳۱۵ و إسناده حسن لذاتہ۔ مسند أحمد: ۴/۲۰۳، ۲۰۴، ۱۷۹۶۵ و إسناده حسن لذاتہ]

جی ہاں! جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کے کسی کام پر خاموش رہیں تو وہ کام اللہ تعالیٰ

کا دین بن جاتا ہے۔

قارئین کرام! آئیے، اب مکہ کی فتح کے مناظر ملاحظہ کرتے ہیں، جیسا کہ آپ حدیبیہ کی صلح میں ملاحظہ کر چکے، عرب کے دو قبیلے بنو بکر اور بنو خزاعہ میں دشمنی چلی آ رہی تھی۔ بنو بکر قریش مکہ کے حلیف بن گئے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ اب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور اس قدر ظلم کیا کہ حرم میں بھی ان کا خون بہایا، قریش مکہ نے بنو بکر کا پورا پورا ساتھ دیا، چنانچہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینہ آیا، مسجد نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ سے مدد کی درخواست کرنے لگا اور اس نے اپنی مظلومیت بیان کی۔ آپ ﷺ نے مدد کا وعدہ کیا، حقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا پروگرام بنا لیا، اس تیاری کا آغاز آپ ﷺ کے گھر سے کس طرح ہوا، آئیے ملاحظہ کرتے ہیں۔



## مکہ فتح ہو گیا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گندم چھاننا شروع کر دی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر آئے تو میں گندم چھان رہی تھی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں غزوہ کی تیاری کا حکم دیا ہے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ تو تیاری کر چکے ہیں۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”کس طرف کا ارادہ ہے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”آپ ﷺ نے ہمیں کچھ نہیں بتلایا، بس یہی حکم دیا ہے کہ سامان تیار کر دو۔“

[ البداية والنهاية : ۶۷۷/۲ و إسناده حسن لذاته - سيرة ابن هشام : ۳۸/۴ - دلائل

النبوة للبيهقي : ۱۲/۵ و إسناده حسن لذاته ]

جب بنو بکر جو مشرکین مکہ کے حلیف تھے، بنو خزاعہ پر، جو مسلمانوں کے حلیف تھے، حملہ کیا اور معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا تو مدینہ منورہ میں یہ بات عام تھی کہ اب آپ ﷺ اپنے حلیفوں کا بدلہ لیں گے لیکن بدلہ کس انداز میں لیں گے؟ لشکر کو کس سمت میں لے کر چلیں گے؟ اس اہم بات کو اللہ کے رسول ﷺ نے چھپا کر رکھا۔

تیاری بھی قابل غور ہے کہ حکمران مدینہ سالار صحابہ رضی اللہ عنہم کی زوجہ محترمہ گندم صاف کر رہی ہیں، پھر آٹا پسے گا، لشکر کی تیاری میں جہاں سب کا حصہ پڑے گا وہاں صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کا حصہ بھی موجود ہوگا۔

تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لوں گا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ تلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے طلب فرمایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور جناب مقداد رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا اور ہمیں حکم دیا: ”تم مکہ کے راستے پر نکلو، جب تم روضہ خاں کے مقام پر پہنچو گے تو وہاں تم لوگوں کو ایک عورت ملے گی، جو اونٹ کے ہودج میں سوار ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ خط اس سے لے آؤ۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم نکل کھڑے ہوئے، ہمارے گھوڑے سر پٹ دوڑے جا رہے تھے۔ جب ہم ”روضہ خاں“ پر پہنچے تو واقعی وہاں ایک عورت تھی، جو ہودج میں سوار چلی جا رہی تھی۔ ہم نے اس کی سواری کو روکا اور عورت سے کہا: ”تیرے پاس جو خط ہے، اسے ہمارے حوالے کر دے۔“ وہ کہنے لگی: ”میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔“ اب ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا: خط تلاش کیا مگر کوئی خط نہ ملا۔ ہم نے آپس میں کہا جو رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ غلط نہیں ہو سکتا اور پھر ہم نے اسے دھکی دی کہ یہ خط تجھے ہمارے حوالے کرنا ہوگا، نہیں تو ہم تیرے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے تو اس نے اپنے سر کے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکالا اور ہمارے حوالے کر دیا۔

اب ہم یہ خط لے کر واپس اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ خط کھولا گیا تو پتا چلا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے چند مشرکوں کے نام لکھا گیا ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ مکہ کے مشرکوں کو جنگ کے ان چند امور کے بارے میں خبر دے رہے تھے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے راز میں رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے جب یہ خط ملاحظہ کیا تو پوچھا: ”اے حاطب! یہ تو نے کیا کر دیا؟“

اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا ہے، مسلمانوں کے ساتھ بھی خیانت کی ہے، یہ منافق ہے، مجھے اجازت دو میں اس کی گردن اڑا دوں۔“ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میرے بارے میں ابھی فوراً فیصلہ نہ فرمانا، پہلے میری

گزارش سن لیں۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر میرا ایمان باقی نہیں رہا۔ حضور! مجھ سے یہ حرکت اس لیے سرزد ہوئی کہ میں نے سوچا، میں ایک ایسا شخص ہوں جو قریش سے چمٹا ہوا تو ہے، ان کا حلیف بھی ہے مگر قریش کے خاندان سے نہیں، یہ مہاجرین آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں، ان سب کے وہاں رشتہ دار موجود ہیں، جو ان کے گھر والوں اور مالوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے ذریعے مال و دولت اور ان کے گھر والوں کا دفاع کر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میرا تو وہاں کوئی بھی نہیں، تو کیوں نہ میں یہ خط لکھ کر ان پر احسان چڑھا دوں تاکہ احسان کے بدلے وہ میرے رشتہ داروں کو نقصان نہ پہنچائیں اور ان کا کچھ خیال کریں۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی بنا پر مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے اپنے دین کو چھوڑ کر ایسا بالکل نہیں کیا اور نہ یہ بات ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں دوبارہ کفر کو پسند کرنے لگ گیا ہوں۔“

یہ وضاحت سن کر اللہ کے رسول (ﷺ) نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”حقیقت یہ ہے کہ اس نے تمہارے سامنے سچ بیان کر دیا ہے، لہذا اس کے بارے میں سوائے خیر کے کوئی کلمہ نہ کہو۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: ”اس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور مسلمانوں سے دعا کیا ہے، آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں۔“ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”کیا یہ بدر والوں میں سے نہیں ہے؟“ اور آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم جو چاہو کرو، تمہیں جنت ضرور ملے گی (یا فرمایا) میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔“ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے: ”اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔“

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر یہ نصیحت بھی فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِنَا وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِنَا فَاعْلَمُوا بِأَنَّ الْمَوَدَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ﴾

أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿

[الممتحنة: ۱/۶۰]

”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کی طرح ڈالتے ہو۔ حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ وہ رسول کو اور خود تمہیں بھی جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے اللہ پر ایمان لاتے ہو جو تمہارا پالنہار ہے۔ اب اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا کی تلاش میں نکلتے ہو تو خفیہ طور پر انہیں دوستی کا نامہ و پیام بھی بھیجتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں اور تم میں سے جو بھی ایسا کام کرے وہ تو سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح: ۴۲۷۴، ۳۰۰۷، ۳۹۸۳۔ مسلم،

کتاب الفضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعہ و اهل بدر: ۲۴۹۴]

”روضہ خاخ“ مدینہ منورہ سے اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص

انعام تھا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے اس مقام پر عورت کے بارے میں بتلا دیا۔ جی ہاں! مشرکین عہد شکن تھے اور عہد شکنوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا جائے تو اللہ کی مدد اسلام کے لشکروں کے لیے اسی طرح نازل ہوتی ہے۔ کاش! اپنے نبی ﷺ کے فرامین پر ہمارا بھی ایسا ہی ایمان ہو جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا تھا کہ اگر ہمیں خط نہیں ملا تو ہماری کوتاہی ہو سکتی ہے، عورت جھوٹ بول سکتی ہے مگر اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان برحق اور سچ ہے۔

لشکر جزار، عہد شکنوں کی سرکوبی کے لیے پابرجا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”اللہ کے نبی ﷺ مکہ فتح کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے، رمضان کا مہینا تھا، آپ ﷺ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لائے ہوئے ساڑھے آٹھ سال ہونے کو تھے۔ آپ ﷺ نے جب مکہ کی طرف کوچ فرمایا، تو آپ ﷺ بھی روزہ رکھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی



[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح فی رمضان : ۴۲۷۶۔ مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم و الفطر..... الخ : ۱۱۱۳۔ أبو داؤد : ۲۴۰۴ و [إسناده صحیح] قارئین کرام! رسول ذی وقار کا لشکر جرار اپنے سفر پر گامزن ہے۔ اس لشکر نے 215 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا ہے۔ یہ جس مقام کے قریب آن پہنچا ہے، اس کا نام ”قدید“ ہے۔ یہاں سے 75 کلومیٹر کے بعد ایک اور ”کدید“ ہے مگر دونوں کے ناموں میں جو فرق ہے وہ چھوٹے اور بڑے ”کاف“ کا ہے۔ ”کدید“ کے بعد 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ”عسفان“ ہے۔ صحیح بخاری (۳۲۷۵) میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ ”قدید“ اور ”عسفان“ کے درمیان ایک چشمہ تھا، وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑ ڈالا۔ اس علاقے میں پانی وافر ہے، کھجوروں کے باغات بھی ہیں۔

صحیح مسلم اور ابن حبان کی روایت کے مطابق اس وادی کا نام ”کراع الغمیم“ ہے۔ اس کا معنی چھوٹے چھوٹے بادلوں والی سرزمین ہے۔ بہر حال! اس علاقہ میں پانی کا جو چشمہ تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا پیالہ منگوا یا اسے اس قدر بلند کیا کہ لوگ دیکھ لیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ بعض لوگوں نے ابھی تک روزہ افطار نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُولَئِكَ الْعُصَاةُ..... أُولَئِكَ الْعُصَاةُ»

[مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم و الفطر فی شہر رمضان..... الخ : ۱۱۱۴۔

ابن حبان : ۳۵۴۹ و [إسناده صحیح]

”یہ نافرمان لوگ ہیں..... یہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہیں۔“

جی ہاں! سبق یہ ہے کہ نیکی اسی کام کا نام ہے، جسے رسول خیر الامام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

قارئین کرام! چلتے چلتے لشکر اب ایک ایسی وادی میں آن پہنچا، جسے وادی فاطمہ کہا جاتا ہے۔ اس وادی میں ایک کا نام ”مرالظہران“ ہے۔ امام نووی کی ”شرح مسلم“ کے مطابق لشکر نے یہاں بڑا ڈال دیا۔ اس جگہ سے اب مکہ مکرمہ کا شہر صرف پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر رہ گیا۔ محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لشکر کئی کلومیٹر کے علاقے میں پھیلا ہوا خیمہ زن ہو چکا ہے۔

یاد رہے! حضرت عباس رضی اللہ عنہما دل سے تو پہلے ہی مسلمان تھے، جب انہوں نے یہ سنا کہ اسلامی لشکر دس ہزار کی تعداد میں مکہ کی طرف آ رہا ہے تو وہ مکہ سے نکلے اور اللہ کے رسول ﷺ سے جا ملے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ آئیے! اگلا منظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

اسلامی لشکر کی رحمتیں:

حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں جب اللہ کے رسول ﷺ فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو قریش کو اس روانگی کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ ابوسفیان بن حرب اپنے ساتھیوں حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے ہمراہ مکہ سے باہر نکلا۔ یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خاطر نکلے تھے۔ چلتے چلتے یہ لوگ ”مراظہران“ میں آن نکلے، وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ہر جانب آگ کے الاؤ جل رہے ہیں، آگ کے یہ (بھانپڑ، الاؤ اور چراغ) ایسے ہی تھے جیسے عرفہ میں (حاجی لوگ قیام کے دوران) آگ جلاتے ہیں۔ یہ آگ دیکھ کر ابوسفیان کہنے لگے: ”یہ آگ کیسی ہے؟ یہ آگ تو ایسی ہے جیسی عرفات میں ہوتی ہے۔“ بدیل بن ورقاء جواباً کہنے لگا: ”عمرو قبیلے کی آگ لگتی ہے۔“ ابوسفیان کہنے لگا: ”وہ اس قابل کہاں، وہ بہت تھوڑے لوگ ہیں۔“

ایسے میں ان لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی پیٹرونگ سیکورٹی کے دستوں میں سے کچھ لوگوں نے دیکھ لیا، لہذا انہوں نے ان کو فوراً قابو کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔ ابوسفیان نے یہاں اسلام قبول کر لیا، جب ابوسفیان رضی اللہ عنہما یہاں سے جانے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

«إِحْسُ أبا سُفْيَانَ عِنْدَ حَطْمِ الْخَيْلِ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ»

”ابوسفیان کو ایسی جگہ روک رکھو جہاں چلتے ہوئے لشکر میں گھوڑوں کا ہجوم ہوتا کہ ابوسفیان مسلمانوں کی فوجی قوت کا نظارہ کر لے۔“

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما ایسی ہی ایک جگہ پر ابوسفیان کو لے کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ

قبائل جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ پابرجا رہے وہ ایک ایک رجمنٹ کی شکل اختیار کرتے ہوئے ابوسفیان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایک رجمنٹ گزری تو ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے: ”اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتلایا: ”یہ غفار قبیلے کی رجمنٹ ہے۔“ ابوسفیان کہنے لگے: اس رجمنٹ سے میری کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ پھر ”جہینہ“ کا دستہ گزرا تو ابوسفیان نے وہی (عدم دلچسپی کا) جملہ دہرا دیا۔ سعد بن ہذیم قبیلے کی رجمنٹ گزری تو تب بھی وہی انداز اختیار کیا۔ آخر گزرتے گزرتے ایک ایسا عسکری دستہ گزرنے لگا کہ اس شان کا دستہ پہلے نہ گزر پایا تھا، ابوسفیان جھٹ سے بولا: ”یار! یہ لوگ کون ہیں؟“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتلایا: ”یہ انصار کا دستہ ہے اس دستے کے کمانڈر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ دستے کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہے۔“ ادھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا اور وہ دیکھتے ہی کہنے لگے: ”اے ابوسفیان! آج قتل عام کا دن ہے، آج تو کعبہ میں لڑنا بھی جائز کر دیا گیا ہے۔“ یہ سن کر ابوسفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اپنی پریشانی کا اظہار یوں کرنے لگے: ”اے عباس! یہ تو قریش کی تباہی اور بربادی کا دن آ گیا ہے۔“

اب ایک اور دستہ گزرنے لگا۔ یہ دستہ سارے دستوں سے چھوٹا تھا۔ اس دستے میں شامل لوگوں کے اندر اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ ابوسفیان کے قریب سے گزرنے لگے تو ابوسفیان جھٹ سے بولا: ”کیا آپ (ﷺ) کے علم میں ہے وہ بات جو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ”ماقال“ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہا؟ ابوسفیان کہنے لگے: ”وہ تو یہ کہہ گئے ہیں کہ آج قریش کا قصہ تمام ہو جائے گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”سعد نے غلط کہا، آج کا دن تو وہ دن ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو

چار چاند لگائے گا اور یہ وہ دن ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔“

[ بحاری، کتاب المغازی، باب أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح : ٤٢٨٠ من

مرسل هشام بن عروه ]

قارئین کرام! رسول رحمت ﷺ نے ابوسفیان کو یہ منظر اس لیے دکھلایا تاکہ ابوسفیان مکہ میں جائیں اور لوگوں کو عسا کر رسول ﷺ کے رعب و دہشت سے آگاہ کریں۔ مقصد یہ تھا کہ خونریزی نہ ہو اور مکہ امن و سلامتی کے ساتھ افواج اسلامی کے ہاتھوں فتح ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر جھٹ سے مکہ پہنچے وہاں سب لوگ پہلے ہی سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے منتظر تھے کہ وہ کیا خبر لاتے اور کیا حکم دیتے ہیں؟ لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ ان کا سردار تو خود مسلمان ہو چکا ہے۔ بہر حال! ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جو دیکھا تھا وہ نقشہ کھینچا، سب کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ ہندہ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھی وہ بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ امن کا جو پروانہ رسول رحمت ﷺ سے لے کر آئے تھے وہ سب کو سنایا۔ پروانہ امن ملاحظہ ہو:

### ابوسفیان کا اعزاز:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السَّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ»

”جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، جو ہتھیار پھینک دے وہ امن میں ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امن حاصل ہے۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکة: ۱۷۸۰/۸۶، ابن حبان: ۴۷۶۰ و اسنادہ صحیح۔ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، ح: ۱۱۲۳۴ و اسنادہ صحیح]

اللہ! تیری کیا شان ہے! یہی ابوسفیان دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کو تاراج کرنے گیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ پیٹ پر پتھر باندھ کر ڈٹ گئے تھے۔ آج وہی رسول ہاشمی ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ آ رہے ہیں۔

جی ہاں! لوگ دوڑ رہے تھے، اپنے گھروں میں داخل ہو رہے تھے، اندر سے کنڈے مار رہے تھے، عورتیں اور بچے کوشوں کی چھتوں اور دروازوں کی درزوں سے فاتح مکہ کے لشکر کا

نظارہ کرنے کو راہ تک رہے تھے، اس رسول ﷺ کی راہ جو چھپ کر رات کے اندھیرے میں مکہ سے نکلے تھے اور آج وہ دن کے اجالے میں تشریف لا رہے تھے۔

اسلام کے لشکر مکہ میں داخل ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں جانب سے داخل ہونے والے مجاہدین کی کمان دی۔ اسی طرح بائیں جانب سے داخل ہونے والے مجاہدین کی کمان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کی، جبکہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان پیادہ مجاہدین کا کمانڈر بنایا، جن کے پاس لوہے کے لباس (زرہیں) نہیں تھے، یہ سب دستے وادی میں سے داخل ہونا شروع ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ ایک دستے کے اندر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کی نگاہ مبارک مجھ پر پڑ گئی تو آپ ﷺ نے آواز دی: ”اے ابو ہریرہ!“ میں نے کہا: ”حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول!“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انصاری مجاہدین کو آواز دو کہ وہ میرے پاس آئیں۔“ میں نے انھیں آواز دی اور انھوں نے آپ ﷺ کے ارد گرد سیکورٹی کا گھیرا ڈال لیا۔

دوسری جانب قریش کا منظر یہ تھا کہ انھوں نے ایک منصوبے کے تحت اپنے اوباش اکٹھے کیے اور طے کیا کہ ہم مقابلے کے لیے ان کو مسلمانوں کے آگے کرتے ہیں، اگر کامیابی کے کوئی آثار پیدا ہوئے تو ہم بھی مدد کو ان کے ساتھ مل جائیں گے اور اگر یہ رگڑے گئے تو مقابلہ کرنے کے جرم میں جو ہم سے مانگا گیا وہ دے دیں گے۔

اس صورتحال کا آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو مخاطب کر کے آگاہ کیا۔ ”مجاہدو! قریش کے اوباش چھو کروں کا منصوبہ ملاحظہ کر رہے ہونا؟“ اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: ”اوباش مقابلہ کریں تو چکی کے دو پاٹ جس طرح آٹا پیس دیتے ہیں اسی طرح پیس کر رکھ دینا۔“ اور حکم ارشاد فرمایا: ”تم سب لوگوں نے مجھ سے ”صفا“ پر آ کر ملنا ہے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اب ہم چل پڑے۔ کسی میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ہم میں سے جس کا دل چاہتا کہ کسی کو قتل کر

دے تو وہ اسے قتل کر ڈالتا پھر جو کوئی دکھلائی دیا، مجاہدین نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکہ : ۱۷۸۰۔ مسند أحمد : ۵۳۸/۲، ح : ۱۰۹۴۸ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۴۷۶۰ و إسناده صحيح۔ مسند أبي داود الطيالسي : ۱۸۸/۴، ۱۸۹ تا ۱۹۰، ح : ۲۵۶۴ و إسناده صحيح ]

مسند احمد وغیرہ کی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ”بنو خزاعہ“ کو اجازت دی کہ ”بنو بکر“ نے ان پر جو ظلم کیا تھا اور حرم میں قتل کیا تھا، اس کا بدلہ لے لو، چنانچہ ”بنو خزاعہ“ کے مظلوم لوگ بنو بکر اور قریش کے ان ظالموں سے بدلہ لے رہے تھے جنہوں نے ان پر ظلم کیا تھا۔

[ مسند أحمد : ۱۷۹/۲، ۲۰۷، ح : ۶۶۸۱، ۶۹۳۳ و إسناده حسن لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة : ۴۰۳/۷، ح : ۳۶۸۹۳ و إسناده حسن لذاته ]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے بدلہ دلا دیا اور عدل کی عدالت برسر میدان قائم کر کے دکھلا دی۔

اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں : ”جس دن مکہ فتح ہوا (وہ دن امام نووی کی شرح کے مطابق ۱۹ رمضان کا دن تھا) اس روز جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔“

[ مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام : ۱۳۵۸ ]

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں : ”میں نے دیکھا کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ فتح کی تلاوت خوش الحانی کے ساتھ کر رہے تھے۔“

[ بخاری، کتاب الجہاد، باب أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ : ۴۲۸۱۔ مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب ذكر قراءة النبي ﷺ..... الخ : ۷۹۴۔ أبو داود : ۱۴۶۷ و إسناده صحيح ]

حسن سند کے ساتھ ابن ماجہ (۲۸۱۸) کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا بڑا پرچم سیاہ تھا اور چھوٹا جھنڈا سفید تھا۔ جی ہاں! پرچم لہرا رہے ہیں، انصاری مجاہدین ارد گرد حفاظتی دیوار بنائے ہوئے ہیں اور مہاجرین و انصار کی جماعت میں سپریم کمانڈر جناب محمد کریم ﷺ جا

رہے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۲۲۸۰) میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا کہ میرا بڑا پرچم ”عجون“ کے مقام پر نصب کیا جائے۔ کداء کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے ”عجون“ کے مقام پر پڑاؤ کے بعد لشکر پھر چل پڑا۔ اب کے اللہ کے رسول ﷺ نے سر پر ”خود“ پہن لی۔ چلتے چلتے لشکر اب بیت اللہ کے پاس آ گیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سر مبارک سے خود اتار لی، جو نبی خود اتاری تو آپ ﷺ کو آگاہ کیا گیا: ”حطل کا بیٹا کعبہ کے پردوں میں پناہ لیے ہوئے ہے۔“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے قتل کر دو۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب أين ركز النبي ﷺ..... الخ: ۴۲۸۶-مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام: ۱۳۵۷ ]  
چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

« قَتَلْتُ عَبْدَ الْعُزَيْرِيِّ بْنِ حَطَلٍ وَهُوَ مُتَعَلِّقٌ بِسِتْرِ الْكَعْبَةِ »

[ مسند أحمد: ۴/۴۲۳، ح: ۱۹۸۱۱۸ و إسناده حسن لذاته۔ أبو الوازع جابر بن عمرو الراسبي صدوق حسن الحديث وثقه الجمهور والجرح فيه مردود ]  
”میں نے عبدالعزئی بن حطل کو اس حال میں قتل کیا کہ وہ کعبہ کے غلاف کو پکڑے ہوئے تھا۔“

”بیت اللہ“ میں آمد..... اور بت ٹوٹتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زیدؓ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت بلالؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ بھی چل رہے تھے..... آپ ﷺ کی اونٹنی اب ”مجد حرام“ میں داخل ہو چکی تھی۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب دخول النبي ﷺ..... الخ: ۴۲۸۹، ۲۹۸۸، ۴۴۰۰ ]

صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ منظر کشی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ حجر اسود کے پاس

آئے، اسے چھوا اور کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔

[مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ: ۱۷۸۰]

صحیح بخاری میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ بیت اللہ کے ارد گرد 360 بت تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ آپ اس کے ساتھ بت کو کچوکا مارتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے:

(جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ) [الإسراء: ۸۱/۱۷]

”حق آچکا اور باطل برباد ہو چکا۔“

(جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ) [سبا: ۴۹/۳۴]

”حق چھا چکا ہے، باطل پہلے کچھ نہیں کر سکا، اب کیا کرے گا؟“

[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح فی رمضان: ۲۴۷۸، ۴۲۸۷]

صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لکڑی کی کمان تھی اور وہ مورتیاں جن کی مکہ کے لوگ عبادت کیا کرتے تھے، بیت اللہ کے گرد رکھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ گھومتے ہوئے جس مورتی کے پاس آتے، اس کی آنکھ اور پہلو میں اپنی کمان سے کچوکا مارتے اور فرماتے: ”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکہ: ۱۷۸۰۔ مسند أحمد: ۲/۵۳۸، ح: ۱۰۹۵۴]

وإسناده صحيح۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۷/۷، ح: ۳۶۸۸۸ و إسناده صحيح]

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی کو بٹھا دیا گیا۔ اب آپ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہونے والے ہیں، عثمان بن طلحہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہیں ان سے چابی لی گئی ہے اور پھر دروازہ کھولا گیا ہے۔

[بخاری، کتاب الجہاد، باب الردف علی الحمار: ۲۹۸۸، ۴۴۰۰]

پیغمبروں کی تصویریں مٹادی جاتی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہونے لگے تو اس کے اندر کئی بت موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو نکالنے



کا حکم دیا، چنانچہ انھیں باہر نکال دیا گیا۔ ان میں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی اور ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں تیر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

« قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ! أَمَا وَاللَّهِ ! لَقَدْ عَلِمُوا مَا آفْتَسَمَا بِهَا قَطُّ »

”اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے، اللہ کی قسم! ان مشرکوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے کبھی ان تیروں کے ذریعے قسمت معلوم کرنے کے لیے قال نہیں نکالی (اس کے باوجود ان لوگوں نے ان کے ہاتھوں میں تیر پکڑا دیے ہیں)۔“

[ بخاری، کتاب المعاری، باب אין رکز النبی ﷺ الراية..... الخ : ۴۲۸۸۔ مسند احمد . ۳۳۴/۱، ح : ۳۰۹۲ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۵۸۶۱ و إسناده صحيح ]

صحیح بخاری (۳۳۵۱) ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی تصویر بھی موجود تھی اور صحیح بخاری (۳۳۵۲) میں ہے کہ ان تصاویر کو مٹا دیا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”میرا نام ”ماجی“ بھی ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔“

[ بخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء في أسماء رسول الله ﷺ : ۳۵۲۲ ]

جی ہاں! اللہ کے ”ماجی“ حضرت محمد کریم ﷺ نے ان تصاویر کو مٹا دیا۔ کفر کا معنی ناشکری ہے اور اس سے بڑھ کر ناشکری کیا ہو سکتی ہے کہ سب کو پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا اللہ ہے، مگر اس کی عطا و بخشش میں اس کے بندوں کو بھی شامل کر لیا جائے، یقیناً یہ ناشکری ہے اور اس ناشکری کو اللہ کے رسول ﷺ نے مٹا دیا ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ جب یہ کام ہو چکا تو اب اللہ کے رسول ﷺ کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور کعبہ کے ہر جانب اللہ اکبر کہا۔

[ بخاری : ۴۲۸۸، ۳۳۵۲۔ مسند احمد : ۳۳۴/۱، ح : ۳۰۹۳ و إسناده صحيح ]

قارئین کرام! وہ لوگ جو نیک بزرگوں کی تصاویر کو برکت کے طور پر اپنے گھروں اور دکانوں میں آویزاں کرتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس کے طریقے اور چلن کو اختیار کر رہے ہیں۔

## کعبہ میں نماز اور عام معافی کا اعلان:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر کعبہ کے اندر ٹھہرے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر دروازے پر آئے، تب کئی لوگ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے لپکے۔ پہلا شخص جو اندر داخل ہوا وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تو انہوں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلیٰ مكة: ۴۲۸۹، ۴۴۰۰۔]

[مسلم، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج... الخ: ۱۳۲۹]

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ کعبہ ان دنوں چھ ستونوں پر بنا ہوا تھا۔ اگلے دو ستونوں کے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر کی جانب تھا۔

[بخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة بین السوراء فی غیر جماعۃ: ۵۰۵۔ مسلم: ۱۳۲۹]

جی ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب لوگوں کے سامنے نمودار ہوئے۔

صحیح مسلم میں جو نقشہ کھینچا گیا اس کے مطابق ابوسفیان کی پریشانی دیدنی تھی، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے: "اے اللہ کے رسول! کیا قریش آج تباہ کر دیے جائیں گے؟"

[مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکة: ۱۷۸۰]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا:

﴿يَا مَعْشَرَ قُرَيْشِ! مَا تَقُولُونَ؟ قَالُوا: نَقُولُ ابْنُ أَخٍ وَابْنُ عَمِّ رَحِيمٍ كَرِيمٍ، ثُمَّ عَادَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلَ، قَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ، قَالَ: فَإِنِّي أَقُولُ كَمَا قَالَ أَحِبِّي يَوْسُفُ:

﴿لَا تَرْتَبِ عَلَيْهِمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ [يوسف: ۹۲/۱۲]

[السنن الكبرى للنسائي: ۷/۳۸۳، ح: ۱۱۲۹۸، و [إسناده حسن لذاته]

”اے قریشیو! تمہارا (میرے بارے میں آج) کیا خیال ہے؟“ انھوں نے کہا:  
 ”ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھتیجے اور چچا زاد ہیں اور آپ بڑے مہربان  
 اور کریم ہیں۔“ آپ ﷺ نے ان سے پھر وہی سوال کیا اور انھوں نے پھر وہی  
 جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی  
 یوسف (علیہ السلام) نے کہی تھی: ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ  
 رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے  
 قریش مکہ کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا:

« أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا  
 النَّاسُ رَجُلَانِ: بَرِّتَيْقِي كَرِيمٍ عَلَى رَبِّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيْنَ عَلَى رَبِّهِ »  
 ”اے لوگو! اللہ نے تمہارے جاہلی غرور و تکبر کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا ہے، لوگو! لوگ  
 دو طرح کے ہی ہوتے ہیں ایک وہ جو نیک ہو، اپنے رب کے ہاں پرہیزگار اور  
 معزز ہو اور دوسرا وہ جو بدکار، بد بخت اور اپنے پروردگار کے ہاں گھٹیا ہو۔“  
 اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

« يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ  
 أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ » [الحجرات: ۱۳]

”لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے تمہارے خاندان اور قبیلے  
 محض اس لیے بنائے ہیں تاکہ آپس میں جان پہچان کر لو، اللہ کے ہاں تم میں سب  
 سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَقُولُ هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ »

”میں نے تمہیں یہی کچھ کہنا تھا، باقی میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے بخشش

طلب کرتا ہوں۔“

[ ابن حبان: ۳۸۲۸ و [سنادہ صحیح ]

قربان جائیں رسول اکرم ﷺ کے غنودر گزر پر کہ نہ کسی سے مکان چھین کر کسی مہاجر کو واپس دلایا، نہ اپنا مکان لیا بلکہ فاتح مکہ رسول اکرم ﷺ جب تک مکہ میں مقیم رہے خیمے گاڑ کر گزارہ کیا۔ ملاحظہ ہو:

[ بخاری: ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، [شارة ]

وہ جن کو قتل کرنے کا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ سوائے چار مردوں اور دو عورتوں کے اللہ کے رسول ﷺ نے سب کے لیے امن کا اعلان کر دیا اور فرمایا: ”فلاں لوگ چاہے کعبہ کے پردوں کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں تب بھی ان کو قتل کر دو۔“ وہ لوگ تھے:

۱۔ عبداللہ بن حنظل

۲۔ مقیس بن صبابہ

۳۔ عکرمہ بن ابی جہل

۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

ان میں سے عبداللہ بن حنظل کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا، اسے قتل کرنے کو سعید بن حریت رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دوڑے۔ ان دونوں میں سے جو جوان تھا اس نے ابن حنظل کو قتل کر دیا۔ مقیس بن صبابہ کو مجاہدین نے بازار میں دیکھ لیا تو اسے وہیں قتل کر دیا۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھاگ نکلا۔ وہ بحر احمر کے کنارے ایک کشتی پر سوار ہو کر علاقہ بدر ہونے لگا۔ کشتی سمندر میں گئی تو طوفان میں پھنس گئی، کشتی میں سوار لوگ کہنے لگے: ”اب صرف ایک اللہ کو پکارو، کیونکہ اس طوفان میں تمہارے مشکل کشا تمہارے کسی کام نہیں آ سکتے۔“ یہ سن کر عکرمہ کہنے لگا: ”اگر سمندر میں ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرا کشتی پار نہیں لگا سکتا تو اللہ کی قسم! زمین پر بھی اس اللہ کے سوا کوئی میری بگڑی نہیں بنا سکتا۔ اے اللہ! میں تجھ سے پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر اس طوفان سے تو مجھے سلامت نکال لے نو میں محمد ﷺ کے پار

حاضر ہو جاؤں گا، اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں انہیں درگزر کرنے والا اور کریم و شفیق پاؤں گا۔“

کشتی بہ سلامت کنارے لگ گئی، عکرمہ واپس پلٹا اور اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابو سرح کا پوتا عبداللہ بن سعد، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے ہاں چھپ گیا، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو قبول اسلام کی بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے بھی لے آئے اور اس کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا کر دیا اور عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) عبداللہ سے بھی بیعت لے لیجیے“ آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور عبداللہ کی طرف دیکھا، بیعت نہیں لی، پھر سر اٹھایا مگر اب بھی بیعت نہیں لی، تیسری بار سر اٹھایا تو بیعت لے لی، اس کے بعد (جب عبداللہ چلا گیا تو) آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

”تم میں ایک بھی سمجھ دار آدمی نہ تھا جو مجھے دیکھ کر سوچتا کہ میں اس کی بیعت لینے سے ہچکچا رہا ہوں اور وہ آگے بڑھتا اور اسے قتل کر دیتا۔“

صحابہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہمیں کیا معلوم کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ آپ ہمیں آنکھوں سے اشارہ کر دیتے، پھر دیکھتے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ آنکھوں کے اشاروں سے ایسا کرے۔“

[النسائی، کتاب المحاربة، باب الحكم في المرتد، ٤٠٧٢ و إسناده حسن لذاته۔

أبو داؤد و ٢٦٨٣ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ٤٥١٣ ح: ٤٣٦٠ و

إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى: ٣٢١/١، ٣٢٢، ح: ٧٥٣ و إسناده حسن لذاته۔

لذاته۔ مصنف ابن أبي شيبة: ٤٠٥/٧، ح: ٦٩٠٢ و إسناده حسن لذاته۔ السدی

هو الكبير اسماعيل بن عبدالرحمن و هو صلوق حسن الحديث وثقه الجمهور [

قارئین کرام! ابن حنبل اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہما ”فتح الباری“ میں لکھتے ہیں: ”اس کی لوٹڈی بھی قتل کی گئی اس لیے کہ وہ بھی اس کے جرائم میں شریک کار تھی۔ اسی طرح اس کی دوسری لوٹڈی ام سعد بھی قتل ہوئی۔“

مقیس بن صباحہ مدینہ میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا پھر ایک انصاری مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو گیا اور واپس مشرکوں کے ساتھ جا شامل ہوا تھا۔ اس کا جرم دہرا تھا اس لیے قتل ہوا۔  
**انصاریو! مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ایسے حالات میں انصار میں سے کچھ لوگ آپس میں کہنے لگے: ”اللہ کے رسول ﷺ بھی آخر ہیں تو انسان ہی نا، لہذا ان کے دل میں بھی اپنے شہر کی محبت گھر کر گئی اور اپنے خاندان کی الفت آ گئی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو گئی اور ہمیں پتا تھا کہ جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ الغرض، جب وحی کا نزول ختم ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے آواز دی: ”اے انصار کے لوگو!“ انہوں نے جواب دیا: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ حاضر ہیں۔“ آپ ﷺ نے انہیں بتلایا: ”کیا تم لوگوں نے ابھی یہ کہا کہ اس شخص کے دل میں تو اس کے شہر کی محبت گھر کر گئی ہے؟“ انصار نے جواب دیا: ”جی ہاں! ہم نے ایسا ہی کہا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”نہیں! ایسا بالکل نہیں، ہاں البتہ یہ ٹھیک ہے کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اس شہر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اور چھوڑ کر تمہارے پاس آ گیا سن لو! اب زندگی گزرے گی تو تمہارے ساتھ اور موت آئے گی تو تمہارے درمیان۔“

انصار نے یہ سنا تو لپک کر اللہ کے رسول ﷺ کے گردا گرد ہو گئے، زار و قطار رونے اور عرض کرنے لگے: ”اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا محض آپ ﷺ کی محبت میں کہا کہ آپ ﷺ اب ہمیں چھوڑ نہ دیں۔ ہمارے کہنے کا مطلب صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طلب ہے اور بس۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول تمہاری اس بات کو سچا جانتے ہیں اور تم نے جو کہا اس کی وجہ کو بھی قبول کرتے ہیں۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکہ : ۱۷۸۰۔ مسند أحمد : ۵۳۸/۲، ح : ۱۰۹۵۴ و إسناده صحيح۔ ابن حبان : ۴۷۶۰ و إسناده صحيح ]

اپنے امام کا ستر تو ڈھانپ لو :

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”ارے! تو عمرو بن سلمہ سے نہیں ملا؟ عمرو سے ملاقات ہو تو اس سے امامت والا واقعہ تو سننا۔“ اب میں عمرو بن سلمہ سے جا ملا اور اس سے مذکورہ واقعے کے بارے پوچھنے لگا۔ عمرو بن سلمہ مجھے بتلانے لگا: ”بات یوں ہے کہ ہم لوگ ایک چشمے پر رہا کرتے تھے، وہ ایسی جگہ تھی کہ آنے جانے والے مسافر وہاں سے گزرتے تھے۔ سوار لوگ بھی ہمارے پاس آتے ہوئے ٹھہرتے تھے۔ ہمارے لوگ ان مسافروں سے پوچھتے کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہتا ہے اور لوگ ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ اس پر وہ بتلاتے کہ وہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بنا کر بھیجا ہے اور اس کی طرف وحی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دلیل کے طور پر قرآن کا کوئی مقام بھی پڑھ دیتے۔ میں یہ کلام سنتا تو اسے حفظ کر لیتا، یہ کلام میرے دل کو خوبصورت لگتا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ عرب کے عام لوگ مکہ کی فتح تک اسلام قبول کرنے سے رکے ہوئے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی قوم کو باہم لڑنے دو، اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر غالب آگئے تو وہ واقعی سچے نبی ہوں گے۔

چنانچہ اس سوچ کے تحت جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم کے لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ہمارا قبیلہ بھی دوڑا۔ میرے والد صاحب بھی اسلام میں داخل ہونے کے لیے آئے، پھر جب مکہ میں اسلام قبول کر کے واپس آئے تو آ کر اپنے لوگوں سے کہنے لگے: ”میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر تمہیں بتلاتا ہوں کہ میں جس نبی کو مل کر تمہارے پاس آیا ہوں وہ نبی سچے نبی ہیں۔“ اور پھر کہنے لگے: ”انہوں نے کہا ہے، فلاں نماز! فلاں وقت پر اور اس اس طرح پڑھنا شروع کرو اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے اور پھر

امامت وہ کروائے جس کو تم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو۔“

اب لوگ جائزہ لینے لگے کہ کس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہے۔ مجھ سے بڑھ کر تو کوئی نہ تھا، کیونکہ میں تو آنے جانے والوں سے قرآن سنتا اور اس کو یاد کر لیتا تھا، چنانچہ سب نے مل کر مجھے ہی آگے کر دیا۔ میری عمر اس وقت چھ سال یا حد سات سال ہوگی۔ اب مجھ پر ایک چادر تھی جسے اوڑھ کر میں امامت کرواتا تھا۔ جب میں سجدے میں جاتا تو پیچھے سے ننگا ہو جاتا، ایک دفعہ ایک قبیلے کی عورت نے سجدے میں مجھے دیکھ لیا تو اس نے بلند آواز سے کہا: ”ارے! ہم سے اپنے قاری صاحب کا ستر تو چھپا لو۔“ اب کیا ہوا؟ لوگوں نے ایک کپڑا خریدا اور میرے لیے ایک لمبی سی قمیص بنائی۔ مجھے یہ قمیص پہن کر جس قدر خوشی ہوئی اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۴۳۰۲]

جی ہاں! قاری عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق عرب کے لوگ اب جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ صحیح بخاری ہی کی روایت ہے، حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”فتح مکہ کے بعد میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اپنے بھائی کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ کس چیز کی اس سے بیعت لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبَايَعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ»

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۴۳۰۶، ۴۳۰۵]

”میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔“

ثابت ہوا اب پورے اسلام پہ عمل کرتے ہوئے چلنا ہوگا۔ یہ بات کہ پہلے نفس کو مضبوط کر لیا جائے پھر جہاد کیا جائے گا یہ آج کے دور کی بزدلانہ بحث ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں تو یہ تھا کہ سود کے شکنجے میں جکڑا ہوا امیر آتا ہے، اسلام میں داخل ہوتا ہے اور لڑتا ہوا شہید ہو کر جنت میں چلا جاتا ہے۔



الغرض، عورتوں والی بیعت کے دن بھی گزر گئے۔ اب تو اللہ کے رسول ﷺ اسلام قبول کرنے کے لیے آنے والے سے جہاں اسلام اور ایمان کی بیعت لے رہے ہیں وہیں جہاد کی بیعت بھی لے رہے ہیں تاکہ اس جہاد کی برکت سے جس طرح اب عرب کے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اسی طرح ساری دنیا کے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

بزرگوں کو تکلیف کیوں دی، میں خود ہی حاضر ہو جاتا:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ حرم مکہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو آپ کی خدمت میں لائے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

«هَلَّا تَرَكْتِ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى أَكُونَ أَنَا آتِيَهُ فِيهِ»

”ابو بکر! بزرگوں کو گھر ہی رہنے دینا تھا، میں خود ان کے پاس حاضر ہو جاتا۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ (ﷺ) چل کر ان کے پاس کیوں جاتے؟ انھی کا حق ہے کہ یہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے اب ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھالیا، ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور کہا: ”مسلمان ہو جائیے!“ ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

[ مستدرک حاکم: ۴۶/۳، ح: ۴۳۶۳ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي :

۰۹۶، ۰۹۵/۵، و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد: ۶/۳۴۹، ۳۵۰، ح: ۲۷۰۱۸ و

إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۷۲۰۸ و إسناده حسن لذاته ]

قربان جائیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفا داری اور فدویانہ انداز پر، فدا ہوں رسول اکرم ﷺ کے اخلاق اور کریمانہ طرز ادا پر جو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ اپنائی۔ جی ہاں! اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا:

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِكَ أَعْوَابًا ۖ فَسَبِّحْ

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۗ إِنَّكَ كَانَ تَوَّابًا ﴾ [ النصر ]

”جب اللہ کی مدد اور فتح آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے بخشش طلب کرو، یقیناً وہ بے حد توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

### اسلامی قانون کا فوری نفاذ:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کے عہد کا آغاز ہو گیا۔ اس دوران ایک عورت نے چوری کر لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے مطابق یہ عورت (قریش کے قبیلے) بنو مخزوم میں سے تھی۔ (اسلامی قانون کی رو سے اس عورت کے ہاتھ کٹنے کا حکم صادر ہو گیا) قریش کو اب اس مخزومی عورت کے مسئلہ نے بے حد پریشان کر دیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ گھبرائے ہوئے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی مجلس میں سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ اس بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے بات کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا، ہاں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو اللہ کے رسول ﷺ کو بے حد پیارے ہیں، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں درگزر کی سفارش کریں تو کچھ ہو سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے رسول ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

«أَتَكَلِّمُنِي فِي حَدِّ مِّنْ حُدُودِ اللَّهِ؟»

”کیا تو مجھ سے اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں بات کرتا ہے؟“

اسامہ فوراً عرض پرداز ہوئے: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ غلطی ہو گئی، دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔“ جب دوپہر کا وقت ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اللہ کے شایان شان حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: ”تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اس وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس اللہ کی قسم!

جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! (یہ تو بنو مخزوم کی فاطمہ ہے)

«لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

”اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد اس عورت نے سچے دل سے توبہ کر لی، بعد ازاں اس خاتون کی شادی ہو گئی۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب : ۴۳۰، ۲۶۴۸۔ مسلم : ۱۶۸۸۔ الترمذی :

۱۴۳۰ و [إسناده صحيح]

قارئین کرام! مکہ میں فتح کے ساتھ ہی اسلامی قانون کا نفاذ ہو گیا۔ سرزمین عرب اللہ کے قانون سے گل و گلزار بن گئی۔ آج بھی دنیا میں وہ سرزمین جہاں جرائم کی شرح سب سے کم ہے، وہ سعودی عرب کی سرزمین ہے اور اس کا واحد سبب یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود رضی اللہ عنہ نے اقتدار حاصل کرتے ہی یہاں اللہ کا قانون نافذ کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سعودی عرب کی مملکت میں اپنے قانون کی بہار کو تاقیامت قائم رکھے، سلامت رکھے اور توحید و سنت کی جو بہار ہے اللہ تعالیٰ اس کے حسن میں اور اضافہ فرمائے اور تمام مسلمان ملکوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں قیام کے دوران اردگرد کے بت خانوں کو بھی منہدم کرا دیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ”عزّی“ نامی ایک بڑے بت اور آستانے کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بت شکنی کی تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو:

[مسند أبی یعلیٰ : ۱/ ۳۷۰، ۳۷۱، ح : ۸۹۸ و [إسناده حسن لذاته۔ السنن الکبریٰ

للسنائی : ۶/ ۴۷۴، ح : ۱۱۵۴۷ و [إسناده حسن لذاته، و الولید بن عبداللہ بن

جميع صدوق ثقة و ثقة الجمهور]

صحیح بخاری (۳۴۹۸) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں 19 دن قیام فرمایا، آپ دو رکعتیں نماز پڑھ کر قصر کرتے رہے اور پھر شوال میں آپ ﷺ کو ایک اور مہم پر نکلنا پڑا۔ آئیے! اب اس جنگی مہم کے احوال ملاحظہ کرتے ہیں۔

## حسین کی لڑائی میں توحید اور انکساری کا سبق

دشمن کی جاسوسی:

امام ابن اسحاق رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کی فتح سے فارغ ہوئے تو مالک بن عوف نے مختلف قبائل کو اکٹھا کیا، ان کے مال مویشی، عورتوں اور بچوں کو بھی ہمراہ لیا اور لڑائی کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چل کھڑا ہوا۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحدرد کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ ان کی طرف جا، ان کی قوم میں داخل ہو جا، وہ کیا کر رہے ہیں، سب حالات کا جائزہ لے کر آ۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہو گئے۔ ان میں ایک دن یا دو دن ٹھہرے، پھر واپس پلٹے اور آکر تمام صورتحال سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔

[ مستدرک حاکم : ۴۸۱۳، ۴۹، ح : ۴۳۶۹ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد :

۱۹۰۱۳، ح : ۱۲۹۸۲ و إسناده حسن لذاته۔ ۲۷۹/۳، ح : ۱۳۹۸۳ و إسناده

حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۱۲۰/۵، ۱۲۱ و إسناده حسن لذاته ]

یہ قبیلہ جو جنگ کے لیے نکلا، اس کا نام ”ہوازن“ تھا۔ اس کی سب سے بڑی شاخ ”ثقیف“ تھی جس کے لوگ ”طائف“ شہر اور اس کے مضافات میں پھیلے ہوئے تھے۔ ”ہوازن“ کی باقی شاخیں بھی شمالی یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کی اولاد ہی سے تھے۔

[ معجم البلدان : ۱۷۳/۲، ۲۰۴/۳ ]

مکہ اور طائف کے درمیان 90 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ جب مکہ میں موسم گرم ہوتا ہے تو محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طائف میں موسم ٹھنڈا اور باغ دیہار کے جھونکے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے قریش مکہ وہاں اس موسم سے لطف اٹھانے کے لیے جاتے تھے۔ وہاں ان کے باغات اور گھر بھی تھے۔ امام یاقوت حموی اپنی کتاب ”معجم البلدان“ میں لکھتے ہیں کہ طائف کو قریش کا باغ کہا جاتا تھا۔ طائف کے لوگوں اور قریش مکہ کے مابین رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔

جی ہاں! یہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے گئے تھے تو انھوں نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ البتہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ کے ساتھ آپ ﷺ کی جنگیں شروع ہو گئیں، تو ہوازن وثقیف کے لوگ اس دوران الگ تھلگ رہے تھے۔ اب جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا اور پھر فتح کے بعد مجاہدین کے دستوں کو ارد گرد بھیج کر بڑے بڑے بت خانے اور آستانے تباہ کروا دیے، ان میں ”عزی“ کا بت اور آستانہ بھی شامل تھا، جس کی عبادت یہ لوگ کیا کرتے تھے، تو انھیں خطرہ پیدا ہوا کہ محمد (ﷺ) ہم تک بھی آئیں گے، لہذا انھوں نے تیاری کی، عوف بن مالک کو چیف کمانڈر بنایا اور چل کھڑے ہوئے۔ عوف بن مالک نے تمام قبائل کی عورتوں، بچوں اور مال مویشی کو اس لیے ہمراہ لیا تاکہ لوگ ان کے تحفظ کی فکر میں خوب جم کر لڑیں اور بھاگیں نہیں۔ امام ابن حجر ”الأصابہ“ میں لکھتے ہیں کہ اس کی عمر 30 سال تھی اور وہ بڑا دلیر تھا۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ راستے میں ان کے ایک بزرگ دانشور درید بن صمہ نے مالک بن عوف سے کہا: ”عورتیں، بچے اور اموال ہمراہ رکھنا ٹھیک نہیں، اگر شکست ہوگئی تو ان کا کیا بنے گا؟“ مگر مالک بن عوف نے اس کے مشورے کو رد کر دیا، کہنے لگا: ”یہ بوڑھا ہو گیا ہے، اس کی دانشوری بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔“ پھر ہوازن کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ”تمہیں میری بات ماننا ہوگی، اگر اس بوڑھے کی بات ماننا ہے تو میں اس تلوار کی نوک کو اپنے پیٹ پہ رکھوں گا اور دوسری طرف میری کمر سے جانکے گی۔“ اس پر اس کے کمانڈر اور لوگ کہنے لگے: ”ہم تیری اطاعت کرتے ہیں، جو مرضی کر۔“

عبدالرحمن بن جابر عن أبيه جابر بن عبد الله [

ادھر اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنا لشکر لے کر چل نکلے۔ صدوق وثقة امام محمد بن اسحاق اور مصعب بن عمیر اللہ الزبیری کا قول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما کو مکہ کا امیر مقرر فرمایا۔

[ دلائل النبوة للبيهقي : ١٢١/٥ و إسناده حسن لذاته - سيرة ابن هشام : ٨٤/٤ -

مستدرک حاکم : ٥٩٤/٣، ٥٩٥، ح : ٦٥٢٢ و إسناده صحيح ]

جی ہاں! مدینے سے مکہ آنے والا اور اب مکہ سے طائف کی طرف روانہ ہونے والا لشکر عرفات سے ہو کر حنین کی جانب چل رہا ہے۔

کوئی آستانہ ہمارا بھی تو ہو جہاں مرادیں پوری ہوں :

حضرت ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ مکہ سے حنین کی طرف نکلے۔ راستے میں ایک ایسی جگہ آئی کہ وہاں بیری کا ایک درخت تھا، یہ درخت کافروں کا ایک متبرک مقام تھا۔ وہ اس کے گرد اپنی مرادیں پوری کرانے کے لیے بیٹھا کرتے تھے اور اس پر اپنے اسلحہ کو لٹکایا کرتے تھے، اس مقام کو ”ذات انواط“ (ایسا مقام جس کے ساتھ چیزوں کو لٹکایا جائے) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ جب ہم بیری کے اس بہت بڑے سبز درخت کے پاس سے گزرے تو ہم میں سے بعض لوگ کہنے لگے : ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمارے لیے بھی ایسا ہی کوئی آستانہ بنا دیجئے۔“ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا :

« قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ  
الْهَةُ »

”اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں نے بھی وہی بات کہہ ڈالی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے لوگوں نے کہی تھی کہ (اے موسیٰ!) ہمارے لیے بھی کوئی مشکل کشا بنا دو جیسا کہ ان لوگوں (مشرکوں) کے کئی کرنی والے مشکل کشا ہیں۔“

آپ ﷺ نے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے مزید فرمایا :

« اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ »

”حقیقت یہ ہے کہ تم نادان لوگ ہو۔“

آپ ﷺ نے مستقبل کے اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے مزید متنبہ فرمایا:

« اِنَّهَا السُّنَنُ لَتَرْكَبَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُنَّةَ سُنَّةٍ »

”یہ ایسے لچھن اور چلن ہیں جو تم سے پہلے لوگوں نے بھی اختیار کیے تھے، تم بھی

ایک ایک کر کے ان کو اختیار کرتے چلے جاؤ گے۔“

[مسند أحمد: ۵/۲۱۸، ح: ۲۱۹۵۶ و إسناده صحيح- الترمذی: ۲۱۸۰- ابن

حبان: ۶۷۰۲ و إسناده حسن لذاته- السنن الكبرى للنسائی: ۳۴۶/۶، ح:

۱۱۱۸۵ و إسناده صحيح]

سیرت ابن ہشام (۸۳/۳)، تاریخ طبری (۷۳/۳) اور طبقات ابن سعد (۱۱۳/۲) میں

لکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے لشکر میں دس ہزار وہ لوگ تھے جو مدینہ اور اس کے قرب و  
جوار سے آئے تھے اور دو ہزار وہ لوگ تھے جو مکہ میں تازہ بہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جن کا عقیدہ ابھی کچا تھا، چونکہ وہ ایسے ماحول سے نکل کر آئے تھے کہ صحیح

مسلم (۱۱۸۵) کے مطابق وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اسی طرح کہتے تھے جیسے آج بھی

مسلمان کہتے ہیں کہ حاضر ہیں اے اللہ! حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں اور پھر آخر پر کہتے:

”ہاں ان شریک بزرگوں کا مالک بھی تو ہے اور جس جس چیز کا یہ بزرگ اختیار رکھتے ہیں، اس

کا مالک بھی تو ہے۔“ جی ہاں! یہ لوگ ایسے ماحول سے نکل کر آئے تھے جہاں پرانے اور نیک

بزرگوں کی صورتیاں بنائی گئی تھیں اور یہ لوگ ان بزرگوں کی صورتوں اور تصویروں کے سامنے

نذریں نیازیں پیش کرتے تھے اور کہتے تھے:

« مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبَنَا إِلَى اللَّهِ وَنَفِي ۗ » [الزمر: ۲/۳۹]

”ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، یہ بزرگ تو ہمیں بس اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔“

یعنی ہماری ان کے آگے، ان کی خدا کے آگے:

(هُؤَلَاءُ شُفَعَاءُ أَوْلِيَاءِ عِنْدَ اللَّهِ) [یونس: ۱۸/۱۰]

”یہ بزرگ تو محض اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“

ہم چونکہ گنہگار ہیں، یہ نیک ہستیاں ہیں، ان کے واسطے ویلے سے اللہ ہماری مرادیں پوری کر دیتا ہے۔ پھر وہ ان کے آستانے بناتے، وہاں دعا کے باندھے، تالے لگاتے، اسلحہ لٹکاتے، پراندے اور رنگ برنگے کپڑوں کی ٹاکیاں اور جھنڈے لہراتے، انہیں ”ذات أنواط“ کہتے۔ جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کو پتا تھا کہ یہ کپے عقیدے کے حامل لوگ ہیں، ان کے نفس کمزور ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہمراہ لیا اور جہاں کمزوری دیکھی ان کے عقیدے کی اصلاح کی، لیکن یہ نہیں کیا کہ ان کو جہاد کے میدان سے بھگا دیا۔ جی ہاں! یہ لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب ساتھ چلیں گے تو ان کی اصلاح بھی ہوتی جائے گی۔ شرک کی نجاستیں جہاد کی بمبئی میں بھاپ بن کر اڑتی جائیں گی اور توحید کا نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

ہوازن کا سارا مال کل غنیمت ہوگا (ان شاء اللہ):

حضرت سہل بن حظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجاہدین نے سزکی طنائیں کھینچیں اور وہ چلتے ہوئے اپنے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ حنین کے میدان میں آ پہنچے۔ جس دن پہنچے، وقت دھوپ کا تھا پھر نماز کا وقت ہوا، اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھے تو ایک گھڑ سوار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں حسب حکم آپ کے درمیان سے نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا فلاں فلاں پہاڑ سے ہو کر واپس آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ میں ”ہوازن“ کے لوگوں کو دیکھ آیا ہوں، وہ اپنی عورتوں اور مال اموال کے ساتھ وہاں نیمہ زن ہو چکے ہیں، حنین میں جمع ہیں۔“ یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

(لَيْتَكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ عَدَايَ شَاءَ اللَّهُ)

”اللہ نے چاہا تو یہ سارا مال کل کو مسلمانوں کے لیے غنیمت ہوگا۔“

[ أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی فضل الحرم فی سبیل اللہ عزوجل : ۲۵۰۱ و



إسناده صحيح۔ دلائل النبوة للبيهقي: ١٢٥١، ١٢٦ و إسناده صحيح [

حضرت سہل بن حظلہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ رات ہونے لگی تو اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا:

« مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ ؟ »

“آج رات ہمارا پہرا کون دے گا؟”

حضرت انس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہما بولے: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں پہرا دوں گا۔“ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سوار ہو کر میرے پاس آ۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: ”اس وادی میں چلا جاتو کہ اس کی بلندی پر پہنچ جا اور یاد رکھ! تیری جانب سے ادھر کو آج رات کوئی آنے نہ پائے۔“

حضرت سہل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رات گزرنے کے بعد فجر نمودار ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے نکلے، آپ ﷺ نے دو سنتیں ادا فرمائیں، اس کے بعد آپ ﷺ صحابہ سے پوچھنے لگے: ”اپنے شہسوار کے بارے میں بھی کوئی سن گن محسوس کی ہے یا نہیں؟“ صحابہ نے کہا: ”نہیں اے اللہ کے رسول (ﷺ)!“ اتنے میں نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی، اب اللہ کے رسول ﷺ مجاہدین کو نماز پڑھانے لگے، صورتحال یہ تھی کہ آپ ﷺ نماز کے دوران وادی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہے۔ آخر کار جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے اور سلام پھیر دیا تو سلام پھیرتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَبَشِرُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ فَارِسُكُمْ »

”خوش ہو جاؤ! تمہارا پہرے دار گھڑسوار آ گیا ہے۔“

اب ہم وادی میں ایک درخت کی جانب دیکھنے لگے، وہ واقعی وہاں سے چلا آ رہا تھا۔ وہ ہماری جانب بڑھتا چلا آیا حتیٰ کہ آ کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام کہا اور پھر آپ ﷺ کو بتلانے لگا کہ میں آپ (ﷺ) کے حکم کے مطابق وادی میں چلا تو گھاٹی کے اوپر کی طرف گیا، پھر فجر نمودار ہوئی تو دونوں گھاٹیوں میں دوڑ تک دیکھنا ممکن ہو

گیا۔ اب میں نے نظر دوڑائی تو یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے پہرے دار سے پوچھا:

« هَلْ نَزَلَتِ اللَّيْلَةُ ؟ »

”رات بھر گھوڑے سے نیچے بھی اترا کہ نہیں؟“

پہرے دار کہنے لگا: ”جی ہاں نہیں اترا، صرف نماز کے لیے گھوڑے سے اترا، یا ضرورت پوری کرنے کو، باقی ساری رات گھوڑے پر سوار گشت کرتا رہا۔“ یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

« فَقَدْ أُوجِبَتْ فَلَا عَلَيْكَ إِلَّا تَعْمَلْ بَعْدَهَا »

”اس کے بعد تو کوئی نیک عمل نہ بھی کرے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، تو نے جنت کو واجب کر لیا ہے۔“

[ أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل : ۲۰۰۱ و  
إسناده صحیح۔ دلائل النبوة للبيهقي : ۱۲۶، ۱۲۵/۵ و إسناده صحیح ]

اگر تو کوئی نیک کام نہ بھی کرے تو بھی جنت تیرے لیے واجب ہوگئی۔ سبحان اللہ! کیا کہنا پہرے داری کی فضیلت کا، جی ہاں! اور اس سے بڑھ کر مجاہدین کا پہرا دینے والے کا کیا مقام ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز فجر پڑھاتے ہوئے، نظر اٹھا اٹھا کر اس کی جانب وادی میں دیکھتے ہیں کہ میرا پہرے دار کب مجھے دکھلائی دے گا؟

قارئین کرام! انس بن ابومرہ غنوی رضی اللہ عنہ کے مقدر کا کیا کہنا جس کو رسول اکرم ﷺ کی نگاہیں نماز کے دوران تلاش کرتے ہوئے منتظر رہتی ہیں۔

مجاہد دوڑتا ہوا جھپٹا اور جاسوس کی گردن اڑادی:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ذرا فاصلے پر ایک شخص سرخ اونٹ پر سوار آتا ہے، اپنے اونٹ کو بٹھاتا ہے، اپنے بیگ سے ایک رسی نکالتا ہے اور اونٹ کا گھٹنا اس کے ساتھ باندھ دیتا ہے، پھر وہ ہماری طرف بڑھا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا، پھر وہ ارد گرد دیکھ کر جائزہ لینے

لگا۔ اس جنگ میں سوار یوں کے لحاظ سے ہم کمزور تھے۔ ہم میں بہت سارے لوگ تو پیدل بھی یہاں آئے تھے۔ بہر حال! وہ شخص اب تیزی سے بھاگ اٹھا، اپنے اونٹ کے پاس پہنچا، رسی کو کھولا، کھڑے اونٹ کو بٹھایا، اس پہ سوار ہوا پھر اس کو کھڑا کیا اور دوڑا دیا۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مجاہد، جس کے پاس خاکی رنگ کی اونٹنی تھی، وہ اس پر سوار ہو کر اس جاسوس کی طرف دوڑا۔ میں پیدل ہی بھاگ کھڑا ہوا، حتیٰ کہ بھاگتا ہوا خاکی اونٹنی کی پشت کے پاس جا پہنچا۔ میں اس قدر بھاگ رہا تھا کہ اس اونٹنی سے بھی آگے بڑھ گیا اور جاسوس کے اونٹ کو جالیا۔ میں بھاگتا ہوا اس کے سامنے آیا اور اونٹ کی مہار کو پکڑ لیا۔ پکڑتے ہی میں نے اونٹ کو نیچے بٹھا دیا۔ ابھی اونٹ اپنا گھٹنا دوہرا کر کے بیٹھ ہی رہا تھا کہ میں نے تگوار لہرائی اور جاسوس کی کھوپڑی اڑا دی۔ وہ لڑھکتا ہوا زمین پر آگرا۔ اب میں نے جاسوس کا سامان اور ہتھیار لیے، اس کا اونٹ پکڑا اور سب کچھ لیتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آن پہنچا۔ آپ ﷺ پہلے ہی مجاہدین کے ہمراہ ہمارے انتظار میں ہماری طرف تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں دیکھتے ہوئے پوچھا:

«مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟»

”شُرک کو کس نے قتل کیا؟“

سب لوگ بول اٹھے: ”اکوع کے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ نے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اس کا سارا سامان سلمہ کا ہے۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب استحقاق القتال سلب القتل: ۱۷۵۴ ]

قارئین کرام! آئیے! اب دونوں لشکروں کے درمیان جنگ کے مناظر ملاحظہ کرتے ہیں۔

مشرکین کی صفیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم حنین کے میدان میں جنگ کے لیے چل رہے تھے، میں دیکھ رہا تھا کہ مشرک بھی اپنی صفیں کمال اعزاز سے باندھ کر آئے تھے۔ سب سے آگے گھڑ سواروں کی صفیں تھیں، اس کے بعد پیدل جنگجوؤں کی، پھر عورتوں کی لائیں تھیں۔ عورتوں کے

پچھے بکریوں کے ریوڑ تھے اور ان کے پیچھے دیگر چار پائے اونٹ وغیرہ تھے۔“

[مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفۃ قلوبہم ..... الخ : ۱۰۵۹/۱۳۶]

حنین میں ہر جانب سے تیروں کی بوچھاڑ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”تہامہ کی وادیوں میں سے حنین کی وادی میں ہم جا رہے تھے۔ وادی بڑی وسیع و عریض تھی۔ اس میں اوپر نیچے ٹیلے اور چھوٹی چھوٹی ڈھلوانی پہاڑیاں تھیں۔ ہم اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے ہوئے آگے کی جانب بڑھتے اور لڑھکتے جا رہے تھے۔ صبح کا اندھیرا قدرے باقی تھا۔ ہمارے اردگرد جو گھائیاں تھیں ہمارے دشمن ان میں چھپ کر بیٹھے تھے۔ وہ اس وادی کی ہر سمت موجود تھے۔ ہر تنگ مقام پر وہ مورچہ زن تھے۔ وہ چاروں طرف جمع ہو چکے تھے اور حملے کے لیے تیار تھے جبکہ ہم اردگرد سے بے خبر اپنے دھیان میں چلے جا رہے تھے کہ دشمن کے دستوں نے انتہائی شدت سے ایسا زور دار حملہ کر دیا جیسے ایک ہی آدمی نے حملہ کیا ہو۔ اب سب مجاہدین شکست کھاتے ہوئے واپس پلٹنے لگے۔ کسی کو دوسرے کی خبر نہ تھی اور سب بھاگے چلے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر دائیں جانب کو بچکے ہوئے تھے اور آواز دے رہے تھے:

«إِلَىٰ أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمَّ إِلَيَّ، أَنَا رَسُولُ اللَّهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ»

”لوگو! میری طرف توجہ دو، میری طرف پلٹو، میں ہوں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، میں ہوں

عبد اللہ کا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔“

بھگدڑ میں کہیں سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اونٹ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ رہے تھے، لوگ چلے جا رہے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد مہاجروں اور انصاریوں کا گروہ تھا۔ کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جم کر ٹھہرنے والوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ بھی جم کر کھڑے تھے۔ حضرت ام ایمن کے صاحبزادے حضرت ایمن رضی اللہ عنہ

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ڈاٹ کر کھڑے تھے۔“

[ مسند أحمد : ۳۷۶/۳، ح : ۲۵۰۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى : ۲۲۳/۲، ح : ۱۸۵۷، ۱۸۵۸ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان : ۴۷۷۴ و إسناده حسن لذاته ]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس دوران میں نے دیکھا، اللہ کے رسول ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے ڈٹے ہوئے ہیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالى ﴿ و يوم حنين إذ..... ﴾ : ۴۳۱۵ ]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں اور ابوسفیان..... اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ چلے ہوئے تھے۔ اب کے میں نے آپ (ﷺ) کے خچر کی لگام تھام لی تھی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رکاب پکڑ رکھی تھی۔“

[ مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنين : ۱۷۷۵ ]

قارئین کرام! کیسا منظر ہے، وہی مشرکوں کا آرمی چیف جو بار بار اللہ کے رسول ﷺ پر حملے کیا کرتا تھا۔ آج وہی شخص ایک عام سپاہی کی حیثیت سے اللہ کے رسول ﷺ کی سواری کی رکاب کو تھامے ڈٹا ہوا ہے۔ وہ رکاب جس میں رسول اللہ ﷺ کا قدم ہے، وہ ابوسفیان کے ہاتھ میں ہے۔

صحیح مسلم ہی کی روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ مزید بتلاتے ہیں: ”میری آواز بڑی بلند تھی، اس وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا: ”اے عباس! کیکر کے درخت والوں کو آواز لگاؤ۔“ چنانچہ میں نے بلند آواز سے پکارا:

(( اَيْنَ أَصْحَابِ السَّمُرَةِ ! ))

”وہ کیکر کے درخت (تلے بیعت رضوان کرنے) والے کہاں ہیں؟“

اللہ کی قسم! ان لوگوں نے جب میری آواز سنی تو وہ ”ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں“ کہتے ہوئے اس طرح دوڑے جس طرح گائے اپنے بچے کی جانب دوڑتی ہے۔“ حضرت

عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: ”اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے کنکر پکڑے اور دشمنوں کی طرف پھینکے۔“

[مسلم، کتاب الجہاد والسمیر، باب غزوة حنین: ۱۷۷۵]

مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق پھر اللہ کے رسول ﷺ نے مٹی مانگی تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مٹی پکڑائی۔ آپ ﷺ نے مٹی میں لے کر مشرکوں کی طرف پھینکی تو ان کی آنکھوں میں جا پڑی۔

[مسند أحمد: ۱/۴۵۳، ۴۵۴، ح: ۴۳۳۵ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم:

۱/۱۷۱۲، ح: ۲۵۴۹ و إسناده حسن لذاته۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۱۴۲/۵ اسنادہ

حسن لذاته]

صحیح مسلم میں ہے اس کے ساتھ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ مُؤَاوِرَاتُ رَبِّ مُحَمَّدٍ!»

”محمد کے رب کی قسم! وہ نکلت کھائے ہیں۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة حنین: ۱۷۷۵]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصاری مجاہد نے جھنڈا بردار کو ڈھیر کر دیا:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”ہوازن قبیلے کا ایک شخص اپنے سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ پرچم تھا۔ پرچم ایک لمبے نیزے کی چوٹی پر لہرا رہا تھا۔ یہ شخص اپنے لشکر کے آگے آگے تھا، باقی سب اس کے پیچھے تھے۔ اس کا اپنا ہی ایک مفرد انداز تھا، جسے وہ اپنائے ہوئے تھا کہ یکا یک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے، انصار کا ایک مجاہد بھی اس پر جھپٹا۔ دونوں ہی اس کے قتل میں کوشاں ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہو لیے، انھوں نے وار کیا اور اونٹ کی پچھلی دونوں کونچیں کاٹ دیں۔ اب اونٹ پیچھے گر پڑا۔ وہ جونہی گرا، جھنڈا بردار کی ٹانگیں اوپر اٹھ گئیں، انصاری مجاہد اس لمحے تیزی سے لپکا اور وار کر کے اسے نصف پنڈلی سے اڑا دیا۔ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، مجاہدین ڈٹ گئے، ان کے باقی لوگ بھی بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ مشرکوں کا جھنڈا بردار مارا گیا تو انھوں نے جھنڈا اٹھایا اور پیچھے

والوں نے تھام لیا۔“

[ مسند أحمد: ۳۷۶/۳، ۳۷۷، ح: ۱۵۰۳۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أبي يعلى:

۲/۲۲۳، ح: ۱۸۵۸ إسناده حسن لذاته۔ ابن حبان: ۴۷۷۴ و إسناده حسن لذاته ]

صحیح مسلم میں ہے: ”حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے خچر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سراونچا کر کے میدان جنگ پہ نگاہ ڈالی اور فرمایا:

« هَذَا حَيْنَ حَمَى الْوَطَيْسُ »

[ مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب غزوة حنین: ۱۷۷۵ ]

”اب جنگ کا تندور بھڑکا ہے۔“

مسلم ہی میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« كُنَّا، وَاللَّهِ! إِذَا أَحْمَرَ الْبَأْسُ نَتَّقِي بِهِ وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لِلَّذِي يُحَادِثِي

بِهِ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »

”جب جنگ کا میدان بھڑک کر سرخ ہو جاتا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھال بنا کر

اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہم میں بہادر تو وہ ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو

جنگ کے سامنے ڈٹتے تھے۔“

[ مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة حنین: ۱۷۷۶/۷۹۔ دلائل النبوة للبيهقي: ۱۳۵/۵ ]

جی ہاں! جنگ کا میدان گرم ہو چکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈٹ کر جنے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے مجاہدوں کو حکم دیتے ہیں: (( جَزَوْهُمْ جَزَاءً )) مجاہدو! ان کے گلڑے گلڑے کر کے رکھ دو۔

مزید برآں! بزار ہی کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم گلڑے گلڑے کرنے کا حکم دے رہے تھے اور اپنے ہاتھ کا اشارہ حلق کی طرف کر رہے

تھے، یعنی گردنیں اڑا دو۔“

[ كشف الأستار عن زوائد البزار: ۳۴۹/۲، ح: ۱۸۳۰ و إسناده حسن لذاته ]

اللہ نے فتح سے ہمکنار کر دیا:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَآرِحِهَا ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾ [التوبة: ٢٥/٢٦]

”مسلمانو! بلاشبہ اللہ کتنے ہی مواقع پر تمہاری مدد فرما چکا۔ اب اس حنین کے دن بھی تمہاری مدد فرمائی کہ جب تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا، پھر یہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی اور حنین کی زمین کھلی ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ہاں! پھر اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر اور مومنوں پر اطمینان کی نعمت نازل فرمائی اور غیبی لشکر کے ساتھ تمہاری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو (تمہارے ہاتھوں سے) عذاب دیا۔ کافروں کی کرتوتوں کا یہی بدلہ ہے۔“

ابوداؤد میں ہے: ”حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما اکیلے نے حنین کے میدان میں بیس مشرکوں کو قتل کیا۔“

[أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی السلب يعطى القتال: ٢٧١٨ و إسناده حسن لذاته] صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ”جنگ میں جدھر بھی نظر اٹھتی، ان کی طاقت دم توڑتی نظر آتی۔ وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ رہے تھے۔“

[مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة حنین: ١٧٧٥]

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”مشرکوں اور کافروں کو اللہ تعالیٰ نے شکست سے دو چار کیا اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں مال غنیمت تقسیم کیا۔“

[مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب غزوة حنین: ١٧٧٧]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان پورا ہوا اور ہوازن قبیلے کے ہزاروں مویشی اونٹ



بکریاں وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں۔ وہ بھاگ اٹھے، ان کی عورتیں اور بچے بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔

اللہ تعالیٰ نے شروع میں شکست سے دوچار کر کے یہ سبق بھی دے دیا کہ بھروسا اور توکل مجھی پر رکھو، اسلحہ اور فوجوں کی تیاری ضرور کرو لیکن اس پر تکبر، گھمنڈ اور توکل مت کرو۔

پیٹ پھاڑ دوں گی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں: ”حین کی جنگ کے دوران ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر تھا۔ اس خنجر کو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کو باخبر کرتے ہوئے کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ دیکھیے، ام سلیم کے پاس خنجر ہے۔“ آپ ﷺ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”یہ خنجر کیوں لیے پھرتی ہے؟“ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں «بَقَرْتُ بِهِ بَطْنَهُ» اس خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ کے رکھ دوں گی۔“

اللہ کے رسول ﷺ سن کر ہنسنے لگے، پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لوگ کہ جن کو آپ نے فتح مکہ کے موقع پر معاف کر دیا، انہوں نے آپ کو شکست سے دوچار کر دیا ہے، ان کو قتل کر دو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے ام سلیم! اللہ نے ہماری مدد کر دی، اس نے ہم پر احسان و انعام کر دیا (لہذا چھوڑ ان باتوں کو)۔“

[ مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوة النساء مع الرجال : ۱۸۰۹۔ أبو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی السلب يعطى القتال: ۲۷۱۸ و إسناده حسن لذاته ]

دوران جنگ، یہ ہے انداز ایک مسلمان مجاہدہ خاتون کا کہ اس کی طرف کوئی میلی آنکھ سے کیا دیکھے گا کہ وہ تو مسلح ہے اور فتح کے بعد جب اموال، عورتیں اور بچے مالِ غنیمت اور غلام بن کر آپ ﷺ کے سامنے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے جذبات کو ٹھنڈا کیا۔ آپ ﷺ نے تمام قیدی اور مالِ مویشی ”بعرانہ“ روانہ کر دیئے۔

ہوازن کے مشرکین حنین سے بھاگ کر طائف میں جا کر ڈر کے مارے قلعہ میں محصور ہو گئے اور باقی ”اوطاس“ وادی میں چلے گئے۔

صحیح بخاری کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے ”اوطاس“ کے بھگوڑوں کی طرف حضرت ابو موسیٰ اور ابو عامرؓ کو بھیجا۔

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة اوطاس : ۴۳۲۳ ]

اوطاس کی وادی، طائف اور حنین کے درمیان ہے۔ اللہ کے شیروں نے ”اوطاس“ تک ان کا پیچھا کیا، مشرکوں کو قتل کیا اور سبق سکھا کر واپس ”بحرانہ“ آ گئے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خود طائف کا قصد کیا۔ بخاری، کتاب المغازی (۳۳۲۵) میں ہے کہ آپ ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ حنین سے بھاگ کر مشرک اب یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ صحیح مسلم (۱۰۵۹/۱۳۶) میں ہے محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ مزید برآں! چند غلام بھی قلعے سے اتر کر ساتھ مل گئے۔ آخر کار اللہ کے رسول ﷺ نے محاصرہ ترک کر دیا کیونکہ ”بحرانہ“ میں قیدیوں اور اموال کی تقسیم کے مسائل بھی بنانے تھے، لہذا آپ ﷺ واپس ہوتے ہوئے ”بحرانہ“ تشریف لے آئے۔

انھیں اونٹ مل گئے، انصار کو رسول اللہ ﷺ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے ہوازن کا مال اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ مال تقسیم فرمایا۔ انصار نے تقسیم پر اپنے رنج کا اظہار کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے کئی لوگوں کو سوسو اونٹ دیے تھے۔ چنانچہ انصار کہنے لگے: ”اللہ اپنے رسول ﷺ کو معاف فرمائے، آپ (ﷺ) قریش کو عطا فرما رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں، حالانکہ ابھی ہماری تلواروں سے دشمن کا خون ٹپک رہا ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”انصار کی یہ بات اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے انھیں بلایا اور چمڑے سے بنے ایک خیمے میں جمع کیا۔ آپ ﷺ نے ان انصار کے علاوہ اور کسی کو نہیں بلایا تھا۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو

گئے۔“ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ”آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اے انصار کے لوگو! تمہاری طرف سے ایک بات مجھ تک پہنچی ہے، کیا وہ صحیح ہے؟“

انصار کے دانشور لوگ کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے ذمہ دار سردار لوگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی، ہاں البتہ ہمارے کچھ نو عمر لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کو معاف فرمائے، وہ قریش کو عطا کر رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں جبکہ ہماری تلواروں سے ابھی ان کا خون ٹپک رہا ہے۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”سنو! میں ایسے لوگوں کو دے رہا ہوں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ میں محض ان کے دل جیتنے کو ایسا کر رہا ہوں۔ کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ لوگ اپنے گھروں میں یہ دنیا اور مال و دولت لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسول (ﷺ) کو لے جاؤ؟ اللہ کی قسم! جو نعمت تم لے کر اپنے گھروں میں جاؤ گے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ لے کر اپنے گھروں میں جائیں گے۔“ یہ سنتے ہی انصار کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم اس پر خوش ہو گئے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”اگر لوگ ایک وادی میں سفر کر رہے ہوں اور انصار کسی الگ گھاٹی میں جا رہے ہوں تو میں انصار والی گھاٹی میں چلوں گا۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: ”میرے بعد دوسرے لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، ایسے حالات میں صبر کرنا حتیٰ کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو مل لو اور میں حوض (کوثر) پر ہوں گا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف ..... الخ : ۴۳۳۱، ۴۳۳۲ ]

مسند احمد میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر یہ ہجرت نہ کی ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصاریوں کے بیٹوں

پر رحم فرما، انصاریوں کے پوتوں پر رحم فرما۔“

[ مسند احمد: ۷۷، ۷۶/۳، ح: ۱۱۷۳۶ و اسنادہ صحیح ]

بخاری اور مسلم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں جس کو دے رہا ہوں اس کی نسبت مجھے وہ آدمی کہیں زیادہ محبوب اور پیارا ہے جس کو نہیں دے رہا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ جس کو دے رہا ہوں مجھے ڈر ہے کہ نہ

دیا تو کہیں اسلام سے نہ پھر جائے اور اللہ سے اوندھے منہ جہنم میں نہ پھینک دے۔“

[ بخاری، کتاب الجمعة، باب من قال فی الخطبة ..... الخ: ۹۲۳۔ مسلم، کتاب

الزکاة، باب إعطاء من يخاف علی إيمانه: ۱۵۰، بعد ۱۰۵۸ ]

صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سوساونٹ تقسیم فرمائے:

① ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہما کو سواونٹ۔

② عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہما کو سواونٹ۔

③ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہما کو سواونٹ۔

④ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہما کو سواونٹ۔

[ مسلم، کتاب الزکاة، باب إعطاء المؤلفه ..... الخ: ۱۰۶۰ ]

دوسری بار پھر سواونٹ دیے۔ اس پر صفوان کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! مجھے اللہ کے رسول ﷺ

دیتے ہی چلے گئے، مجھے ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے بڑھ کر آپ ﷺ پر غصہ آتا تھا

لیکن آپ ﷺ نے مجھے اس قدر دیا کہ اب آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر

مجھے پیارے اور محبوب لگتے ہیں۔“

[ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخاۃ ﷺ: ۲۳۱۳ ]

بخاری اور مسند احمد کے مطابق تقسیم کے بعد اس موقع پر کئی عرب دیہاتی لوگ جو طبیعت

کے بڑے سخت تھے، آپ ﷺ کے گرد مانگنے کو ایسے چپے کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک

درخت کی ٹہنی کے ساتھ معلق ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میری چادر تو مجھے دے دو، اس وادی کے یہ جو بے شمار کانٹے دار درخت ہیں، اگر

میرے پاس اتنے اونٹ ہوں اور (میلوں پر پھیلی) یہ ساری وادی ان سے بھر جائے تو میں یہ سارے اونٹ تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے بخیل نہ پاؤ گے کہ میں خرچ نہ کروں، مجھے جھوٹا نہ پاؤ گے کہ میں غلط بیانی کروں۔ مجھے بزدل نہ پاؤ گے کہ (میں دلیر ہوں، مال غنیمت دلیریوں سے ملتا ہے اور دل فراخ ہوں تو تقسیم ہوتا ہے۔“)

[بخاری، کتاب الجہاد، باب الشجاعة فی الحرب والجنین : ۲۸۲۱۔ مسند أحمد : ۱۸۴۶۲، ح : ۶۷۲۸ و [إسناده حسن لذاته۔ السنن الكبرى للبيهقي : ۲۳۶/۶، ۳۳۷، ح : ۱۲۹۳۳ و [إسناده حسن لذاته ]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کس قدر نخی تھے اس کا اندازہ صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی لگائیے جس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے ابو ذر! یہ احد پہاڑ اگر میرے لیے سونے (کی اشرفیوں) کا بنا دیا جائے تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تیسری شام پڑ جائے اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی بچ جائے، ہاں ایک ہی سبب ہو سکتا ہے اس کے بچنے کا کہ کسی کا قرض دینا ہو۔“

الغرض! میں تو اس کو اللہ کے بندوں میں یوں اور یوں بانٹ دوں۔ آپ ﷺ نے اب اشارہ کرتے ہوئے اپنے سامنے سے لپ بھرا پھر دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے لپ بھرے۔ (مسلم، کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصدقة : ۹۴ بعد ۹۹۱)

(اے اللہ!) جن کو تو نے مال دیا اور وہ حب رسول ﷺ کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کو اور خاص طور پر ہمارے حکمرانوں کو اپنے عوام میں اسی طرح خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)

مال غنیمت کس قدر تھا، ابن سعد اپنی کتاب طبقات (۱۵۲/۲) میں لکھتے ہیں :

○ اونٹ 24 ہزار تھے۔

○ بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں۔

- گھوڑے (تعداد معلوم نہیں)۔
- گائیاں (تعداد معلوم نہیں)۔
- گدھے (تعداد معلوم نہیں)۔
- چاندی چار ہزار اوقیہ۔
- مرد، عورتیں اور بچے جو قیدی بنے چھ ہزار۔

ہوازن مسلمان ہو کر آگئے:

حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہوازن کے رؤسا کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا۔ جب وہ جانے لگے اور آپ ﷺ ان کو رخصت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انھوں نے درخواست کی کہ ان کے اموال اور قیدی ان کو واپس لوٹا دیے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں جواب دیا:

”میرے ساتھ اس وقت جو لوگ ہیں (نئے نئے مسلمان ہونے والے ہیں) ان کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ سچی اور کھری بات یہ ہے کہ دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو، یا مال لے لو یا قیدی لے لو، میں نے تو تم لوگوں ہی کے خیال سے تقسیم میں تاخیر بھی کی تھی (مگر تم لوگوں نے آنے میں دیر کر دی)۔“

حضرت مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے طائف سے واپس آنے کے بعد دس دن تک ان لوگوں کا انتظار کیا تھا۔“ بہر حال! ہوازن کے وفد کے سامنے جب واضح ہو گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ دو چیزوں میں سے ایک ہی واپس کریں گے تو انھوں نے کہا: ”ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیجیے۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿و یوم حنین اذ.....﴾: ۴۳۱۸، ۴۳۱۹ ]

حضرت مروان اور حضرت مسور رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سب لوگوں سے قیدی واپس لے کر آزاد کر دیئے۔

الغرض، اللہ کے رسول ﷺ ”بجرانہ“ میں مندرجہ بالا امور سے فارغ ہو کر مکہ تشریف

لے گئے، وہاں سے انصار کے ہمراہ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ مکہ اور اس کے مضافات اب اللہ کے رسول ﷺ کی حکمرانی اور نبوت کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ وہ شہر جہاں سے آپ ﷺ رات کے اندھیرے میں چھپ کر نکلے تھے اس کی فضائیں اب اللہ کی توحید اور آپ ﷺ کی رسالت کے نعموں سے معمور ہو گئی تھیں۔

قارئین کرام! یہ صورتحال اس دور کی صلیبی سپر پاور کے وارے میں نہ تھی، چنانچہ مسلمانوں پر وہ حملے کے پروگرام بنانے لگے۔ صحیح بخاری (۵۱۹۱، ۴۹۱۳، ۲۳۶۸) کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ کے مسلمان غسانوں یعنی رومی صلیبیوں کے حملے پر تمبرے اور اٹلہار خیال کیا کرتے تھے۔

صلیبیوں کی رومی سپر پاور بھی دیکھ رہی تھی کہ مسلمان ”موتیہ“ کے میدان میں ان کی سپر میسی کے لیے موت کا سایہ بن کر منڈلا چکے اور اب تو وہ مکہ بھی فتح کر چکے ہیں۔ طائف کا میدان بھی مار چکے ہیں، یہودیوں سے پہلے ہی قارغ ہو چکے ہیں، چنانچہ ہم نے ان کی فکر نہ کی تو وہ ہماری سپر میسی کی اجارہ داری کو پوری طرح موت کی وادی میں دھکیل سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ کا قرآن مسلمانوں کے لیے ایک لائحہ عمل کا اعلان کرتا ہے۔



## تَبُوكَ مِیں صلیبیوں پر دہشت کی دھاک

مسلمانو! صلیبیوں پر یلغار کرو:

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” (ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں میں سے) ان لوگوں کے خلاف جگ کرو جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کو مانتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام) نے ان پر حرام کیا تھا اور نہ اب اس دین حق (اسلام) کو اپنا دین ماننے پر تیار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اس وقت تک برسرا پیکار رہو جب تک کہ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں اور ماتحت بن کر زندگی نہ گزارنے لگیں۔ (ان کا عقیدہ تو دیکھو!) یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ عیسائی کہتے پھرتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہوں کی باتیں ہیں۔ یہ محض ان کافروں کی ریس کرتے ہوئے ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ انہیں عارت کرے، کیسے بے پکے پھرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے منولویوں اور صوفیوں کو رب بنا لیا ہے (بغیر تحقیق ان کی باتیں مانتے چلے جاتے ہیں) مریم کے بیٹے مسیح کو بھی ان لوگوں نے رب بنا لیا، حالانکہ انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی مشکل کشا کی عبادت کریں گے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بہر حال! یہ لوگ جو شرک کرتے پھرتے ہیں، اللہ تو اس سے بہت بلند اور پاک ہستی ہے۔“

[التوبة: ۹/۲۹ تا ۳۱]



اللہ تعالیٰ نے صلیبوں کے خلاف جہاد و قتال کا حکم دیا تو ان کی وہ کرتوتیں بھی بیان کر دیں جن کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد و قتال از بس ضروری ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلیبوں کے خلاف لڑنے کا عام اعلان کر دیا اور حکم دیا کہ سب مسلمان لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”آپ ﷺ جب بھی کسی جنگی مہم کے لیے نکلتے تو اپنے ہدف کے بارے میں مبہم الفاظ استعمال فرماتے لیکن اب کے آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ وجہ واضح تھی کہ گرمی انتہائی شدید تھی، سفر بہت لمبا تھا، راستہ بیابانوں، صحراؤں اور جنگلوں پر مشتمل تھا اور دشمن کی فوجی تعداد اور استعداد بہت زیادہ (سپر میسی، کی حامل) تھی، لہذا آپ ﷺ نے دشمن کے بارے میں واضح طور پر تعین فرما دیا تاکہ مجاہدین اپنی تیاری بخوبی کر لیں۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ: ۴۴۱۸ ]

قارئین کرام! صلیبوں کے خلاف جو لشکر تیار کیا گیا، صحیح بخاری (۴۴۱۵) کے مطابق صحابہ اسے ”غزوة تبوک“ بھی کہتے تھے اور ”حیش العسرة“ بھی کہتے تھے، یعنی مالی، موسمی اور سفری تنگیوں اور تکلیفوں میں نکلنے والا لشکر، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے مخدوش حالات میں لشکر کی تیاری کے لیے جہاد فنڈ کی اپیل کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جہاد فنڈ:

حضرت عبد الرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے جب تنگی کی حالت میں لشکر تیار کرنا شروع کیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اس تیاری میں حصہ ڈالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے۔ اپنے کپڑے میں انھوں نے ایک ہزار دینار ڈال رکھے تھے۔ آتے ہی انھوں نے یہ ساری رقم اللہ کے رسول ﷺ کی جھولی میں ڈال دی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ ان دیناروں کو ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ”عثمان کے بیٹے کو کوئی پروا نہیں، چاہے آج کے بعد وہ کوئی اور عمل نہ کرے۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ جملہ بار بار دہرایا۔“

[ مسند أحمد : ۶۳/۵ ، ح : ۲۰۶۵۷ واسنادہ حسن لذاتہ۔ کثیر مولیٰ ابن سمرۃ  
صدوق حسن الحدیث وثقہ العجلی و ابن حبان و الحاکم والذہبی بتصحیح حدیثہ  
والترمذی بتحسین حدیثہ مستدرک : ۴/۲۷۱ ، ح : ۷۷۱۰۔ الترمذی : ۳۷۰۱ ]

### مزدوری کا ایک کلو اناج :

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”جب ہمیں جہاد فنڈ دینے کا حکم ہوا تو ہم  
بوجھ اٹھا کر مزدوری کرنے لگے، چنانچہ حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ نصف صاع (ایک کلو کے قریب)  
کھجوریں لے کر آئے، جبکہ ایک اور صحابی (جو مال دار تھا) وہ کہیں زیادہ لے کر آئے۔ دونوں  
کے جہاد فنڈ کا یہ منظر منافقوں نے دیکھا تو دوسرے صحابی کے بارے میں کہنے لگے: ”اس  
صدقے کی بھلا اللہ کو کیا ضرورت تھی؟“ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں  
کہنے لگے: ”اس نے اتنا بڑا صدقہ کر کے دکھلاوا کرنا چاہا ہے۔“ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل  
فرمائی:

﴿ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [التوبة : ۷۹/۹]

”وہ مومن جو خوشی خوشی جہاد فنڈ دیتے ہیں، منافق لوگ ان کو (دکھلاوا کرنے کے)  
طنے دیتے ہیں اور وہ جو تنگ دستی کے باوجود مزدوری کر کے جہاد فنڈ دیتے ہیں، یہ  
منافق ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اللہ نے ان منافقوں سے مذاق کیا ہے اور ان  
کے لیے دردناک سزا تجویز کی ہے۔“

[ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿الذین یلمزون المطوعین.....﴾ : ۴۶۶۸ ]

یہ منافق جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ان کا اپنا حال تو یہ تھا کہ اللہ کے  
رسول ﷺ سے آ کر کہتے تھے:

﴿ اِنَّ دَنِّي وَلَا تَقْتَبِي ﴾ [التوبة : ۴۹/۹]

”مجھے (گھر میں رہنے کی) اجازت دے دیجیے اور آزمائش میں نہ ڈالیے۔“

جہاد پر نہ نکلنے کا مشورہ دیتے اور حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہتے:

(لَا تَكُونُوا فِي السَّبِيلِ) [التوبة: ۸۱/۹]

”گرمی بڑی ہے، جہاد کے لیے مت نکلو۔“

بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا) [التوبة: ۸۱/۹]

”جہنم کی آگ اس گرمی سے کہیں زیادہ سخت ہے۔“

الغرض، ان منافقوں کا ایک اور رخ یوں تھا کہ جو مسلمان جہاد فتنہ دے رہے ہیں، نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، یہ ان کا مذاق اڑاتے، پھر یہ منافق اپنے اس طرز عمل کو بڑی دانائی خیال کرتے، روشن خیالی سے تعبیر کرتے، وہ سمجھتے کہ یہ نادان اور جذباتی مسلمان کیا کر رہے ہیں؟ کہاں یہ کلو کلو کھجوریں اکٹھی کرنے والے نادار مزدور اور کہاں دنیا کی مالدار ترین سپر پاور؟ ہم بڑے سمجھدار ہیں جو کمال دانائی کے ساتھ اپنی دنیا اور زندگی کو محفوظ بنائے ہوئے ہیں۔ اپنے اس روشن خیالی والے طرز عمل پر وہ اللہ کے بقول: ﴿قَوْمٌ الْبَاطِلُونَ﴾ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ جی ہاں! منافقوں کی یہ حرکتیں بھی جاری ہیں اور مخلص صحابہ کا مومنانہ طرز عمل بھی جاری ہے۔ صحیح بخاری (۳۳۱۵) میں جو صورت حال نظر آتی ہے اس کے مطابق سوار یوں کی شدید کمی ہے۔ صحابہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، سوار یوں کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ بتلاتے ہیں کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں، سورہ توبہ میں نقشہ یوں کھینچا گیا کہ سوار یوں کی کمی کا جواب سن کر وہ روتے ہوئے واپس پلٹتے ہیں کہ آہ! جہاد میں شامل ہونے سے محروم رہ گئے۔

اب لشکر مدینہ سے نکلنے والا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بتلاتے ہیں کہ رجب کا مہینا اور سن ۹ ہجری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ شوق جہاد نے ان کا کیا حال کر دیا ہے؟ ذرا ملاحظہ ہو یہ منظر۔



قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ 9 ہجری میں یہ لشکر لے کر صلیبیوں کی جانب نکلے۔ جی ہاں! لشکر سوائے منزل چلا جا رہا ہے۔ پیچھے منافقین نے مدینہ میں مسجد بنانا شروع کر دی، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت تو لے ہی چکے تھے، یہ بہانے بنا کر کہ مسجد نبوی اور مسجد قباء دور ہے، ہم یہاں قریب ہی نمازیں پڑھ لیا کریں گے، لیکن ان کا مقصد اس مسجد کو اڈا بنا کر اپنے مذموم منافقانہ عزائم کی تکمیل تھا۔

چلتے چلتے لشکر اب وادی القریٰ میں پہنچ گیا۔ اس علاقے کو ”حجر“ بھی کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری (۳۳۷۹ بعد ۳۳۳۵) میں ہے کہ لشکر کے کچھ لوگوں نے یہاں کنویں سے پانی پی لیا اور اس پانی سے آنا بھی گوندھ لیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے حکم دیا: ”جو پانی لیا گیا ہے اسے ضائع کر دیا جائے، آنا اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔ پانی لینا ہے تو اس کنویں سے لیا جائے جہاں سے اللہ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔“

یعنی قوم شمود کے وہ مشرک کہ جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا، اللہ سے دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے دشمنوں سے اس قدر دشمنی کی جائے کہ ان کے کنویں سے پانی بھی نہ لیا جائے۔ جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ اس علاقے سے جلدی جلدی گزر گئے ہیں، لشکر سوائے منزل رواں دواں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اس سفر میں اللہ کے رسول ﷺ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی کر لیتے تھے، اسی طرح مغرب اور عشاء اکٹھی کر لیتے تھے۔

[مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر: ۷۰۶]

لشکر تبوک جا پہنچا، چشمہ ایلنے لگا:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ”ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تک دن نہ چڑھ جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے۔ آگاہ رہو! جو شخص بھی اس چشمے پر پہنچے، جب تک میں نہ پہنچ جاؤں وہ چشمے کے پانی کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔“ پھر جب (اگلے روز دن چڑھے) ہم اس چشمے کے پاس پہنچے

تو ہم سے پہلے دو آدمی اس چشمے کے پاس پہنچ چکے تھے۔ چشمے کے پانی کا حال یہ تھا کہ جوتے کے تسمے کی طرح پانی کی باریک دھار ٹپک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ان دو آدمیوں سے پوچھا: ”تم نے اس پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا؟“ انھوں نے کہا: ”جی ہاں! لگایا ہے۔“ اس پر آپ ﷺ نے جو اللہ کو منظور تھا ان دونوں کو برا بھلا کہا (کہ انھوں نے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔)

اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم پر مجاہدین نے اپنے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ اس پانی میں دھوئے۔ پھر وہی پانی اس چشمے میں ڈال دیا۔ اب تو وہ چشمہ جوش مار کر بہنے لگا، پھر لوگوں نے پانی پینا اور پلانا شروع کر دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

”اے معاذ! اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا کہ اس پانی کی وجہ سے یہاں باغات ہی باغات ہو جائیں گے۔“

[ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ: ۷۰۶، بعد: ۲۲۸۱ ]

اس چشمے کا مقام آج بھی موجود ہے۔ یہ چشمہ چودہ سو سال تک متواتر پر جوش پانی سے ابلتا رہا۔ موجودہ سعودی حکومت کے دور میں یہاں ٹیوب ویل لگا دیے گئے۔ نشیبی علاقوں میں لگے ان ٹیوب ویلز کی وجہ سے چشمے کا پانی خشک ہو گیا اور وہی پانی ان ٹیوب ویلز میں منتقل ہو گیا۔ ان ٹیوب ویلز کے بکثرت پانی کی وجہ سے آج تبوک میں ہر جانب باغات ہی باغات نظر آتے ہیں۔ یہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ جس کا نظارہ آج بھی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

مدینہ منورہ سے تبوک کا فاصلہ 778 کلومیٹر ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر ”الجامع لأحكام القرآن“ میں لکھتے ہیں کہ بدر کے لشکر کی تعداد تین سو اور کچھ اوپر (۳۱۳) تھی۔ غزوہ احد میں مجاہدین کی تعداد سات سو تھی۔ خیبر میں پندرہ سو تھی۔ فتح مکہ میں دس ہزار، حنین میں بارہ ہزار اور تبوک کے غزوہ میں تیس ہزار تھی اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ طبقات ابن سعد (۱۲۵/۲) میں غزوہ تبوک کے مجاہدین کی تعداد تیس ہزار مذکور ہے۔

## شکر کی دہشت پھیل گئی، سپر پاور بھاگ گئی:

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ تبوک میں قیام کے دوران رات کا قیام کرتے تو آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ دور کھڑے پہرا دیتے رہتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نماز ادا کر لیتے پھر آپ پہرے داروں کی طرف توجہ فرماتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان پہرے دار مجاہدین سے فرمایا: ”مجھے آج رات پانچ ایسے تحائف عنایت فرمائے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے:

① جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، جبکہ مجھ سے پہلے صورت حال یہ ہوا کرتی تھی کہ رسول کو اس کی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا۔  
 ② دشمن پر رعب (دہشت) طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے، خواہ میرے اور ان دشمنوں کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہی کیوں نہ ہو۔ دشمن پر میری دہشت طاری کر دی جاتی ہے۔

③ میرے لیے غنیمتوں کے اموال کھانا حلال کر دیا گیا ہے، حالانکہ مجھ سے قبل لوگ غنیمت کو کھانا گناہ خیال کرتے تھے اور وہ اسے آگ کی نذر کر دیتے تھے۔

④ میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جاتا ہے میں وضو کرتا ہوں اور نماز پڑھ لیتا ہوں۔ مجھ سے پہلے لوگ اس انداز کو گناہ خیال کیا کرتے تھے اور وہ صرف اپنے گرجوں اور معبدوں ہی میں نماز پڑھتے تھے۔

⑤ پانچواں تحفہ وہی ہے جو پہلے بھی عنایت کیا جا چکا ہے کہ جو چاہو مانگ لو (یہ اختیار ہر نبی کو دیا گیا) لہذا ہر نبی نے ایک دعا کی (اور وہ ہر صورت قبول کی گئی) میں نے اپنی اس خاص دعا کو قیامت کے لیے محفوظ کر وا دیا ہے اور وہ دعائیں لوگوں کے لیے ہے اور ہر اس شخص کے لیے ہے جس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (یعنی موحدین کے لیے شفاعت)۔“

[مسند احمد: ۲/۲۲۲، ح: ۷۰۸۶ و إسناده حسن لذاتہ]



پہلا تختہ واضح کر رہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت ہر سو پھیلے گی اور صلیبی سپر پاور جس زمین پر قابض ہے اس پر اللہ کے رسول ﷺ کا غلبہ ہوگا۔ دوسرا تختہ بتلا رہا ہے کہ رومی سپر پاور اللہ کے رسول ﷺ کی دہشت کی وجہ سے مقابلے پر نہیں آئے گی۔ اس خوف نے ان کے جسموں کو دہشت سے بھر دیا ہے کہ موت کے میدان میں تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ صلیبیوں کے چمکے چمڑا دیے تھے۔ اب تیس ہزار کاشکر تو ان کا بھر کس نکال ڈالے گا، پھر اس لشکر کے سالار بھی خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، لہذا انھوں نے مقابلے پر آنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ اس سے سپر پاور کی ”سپر میسی“ خاک میں مل گئی۔

مسند احمد، ابن حبان اور ابوداؤد (۱۲۳۵) میں روایت ہے، اسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور اس دوران نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

[مسند احمد: ۲۹۰۳، ح: ۱۴۱۴۸، صحیح۔ ابن حبان: ۲۷۴۹، ۲۷۵۲ صحیح]

اللہ اکبر! اللہ کے رسول ﷺ نے اتنے دن یہاں اس لیے قیام فرمایا کہ دشمن جہاں موجود ہو، وہاں جانے کے لیے تیار ہیں اور اگر وہ یہاں آنا چاہے تو لشکر پائیر کا ب ہے۔ تبوک انھی کا علاقہ ہے اور ان کے علاقے میں اسلامی لشکر کی موجودگی صلیبیوں کے لیے لٹکار ہے، مگر اس لٹکار کا جواب دینے والے صلیبی گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے لشکر جو تیاریاں کر رہے تھے، اب بلوں میں گھس گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صلیبی سپر پاور کے حاشیہ بردار حکمرانوں کو مطیع فرمان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آئیے! ایسے ایک حکمران کا قصہ ملاحظہ کرتے ہیں۔

سپر پاور کے حاشیہ بردار حکمران سرنڈر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ”دومتہ الجدل“ کے حکمران ”اکیدر“ کی طرف لشکر روانہ فرمایا، اکیدر (مغلوب ہوا اور پھر اس) نے ریشم سے بنا ہوا ایک جبہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس جبے میں سونے کی باریک تاروں کو بنا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا، اس وقت تک ابھی اللہ کے رسول ﷺ نے ریشم کا پہننا محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



منع نہیں فرمایا تھا۔ بہر حال! آپ ﷺ زیب تن فرما کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے گفتگو نہیں فرمائی اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ لوگ اس جے کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہے تھے اور حیران و ششدر ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اسے دیکھ کر حیران ہو رہے ہو؟“ وہ کہنے لگے: ”ہم نے ایسا حسین لباس زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔“ آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«لَمَنَادِ بِلْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْحَنَّةِ أَحْسَنُ مِمَّا تَرَوْنَ»

”جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے جو رومال ہیں وہ اس جے سے کہیں بڑھ کر حسین ہیں جسے تم دیکھ رہے ہو۔“

[مسند احمد: ۱/۲۱، ۱۲۲، ح: ۱۲۲۳۱ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۷۰۳۷ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ الترمذی: ۱۷۲۳ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ مسلم: ۲۴۶۸]

اللہ کے رسول ﷺ نے تبوک میں قیام کے دوران یہ فائدہ اٹھایا کہ رومی سلطنت سے ملحق اس عرب علاقے کو اپنا مطیع کر لیا جس کے حکمران رومی سپر پاور کے حاشیہ بردار تھے۔ ان حاشیہ بردار حکمرانوں میں بڑا حکمران ”دومۃ الجندل“ کا اکیدر تھا۔

مدینہ منورہ سے تبوک پونے نو سو کلومیٹر ہے، جبکہ تبوک سے دائیں جانب واقع دومۃ الجندل تبوک سے کوئی ساڑھے تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے دوسرے سرے پر شام کا کوہستانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ دومۃ الجندل کی وادی کو ”سرحان“ کہا جاتا ہے۔ آج کل اسے ”الجوف“ کہا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب واپس مدینہ آئے تو صحیح بخاری (۳۰۸۳) کے مطابق اہل مدینہ نے بچوں کے ساتھ باہر نکل کر ”نبیۃ الوداع“ کے مقام پر اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کیا۔ امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ماہ رمضان میں واپس مدینہ تشریف لائے۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے والا پیش ہوتا ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو پھل پکنے کا زمانہ تھا اور لوگ سائے میں بیٹھ کر آرام کرتے تھے،

جبکہ اللہ کے رسول ﷺ تیار یوں میں مصروف تھے۔ آپ کے ساتھ مسلمان بھی تیاری کر رہے تھے۔ میں روزانہ سوچتا کہ کل سے میں بھی تیاری کروں گا۔ کل آتا تو وہ یونہی گزر جاتا۔ مجھے یقین تھا کہ میں تیاری کروں گا کیونکہ وسائل بھی میسر تھے، لیکن وقت یونہی گزر گیا اور اللہ کے رسول ﷺ تیاریاں مکمل کر کے مسلمانوں کو ہمراہ لے کر نکل گئے۔

اب کے بھی میں نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کروں گا اور پیچھے سے لشکر کو جا ملوں گا۔ اسی طرح تین دن اور پھر اور زیادہ دن گزر گئے اور میں کچھ نہ کر سکا۔ اب تو لشکر اس قدر دور جا چکا تھا کہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

جب میں گھر سے نکلتا تو یہ دیکھ کر پریشان ہو جاتا کہ شہر میں وہی چہرے نظر آتے ہیں جن سے نفاق ٹپکتا ہے، یا وہ نظر آتے ہیں کہ جنہیں اللہ نے معذور اور ضعیف قرار دے کر جہاد سے رخصت دے دی ہے۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب یہ مشہور ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ اب ذہن میں یہ سوچ آنے لگی کہ آپ ﷺ کی ناراضگی سے کس طرح بچوں گا؟ پہلے تو یہ سوچا کہ کوئی بہانہ تلاش کر لوں، پھر جب آپ ﷺ بالکل قریب آ گئے تو سوچا کہ حق اور درست بات ہی عرض کروں گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ ﷺ سفر سے واپس مدینہ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے، دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر لوگوں کے درمیان پہنچتے۔ آپ ﷺ اپنے اس معمول کے مطابق تشریف فرما ہوئے تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آنے لگے اور آ کر قسمیں کھانے اور عذر پیش کرنے لگے۔ یہ لوگ اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی ظاہری حالت کو قبول کیا، بخشش کی دعا مانگی، عہد لیا اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اسے اللہ کے سپرد کر دیا۔

میں بھی حاضر ہوا۔ سلام عرض کی تو آپ ﷺ مسکرائے مگر آپ کی مسکراہٹ غصے کی آئینہ دار تھی۔ آپ ﷺ نے آگے آنے کا حکم دیا اور میں چند قدم آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ”تم جہاد میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ کیا تم نے سواری نہ خریدی تھی؟“ میں نے کوئی عذر کیے بغیر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور سچ بول دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے موجود لوگوں سے فرمایا: ”جہاں تک اس کا تعلق ہے اس نے سچ بولا ہے۔“

اچھا! اب جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کریں۔“

میرے علاوہ دو شخص اور بھی تھے جنہوں نے میری ہی طرح سچ بولا اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو مجھے کہا وہی ان سے کہا۔ وہ تھے مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما اب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کیا کہ سب مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے بائیکاٹ کر دیں، کلام تک نہ کریں۔ ہمارے لیے تو دنیا ہی بدل گئی۔ میرے دونوں ساتھی گھروں میں بیٹھے روتے رہتے تھے۔ میں ہمت کر کے باہر نکلتا۔ مسجد میں جا کر نماز پڑھتا مگر کوئی بھی مجھ سے کلام نہ کرتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو سلام کرتا اور پھر انتظار ہی کرتا رہتا کہ ہونٹ مبارک ہلتے ہیں یا نہیں، مگر کہاں؟ ایک دن جب میرے اندر کے ابال نے مجھے حد درجہ پریشان کر دیا تو میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقادہ کے باغ میں چلا گیا، میں اسے بلاتا رہا مگر وہ نہیں بولا۔ میرے آنسو پھوٹ نکلے اور واپس چلا آیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ شام کا رہنے والا ایک کاشکار جو غلہ بیچنے مدینہ آیا تھا، وہ لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں رہتا ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ میرے پاس آ گیا اور مجھے غسان کے صلیبی حکمران کا خط دیا۔ میں نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا: ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) تمہارے ساتھ زیادتی کرنے لگے ہیں، تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو کہ جسے یوں ضائع کر دیا جائے، تم ہمارے پاس آؤ، ہم عزت دیں گے۔“

میں نے اپنے آپ سے کہا یہ ایک اور آزمائش آگئی۔ میں نے اس خط کو تندور میں پھینک کر جلا دیا، جب بائیکاٹ کو چالیس دن گزر گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کا ایک اور حکم آ گیا۔ قاصد کے ذریعے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ۔“ میں نے پوچھا: ”طلاق دے دوں یا کیا کروں؟“ حکم ہوا صرف اس سے جدا رہو، قریب مت جاؤ۔ اب میں نے بیوی کو اس کے پیچھے بھیج دیا اور کہا کہ جب تک کوئی حکم نہ آئے وہیں رہو۔

ہلال بن امیہ بزرگ آدمی تھے۔ ان کی بیوی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئی اور عرض کرنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہلال تو بہت ہی بوزھا اور کمزور آوی ہے، کوئی خادم بھی نہیں، اگر خدمت کی اجازت ہو تو کر دیا کروں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے خدمت کر دیا کرو، مگر وہ تم سے میاں بیوی والا تعلق قائم نہ کرے۔“ بیوی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ بے چارہ اس قابل کہاں؟ وہ تو حرکت بھی نہیں کر سکتا اور وہ تو ہر وقت روتا ہی رہتا ہے۔“

الغرض، جب پچاس دن پورے ہو گئے تو میں نے سنا، سلح پہاڑ کی چوٹی پر ایک شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا: ”کعب بن مالک خوش ہو جا۔“ میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ توبہ قبول ہو گئی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا تھا۔ لوگ مبارکبادیں دینے لگے۔ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے یوں تھا جیسے چاند کا ٹکڑا دمک رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہمارا فیصلہ کر دیا تھا:

﴿وَسُئِلَ الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ خَلَقُوا حَتَّىٰ إِذَا صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِأَرْحَتِهَا وَصَافَتْ عَلَيْهِمُ آفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [التوبة: ۱۱۸/۹]

”اور وہ تین کہ جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا اللہ نے ان پر بھی مہربانی فرمادی۔ صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو گئی۔ دنیا تو کیا ان کے اپنے وجود ان کے لیے بوجھ بن گئے۔ انھیں بھی یقین تھا کہ اللہ کے علاوہ ان کے لیے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔ آخر اللہ نے ان پر مہربانی کر کے توبہ فرمائی دی، تاکہ وہ اللہ کی طرف متوجہ رہیں۔ یقیناً اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، (باب) حلیث کعب بن مالک..... الخ: ۴۴۱۸]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے واقعہ کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے ہم نے انہی کے الفاظ میں اسے مختصر کر کے بیان کیا ہے۔ اس سارے واقعہ سے جس بات کا اظہار ہوتا ہے وہ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بنوں کی کوتاہی پر گرفت کرتا ہے اور منافقوں کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ وہ تو ہیں ہی منافق۔ غصہ ہمیشہ اپنوں کی غلط روش پر آتا ہے، غیروں پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جیسا صدق، وفا شعار اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔

قارئین کرام! عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا، وہ اور اس کے لوگ تو آس لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں کا لشکر صلیبی سپہاؤر کے ہاتھوں برباد ہو جائے گا، جو بچے کھچے مدینہ میں آئیں گے انھیں ہم قیدی بنا لیں گے، مگر ان کی یہ ساری آسیں اور امیدیں خاک میں مل چکی تھیں۔ اللہ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ توبہ میں یہ بھی بتلا دیا کہ ان لوگوں نے جو مسجد بنائی ہے یہ ”ضراء“ ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا اڈا ہے، اس میں افتتاح کرنے کو مت جانا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے اس اڈے کو اپنے جاں نثار صحابہ کے ہاتھوں منہدم کروا دیا۔ اس سے عبد اللہ بن ابی صدے سے نڈھال ہو گیا۔

منافقوں کا سردار صدے سے مر گیا:

صحیح بخاری (۱۲۶۹) میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی فوت ہو گیا تو اس کا صاحبزادہ عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ رب تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قمیص دے دیں، تاکہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دے سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔

صحیح بخاری (۳۰۰۸، ۱۳۵۰) ہی کی روایت ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب بدر کی جنگ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ قیدی بن کر مدینہ آئے تھے تو ان کے بدن پر قمیص نہیں تھی، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص زیب تن کروانے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیصیں دیکھنا شروع کیں۔ انصار نے بھی قمیصوں کی تلاش شروع کی مگر (قد لمبا ہونے کی وجہ سے) کوئی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پوری نہ آئی۔ آخر کار انصار عبد اللہ بن ابی کی قمیص لائے، وہ پوری طرح فٹ آئی۔ یہ قمیص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنا دی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے احسان کا بدلہ ضرور دیتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اپنی

قیص اتاری اور اسے دے دی۔

صحیح بخاری (۴۶۷۲) کی روایت میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قیص ملنے کے بعد عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے گزارش کی کہ آپ جنازہ بھی پڑھا دیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، تاکہ جنازہ پڑھا دیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے کپڑے کا پلو پکڑا اور عرض کرنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ اس کا جنازہ پڑھانے جا رہے ہیں، اللہ نے آپ کو اس کے بارے میں استغفار کرنے سے روکا ہے“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے:

﴿ اِسْتَفْغِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴾

[التوبة: ۸۰/۹]

” (میرے نبی!) آپ ان منافقوں کے لیے بخشش مانگیے یا نہ مانگیے (کوئی فرق نہیں پڑتا) آپ ستر بار بھی ان کے لیے بخشش مانگیں گے تو اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔“  
اب میں ستر بار سے زیادہ بخشش مانگ لوں گا۔“

صحیح بخاری (۱۲۷۰) میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی کو قبر میں لٹا دیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا۔ اپنے تھوک مبارک کو اس پر چھڑک دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (دن اور دعا کا) تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ سورۃ براءۃ (التوبہ) کا یہ مقام آپ ﷺ پر نازل ہو گیا:

﴿ وَلَا تَصِلْ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

وَمَا تَوْأَمَهُمْ فَمُسَوِّوْنَ ﴾ [التوبة: ۸۴/۹]

” (میرے نبی!) ان منافقوں میں سے جو بھی مر جائے آئندہ کبھی اس کا جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا۔ یقیناً ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور یہ نافرمانیاں کرتے ہوئے مرے ہیں۔“

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿ استغفرلهم اولا تستغفرلهم ﴾ ..... الخ: ۶۷۱]

قارئین کرام! عبد اللہ بن ابی زندگی بھر اللہ کے رسول ﷺ کو ستاتا رہا لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی پھر بھی کوشش یہ رہی کہ ہو سکتا ہے میری دعاؤں سے اللہ اسے بخش دے لیکن اللہ نے ناصر یہ کہ بخشنے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے نبی کو آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ وہ احکم الحاکمین ہے، جو چاہے فیصلہ فرمائے اور حکم صادر کرے۔

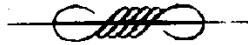
عبد اللہ بن ابی کو یہی صدمہ لے بیٹھا کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ سلامت واپس آ گئے ہیں بلکہ سپر پاور بھی ان سے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ اٹھی ہے، لہذا وہ کس باغ کی مولیٰ ہیں؟ یہ اتنا بڑا صدمہ تھا یوں محسوس ہوتا ہے منافقوں کا سردار اسی سے مرگیا، منافقت کی کمر ٹوٹ گئی اور اللہ نے واضح کر دیا کہ اسلام کا وہ درخت جسے اللہ کے رسول ﷺ نے متواتر قربانیوں اور شہادتوں کا پانی دیا، اب اس پر آکاس تیل کے پینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

جی ہاں! اب وقت آ گیا ہے کہ مشرکوں کی رہی سہی عزت و سیادت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب حج ابی بکر بالناس فی سنة تسع: ۴۳۶۳، ۴۶۵۷]

جی ہاں! ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چلے اور ادھر اللہ کا ایک فیصلہ اپنے نبی ﷺ پر نازل ہوا۔

ملاحظہ ہو!



## جزیرۃ العرب پر اسلام کا پھیرا

مشرکوں سے عہد و پیمان کے خاتمے کا اعلان :

﴿بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ  
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا كَلِمَةً غَيْرَ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝ وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ  
وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَرَسُولُهُ ۝ فَإِنْ  
بُئِيتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا كَلِمَةً غَيْرَ مُعْجِزِي اللَّهِ ۝ وَيُبَشِّرُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [التوبة: ۱۹/۳۱]

” (مسلمانو!) وہ مشرک جن سے تم نے معاہدے کیے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان معاہدوں سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ان مشرکوں کو زمین پر چار ماہ تک کھلے پھرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ (ان کا مقابلہ اللہ سے ہے اور) یہ اللہ کو تو نیچا نہیں دکھا سکتے اور (یہ کافر جو آج رسوائی سے دوچار ہیں) ان کو اللہ ہی ذلت سے دوچار کرنے والا ہے۔ بہر حال! حج اکبر کا جو دن ہے اس موقع پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے واضح اعلان ہے۔ تمام لوگ آگاہ ہو جائیں۔ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ (شُرک پر جتنے رہنے والو!) اب بھی شرک سے توبہ کر لو تو یہ توبہ تمہیں فائدہ دے جائے گی اور اگر توحید سے منہ موڑے رہو گے تو یہ توبہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ پھر تم اللہ کو تو جھکانے سے رہے۔ (میرے نبی!) ان ناشکرے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔“



قارئین کرام! مشرکین کا جب اقتدار ختم ہو گیا، غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، مشرکین کی اکثریت مسلمان ہو گئی اور انفرادی طور پر بکھرے ہوئے ہٹ دھرم مشرک باقی رہ گئے تو ان سے اب کیا معاہدہ؟ معاہدے حکومتوں کے مابین تھے اور حکومت اب مشرکین کی رہی نہیں، چنانچہ معاہدے ختم کر دیے گئے۔

سبحان اللہ! غلبہ حاصل کر کے بھی اسلام کس قدر طے شدہ اصولوں اور معاہدوں کی پابندی کرتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ معاہدے کے تسلسل کا جواز باقی نہیں رہا مگر پھر بھی یہ معاہدے صرف ان مشرکوں سے توڑے گئے جنہیں معاہدے توڑنے کی عادت تھی اور وہ ایسا کئی بار کر چکے تھے۔ مشرکین میں سے وہ مشرک جنہوں نے معاہدوں کی ہمیشہ پابندی کی ان سے ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ سورہ توبہ کی اگلی ہی آیت میں مسلمانوں کو یہ درس دیا گیا:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَتُمْ يُظَاهَرُونَ عَلَيْكُمْ

أَحَدًا فَأَيْتُوا إِلَيْهِمْ وَعَاهَدُهُمْ إِلَىٰ مَدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ [التوبة: ۴/۹]

”ان مشرکوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے (اے مسلمانو!) تم سے معاہدہ کیا پھر انہوں نے اسے پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ طے شدہ معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ یاد رکھو! اللہ پر ہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔“

جی ہاں! یہ ہے اسلام جو فاتح بن کر اور غلبہ پا کر بھی اپنے پیروکاروں کو عادلانہ اصولوں اور ضابطوں سے سرموخراف نہیں کرنے دیتا اور اپنے پیروکاروں کو بتلاتا ہے کہ جو ان اصولوں کی پابندی کرے گا، ان کو توڑنے اور روندنے سے پرہیز کرے گا، وہ متقی ہے، پرہیزگار ہے اور اللہ ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان:

حضرت زید بن اشج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”آپ کو حج کے موقع پر جس اعلان کے لیے روانہ کیا گیا تھا وہ تو بتلائیے“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا: ”اللہ کے

رسول ﷺ نے مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کے موقع پر بھیجا تو چار چیزوں کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا:

«لَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ»

”ایک یہ کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔“

دوسری:

«لَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ»

”بیجا ہو کر کعبے کا کوئی طواف نہ کرے۔“

تیسری یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جس کے درمیان معاہدہ ہے وہ صرف معاہدے کی مدت تک ہے (مزید تجدید نہیں ہوگی) اور جس کے ساتھ کوئی عہد نہیں اس کے لیے مہلت کا عرصہ چار ماہ ہے اور چوتھی چیز یہ کہ اس سال کے بعد ایسا نہیں ہوگا کہ مشرک اور مسلمان مل کر حج کریں۔“

[مسند أحمد: ۷۹۱/ح: ۵۹۶، صحیح۔ الترمذی، باب ما جاء في كراهية الطواف

عريانا: ۸۷۱ صحیح۔ مسند حمیدی: ۲۶۱/ح: ۲۷، ۴۸: صحیح]

صحیح بخاری میں ہے:

«وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ»

[بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: ﴿فسبحوا في الأرض.....﴾: ۴۶۵۵]

”مشرک اس سال کے بعد حج نہیں کرے گا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اعلانات سے عرب دنیا کو آگاہ کر دیا، خبردار کر دیا، شرک اور فحاشی کے خاتمے کا اعلان کر دیا، باقی ماندہ مشرکین کی سیاست و چودھراہٹ کو ختم کر کے رکھ دیا۔

قارئین کرام! ذرا ملاحظہ کیجیے: مکہ فتح ہوا تو ہزاروں لوگ ایک دن میں مسلمان ہو گئے۔ حنین میں ہوازن کی کمر لٹوئی تو اطراف و اکناف سے لوگوں کے وفد آنے لگے اور دھڑا دھڑا مسلمان ہونے لگے۔ تبوک میں سپر پاور دہشت کے مارے بھاگ گئی تو اب تو وفد کے مزید

تانتے بندھ گئے۔ قافلوں کے قافلے مسلمان ہونے لگے۔ لوگ فوج در فوج مسلمان ہونے لگے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سبقت لے جانے لگے۔

جی ہاں! جزیرۃ العرب جس کے مشرقی حصوں پر مجوسی سپر پاور کا کنٹرول تھا اور مغربی حصوں پر صلیبی سپر پاور کا کنٹرول تھا۔ وسطی عرب پر بے شمار قبائل حکمران تھے۔ وہ جزیرۃ العرب اپنی تاریخ میں پہلی بار ایک پرچم تلے متحد ہو گیا تھا۔ دینی اور سیاسی لحاظ سے ایک پرچم تلے اتحاد ایک معجزہ تھا۔ یہ رونما ہوا تھا آخری رسول گرامی جناب محمد کریم ﷺ کے دست مبارک سے۔ آئیے! اب وفود کی آمد کا نظارہ کرتے ہیں۔

قافلے اور وفود..... فوج در فوج:

حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”قبیلہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو اپنا سردار بنا کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک وفد کے ساتھ بھیجا۔ وہ آیا اور اس نے اپنے اونٹ کو مسجد نبوی کے دروازے پہ لا بٹھایا۔ ضمام نے اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ضمام بڑا مضبوط قد کاٹھ کا آدمی تھا۔ دائیں بائیں اس کے بالوں کی لٹیس تھیں۔ وہ سیدھا چلتا ہوا آیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کے درمیان آپ ﷺ کے سامنے آن کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

ضمام: ”تم لوگوں میں عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟“

صحابہ: ”یہ گورے رنگ والے جو دو تکیوں کے درمیان ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔“

ضمام: ”یہ محمد (ﷺ) ہے؟“

رسول اکرم ﷺ: ”کہو میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔“

ضمام: ”میں آپ (ﷺ) سے چند سوال کروں گا اور سوال پوچھنے میں سختی کروں گا، میری سختی کو

محسوس نہ کرنا۔“

رسول اکرم ﷺ: ”میں بالکل محسوس نہیں کروں گا، جو دل میں آتا ہے پوچھو۔“

ضمام: ”وہ رب جو تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزر گئے ان سب کا بھی رب اور

مشکل کشا ہے، وہ سارے انسان جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے ان سب کا معبود ہے، میں اس کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا اس اللہ نے تم کو ہماری طرف اور تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟“

رسول اکرم ﷺ: ”بالکل۔“

ضام: ”میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو تمہارا بھی مشکل کشا ہے اور ان لوگوں کا بھی مشکل کشا ہے جو تم سے پہلے تھے اور ان لوگوں کا بھی حاجت روا ہے جو تمہارے بعد آنے والے ہیں، کیا اس اللہ نے تجھے یہ حکم دیا ہے:

« أَنْ نَعْبُدَهُ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَ أَنْ نَخْلَعَ هَذِهِ الْأَنْدَادَ الَّتِي سَكَانَ آبَاؤُنَا يَعْبُدُونَهَا مَعَهُ »

”ہم اس ایک ہی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ کہ ہم اللہ کے ان سارے مد مقابل بزرگوں سے قطع تعلق ہو جائیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے“

رسول اکرم ﷺ: ”بالکل ٹھیک ہے۔“

ضام: ”میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ (ﷺ) کو حکم دیا ہے کہ ہم دن رات میں پانچ نمازیں ادا کریں؟“

رسول اکرم ﷺ: ”ہاں! مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔“

ضام: ”میں اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ بھی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں ماہ رمضان کے روزے رکھیں؟“

رسول اکرم ﷺ: ”ہاں! اللہ ہی نے حکم دیا ہے۔“

ضام: ”اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے امیر لوگوں سے زکوٰۃ لیں اور اسے ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دیں؟“

رسول اکرم (ﷺ): ”ہاں! اللہ نے حکم دیا ہے۔“

ضام: ”آپ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ میں فرائض ادا کروں گا اور جس بات سے آپ مجھے منع کریں گے میں اس سے رک جاؤں گا۔ میں اپنی مرضی سے اس دین میں نہ اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ میرے پیچھے میری قوم ہے۔ میں انھی کی طرف سے آیا ہوں۔ میرا نام ضام بن ثعلبہ ہے، میں بنو سعد بن بکر کا فرد ہوں۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ شخص پلٹ کر اپنے اونٹ کی طرف چلنے لگا، جب وہ مڑ کر جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ يَصُدُّكَ ذُو الْعَقِيبَيْنِ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ»

”اگر یہ دو لٹوں والا سچ بولتا ہے تو جنت میں داخل ہو گا۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ پھر وہ اپنے اونٹ کے پاس آیا، اس کے گھنے کی رسی کو کھولا، یہاں سے نکلا اور اپنی قوم کے پاس پہنچا۔ قوم کے سارے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پہلا جملہ جو اس نے اپنی زبان سے نکالا وہ یہ تھا:

«بَسَّتِ اللَّاتُ وَالْعُزَّى»

”لات اور عزیٰ نے بھی کیا خباثوں میں ڈال رکھا تھا۔“

لوگ کہنے لگے: ”ضام! زبان سنبھال کر بات کر (إِنِّي الْبَرَصَ وَالْجُدَامَ) برص اور کوڑھ کی بیماریوں سے بچ (إِنِّي الْجُنُونَ) بزرگوں کی گستاخی سے پاگل ہو جائے گا، بچ جا!“

حضرت ضام اپنی قوم سے کہنے لگے:

«وَيَلِكُكُمْ! إِنَّهُمَا وَاللَّهِ! لَا يَضُرَّانِ وَلَا يَنْفَعَانِ، إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ بَعَثَ

رَسُولًا وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابًا اسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِمَّا كُنْتُمْ فِيهِ»

”تمہاری قوم پر ایک رسول بھیجا اور اللہ کی کتاب تمہارے لیے بھیج دی جو تمہارے لیے نجات دلائے گی اور تمہیں اس سے بچائے گی۔“

بگاڑ سکتے ہیں، نہ ہی کچھ سنوار سکتے ہیں، سنو! اقتدار و جلال والے اللہ نے ایک رسول (ﷺ) بھیجا ہے، اس پر کتاب اتاری ہے، جن جہالتوں میں تم پڑے ہوئے ہو وہ اس کتاب کے ذریعے تم کو ان سے بچاتا ہے۔“

پھر کہنے لگا: ”سنو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اس رسول (ﷺ) سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس نے جو کرنے کا حکم دیا اور جس سے منع کیا وہ احکام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں: ”اللہ کی قسم! اس روز شام نہ ہوئی تھی کہ ساری قوم مسلمان ہو گئی۔ کوئی ایک مرد اور عورت بھی ایسی نہ تھی جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ جس قدر بھی قوموں اور قبیلوں کے وفد آئے ان میں رضام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ تھا۔“

[بخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث: ۶۳۔ مسند أحمد: ۱/۲۶۴، ۲۶۵، ح: ۲۳۸۴ و إسناده حسن لذاته۔ مستدرک حاکم: ۳/۵۴، ۵۵، ح: ۴۳۸۰ و إسناده حسن لذاته محمد بن الوليد صدوق حسن الحديث وثقه ابن حبان، والدارقطني والحاكم والذهبي بتصحيح حديثه تهذيب الكمال ۶/۵۴۸ ت ۶۲۶۷]

صحیح بخاری کے مطابق ”بنو تمیم“ قبیلہ، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا، مدینہ میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

[بخاری: ۴۳۶۵، ۴۳۶۶]

بنو عامر قبیلے کے لوگ اللہ کے رسول (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابو داؤد کی روایت کے مطابق وہ آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی آپ (ﷺ) کی تعریفیں کرنے لگے کہ آپ (ﷺ) ہمارے سردار ہیں، آپ (ﷺ) بے پناہ لطف و کرم والے ہیں، آپ (ﷺ) انتہائی اعلیٰ مقام والے ہیں، لوگوں کی ضیافتوں کے لیے آپ (ﷺ) کے بڑے برتن چمک دکھا رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”کرنے والی جو بات ہے وہ کرو، یہ سامنے تعریفیں تو شیطان کا بہکاوا ہے۔“

[ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی کراهیة التمداح: ۴۸۰۶ و إسناده صحيح -

مسند احمد: ۲۵۱۴، ح: ۱۶۳۱۷ و [إسناده صحيح]

بحرین سے بھی لوگ آگئے۔ امام بخاری "الادب المفرد" (۶۰۰) [إسناده حسن لذاته] میں بتلاتے ہیں کہ "عبد القیس" قبیلے کا وفد بھی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے لوگوں نے سواریوں سے چھلانگیں لگائیں۔ سواریاں اور سامان اسی طرح چھوڑا۔ کوئی اللہ کے رسول ﷺ کی طرف تیز تیز قدموں سے چلنے لگا اور کوئی بھاگنے لگا، کوئی معمول کی چال پر تھا۔ یہ سب بھاگ بھاگ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے، انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے بوسا دیا۔ اس وفد کا جو سردار تھا، اس کا نام "رجح" تھا۔ وہ سب سے پیچھے رہ گیا۔ اس نے سواریوں کو بٹھایا۔ اپنے لوگوں کے سامان کو سنبھالا۔ صحیح مسلم (۱۸) میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "تیرے اندر دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو پسند ہیں، وہ ہیں۔ (الْحِلْمُ وَالْإِنَانَةُ) بردباری اور ضبط و تحمل۔

صحیح بخاری (۴۳۷۱، ۸۹۲) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مسجد کے بعد پہلی مسجد جس میں جمعہ شروع ہوا وہ بحرین میں "جوئی" گاؤں میں بننے والی مسجد ہے۔

مسند احمد (۱۵۵۱۳) و [إسناده حسن لذاته] میں ہے کہ اشعری قبیلہ بھی حاضر ہوا، ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ مزینہ کے قبیلے کا وفد بھی آیا۔ (ابو داؤد: ۵۲۳۸ حسن) صحیح بخاری (۴۳۹۲) میں ہے دوس قبیلے کے لوگ بھی حاضر ہو گئے۔

یمن کے لوگ بھی آ گئے۔ ابن ماجہ (۲۶۱۲) و [إسناده حسن لذاته]

کندہ کے وفد نے حاضری لگوا دی۔ مسلم (۲۹۴۲) میں ہے کہ تمیم داری بھی آ گئے۔ الغرض، قبیلے آ آ کر مسلمان ہو رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھی گورنر بن بن کر ان علاقوں میں جا رہے تھے اور وہاں سے قبول اسلام کی خبریں آ رہی تھیں، بت ٹوٹ رہے تھے اور آستانے منہدم ہو رہے تھے۔ یمن کے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلي رضی اللہ عنہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور پھر ایک بت خانہ ڈھاتے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی (۴۳۵۷) میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "مجھے اللہ

کے رسول ﷺ کہنے لگے کہ میں نے تم کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔

«أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلْصَةِ؟»

”ذی الخلصہ (کے بت خانے) کو ڈھا کر تم مجھے سکون کیوں نہیں پہنچاتے؟“

چنانچہ میں نے ”احمس“ قبیلے کے ڈیڑھ سو گھڑ سواروں کو لیا اور بت خانے کو مسار کر دیا، پھر ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ (ﷺ) نے احمس قبیلے کے سواروں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا فرمائی۔“

صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ یمن کا یہ جو آستانہ تھا اسے ”کعبہ“ کہا جاتا تھا، یعنی یہ بہت بڑا بت خانہ تھا۔

الغرض، اس کے انہدام پر اللہ کے رسول ﷺ بے پناہ خوش ہوئے۔ اتنے خوش کہ پانچ بار برکت کی دعا کی۔ بت شکن مجاہدوں کے لیے ہی نہیں بلکہ جو گھوڑے بت شکنی کی مہم میں استعمال ہوئے آپ ﷺ نے ان کے لیے بھی برکت کی دعا کی۔ بخاری (۳۸۲۲) اور مسلم (۲۳۷۵) میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”پھر تو جب بھی اللہ کے رسول ﷺ مجھے دیکھتے مسکرا پڑتے۔“

جی ہاں! 9 ہجری کا سال جزیرۃ العرب میں شرک کی تباہی و بربادی کا سال تھا۔ شیطان کے رونے دھونے اور واویلہ کرنے کا سال تھا۔ سعودی حکومت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے کہ سعودی عرب میں توحید کی یہ بہاریں آج بھی اسی طرح دل کو فرحت بخشتی ہیں، سینے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔ کیا شک ہے مومن کا سینہ توحید کی بہاروں کے جھونکوں سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔

قارئین کرام! سارے وفود، قبیلے اور قافلے جو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مشرک تھے، مسلمان ہو گئے۔ ان وفود میں سے ایک وفد ذرا ہٹ کر تھا، یعنی یہ وفد اہل کتاب میں سے عیسائیوں کا وفد تھا۔ ان کا تعلق ”نجران“ سے ہے۔ یہ وفد مدینہ میں حاضر ہوا ہے۔ یہ ساٹھ افراد پر مشتمل ہے۔ آئیے! اس وفد کے حالات ملاحظہ کرتے ہیں۔



## نجران کے عیسائی وفد کو مباہلے کا چیلنج:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ نجران کے دوسرا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے، ایک کا نام عاقب تھا، دوسرے کا نام سید تھا۔ دونوں نے ارادہ کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ”مباہلہ“ کریں، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ مباہلے کے لیے تیار ہو گئے تو ایک سردار اپنے دوسرے ساتھی سے کہنے لگا: ”مباہلہ نہ کر، کیونکہ اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہوئے اور ہم ”مباہلہ“ کر بیٹھے تو اللہ کی قسم! نا صرف یہ کہ ہم خود برباد ہو جائیں گے بلکہ ان کا بھی بیڑا غرق ہو جائے گا جو ہمارے پیچھے ہیں۔“ اس کے بعد دونوں سردار اللہ کے رسول ﷺ سے کہنے لگے: ”آپ ہم سے جو مانگیں گے ہم دیں گے (جزیہ کی وصولی کے لیے) آپ ہمارے ساتھ کوئی امانتدار آدمی روانہ کر دیجیے، بندہ دیا منتدار ہی ہونا چاہیے۔“ آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے کہا: ”میں تمہارے ساتھ امانتدار بندہ ہی روانہ کروں گا، ایسا امانتدار کہ امانت کا حق ادا ہو جائے گا۔“ اب تو صحابہ کی نگاہیں اللہ کے رسول ﷺ پر گڑ گئیں کہ دیکھیں آپ ﷺ کس کا نام لیتے ہیں؟ اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عبیدہ بن جراح! کھڑے ہو جاؤ۔“ اور جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(( هَذَا أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ ))

”یہ اس امت کے امین ہیں۔“

[بخاری، (باب) قصة أهل نجران : ۴۳۸۰]

”مباہلہ“ کا مطلب ہے دو فریق ایک دوسرے کے لیے بددعا کریں، یعنی اے اللہ! جو جھوٹا ہے اسے تباہ و برباد کر دے۔

چنانچہ یہ لوگ جتنے دن یہاں رہے، ضیافتیں کھاتے رہے، اللہ کے رسول ﷺ مہمان نوازی کرتے رہے اور آخر کار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ نجران کا یہ علاقہ کہ جہاں کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے عرب تھے، تھوڑے ہی عرصہ میں سارے مسلمان ہو گئے۔ سید اور عاقب تو واپس پلٹتے ہی مسلمان ہو گئے۔ نجران

سعودی عرب کا اہم صوبہ ہے، آثارِ قدیمہ سے مالا مال ہے، یمن کی حد پر واقع ہے۔ نجران شہر کو سعودی حکومت نے خوب ترقی دی ہے۔ یہ مملکت سعودی عرب کا ایک خوبصورت اور تاریخی شہر ہے، جس کی آبادی 75 ہزار کے قریب ہے۔

قارئین کرام! عیسائیوں کا یہ علاقہ مسلمان ہوا تو دعوت سے مسلمان ہوا۔ ان پر کوئی جبر نہ تھا۔ جس کا دل چاہے عیسائی رہے اور جس کا دل چاہے وہ مسلمان ہو جائے مگر اس کے برعکس عیسائیوں نے کیا کیا۔ آج کے حالات ہی ملاحظہ فرمائیں۔ موجودہ دور جس کو مہذب کہا جاتا ہے، امریکہ اور مغرب کی جدید دنیا اعلیٰ تہذیب کی علمبردار ہے، ان لوگوں نے اکیسویں صدی کا آغاز ہوتے ہی افغانستان پر حملہ کیا، اس حملے کے بارے میں امریکہ کے صدر بش نے واضح طور پر کہا: ”صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔“ اس فوجی حملے کے ساتھ ہی اسلام کی توہین کا بھی آغاز کر دیا گیا۔ 24 اکتوبر 2002ء کو امریکہ سے شائع ہونے والے ایک میگزین ”باڈی بلڈرز“ نے عجیب و غریب مضمون شائع کیا۔ مضمون کا عنوان رکھا گیا ”کیلیفورنیا مکہ“ ..... مضمون نگار ”انیتا“ نے لکھا:

”دنیا کا سب سے بڑا مکہ سعودی عرب میں ہے۔ ایک مسلمان کے ہاں یہ محمد (ﷺ) کی جائے پیدائش ہے، اس لیے یہ اسلام کا مقدس شہر ہے، لیکن ایک باڈی بلڈر کے لیے بہت سارے مکے ہیں۔ کوئی کیلیفورنیا کے ساحل پہ مکہ ہے اور کوئی کسی اور ساحل پہ۔“ اس کے بعد جو خانوں میں فاحشہ عورتوں کی حیا سوز تصاویر دی گئی ہیں اور لکھا ہے کہ یہ عورتیں مردوں کے ہمراہ فلاں مکہ میں رنگ رلیاں منارہی ہیں۔

قارئین کرام! انگریزی میں جو خانے کا نام ”MECCA“ رکھا گیا، یہ ایک شرارت تھی۔ تاہم یہ مدتوں سے چل رہی تھی، اب مکہ مکرمہ کو انگریزی میں لکھنا ہوتا تو دنیا بھر میں سپیلنگ یہی چلتے تھے۔ سعودی حکومت کو جب یہ شرارت معلوم ہوئی تو حکومت کی دینی غیرت کو سلام کہ حکومت نے فوراً مکہ کے سپیلنگ تبدیل کر دیے اور مکہ کو یوں لکھنے کا حکم جاری کیا: (MAKKA)..... لیکن شرارت ملاحظہ ہو چکی، صلیبی اسے کرنے سے باز نہیں آئے اور امریکہ

کے میگزین نے مکہ کے تقدس کو پامال کر کے مسلمانوں کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا۔

اس کے بعد امریکی فوج کے میجر جنرل کی نگرانی میں گوانتا ناموبے میں قید مسلمان قیدیوں کے سامنے قرآن مجید کے اوراق کو طہارت کے لیے بطور نشوونما استعمال کیا گیا۔ قرآن کو کتے کے منہ میں پکڑا کر تصاویر عالمی میڈیا کو جاری کر دی گئیں۔ امریکی فوجیوں نے قرآن پر ڈانس کیا۔ امریکی میگزین ”نیوزویک“ میں یہ خبر شائع ہوئی تو دنیا بھر کے مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار اور احتجاج شروع کر دیا۔ پاکستان میں تمام جماعتوں کی طرف سے ”تحریک حرمت قرآن“ بنائی گئی۔ ہم نے علمی اور عوامی انداز سے ایک تحریک چلائی جو پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار تھی۔

اس کے بعد ڈنمارک نے اللہ کے رسول ﷺ کے خاکے شائع کیے۔ یہ انتہائی دل آزار خاکے تھے۔ صدر بئش اور یورپ کے حکمرانوں نے ان خاکوں کی تائید کی۔ اب پھر دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ پاکستان میں دوبارہ ساری جماعتوں نے مل کر ”تحریک حرمت رسول“ بنائی۔ پاکستان میں یہ زور دار تحریک چلی۔ ہزاروں جلسے ہوئے۔ پوپ کو ہم نے مناظرے اور مباہلے کا چیلنج بھی دیا مگر وہ میدان میں نہ آئے۔

پوپ بینڈکٹ نے 12 ستمبر 2006ء کو جرمنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ”مجھے دکھلائیے! محمد ﷺ) کیا نئی چیز لے کر آئے ہیں، وہ جو لے کر آئے ہیں، برائی اور غیر انسانی رویے لے کر آئے ہیں اور انھوں نے تلوار کے زور پر اسلام کو پھیلا یا ہے۔“

اسی طرح جون 2007ء میں برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ نے ملعون رشدی کو اس کی ادبی خدمات پر ”سر“ کا خصوصی خطاب دیا، ملعون رشدی جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں توہین آمیز کتاب لکھی تھی اور وہ کئی سالوں سے برطانیہ کی حفاظت میں زندگی گزار رہا ہے، اسے خصوصی القاب سے نوازنے کے عمل نے مسلمانوں کے دلوں کو غم اور دکھ سے پارہ پارہ کر دیا، مسلمان تو اسے شیطان رشدی کہتے ہیں۔ اس کی ادبی خدمت جو اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف

ہے اس پر لقب دیا جانا سوائے مسلمانوں کی دل آزاری کے کچھ نہ تھا۔

القرض، ایک عملی اور نظریاتی جنگ ہے، جو مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی ہے۔ ہم نے کہا: چودہ سو سالوں میں کوئی ایک واقعہ دکھلاؤ کہ کسی عیسائی کو مسلمانوں نے جبراً مسلمان بنایا ہو یا مسلمانوں نے ایسے توہین آمیز گھٹیا پن کا مظاہرہ کیا ہو؟ اللہ کی قسم! نہیں دکھلا سکتے۔ کیسے دکھلا سکتے ہیں؟ وہ قرآن کہ جسے پوپ بینڈکٹ یہ کہہ کر برائی قرار دیتا ہے کہ محمد ﷺ برائی لے کر آئے، وہ قرآن انسانوں میں خیر کا دروازہ یوں کھولتا ہے، فرمایا:

﴿لَا أُرَاةَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ لَبَّيْنَا الرَّسُولَ مِنَ النِّقْيِ﴾ [البقرة: ۲/۲۵۶]

”دین میں کوئی جبر نہیں، مگر اسی کے مقابلے میں ہدایت بالکل واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے۔“

یعنی قرآن آگاہ کر رہا ہے کہ دلیل کا تعلق دل سے ہے اور دل ہمیشہ دلیل سے مانتا ہے، تلوار اور بم سے دل نہیں مانتا۔ رسول کریم ﷺ نے اسلام کی ہدایت کو واضح کر دیا ہے، اب جس کا دل چاہے مانے جس کا دل نہ چاہے نہ مانے، مگر رسول اکرم ﷺ کی خواہش تو تھی کہ لوگ مان جائیں اور جہنم سے بچ جائیں۔ قربان جائیں اللہ کے انداز پر، وہ مولا کریم اس خواہش پر اپنے نبی اکرم ﷺ کو یوں سمجھاتا ہے:

﴿وَكُوشَاءَ رَبِّكَ لَأَمِّنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۗ أَفَأَنْتَ تَكْفُرُ النَّاسَ حَتَّى يَسْأَلُوا

﴿مُؤْمِنِينَ﴾ [یونس: ۱۰/۹۹]

”(میرے رسول!) اگر تیرا رب چاہتا تو زمین پر رہنے والے سارے لوگ ہی مسلمان ہو جاتے۔ (اب جب میں نے انھیں مجبور نہیں کیا) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر کے مومن بناؤ گے۔“

جی ہاں! یہ ہے قرآن اور صاحب قرآن جناب محمد کریم ﷺ کا طرز عمل جو ہمیں نجران میں نظر آتا ہے اور آپ ﷺ کے پیر و کاروں میں گزشتہ چودہ سو سالوں سے دکھائی دیتا ہے۔ اے اہل صلیب! آپ کا طرز عمل کیا ہے؟ دیکھ لیجئے! سارے یورپ نے کیا کیا ہے؟ آج سے

چھ سو سال قبل سپین کو جب آپ لوگوں نے فتح کیا تو وہاں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ باقی بچنے والے لاکھوں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔ اس مہم کو گہری تحقیق یعنی (Inquisition) کا نام دیا گیا۔ اس کا ڈیک آج بھی ویٹیکن سٹی میں موجود ہے۔ پوپ بینڈکٹ پوپ بننے سے پہلے اسی ڈیک کے انچارج رہے ہیں۔

سپین میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے نارچر کرنے کے لیے خصوصی مشینیں بنائی گئیں۔ اس ظلم اور مشینوں کے بارے میں امریکہ اور یورپ کی لائبریریوں میں آج بھی بہت ساری کتابیں موجود ہیں اور خود عیسائی مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں۔ ویٹیکن کی لائبریری میں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر:

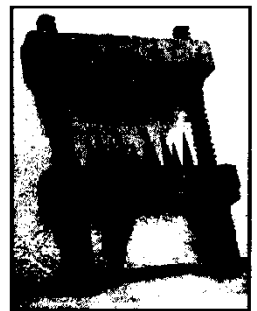
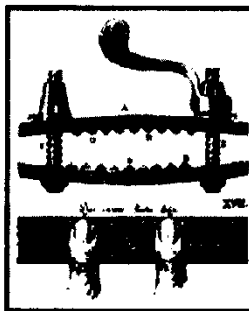
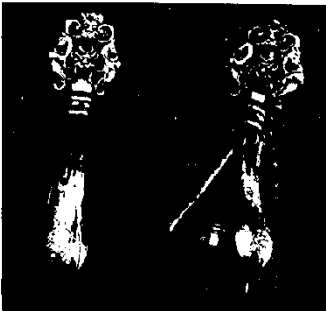
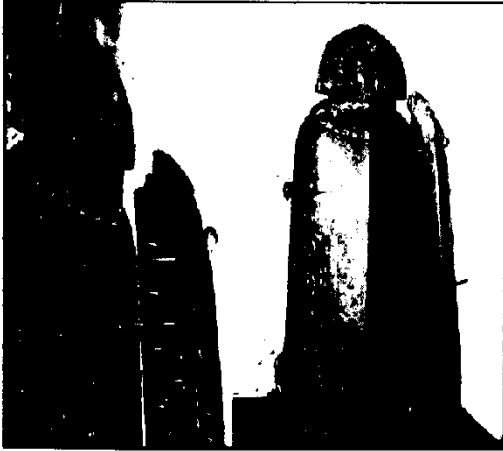
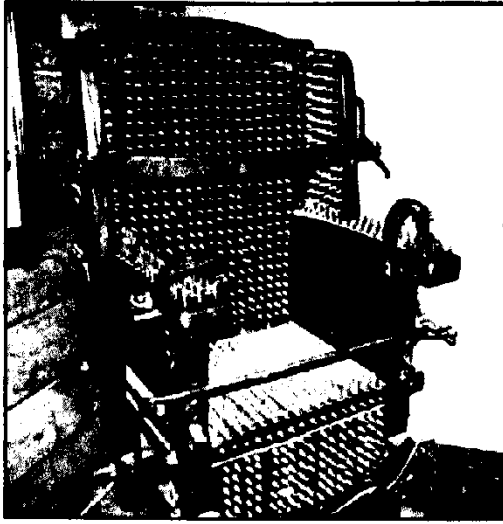
① مسٹر ولیم کی کتاب ”انگوائزی اینڈ انگریزیشن“۔

② 2001ء میں مسٹر جیمز کی کتاب نیو یارک سے شائع ہوئی۔

③ گرینڈ پال کی کتاب ”رومن انگریزیشن اینڈ ویٹیکنین پریس“ اس کتاب میں 1540ء سے لے کر 1605ء تک کے ظلم کی تفصیل موجود ہے۔

④ 1614ء سے 1909ء تک نیو ادا پریس کی کتاب بھی ملاحظہ ہو جو 1980ء میں شائع ہوئی۔

قارئین کرام! اب ہم بہت ساری تصاویر میں سے چند تصاویر دے رہے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سپین میں مسلمانوں کو ظلم کے کن مراحل سے گزارا گیا اور کس طرح عیسائی بنایا گیا۔



مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنانے کے لیے صلیبی ظلم کی ایجادات  
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قارئین کرام! آپ نے تصاویر ملاحظہ کر لیں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ امریکہ کے سیاہ فام جو آج نظر آ رہے ہیں، ان میں اکثریت افریقہ کے ان مسلمانوں کی ہے جنہیں یورپ کے صلیبی حکمران غلام بنا کر امریکہ میں لے گئے۔ وہاں ان سے پر مشقت کام بھی لیے اور جبراً عیسائی بھی بنایا۔ اسی طرح آج لاطینی یعنی جنوبی امریکہ کا جو براعظم ہے وہاں کے کروڑوں عیسائی دراصل صدیوں پہلے کے چینی عرب اور یورپین مسلمان تھے جنہیں جبراً عیسائی بنایا گیا۔

14 جون 1452ء کا دن انسانیت کے لیے سیاہ ترین دن تھا جب ویٹیکن سٹی میں براجمان صلیبیوں کی انتہائی مقدس شخصیت پوپ نکولس نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ غیر عیسائیوں کو غلام بنانے کی اجازت ہے۔ (پوپ نکولس پنجم: 1452)۔

اب ہوا یہ کہ یورپ کے صلیبیوں نے افریقہ کے کالے لوگوں کو، وہ مسلمان تھے یا کسی اور مذہب کے پیروکار انہیں غلام بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سولہویں صدی کے آغاز میں یہ معاملہ تیز ہو گیا اور 1880ء تک جاری رہا۔ ان چار صدیوں میں ایک کروڑ دس لاکھ سے زائد باشندوں کو غلام بنایا گیا۔ چین، فرانس، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور پرتگال وغیرہ کے ظالم صلیبی لوگ عورتوں، بچوں اور مردوں کو اغوا کرتے، جبراً غلام بناتے، مقامی جاگیرداروں کو پیسے دے کر دیہاتوں پر حملے کرتے اور لوگوں کو جانوروں کی طرح ہانک کر لے جاتے۔

بادشاہ فرڈینینڈ اور اس کی ملکہ ازابیلا مسلمانوں کے خاص دشمن تھے انھوں نے چین پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کو ختم کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنایا، لاکھوں کو تہ تیغ کیا۔ انھوں نے ازامیونامی صلیبی ظالم کو جوڈا کو تھا اسے وسائل سے مالا مال کیا اور حکم دیا کہ افریقہ کے علاقے گھانا میں ایک حویلی قائم کی جائے اور وہاں مسلمانوں کو غلام بنا کر رکھا جائے، چنانچہ اس شخص نے کالے مسلمانوں کی تجارت کے لیے یہاں پہلی حویلی بنائی، جو اگلی تین صدیوں تک ظلم و عدوان کا نشان بنی رہی۔

افریقہ کے اندر لوگوں کو غلام بنا کر جب ساحل پر لایا جاتا تو انہیں رسیوں اور زنجیروں سے باندھ دیا جاتا اور قافلوں کی شکل میں سفر کروایا جاتا۔ سکاٹ لینڈ کے ایک صلیبی مصنف محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسٹر منگوہارٹ نے لکھا ہے کہ وہ بھی ایک بار افریقہ میں گیا اور اس نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا۔ جب کوئی عورت تھک جاتی اور وہ قافلے کے ساتھ چلنے کی ہمت کھو دیتی تو چلانا شروع کر دیتی، اس پر آواز بلند ہوتی کہ اس کو ذبح کر دو اور پھر اسے پکڑ کر جہازوں کے پیچھے لے جایا جاتا اور ذبح کر کے پھینک دیا جاتا۔

ساحل پر پہنچ کر ان لوگوں کو باڑوں اور وسیع و عریض حویلیوں میں رکھا جاتا اور بحری جہازوں میں بھر دیا جاتا۔ جہازوں میں ان لوگوں کو انسانوں کی حیثیت سے سوار نہیں کرایا جاتا تھا، بلکہ اس کے لیے (Chattel Slavery) کا قانون بنایا گیا یعنی جس طرح کپاس کی گانٹھیں لوہایا دیگر اشیاء کا سامان لوڈ کیا جاتا ہے اسی طرح ان غلاموں کو لوڈ کیا جاتا تھا۔ بھیر بکریوں حتیٰ کہ مرغیوں سے بھی بری حالت میں انھیں ساتھ ساتھ ٹھونس کر بھر دیا جاتا۔ تین تین ماہ تک سمندر کا سفر جاری رہتا۔ اس دوران کئی مر جاتے۔ جو پہنچ پاتے انھیں آگے فروخت کر دیا جاتا۔ بیٹی نیویارک میں فروخت ہوئی تو بیٹا ٹیکساس میں۔ ماں برازیل میں فروخت ہوئی تو باپ ویسٹ انڈیز میں جا فروخت ہوا۔ الغرض، آج جو امریکہ کے دونوں براعظموں اور یورپ کے ملکوں میں کالے لوگ نظر آتے ہیں ان کے آباؤ اجداد تھوڑا عرصہ پہلے تک امریکہ اور یورپ میں دن رات اسی طرح کام کرتے رہے، یوں امریکہ اور یورپ کے لوگ خوشحال ہو گئے۔ ڈالر، یورو اور پونڈ وغیرہ کرنسیاں مضبوط ہو گئیں۔

کولمبس جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے امریکہ دریافت کیا۔ پوپ نے نئے دریافت شدہ علاقوں کے بارے میں ”حق دریافت“ کا فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ کی رو سے دریافت شدہ ملک کے باشندوں کو عیسائی بنانے، غلام بنانے، انھیں قتل کرنے اور ان کے مال و زر پر قبضہ کرنے کا اختیار ان عیسائیوں کو دے دیا گیا جو دریافت کریں، چنانچہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے اصل باشندے تہ تیغ کر دیے گئے، آسٹریلیا کے باشندے تہ تیغ کر دیے گئے۔ مقامی باشندوں کے جہاز بھر کر غلام بنا کر یورپ میں لائے جاتے، وہاں بھی ان سے زندگی بھر گھروں اور کارخانوں میں جانوروں کی طرح کام لیا جاتا۔



امریکہ میں ایک پاکستانی اسکالر جناب حقی حق نے امریکی ماہرین کی تحقیق کے حوالے سے مزید انکشافات کیے ہیں کہ شمالی اور جنوبی امریکہ میں پانچ سو سال قبل وہاں کے مقامی باشندوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ ان دس کروڑ افراد کا متواتر قتل ہوتا رہا اور یہ گھٹتے گھٹتے آج اڑھائی لاکھ رہ گئے ہیں۔ تاریخ انسانی میں اتنے بڑے قتل عام کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ماہرین آبادی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ آج سے پانچ سو سال قبل برصغیر اور چین کی آبادی بھی دس دس کروڑ کے لگ بھگ ہی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر امریکہ کے براعظموں میں مقامی باشندوں کا قتل عام نہ ہوتا تو آج وہاں کے مقامی لوگوں کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہوتی لیکن ان کی تعداد اب صرف اڑھائی لاکھ رہ گئی ہے۔ نسلی بنیادوں پر اتنا بڑا قتل عام یورپ کے نام نہاد امن پسند گورے عیسائی ہی کر سکتے ہیں سو انھوں نے یہ کام کیا۔

یورپی مصنف ہارڈ زین لکھتا ہے کہ صرف چین کے عیسائیوں کے ہاتھوں بہا ما ز اور بیٹی کے جزائر میں ایک لاکھ سے زیادہ مقامی لوگ قتل ہوئے۔ لاس کیس لکھتا ہے یہ لوگ عورتوں کے ساتھ اس وقت تک تشدد کرتے رہتے، جب تک وہ مرنے جاتیں۔ بچوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں کتوں کے آگے ڈال دیتے۔ ہسپانیہ کے لوگوں نے ان بچوں کی ٹانگیں کاٹ دیں جو ان سے ڈر کر بھاگ رہے تھے۔ یہ لوگ ریڈانڈیز پر کھولتا ہوا صابن انڈیل دیتے تھے۔ یہ اس بات پر شرطیں لگاتے تھے کہ ایک ہی وار میں انسانی جسم کو دو ٹکڑے کون کرے گا.....؟ سہے ہوئے ریڈانڈیز پر بھوکے اور خونخوار کتے بھی چھوڑے گئے، جنھوں نے چشم زدن میں انسانوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ کتوں کی کارگزاری پر انھیں جو انعام دیا جاتا وہ ریڈانڈیز کے نومولود ننھے منے بچے تھے جنھیں کتوں کے آگے پھینک دیا جاتا تھا۔ (لاس کیس: ۱۵۵۲ء)

ایک دن ایسا بھی تھا جب تین ہزار ریڈانڈیز قتل کیے گئے، قتل سے قبل جو ان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کی گئی۔ اس طرح کے قتل ایک مسلسل تفریحی مشغلہ تھا۔ (بیری لوپیز: ۱۹۹۰ء) میکسیکو کے بادشاہ کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا، پھر وعدہ کیا کہ رہا تب کریں گے جب بادشاہ کے محل کا فلاں کمرہ سونے سے بھر دیا جائے گا۔ جب بادشاہ کی رعایا نے وہ کمرہ سونے

سے بھر دیا تو یورپ کے گورے عیسائیوں نے عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سونا بھی لے لیا اور بادشاہ بھی قتل کر دیا..... الغرض، وہاں کے لوگ جو سادہ تھے، تیرکمان ان کا ہتھیار تھا، وہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے تاریخ انسانی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے اور آج صرف اڑھائی لاکھ کی تعداد میں صرف ایک تاریخی یادگار کے طور پر باقی ہیں۔ یہ ہے وہ سلوک جو صلیبوں نے انسانیت کے ساتھ کیا اور یہ سلوک آج تک جاری ہے اور ہر کمزور کے ساتھ روا ہے۔ ملکہ ازایلا، اس کے شوہر فرڈینینڈ اور کولبس نے اس سلوک کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ لوگ امریکیوں کے سرکاری ہیرو ہیں۔ ان لوگوں کے مجسمے امریکہ میں آج بھی جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں، ملکہ ازایلا کا ایک بہت بڑا مجسمہ واشنگٹن ڈی سی میں فیڈرل ریزرو بورڈ کے پہلو میں ایستادہ ہے جو امریکہ کا سب سے بڑا مالیاتی ادارہ ہے۔

الغرض، تلوار اور جبر کے ساتھ غلام بنانے اور عیسائی بنانے کی تاریخ خود اہل صلیب کی ہے، جس کی گواہیاں ان کی اپنی تاریخ دے رہی ہے اور انھی کی لاہریریوں میں محفوظ ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کے پیروکاروں کی تاریخ نجران سے لے کر آج تک گواہ ہے اور وہ دلیل کے ساتھ دلوں کو بدلنے کی تاریخ ہے۔

ریڈانڈیز پر ظلم کے جو پہاڑ توڑے گئے ایسا نہیں ہے کہ یہ شرمناک ظلم صرف پندرھویں و سولھویں صدی عیسوی میں کیا گیا ہو اور اب امریکہ کے مہذب کہلانے والے حکمرانوں نے یہ ظلم بند کر دیا ہو، نہیں، بالکل نہیں! بلکہ جدید اور نام نہاد مہذب امریکہ کے لوگوں نے بھی ظلم کی چٹائیں مظلوموں پر اسی طرح گرائیں جس طرح ان کے آباؤ اجداد نے گرائی تھیں۔

امریکہ کا صدر جارج واشنگٹن، جس کے نام پر آج واشنگٹن کا شہر آباد ہے، جو امریکہ کا دارالحکومت ہے، وہ جارج واشنگٹن امریکہ کے اصل باشندوں یعنی ریڈانڈیز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتا ہے:

”ہماری آبادی کا تسلسل یقینی طور پر ان جانوروں (اصل امریکی باشندوں) کو اسی طرح ختم کر دے گا جس طرح بھیڑیوں کو آخر کار موت آن گھیرتی ہے، شکل و صورت

میں بھڑیے اور یہ انسان مختلف ہونے کے باوجود ایک ہیں، ان کا انجام بھی ایک ہے۔“ (جارج واشنگٹن..... رچرڈ نیشن: ۱۹۹۰ء)

چنانچہ ۱۷۷۸ء یعنی اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب جارج واشنگٹن نے اراکس قبائل پر غلبہ پایا تو اپنے فوجی جنرل جان سلے دن کو حکم دیا: ”ریڈانڈینز پر محض غلبہ کافی نہیں، انھیں مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔“

چنانچہ جنرل سلے دن نے امریکہ کے ان اصل باشندوں کی چالیس بستیاں تباہ کر دیں، پانچ سو گھر جلا دیے، ہزاروں لوگوں کی اجتماعی قبریں بنائی گئیں، بعد میں امریکی فوجیوں نے ان قبروں کو کھودا اور مردہ لوگوں کی کھالیں اتار لیں، تاکہ ان کی ایسی پیشیاں بنالیں جنہیں یہ لوگ ناگوں پر باندھا کرتے تھے۔ (ڈورس سیل: ۱۹۹۸ء)

جارج واشنگٹن جسے جدید امریکہ کا پاپائے قوم کہا جاتا ہے وہ اکیلا ہی امریکہ کے اصل باشندوں کے لیے قہر و عدوان کا بگولہ نہ تھا بلکہ جارج واشنگٹن کے بعد جو صدر بنا اس کا بھی یہی حال تھا۔ یہ صدر تھامس جیفرسن تھا۔ یہ امریکہ کا تیسرا صدر تھا جو آزادی اور حقوق انسانی کا علمبردار تھا، لیکن یہ صدر بھی ریڈانڈینز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتا تھا:

”یہ فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ریڈانڈینز کو سرے سے مٹا دینا چاہتے ہیں، یا انھیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیتے ہیں، ایسا کرنا حکومت امریکہ کی ذمہ داری ہے۔“ (ڈیوڈ رائیڈر: ۲۰۰۰ء..... جوناتھن کرش: ۲۰۰۴ء)

تھامس جیفرسن کے بعد جدید امریکہ کا اہم ترین صدر اینڈریو جیکسن تھا..... اس نے واضح طور پر حکم دیا:

”ریڈانڈینز کو ان کی پناہ گاہوں سے نکال کر ختم کر دو، ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دو۔“ (ڈیوڈ سٹیزڈ: ۱۹۹۴ء)

اینڈریو جیکسن اپنے شکار (امریکہ کے اصل باشندوں) کی کھالیں اتارنے کا شوقین تھا..... ان کھالوں سے وہ اپنے خچروں کی لگا میں بنواتا تھا۔ (رونالڈ ٹاکائی: ۱۹۹۳ء)

صدر ریڈیو جانسن نے واضح طور پر کہا: ”امریکہ کی کوئی ریاست اس وقت تک تہذیب اور ثقافت میں ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ ریڈیو انڈینز کو زندہ رہنے کی اجازت ہے۔ اگر غیر مہذب (امریکہ کے اصل باشندے) مدافعت کریں تو (ہماری) تہذیب ایک ہاتھ میں بائبل کے دس احکامات اور دوسرے میں تلوار کے ساتھ ان کے فوری قتل کا تقاضا کرتی ہے۔“

(صدر ریڈیو جانسن: ۱۸۶۷ء)

قارئین کرام! امریکہ کے ان صدروں کے احکامات پر گورنروں نے کس طرح عمل کیا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو، ریاست ایری زونا کے گورنر جان بیلر نے اپنے فوجی کمانڈروں کو حکم دیا:

”کنفیڈریٹ ریاستوں کی کانگریس نے غیر دوستانہ رویہ رکھنے والے تمام ریڈیو انڈینز کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا قانون پاس کر دیا ہے، اس لیے تم ہر ممکن طریقے سے ریڈیو انڈینز کے قبائل کو صلح کے بہانے جمع کرو اور جب وہ اکٹھے ہو جائیں تو بالغ لوگوں کو قتل کر دو، بچوں کو قیدی بنا کر بیچ دو۔ بچوں کو بیچنے سے وہ اخراجات پورے ہو جائیں گے جو ریڈیو انڈینز کو قتل کرنے پر اٹھیں گے۔ فوجیوں کی وافر نفری اس موقع پر موجود ہونی چاہیے، تاکہ کوئی شخص بھاگ کر بچ نہ جائے۔ میں ان لعنت زدہ کیڑے

کوڑوں کے خلاف تمھاری کامیابی کا منتظر ہوں۔“ (گورنر جان بیلر: ۱۸۶۲ء)

لوگو! مندرجہ بالا کردار بھی دیکھو اور اللہ کے رسول ﷺ کا انداز بھی ملاحظہ کرو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دلیل اور قوت کو حسب موقع استعمال فرمایا، جہاں دلیل اور عدل کو ماننے سے انکار کر دیا گیا وہاں آپ ﷺ نے قوت کو استعمال کیا اور اتنا ہی کیا جس قدر ضرورت تھی۔ اس کے بعد پھر دلیل ہی سے کام لیا گیا اور جب جزیرۃ العرب زیر نگین ہو گیا تو آپ ﷺ نے ہر جانب اپنے عامل اور گورنر مقرر فرمائے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں گورنر مقرر فرمایا۔ مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو الوداع کہنے نکلے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور آپ ﷺ پیدل ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور انھیں ہدایات دیتے جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ ہدایات دینے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”اے معاذ! ممکن ہے کہ اس سال کے بعد تو مجھ سے ملاقات نہ کر سکے اور جب یہاں آئے تو میری مسجد اور قبر کے

پاس سے گزرے۔“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہما یہ جملہ سن کر رونے لگے۔ [مسند احمد: ۲۳۵/۵، ح: ۲۲۱۱۳ و [إسناده صحيح] بہر حال! اللہ کے رسول ﷺ کو نظر آ رہا تھا کہ نبوت مکمل ہوتی دکھلائی دے رہی ہے، جزیرۃ العرب پہ اسلام کا پرچم لہرا گیا ہے اور اب کسی بھی وقت اللہ کی طرف سے بلاوا آ سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آئیے! حج میں محسن انسانیت کے وہ سنہری بول اور جملے ملاحظہ کریں جنہوں نے انسانی تکریم کو آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار کر دیا۔

### آخری حج:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو مدینہ تشریف لائے ہوئے ۹ سال گزر گئے، آپ ﷺ نے حج نہیں کیا۔ جب دسواں سال آیا تو آپ ﷺ نے لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ حج کرنے جا رہے ہیں، چنانچہ لوگوں کی آمد سے مدینہ بھر گیا، سب کی خواہش یہ تھی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی راہبری میں حج ادا کریں اور آپ ﷺ کو دیکھ کر حج کے اعمال بجالائیں، چنانچہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر آ گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما مزید بتلاتے ہیں کہ یہاں مسجد میں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز ادا فرمائی اور پھر قصوا اذنی پر سوار ہو گئے۔ میں نے اپنی نگاہ دوڑائی تو میرے آگے لوگ ہی لوگ تھے، پیدل بھی تھے اور سوار بھی۔ دائیں طرف اور بائیں طرف بھی یہی صورت حال تھی اور پیچھے دیکھا تو وہاں بھی لوگوں کی تعداد کا یہی حال تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ ہم لوگوں کے درمیان تھے۔

[مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ۱۲۱۸]

سبحان اللہ! اللہ کے رسول ﷺ نے ۲۳ سال جس دین کے پھیلانے کے لیے لگا تا مہمت کی، آج اس کا پھل باغ و بہار بن کر آپ ﷺ کے چاروں طرف نظر آ رہا ہے۔

ذوالحلیفہ کے مقام پر سعودی حکومت نے خوبصورت اور وسیع و عریض مسجد بنا دی ہے، صحیح بخاری (۱۵۳۶، ۱۵۳۷) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں رات گزار دی، اگلے روز حج کا قافلہ چل پڑا، انسانوں کا ٹھائیں مارتا سمندر قریب قریب اسی راستے پر چلا جا رہا ہے جس پر حکومت

سعودی عرب نے شاندار موٹروے بنایا ہے، ۹ دن کے سفر کے بعد حج کا یہ قافلہ ”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ“ کہتے مکہ مکرمہ جا پہنچا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے حج کے بارے میں تفصیلات ہماری کتاب ”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ہم یہاں اللہ کے رسول ﷺ کے وہ خطبات لانا چاہتے ہیں جو آپ ﷺ نے میدان ”عرفات“ اور منیٰ میں ارشاد فرمائے۔ یہ خطابات انسانی تاریخ میں حقوق انسانی کا لازوال چارٹر ہیں، جس کی مثال انسانوں کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ الغرض، اپنے آخری حج کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو خطبات کی صورت میں جو جوارشاد فرمایا، ملاحظہ کیجیے۔ عرفات کے میدان میں عرب بھر سے آئے ہوئے فرزند ان توحید کا ٹھانٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، اصحاب سیرت نے اس تعداد کو ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک لاکھ چوالیس ہزار تک بتلایا ہے۔ آپ ﷺ ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کو اللہ کی حمد و ثنا کے بعد مخاطب فرماتے ہیں۔

مردوں اور عورتوں کے حقوق پر تاریخ ساز خطبہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم مجھ سے (اپنے حج کے) طریقے سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ میں اس حج کے بعد آئندہ حج کر سکوں۔“

[ مسند احمد : ۳۱۸/۳، ح : ۱۴۴۳۲ و إسناده صحيح - أبو داؤد، کتاب

المناسك، باب فى رمى الحمار : ۱۹۷۰ و إسناده صحيح ]

نبی ﷺ نے دریافت کیا: ”آج کون سا دن ہے؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی جواب نہ دیا، ان کا خیال تھا شاید رسول اللہ ﷺ اس دن کو کوئی اور نام دینے والے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں؟“ صحابہ نے عرض کی: ”جی ہاں! اے اللہ کے رسول! (ﷺ)۔“ پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا: ”یہ مہینا کون سا ہے؟“ صحابہ کا خیال تھا شاید آپ ﷺ اس مہینے کا اور نام لیں گے، چنانچہ وہ خاموش رہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”کیا یہ ذوالحجہ کا مہینا نہیں؟“ ہم نے عرض کی: ”جی ہاں۔“

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پھر سنو! تمہارا خون، تم سب لوگوں کا مال و دولت اور تم سب کی عزت و حرمت کی پامالی اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن کی عزت کو پامال کرنا حرام ہے، تمہارے اس شہر (مکہ) کی حرمت کو پامال کرنا حرام ہے اور اس مہینے کی عزت کو برباد کرنا حرام ہے۔“

[بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: «رب مبلغ أوعى من سامع»: ۶۷]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ نے ”یا بیہا الناس“ (اے لوگو!) کہہ کر پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا۔ اس دنیا میں ہر انسان کی قیمتی ترین متاع تین ہی چیزوں پر مشتمل ہے، انسان کی جان، مال اور آبرو، اللہ کے رسول ﷺ نے ان تینوں کو محترم و مکرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے فن خطابت کا انتہائی بھرپور، موثر اور حسین ترین انداز اختیار کیا کہ اپنی ذات کے بارے میں ایک اندیشے کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ آثار بتلا رہے ہیں کہ اب میں تمہارے اندر نہیں رہوں گا۔ یہ میرا آخری خطبہ ہو سکتا ہے، لہذا غور سے سن لو۔ پھر آپ ﷺ نے سامعین سے کہلوا دیا اور تین چیزوں کے بارے میں پوچھا، پھر زوردار طریقے سے اپنی بات کہی، ثابت ہوا یہ انداز خطابت اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے اور یہ موثر ترین انداز ہے، یہ سامعین کو خبردار اور بیدار رکھتا ہے۔ راوی یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بات کو بار بار دہرایا، یعنی مسلمان کی جان، مال اور عزت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ آپ ﷺ نے آخری خطاب میں اسے کئی بار دہرایا۔ خطابت کا یہ بھی ایک انداز ہے۔

صحیح بخاری (۶۷) میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب بھی حاضرین سے سوال کرتے تو حاضرین سے جواب لے کر خاموش ہو جاتے، جی ہاں! اس سے سناٹا بھی پیدا ہوتا اور سامعین سوچنے لگ جاتے کہ ہمارا جواب صحیح بھی ہے کہ نہیں؟ یوں سامعین کی طلب بڑھتی تو اللہ کے رسول ﷺ طلب کو درمیان میں چھوڑتے اور اگلا سوال کرتے، پھر وہی انداز اپنایا اور تیسرا سوال کر دیا اور پھر جب تینوں کا جواب دیا تو انسان کے خون، مال اور حرمت پر ایسا زوردار اعلان کیا کہ خطابت کا یہ انداز ہر سامع اور حاضر دل انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ جی ہاں! صدقے اور قربان جاؤں فصاحت و بلاغت کی اس خوبصورت آبتبار پر جس کے ہوا بھرے

ٹھنڈے پھینے نضا میں چمکدار موتی بن کر انسانیت کی عظمت و توقیر کو چار چاند لگا گئے ہیں۔  
خون کی معافی کا اعلان اور آغاز گھر سے:

”لوگو، سن لو! جاہلیت کے دور کا ہر چلن میرے قدموں تلے روند دیا گیا ہے، جاہلی دور میں خون کے جو بدلے چلے آ رہے ہیں وہ ختم کر دیے گئے ہیں۔ ہمارے خونئی انتقام میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے (یہ بچہ سعد قبیلے میں پرورش پا رہا تھا کہ اسے ہذیل قبیلے کے لوگوں نے قتل کر دیا۔) اسی طرح جاہلی دور سے جو سود چلا آ رہا ہے اسے بھی ختم کر دیا گیا ہے، میں اس کو ختم کرنے کا آغاز اپنے خاندان سے کر رہا ہوں، چنانچہ عباس بن عبدالمطلب (ﷺ) کا سود جن لوگوں کے ذمہ ہے وہ سارے کا سارا ختم ہے۔“

[مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ۱۲۱۸]

لوگو! تمہارا مال وہی ہے جو تمہارا اصل ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے۔

[الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، (باب) و من سورة التوبة: ۳۰۸۷ و إسناده حسن لذاته و سليمان بن عمرو صدوق حسن الحديث وثقه الترمذی بتصحيح حديثه:

۳۰۸۷، ۱۱۶۳، ۲۱۵۹ و ذکرہ ابن حبان فی الثقات: ۳۱۴/۴]

رنگ و نسل کے تعصب کا خاتمہ:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ آبَاءَكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى»

”اے لوگو، آگاہ ہو جاؤ! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، لہذا کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت ہے، نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فوقیت ہے..... ہاں! فوقیت صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔“

[مسند أحمد: ۴۱۱/۵، ح: ۲۳۵۵۰ و إسناده صحيح]



## عورتوں سے نرمی:

”لوگو! عورتوں پر زیادتی نہ ہونے پائے، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے، اللہ کے کلمہ ( نکاح ) کے ذریعے تم نے ان کی ناموس کو اپنے لیے جائز کر لیا ہے تمہارا بھی حق ان عورتوں کے ذمے ہے۔

وہ حق یہ ہے کہ تمہارے علاوہ کوئی تمہارے بستر پر نہ آئے اور جس شخص کو تم ناپسند کرو، یہ عورتیں اسے تمہارے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت مت دیں، ہاں! اگر ان کے چال چلن سے تمہیں خطرہ محسوس ہو تو انہیں سمجھاؤ، پھر بھی باز نہ آئیں تو اپنے بستر سے الگ کر دو، پھر بھی نہ ہٹیں تو انہیں سزا دو مگر ایسا نہ مارنا کہ نشان پڑ جائیں۔

(یاد رکھو!) ان کی ( ضروریات ) خوراک اور پوشاک تمہارے ذمہ ہے، مناسب طریقے سے ( اس فرض کو پورا کرو، حسن سلوک کرو، لباس اور خوراک اچھی مہیا کرو )۔“

[ مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ : ۱۲۱۸ ]

## کسی کے جرم کا دوسرا ذمہ دار نہیں:

”یاد رکھو! کوئی بھی جرم کرنے والا اپنے علاوہ کسی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا (لہذا جرم کی پاداش میں مجرم ہی پکڑا جائے کوئی دوسرا نہیں) کسی باپ کے جرم میں اس کا بیٹا نہیں پکڑا جا سکتا اور نہ کسی باپ کو اس کے بیٹے کے جرم میں پکڑا جائے گا۔

[ الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، (باب) و من سورة التوبة : ۳۰۸۷ و إسناده حسن

لذاته ]

## فرائض کی ادائیگی:

”لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ، وہی تمہارا رب ہے، اپنے رب ہی کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے رکھو، اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے رب کے گھر کا حج کرو، اپنے امراء کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔“

[ الترمذی، کتاب الجمعة، باب منه : ۶۱۶ و إسناده صحيح۔ مسند أحمد :

۲۰۱۵، ح : ۲۲۲۲۳ و إسناده صحيح ]

”لوگو! اگر تم پر کوئی ایسا مسؤل مقرر کر دیا جائے جو غلام ہو اور اس کی ناک کٹی ہوئی ہو۔ رنگ کا کالا ہو، وہ تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق احکامات دے تو اس کے احکامات کو بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“

[مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب بطاعة الأمراء فی..... الخ: ۱۸۳۸/۴۷۶۲]

”آگاہ ہو جاؤ! مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ جس چیز کو اپنے لیے درست خیال کرتا ہے، اپنے بھائی کے لیے بھی اسے جائز اور درست خیال کرے۔“

[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، (باب) و من سورة التوبة: ۳۰۸۷ و إسناده حسن لذاته]

”لوگو! آخر کار تم لوگوں کو اپنے رب سے ملاقات کرنے کے لیے جانا ہے، تمہارے جو اعمال ہیں ان کے بارے میں اللہ پوچھے گا..... میں خبردار کرتا ہوں کہ میرے بعد واپس گراہی میں نہ دھنس جانا کہ تم باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع: ۴۴۰۶]

”لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، بتلاؤ! تم اللہ کو کیا جواب دو گے؟“ لوگ کہنے لگے:

«نُشْهُدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ أَدَيْتَ وَ نَصَحْتَ»

”ہم گواہی دیں گے کہ آپ (ﷺ) نے پیغام پہنچا دیا، رسالت کے فریضے کو ادا کر دیا اور انسانیت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔“

آپ ﷺ نے یہ سنا تو شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف اسے جھکاتے ہوئے فرمایا:

«اللَّهُمَّ اشْهَدْ..... اللَّهُمَّ اشْهَدْ»

[مسلم: ۱۲۱۸]

”اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔“

آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور پوچھا:

«أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟»

”کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا؟ کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔“

لوگوں نے کہا: ”اللہ کے رسول ﷺ نے پیغام پہنچا دیا۔“

[بخاری، کتاب الأضاحی، باب من قال: الأضحی یوم النحر: ۷۴۴۷، ۵۵۵۔

مسند أحمد: ۴۹/۵، ح: ۲۰۵۲۲ و إسناده صحیح]

”پھر جو شخص بھی یہاں موجود ہے اسے چاہیے کہ یہ پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے، کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جو یہاں موجود نہیں وہ اس حدیث کو سن کر اس شخص

سے زیادہ یاد رکھنے کا فریضہ ادا کرے کہ جس نے اسے یہ پیغام پہنچایا تھا۔“

[بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رَبُّ مَبْلَغٌ..... الخ: ۵۵۵۰، ۶۷۔]

کتاب وسنت پر ڈٹ جاؤ:

”میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا تو اس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہو گے..... یہ چیز اللہ کی کتاب ہے۔“

[مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ: ۱۲۱۸۔]

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

”جس نے مجھ پر جھوٹ بولا (میں نے بات کہی نہ ہو اور وہ اس بات کو میری

طرف منسوب کرتا پھرے) وہ شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“

[مسند أحمد: ۳۶۷/۴، ح: ۱۹۲۸۸ و إسناده صحیح]

ختم نبوت:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ»

”اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔“

[طبرانی کبیر: ۱۳۶/۸، ۱۵۰، ح: ۷۶۱۷ حسن: ۷۵۳۵، إسناده حسن لذاته]

## حوض کوثر کا منظر:

”آگاہ ہو جاؤ! میں حوض پر موجود ہوں گا، تمہیں دیکھ رہا ہوں گا، باقی ساری امتوں کی نسبت تمہاری کثرت تعداد کو دیکھ کر فخر کر رہا ہوں گا، وہاں مجھے کہیں شرمندہ نہ کر دینا، آگاہ ہو جاؤ! وہاں مجھے کچھ لوگوں سے دور کر دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہوں گے جنہیں مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا، میں فریاد کروں گا:

« يَا رَبِّ! أَصِيحَابِي؟ فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدْتُوَا بَعْدَكَ »

”میرے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟“ اللہ فرمائے گا: ”تمہیں نہیں معلوم ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں۔“

[ ابن ماجہ، أبواب المناسك، باب الخطبة يوم النحر: ۳۰۵۷ حسن ]

صحیح مسلم میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ”امت کے لوگ وضو کرتے ہوئے جن اعضاء کو دھوتے ہیں وہ قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔ یہ لوگ میرے حوض کی طرف آئیں گے۔ اس کا پانی برف سے کہیں بڑھ کر سفید ہوگا۔ شہد اور دودھ سے بڑھ کر میٹھا ہوگا۔ حوض پر رکھے ہوئے جام ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔ لوگ جب پانی پینے کو یہاں آئیں گے، تو کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا۔ اس پر میں عرض کروں گا:

« يَا رَبِّ! هُوَلَاءِ مِنْ أَصْحَابِي »

”اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔“

اس پر مجھے جواب دیتے ہوئے کہا جائے گا:

« هَلْ تَدْرِي مَا أَحَدْتُوَا بَعْدَكَ؟ »

”کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں بنا ڈالی تھیں؟“

« إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ »

”انہوں نے تمہارے بعد دین بدل کے رکھ دیا۔“

اس پر میں کہوں گا:

(( سَحَقًا سَحَقًا ))

”دفع ہو جاؤ، پرے ہٹ جاؤ۔“

اور میں ایسے لوگوں کو حوض سے اسی طرح ہٹاؤں گا جس طرح کوئی شخص اپنے حوض سے دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو ہٹاتا ہے۔“

[ میسلّم، کتاب الطہارۃ، باب إطالۃ الغرۃ..... الخ: ۲۴۷، ۲۴۹ ]

ابن ماجہ کی حدیث ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( سَيَلِي أُمُورُكُمْ بَعْدِي رِجَالٌ يُطْفِفُونَ مِنَ السُّنَّةِ وَ يَعْمَلُونَ بِالْبِدْعَةِ وَ

يُؤَخَّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِفِهَا ))

”میرے بعد تمہارے معاملات اس سطح تک پہنچ جائیں گے کہ کچھ لوگ سنت کے

نور کو بجھانے کی کوشش کریں گے، بدعت پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے

اوقات سے لیٹ کر کے پڑھیں گے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم“

اگر میں ایسے لوگوں کے زمانے کو پالوں تو کیا کروں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ام عبد کے

بیٹے! تو نے کرنا کیا ہے، یاد رکھو:

(( لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللَّهَ ))

”جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس کی کوئی اطاعت نہیں۔“

[ ابن ماجہ، أبواب الجہاد، باب لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ: ۲۸۶۵ حسن ]

قارئین کرام! یاد رکھیے، دین میں ثواب سمجھ کر کوئی کام ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری خطبہ میں بدعات سے متنبہ فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عرفات کے میدان میں، قربانی کے دن منیٰ میں اور ایام تشریق میں جو خطبات ارشاد فرمائے،

ہم نے احادیث کی کتب سے تلاش کر کے کوشش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمودات اور خطبات

زیادہ سے زیادہ یہاں درج کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کیا کہ ایک بات ایک خطبے میں ارشاد

نرمائی تو دوسرے خطبے میں دیگر باتوں کے ساتھ پہلی بات کو بھی دہرا دیا، تاکہ تکرار کے ساتھ نصیحت کر دی جائے۔ ہم نے کوشش کی کہ مکررات کو درج نہ کریں۔

اسی طرح بخاری (۸۳)، مسلم (۱۳۰۶) اور حدیث کی دیگر کتب میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں جمرات کو نکریاں مارنا بھول گیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی حرج نہیں، اب نکریاں مار لے۔“ دوسرا آیا اس نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں طواف کرنا بھول گیا۔“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”کوئی بات نہیں، اب طواف کر لے۔“ پھر ایک اور آیا اور مسئلہ پوچھنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے ذبح کرنے سے قبل عی سرمنڈوا لیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر کیا ہوا، جا اب سرمنڈوا لے۔“ الغرض، صحابہ کہتے ہیں کہ اس روز کوئی بھی عمل جو پہلے یا بعد میں کیا گیا، اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا: ”اب کر لے کوئی بات نہیں۔“

ہم اس دن کو عید قرار دیتے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتلاتے ہیں کہ ایک یہودی مجھ سے کہنے لگا: ”اے امیر المؤمنین! تمہارے قرآن میں ایک آیت ہے، جسے تم پڑھتے ہو، اگر وہ آیت کہیں ہم یہودیوں پر نازل ہو جاتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے۔“ میں نے پوچھا: ”کون سی آیت؟“ وہ کہنے لگا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَمَسْتُ عَلَيْكُمْ نَهْمِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

[المائدة: ۳/۵]

”آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے جس دین کو بطور طرز حیات پسند کیا ہے وہ اسلام ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے یہودی سے کہا ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی اور جگہ کو بھی جانتے ہیں کہ جہاں یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی، آپ عرفات میں تھے اور اس روز جمعہ کا دن تھا۔“

قارئین کرام! قرآن و حدیث کا نام اسلام ہے۔ سورہ محمد (ﷺ) میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ”جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے۔“

نازل صرف دو چیزیں ہوئیں، اللہ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کی حدیث۔ دونوں چیزوں کا نام اسلام ہے اور یہی حق ہے، باقی جو کچھ بھی ہے، تشریح و توضیح اور فقہ یعنی سمجھ بوجھ ہے، وہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، اس کے لیے کوئی اور معیار قرآن و حدیث ہی ہے، کیونکہ وحی کا نام اسلام ہے اور اسلام صرف اسی چیز کا نام ہے جو اللہ کے رسول ﷺ تک وحی کے ذریعہ پہنچا ہے اور وہ صرف دو چیزیں ہیں۔

یاد رہے! یہودیوں نے تورات کو چھوڑا اور علماء کی فقہ اور آراء کے پیچھے ایسے لگے کہ علماء کی آراء کو درست کرنے کے لیے تورات ہی میں تحریف کرنے لگ گئے، چنانچہ ان کا مذہب اپنی اصل سے ہٹتا ہٹتا کچھ کا کچھ ہو کر رہ گیا، اسی لیے یہودی کہہ رہا ہے کہ ہم اصل دین کی نعمت سے محروم ہو گئے، آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ لوگوں کو قرآن میں ایسی آیت مل گئی ہے جو ہمیشہ یہ بتلاتی رہے گی کہ اسلام مکمل دین ہے، اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا، اگر ایسی آیت ہمارے ہاں ہوتی تو ہم اس روز کو بطور عید یعنی سالانہ جشن کے طور پر مناتے، جی ہاں! وہ لوگ خوش قسمت ہیں کہ جو دین کی جوئی بات بھی سنتے ہیں، اس کی دلیل اصل اسلام یعنی قرآن و حدیث سے طلب کرتے ہیں، قرآن و حدیث کا نام ہی اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹/۳]

”اللہ کے ہاں جو دین (طرز زندگی) ہے وہ صرف اسلام ہے۔“

چنانچہ اللہ نے واضح کر دیا:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ وَبِئْسَ مَا لِقَاءُ الْفَعِلِ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ﴾

[آل عمران: ۸۵/۳]

”جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین (طرز حیات) تلاش کرتا ہے وہ (خود تراشیدہ) دین اس شخص کی جانب سے (اللہ کے ہاں) ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

اور ایسا شخص قیامت کے دن خسارہ پہننے والوں میں سے ہوگا۔“

قارئین کرام! صحیح بخاری (۱۸۳۹) میں ہے کہ عرفہ یعنی حج کے دن ایک حاجی اپنی سواری سے گر گیا، اونٹنی نے اسے پاؤں تلے روند دیا، رسول اکرم ﷺ کے حضور اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے پانی میں بیری کے پتے ملا کر نہلا دو، (احرام کے) دونوں کپڑوں میں کفن دے دو، اسے خوشبو نہ لگانا نہ اس کا سر ڈھانپنا، اللہ اسے قیامت کے دن جب اٹھائے گا تو وہ ”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ“ پکار رہا ہوگا۔“

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ دواعی طواف کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے ہیں، ربیع الاول کا مہینا آنے والا ہے، آپ ﷺ اپنے اللہ کے حضور تشریف لے جانے والے ہیں، حج اور وفات کا درمیانی عرصہ کیسے گزرا ہے، اب وہ ملاحظہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج کے آخری خطبات کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ پوری انسانیت کے نام حقوق انسانی کا لازوال چارٹر بھی ہے اور امت کے نام وصیتوں اور نصیحتوں بھرا آخری پیغام بھی۔

لشکر اسامہ کی روانگی:

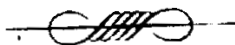
صحیح بخاری (۴۲۵۰) اور مسلم (۲۴۲۶/۶۴) میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بنایا، وہ چونکہ ایک غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا بیٹا تھا، اس لیے بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ زید کی سالاری پر بھی اعتراض کر چکے ہو، وہ بھی اس کا اہل تھا اور میرا محبوب تھا، اب اس کے بیٹے کی کمان پر اعتراض کرتے ہو تو یہ بھی اس کا اہل ہے اور لوگوں میں مجھے سب سے بڑھ کر پیارا ہے، لہذا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اسامہ کی اطاعت کرنا، یہ تمہارے صالح لوگوں میں سے ہے۔“

صلیبی علاقوں میں نئے مسلمان ہونے والوں کے تحفظ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا یہ آخری لشکر تھا جو صلیبیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوا، لیکن کچھ ہی فاصلے پر رسول اللہ ﷺ محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



کی بیماری کی وجہ سے رک گیا، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے جنت الفردوس میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بنے تو ان کی خلافت کی جو پہلی جنگی مہم تھی وہ اسی لشکر کو صلیبیوں کی جانب روانہ کرنا تھا۔

قارئین کرام! آئیے، اب وہ دکھی اور غم ناک مناظر ملاحظہ کرتے ہیں جن سے گزر کر اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب سے ملاقات کے لیے اس دنیا کو چھوڑ گئے۔



## فردوس بریں کی جانب

اللہ سے ملاقات:

رسول اکرم ﷺ کے خادم حضرت ابو موسیٰہہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے نصف رات کو اٹھایا اور فرمایا: ”اے ابو موسیٰہہ! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے مغفرت طلب کروں، میرے ساتھ چلو۔“ ابو موسیٰہہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ چل کھڑا ہوا، آپ ﷺ جب اہل بقیع کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْبَقِيعِ!»

”اے بقیع والو! تم پر سلامتی ہو۔“

حضرت ابو موسیٰہہ رضی اللہ عنہما آگے چل کر بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: ”اے ابو موسیٰہہ! مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، اس دنیا میں ہمیشہ (قیامت تک کے لیے) زندگی بھی دے دی گئی ہے اور اس کے بعد جنت بھی عطا کر دی گئی ہے۔ اب مجھے اختیار دے دیا گیا ہے کہ چاہو تو یہ قبول کر لو اور چاہو تو ایسا کر لو کہ ابھی اپنے رب سے ملاقات کرو اور جنت میں چلے جاؤ۔“ حضرت ابو موسیٰہہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، میں نے عرض کی: ”آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ (ﷺ) دنیا کی چابیاں حاصل کریں اور یہاں زندگی گزاریں پھر جنت میں بھی چلے جائیں۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا كَلِمَةَ يَأْتِي بِهَا مَوْهَبَةٌ إِلَّا لِقَاءَ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ»

”بے لکھ نہیں، اے ابو موسیٰہہ! میں نے تو اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کا انتخاب کر

لیا ہے۔“

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اہل بقیع کے لیے بخشش کی دعا مانگی اور واپس گھر کو روانہ ہوئے، جب صبح ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ کی بیماری کا آغاز ہو گیا، وہی بیماری کہ جس میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اپنے پاس لے گیا۔

[ مستدرک حاکم: ۵۶، ۵۵/۳، ح: ۴۳۸۳ و إسناده حسن لذاتہ۔ مسند أحمد:

۴۸۹/۳، ح: ۱۶۰۰۳، حسن، عیید مولیٰ الحکم صدوق حسن الحدیث وثقہ

الحاکم والذہبی بتصحیح حدیثہ و ذکرہ ابن حبان فی الثقات ]

سر درد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ بقیع سے واپس گھر آئے تو میرے سر میں اس وقت شدید درد تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو میں شدت درد سے پکار اٹھی:

«وَأَرْأَسَاهُ» ”ہائے میرا سر گیا۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا وَاللَّهِ! يَا عَائِشَةُ! وَاَرْأَسَاهُ»

”اللہ کی قسم! عائشہ! میرا سر بھی گیا۔“

[ بخاری، کتاب المرض، باب ما رخص للمريض أن يقول إني وجع ..... الخ:

۵۶۶۶۔ سیرة ابن ہشام: ۲۹۰/۴، حسن۔ ابن حبان: ۶۵۸۶، حسن ]

شہدائے احد کی غائبانہ نماز جنازہ:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان دنوں اللہ کے رسول ﷺ گھر سے نکلے، احد میں پہنچے اور وہاں شہداء پر اس طرح نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے (مسجد میں) منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمانے لگے:

”دیکھو! میں تم سے پہلے وہاں جا کر تمہارا میزبان بنوں گا، میں تمہارے لیے گواہ بننے والا ہوں (کہ تم نے میرا پورا پورا ساتھ دیا) دیکھو! اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔“

[ بخاری، کتاب الحناز، باب الصلاة على الشهيد: ۱۳۴۴۔ ابن حبان: ۳۱۹۸

و إسناده صحيح ]  
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

صحیح بخاری میں کتاب المغازی اور دیگر مقامات پر مروی روایات کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ پوچھتے رہے: ”کل میرا قیام کہاں ہوگا؟ کل میرا قیام کہاں ہوگا؟“ حقیقت میں آپ ﷺ میری باری کے منتظر تھے اور آپ نے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے میرے گھر میں ایامِ مرض گزارنے کی اجازت مانگی۔ جب سب نے اجازت دے دی تو آپ ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکل کر میرے گھر آ گئے۔

جب آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لانے کے لیے نکلے تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر رکھتے کر لکیر بنا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ایک جانب حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب ایک اور شخص تھا۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس شخص کا نام نہیں لیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی و وفاته: ۴۴۴۲ بعد ۴۴۴۶، ۴۴۵۰]

### شدید ترین بخار:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کو شدید بخار ہے۔ میں نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ کو تو شدید ترین بخار ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس قدر تم دو آدمیوں کو بخار ہوتا ہے مجھ اکیلے کو اتنا ہوتا ہے۔“ میں نے عرض کی: ”آپ (ﷺ) کو دو گنا بخار اس لیے ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) کا اجر بھی دوہرا ہے۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہاں! بات اسی طرح ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ وہ کاشا چھینے کی ہو، یا اس سے بھی کمتر، اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ ایسے دور کر دیتا ہے جیسے درخت کے پتے (موسم خزاں کی ہوا سے) جھڑ کر درخت سے دور ہو جاتے ہیں۔“

[بخاری، کتاب المرض، باب أشد الناس بلاء الأنبياء ..... الخ: ۵۶۴۸]

## پانی کی مشکیں اٹھیلی گئیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر میں تشریف لے آئے، بخار بہت تیز ہو گیا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”پانی کی سات مشکیں بھر کر لاؤ اور مجھ پر بہاؤ۔ (اس قدر پانی بہانے سے) شاید میں اس قابل ہو جاؤں کہ لوگوں کو کچھ نصیحت کر سکوں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید بتلاتی ہیں: ”حضرت حفصہ ام المومنین (رضی اللہ عنہا) کا ایک ٹب تھا، ہم نے آپ (ﷺ) کو اس ٹب میں بٹھا دیا اور پھر ان مشکوں کے پانی کو دھار بنا کر آپ پر ڈالنے لگے۔ اس قدر پانی ڈالا کہ آپ (ﷺ) اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اب بس کرو۔ اس کے بعد آپ (ﷺ) گھڑ سے نکلے، لوگوں کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ (ﷺ) نے نماز بھی پڑھائی اور خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ۴۴۴۲ بعد ۴۴۴۶]

## جدائی کی بات سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ خَيْرٌ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ»

”اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہے تو دنیا رکھ لے اور چاہے تو اسے

چن لے جو اللہ کے پاس ہے تو اس بندے نے اسے پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔“

یہ سنتے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس بزرگ آدمی کا رونا سمجھ میں نہیں آیا، اگر اللہ اپنے ایک بندے کو اس دنیا اور اپنی اخروی نعمتوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیتا ہے اور وہ اللہ کے ہاں کی نعمتیں پسند کر لیتا ہے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ لیکن دراصل ہم سمجھ نہ سکے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے، کیونکہ بندے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابو بکر ہم سے کہیں زیادہ سمجھدار تھے۔ بہر

حال! آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے ابو بکر! نہ رو، ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے کے اعتبار سے جس قدر مجھ پر ابو بکر کا احسان ہے کسی اور کا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں سے اگر میں نے کسی کو اپنا جگری دوست بنانا ہوتا تو میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہی کو بناتا لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور باہمی مودت ہی کہیں بڑھ کر افضل و برتر ہے۔ سن لو! مسجد میں کھلنے والا ہر دروازہ بند کر دیا جائے، صرف ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا دروازہ کھلا رہے۔“

[بخاری، کتاب الصلاة، باب الخوخة الممر فی المسجد: ۴۶۶]

صحیح بخاری میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے رفیق اعلیٰ سے ملاقات کا ذکر کیا تو میں نے کہا:

« إِذَا لَا يَخْتَارُنَا »

[بخاری، کتاب الرقاق، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه: ۶۵۰۹]

”اب آپ (ﷺ) ہم میں رہنا پسند نہیں فرمائیں گے۔“

بار بار بے ہوشی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ کی بیماری اب مزید شدت اختیار کر چکی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا لوگوں نے (عشاء کی) نماز پڑھ لی ہے؟“ ہم نے کہا: ”جی نہیں! لوگ تو آپ کا انتظار کیے جا رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے حکم دیا: ”اچھا! پھر میرے لیے پانی کا برتن رکھ دو۔“ ہم نے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور پھر جب اٹھ کر جانے لگے تو آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی تو آپ ﷺ نے پھر پانی کا برتن رکھنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ دوبارہ بیٹھ گئے اور غسل کیا۔ دوسری بار جب اٹھ کر جانے لگے تو پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب طبیعت میں قدرے قرار آیا تو پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟“

ہم نے کہا: ”جی نہیں! اے اللہ کے رسول! لوگ آپ (ﷺ) کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔“ آپ ﷺ نے تیسری بار پھر پانی کا برتن رکھنے کا حکم دیا۔ آپ (ﷺ) پھر

بیٹھے اور غسل فرمایا، اٹھ کر جانے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ جب طبیعت میں قدرے اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تو پوچھا: ”کیا نمازیوں نے نماز ادا کر لی؟“

ہم نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ تو آپ (ﷺ) کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“ اب اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ جانے والے نے اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل تھے (انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی اور) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ”آپ نماز پڑھا دیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اس کام کے حقدار آپ ہی ہیں۔“ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور بیماری کے ان دنوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے۔“

[بخاری، کتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به: ۶۸۷]

قربان جائیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر کہ وہ متواتر اللہ کے رسول ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ رات کتنی ہی بیت گئی مگر وہ بیٹھے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا دیدار بھی کریں اور آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز بھی ادا کریں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ نمازی گھڑیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ امام مسجد کو تھوڑی سی بھی تاخیر ہو جائے تو کسی دوسرے شخص کو آگے کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ امام کی توہین کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

طبیعت قدرے سنبھلی تو.....؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے طبیعت میں قدرے اطمینان محسوس کیا تو دو آدمی جن میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور (دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے) ان کا سہارا لے کر ظہر کی نماز کے لیے گھر سے نکلے۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں، اپنی جگہ قائم

رہیں۔ پھر آپ ﷺ نے سہارا دینے والے دونوں آدمیوں (حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے کہا: ”مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو۔“ ان دونوں نے آپ ﷺ کو بٹھا دیا تو اب منظر یوں تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رسول ﷺ کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھ رہے تھے۔“

[بخاری، کتاب الأذان، باب الرجل یأتم بالإمام ویأتم الناس بالمأموم: ۷۱۳]

آپ ﷺ کے بعد کس سے مسئلہ پوچھوں؟

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد بتلاتے ہیں: ”(ان دنوں میں) ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئی اور کسی مسئلہ کے سلسلے میں آپ ﷺ سے بات کرنے لگی تو آپ ﷺ نے اسے کہا: ”پھر کسی وقت آنا۔“ یہ سن کر وہ کہنے لگی: ”اے اللہ کے رسول! اگر میں آؤں (اور آپ کی وفات کے باعث) آپ کو نہ پاؤں تو پھر.....؟“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ لَمْ تَجِدْنِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ»

”اگر مجھے موجود نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی آنا۔“

[بخاری، کتاب الأحکام، باب الاستخلاف: ۷۲۲۰]

وفات سے پانچ روز قبل وصیت:

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”وفات سے پانچ دن قبل میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا وَإِنَّ مِنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ

مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ»

”خبردار ہو جاؤ! وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر چکے، وہ اپنے نبیوں اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ آگاہ ہو جاؤ! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تم لوگوں کو اس سے منع کر رہا ہوں۔“

[مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد على القبور..... الخ: ۵۳۲]



ایک دوسرے مقام پر اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کو واضح طور پر بیان فرمایا، حضرت جابر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

« نَهَى أَنْ يُقْعَدَ عَلَى الْقَبْرِ وَأَنْ يُحْصَصَ وَأَنْ يُنْبَى عَلَيْهِ »

[ أبو داود، کتاب الحنائن، باب فی البناء علی القبر : ۳۲۲۵ إسناده صحيح ]

اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا: قبر پر مجاور بن کر بیٹھنے سے، قبر کو پختہ بنانے سے اور قبر پر کوئی عمارت بنانے سے۔“

صحیح مسلم کتاب الجنائز میں مجاوری کا جو گناہ عظیم ہے، امام مسلم اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کو یوں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد گرامی جناب رسول کریم ﷺ کا..... فرمایا:

« لِأَنَّ يَجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقُ نِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَجْلِسَ عَلَى قَبْرِ »

[ مسلم، کتاب الحنائن، باب النهی عن الجلوس ح : ۹۷۱ ]

”تم میں سے کوئی آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے وہ انگارہ اس کے کپڑوں کو جلا ڈالے اور پھر اس کی کھال کو جا لگے، یہ تکلیف اس عمل سے کہیں بہتر ہے کہ کوئی شخص قبر (کا مجاور بن کر اس پر) بیٹھ جائے۔“

صحیح مسلم (۹۷۲/۹۸) میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تَصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ »

”قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو۔“

مسند امام احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اللہ کی بدتر اور شرانگیز مخلوق قرار دیا جو قبروں کی پوجا کرتے ہیں۔

[ مسند أحمد : ۱۹۵/۱، ح : ۱۶۹۱، ۱۶۹۴ و إسناده صحيح فيه إبراهيم بن

سمون وهو ثقة، صدوق، و سعد بن سمرة الفزاري ثقة صدوق وثقه النسائي و ابن

سنان، تعجيل المنفعة ت ۳۶۱، الثقات : ۲۹۴/۴ ]

یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت ہو:

حضرت عبداللہ بن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ”جب اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ گیا اور مرض شدید سے شدید تر ہو گیا تو آپ ﷺ اپنی چادر بار بار اپنے چہرے پر ڈالتے، جب ذرا افاقہ ہوتا تو چادر کو چہرے سے ہٹا لیتے۔ اضطراب و پریشانی کی اس حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

”یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو، ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ اپنے لوگوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کے اعمال سے ڈرا رہے تھے۔“

[ بخاری، کتاب الصلاة، باب: ۴۳۵، ۴۳۶ ]

صحیح بخاری (۴۳۷) کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یوں فرمایا:

«فَاتَلَّ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

”یہودیوں کو اللہ برباد کرے، ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔“

یاد رہے! یہودی اور عیسائی قبروں پر آستانے بناتے، انھیں پختہ کر کے مزار بناتے اور میلے لگاتے تھے، وہ آج بھی ایسا کرتے ہیں۔ وہ اپنے عام لوگوں کی قبروں کو بھی پختہ بناتے ہیں، کتبے لگاتے ہیں اور ان پر مرنے والے کا نام لکھتے ہیں، اس میں تصویریں بھی جڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حرکات سے محفوظ فرمائے کہ ان حرکات کی وجہ سے یہودی اور عیسائی، اللہ کے آخری رسول ﷺ کی زبان سے لعنتی قرار پائے۔ آمین!

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رودیں، پھر ہنس پڑیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”اس بیماری کے دوران ایک بار آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا۔ وہ آئیں تو آہستہ سے ان کے کان میں کوئی بات کہی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، پھر دوبارہ آہستہ سے کوئی بات کہی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بتلایا کہ وہ اپنے اسی مرض میں اپنے اللہ سے جا ملیں گے، یہ سن کر میں رونے لگ گئی، پھر آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی تو یہ سن کر میں ہنس پڑی۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۳۳، ۴۴۳۴]

آخری آیت، جو آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”میں (آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے) سنا کرتی تھی کہ کسی نبی پر اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اسے دنیا اور آخرت میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار نہیں دے دیا جاتا، چنانچہ میں نے مرض الموت میں جب کہ آپ ﷺ کی آواز بھی بھاری ہو چکی تھی، آپ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ  
وَالشَّهَدَاءِ وَالطَّالِبِينَ وَحَسَنَ أَوْلِيَٰكَ رَفِيقًا﴾ [النساء: ۶۹]

”جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور ایسے لوگوں کی رفاقت کے کیا کہنے!“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”یہ آیت سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کو یہ اختیار دیا جا چکا ہے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ تندرست تھے تو اس وقت آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ”کسی نبی کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا گیا جب تک کہ اس نبی کو جنت میں اس کی قیام گاہ نہ دکھلا دی گئی اور پھر اسے دنیا یا آخرت میں سے ایک کا اختیار نہ دے دیا گیا۔ (اب میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ نے آخرت کو پسند کر لیا ہے)۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۳۵]

ابن ماجہ وغیرہ میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

آپ ﷺ کی جو آخری گفتگو تھی اس میں آپ ﷺ نے نماز کی تلقین فرمائی اور غلاموں سے بہتر سلوک کی وصیت بھی فرمائی۔

[ مسند أحمد : ۷۸/۱، ح : ۵۸۵ و إسناده حسن لذاته۔ ابن ماجہ : ۲۶۹۸ و إسناده حسن لذاته۔ أبو داؤد : ۵۱۵۶ و إسناده حسن لذاته۔ و أم موسى وثقها العجلي والدارقطني و رواية محمد بن الفضيل عن ابن مقسم الضبي محمولة على السماع، أنظر مسند علي بن الجعد : ۱/۴۳۰، ح : ۶۶۳ و إسناده حسن لذاته ]

### شہادت کی موت :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”یہ مرض جس میں اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو گئے، آپ ﷺ بار بار مجھے مخاطب کر کے آگاہ کرتے:

« يَا عَائِشَةُ ! مَا أَزَالُ أَحِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْرٍ فَهَذَا أَوَانٌ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذَلِكَ الشَّمِّ »

”اے عائشہ! خیر میں (یہودن جو زہر آلود گوشت لائی تھی) اس کا لقمہ جو میں نے اپنے منہ میں رکھ لیا تھا، اس کی تکلیف میں آج بھی محسوس کر رہا ہوں اور ایسا لگتا ہے کہ اس زہر کی تکلیف سے میری شہ رگ کٹ جائے گی۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته : ۴۴۲۸ بعد ۴۴۳۰۔ مستدرک حاکم : ۵۸/۳، ح : ۴۳۹۳۔ أبو داؤد : ۴۵۱۲ و إسناده حسن لذاته ]

اللہ کے رسول ﷺ شہادت کی موت مانگا کرتے تھے۔ صحیح بخاری (۳۶) کے مطابق آپ ﷺ اس خواہش کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

”اے اللہ! میری خواہش ہے کہ میں تیرے راستے میں شہید کر دیا جاؤں، بار بار زندہ ہوتا رہوں اور شہادت پاتا رہوں۔“

جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے اس خواہش کو پورا فرما دیا اور یہودیوں نے سازش کر کے خیر میں جو زہر آلود گوشت کھلایا تھا، اس کی تکلیف آج پھر تازہ ہو گئی۔ یوں اللہ کے رسول ﷺ یہودیوں کے ہاتھوں دی گئی زہر کی تکلیف سے شہادت کی موت پا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

مجھے یہ مسواک دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتلاتی ہیں: ”عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما میرے گھر میں آئے، ان کے پاس مسواک تھی، جسے وہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے مسواک کی طرف دیکھا تو میں نے اپنے آئی سے کہا: ”یہ مسواک مجھے دے دو۔“ انھوں نے یہ مسواک مجھے دے دی۔ میں نے اس کا اگلا حصہ توڑا، پھر مسواک چبا کر نرم کی اور اللہ کے رسول ﷺ کو دے دی۔ آپ ﷺ اس وقت میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے یہ مسواک کرنا شروع کر دی۔“ [بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۵۰۔]

جب حضور ﷺ کا تاباں چہرہ دیکھا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”سوموار کا دن تھا، لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے تھے، اچانک اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے گھر کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک یوں تھا جیسے حسن و جمال میں چمکتا ہوا مصحف کا ورق ہو۔ مزید برآں! آپ ﷺ مسکرائے اور ہنسنے لگے۔ ہم لوگ چہرہ مبارک کا یہ منظر دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم نماز ہی نہ توڑ ڈالیں۔ ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما جو نماز پڑھا رہے تھے، وہ پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے، تاکہ وہ صف میں مل جائیں اور اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے تشریف لاتے ہوئے مصلے پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ صورتحال دیکھی تو ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے پردہ چھوڑ دیا۔ اسی دن اللہ کے رسول ﷺ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ آپ ﷺ کے چہرہ انور کا آخری نظارہ تھا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۴۸، ۶۸۰۰]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا:

« أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ »

”مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔“

[بخاری، کتاب الجہاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ..... الخ : ۳۰۵۳]

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْرَجُوا يَهُودَ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِي نَجْرَانَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ»

[مسند أحمد : ۱/۱۹۵، ح : ۱۶۹۱، ۱۶۹۴، وإسناده صحيح، سعد بن سمرة ثقة

وثقه النسائي وابن حبان، تعجيل المنفعة ت ۳۶۱، الثقات : ۲۹۴/۴]

”حجاز اور نجران کے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دو۔“

اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک بڑا پیالہ پڑا تھا۔ اس کے اندر پانی تھا۔ آپ ﷺ بار بار اس پیالے میں ہاتھ ڈبوتے، پھر اپنے چہرے پر گیلے ہاتھوں کو پھیرتے اور فرماتے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكْرَاتٍ»

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کے وقت شدت ہوتی ہے۔“

پھر جب موت کا وقت آن پہنچا تو اب آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ ذرا افاقہ ہوا تو آپ ﷺ کی نگاہیں گھر کی چھت کی جانب اٹھ گئیں اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى»

آپ ﷺ نے مذکورہ کلمہ تین بار ارشاد فرمایا۔ آخری بار جو ارشاد فرمایا تو ہاتھ بلند کیا اور کہا:

«اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى»

”اے میرے اللہ! اعلیٰ ترین دوست۔“

اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا ہاتھ نیچے آ گیا۔ یہ آپ ﷺ کا آخری کلمہ تھا جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ میرے گھر میں فوت ہوئے۔ جس دن میرے گھر میں آپ ﷺ کی باری تھی اسی دن فوت ہوئے اور جس دن اللہ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو

(سواک کی صورت میں) یکجا کیا، اس دوران فوت ہوئے اور جب آپ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کا سر مبارک میری ہنسی اور ٹھوڑی کے درمیان تھا۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۹، ۴۴۳۸، ۶۵۱۰۰۔ ابن حبان: ۶۶۱۷ و [سنادہ صحیح]

قارئین کرام! اپنی روحانی والدہ محترمہ مکرمہ صدیقہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختلف فرمودات کو ترتیب سے یکجا کر کے آپ کے سامنے رکھا اور بتلایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

صحیح بخاری (۱۳۸۶) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روز صبح کی نماز پڑھائی اور صحابہ کو اپنا خواب سنایا، جنت اور جہنم کے نظاروں کے متعلق بتلایا، آخر پر فرمایا: ”سیر کے اختتام پر جبریل مجھے آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ”پہلا گھر جس میں آپ (ﷺ) داخل ہوئے تھے وہ عام مومنوں کا گھر (جنت) تھا جبکہ یہ (جس میں آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہیں) شہداء کا گھر ہے، میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں، ذرا اپنا سرو اٹھائیے!“ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں میرے سر پر بادل سا ہے۔ جبریل اور میکائیل مجھے کہنے لگے: ”یہ آپ کا گھر ہے۔“ میں نے کہا: ”چھوڑو مجھے، اپنا گھر تو دیکھنے دو۔“ اس پر وہ کہنے لگے: ”آپ (ﷺ) کی عمر ابھی باقی ہے، جسے آپ نے مکمل نہیں کیا۔ جو نبی آپ (ﷺ) نے اپنی عمر کو پورا کر لیا، آپ اپنے اس محل میں تشریف لے آئیں گے۔“

قارئین کرام! آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان کے مطابق ادھر ہماری اماں جان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آپ ﷺ کی آنکھیں بند ہوئیں، ادھر اگلے جہان میں اللہ سے ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ اپنے مذکورہ عالیشان محل میں تشریف لے گئے۔ اس محل میں جو شہداء کے محلات کے اوپر ہے۔

آئیے! اب دیکھتے ہیں دنیا میں آپ ﷺ کے شب و روز اپنے گھر اور اپنے خاندان میں کس طرح گزرتے تھے اور پھر آخر میں آپ کو بتلائیں گے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو کس طرح سپرد خاک کیا گیا۔

## یہ گھر..... یہ گلشن

### پہلی اور دوسری شادی:

اللہ کے رسول ﷺ کا گھر ایک گلشن تھا، اس گلشن میں اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات آباد تھیں۔ ہر زوجہ محترمہ کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے حجرہ کہا جاتا تھا، یعنی ہر ایک کے لیے اپنا ایک الگ چھوٹا سا گھر تھا، جو ایک کمرے اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ جب بھرپور جوان تھے اس وقت آپ ﷺ کی ایک ہی بیوی حضرت خدیجہ بنت ابی طالب تھیں، جن کی عمر 40 سال تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت خدیجہ بنت ابی طالب جب فوت ہوئیں تو آپ کی بیٹیاں تھیں، جن کی پرورش اور تربیت کا مسئلہ درپیش تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بڑی عمر کی بیوہ خاتون سے شادی کا فیصلہ کیا جو آپ ﷺ کی اولاد کا خیال رکھ سکے۔ یہ خاتون حضرت سودہ بنت ابی طالب تھیں۔ حضرت سودہ بنت ابی طالب کا ایک بھائی تھا، اس کا نام عبد تھا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ مشرک تھا اور اسلام کے ساتھ سخت عداوت رکھتا تھا، اسے جب پتا چلا کہ اس کی بہن سودہ (رضی اللہ عنہا) نے پیغمبر اسلام ﷺ سے شادی کر لی ہے تو اس نے اپنے سر میں مٹی ڈال لی اور واویلا کرنے لگا۔

[مسند أحمد: ۶/۲۱۰، ۲۱۱، ح: ۲۵۸۲۳ حسن]

### حضرت عائشہ بنت ابی طالب کا اعزاز:

تمام صلوات و احوال مطہرات میں حضرت عائشہ بنت ابی طالب کے لیے یہ حدیث محفوظ ہے کہ ان کے گھر کی بیوی تھیں۔



صحیح مسلم، کتاب الفہائل (۲۳۳۸) میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے اور بتلانے لگے: ”(شادی سے پہلے) میں تجھے خواب میں تین راتیں دیکھتا رہا، ایک فرشتہ ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں تمہاری صورت لے کر آیا اور کہنے لگا: ”یہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔“ میں نے تیرے چہرے سے (وہ ریشمی) نقاب ہٹایا تو وہ تو تھی، تجھے دیکھ کر میں کہنے لگا، اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ ایسا ہی کر دے گا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس امتیاز پر فخر تھا کہ وہ تمام ازواجِ مطہرات میں واحد ایسی خاتون ہیں جو کنواری تھیں، وہ بلا کی ذہین اور فطین تھیں، چنانچہ اپنے اس فخر اور امتیاز کو وہ کس ذہانت اور فطانت سے بیان کرتی ہیں، ذرا انداز ملاحظہ ہو:

”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ ایک وادی ایسی ہے کہ جس میں واقع درخت اور بوٹیوں کو اونٹ کھا چکے ہیں اور ایک دوسری وادی ایسی ہے کہ جس میں کوئی اونٹ چرنے کے لیے نہیں گیا، آپ ان دونوں وادیوں میں سے کون سی وادی میں اپنے اونٹوں چرانے کے لیے لے جائیں گے؟“

آپ ﷺ نے جواب دیا: ”اسی وادی میں جس میں چرنے والے اونٹ نہیں گئے۔“

[بخاری، کتاب النکاح، باب نکاح الأبقار: ۵۰۷۷]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ کو ہاں کہہ کر ان کا دل خوش کر دیا کہ واقعی یہ اعزاز و افتخار تمہارا ہی ہے کہ تم میرے حرم میں ایسی خاتون ہو جو کنواری ہو۔

دوڑ کا مقابلہ:

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کے خانہ گلشن میں معاشرتی حسن کا ایک اور گلدستہ بھی ملاحظہ ہو، جو مسند احمد کی حسن روایت میں سجا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں آپ کے ساتھ گئی، ان دنوں میں ایک ایسی جوان لڑکی تھی کہ جو ہلکی پھلکی تھی اور وزن زیادہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ”تم آگے چلتے چلو۔“ چنانچہ (جہادی سفر کے مجاہد) لوگ آگے بڑھ گئے۔ اب کے آپ ﷺ مجھے کہنے لگے: «تَعَالَى حَتَّىٰ أَسَابِقَكَ» ”اُو دوڑ لگاتے ہیں، مقابلہ کرتے ہیں۔“

چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ دوڑی اور آپ ﷺ سے آگے بڑھ کر مقابلہ جیت لیا۔ وقت یونہی خاموشی سے گزرتا رہا، حتیٰ کہ اب میں قدرے موٹی ہو گئی اور جسم کچھ بھاری ہو گیا اور میں یہ بات بھول گئی کہ میں نے دوڑ لگائی تھی۔ ہوا یہ کہ میں پھر ایک سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ گئی۔ راستے میں ایک جگہ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ”تم آگے چلو ہم آتے ہیں۔“ لوگ آگے چلے گئے تو آپ ﷺ نے اب پھر مجھ سے کہا: ”اب آ، میں پھر تجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔“ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے، اب آپ ﷺ ہنسنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: «هَذِهِ بِنْتُكَ» «حساب برابر ہو گیا۔“

[مسند أحمد : ۲۶۴/۶، ح : ۲۶۳۳۱ و إسناده حسن لذاته، أبو داؤد : ۲۵۷۸ و

[إسناده حسن لذاته]

جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ الگ ہو کر خوش طبعی فرما رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے اہل و عیال کا کس قدر خیال رکھتے ہیں، ایسا ہی ایک اور منظر ہمیں صحیح بخاری (۵۲۳۶، ۵۱۹۰) اور صحیح مسلم (۸۹۲) کے صفحات پہ نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر کے ساتھ چھپائے ہوئے ہیں اور میں جبشی لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ جو مسجد میں کھیل کا ایک نظارہ پیش کر رہے تھے۔“ ”تم اندازہ لگا لو کہ ایک جوان لڑکی جو کھیل کود کو پسند کرتی ہو، وہ کتنی دیر کھڑی رہی ہوگی؟“

الغرض، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگاہ فرماتی ہیں: ”میں جتنی دیر بھی کھڑی رہی، حضور ﷺ نے مجھے کچھ نہیں کہا، میں خود ہی جب تھک گئی تو حضور ﷺ سے کہا اب بس۔“ سبحان اللہ! یہ تھا حضور عالی مقام جناب رسول خیر الانام ﷺ کا حسن اخلاق اور کریمانہ انداز، میری اور آپ سب کی روحانی اماں جان صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔

پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی:

جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں مگر یہ کانٹے وہ نہ تھے جو جسم میں پیوست ہو جائیں تو جسم کو زخمی کر دیں، پھر وہ کانٹا پیپ بنا ڈالے، پھوڑے کی شکل اختیار کر

لے۔ یہ کانٹے بھی نرم تھے، ملائم تھے، اس قدر نرم کہ بس ہلکی سی خراش ہی ڈالتے تھے اور وہ بھی فوراً مٹ جاتی تھی۔ آئیے ان خراشوں کے مناظر بھی ملاحظہ کریں۔ اس لیے کہ انسانی زندگی کا یہ بھی حسن ہیں، یہ ایک ہلکی سی خراش ہے مگر اللہ کے رسول ﷺ بطور شوہر اس خراش کو بھی خوش خلقی میں ڈھالتے ہوئے، صحیح مسلم (۲۳۳۹) کے الفاظ میں کچھ اس طرح خوش خوش دکھائی دیتے ہیں کہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار کہتے ہیں:

شوہر نامدار ﷺ: ”مجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو؟“

زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا: ”آپ (ﷺ) کو یہ پتا کیسے چلتا ہے؟“

شوہر نامدار ﷺ: ”جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے: ”یوں نہیں، محمد (ﷺ) کے رب کی قسم!“ اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے: ”یوں نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم!“

زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا: ”ہاں ہاں! اے اللہ کے رسول! پھر کیا ہوا، میں اور کیا کرتی ہوں، بس آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں نا (آپ کو تو نہیں چھوڑتی)“

قارئین کرام! عورت کی فطری محبت اور غیرت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنی سوکن کو برداشت نہ کرے۔ یہ تقاضا بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور یہ تقاضا اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند سے محبت کرتی ہے۔ اب یہاں مرد کا امتحان ہے کہ وہ ایسے حالات میں کیسا انداز اختیار کرے، کیسا رویہ اپنائے؟ وہ عدل کو بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے اور دو بیویوں کے درمیان فریق بھی نہ بنے، اس لیے کہ وہ تو دونوں کا خاوند ہے۔ آئیے ایسے مناظر بھی ملاحظہ کرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کا عظیم الشان کریمانہ کردار بھی صحیح مسلم کے صفحات پر کتاب الفصائل (۲۳۴۲) میں ملاحظہ کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان فرماتی ہیں: ”ایک بار اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کی خدمت میں ایک پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

نے آکر اجازت طلب کی، اس وقت آپ ﷺ میرے ہمراہ میری چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ آپ اٹھے اور حضرت فاطمہؓ کو اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت فاطمہؓ اندر آ گئیں اور اپنے ابا جی سے کہنے لگیں: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ کی بیویوں نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ (ﷺ) سے درخواست کر رہی ہیں کہ آپ ابو قحافہ (یعنی ابو بکرؓ بن ابو قحافہؓ) کی بیٹی (عائشہؓ) کے مقابلے میں ان کے ساتھ انصاف کریں۔“

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ”میں چپ چاپ بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی، آخر کار اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی سے کہا: ”بیٹا! یہ بتلا کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا اس سے تو محبت نہیں کرے گی؟“ حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں: ”کیوں نہیں!“ اس پر آپ ﷺ نے (میری طرف اشارہ کر کے) فرمایا: ”پھر اس سے محبت کیا کر۔“ حضرت فاطمہؓ نے اپنے ابا جی سے یہ گفتگو سنی تو اٹھ کر چلی گئیں اور سیدھی اللہ کے رسول ﷺ کی بیویوں کے پاس پہنچیں اور انھیں اپنے اور اللہ کے رسول ﷺ کے مابین ہونے والی ساری بات چیت سے آگاہ کیا۔ ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہؓ کی بات سن کر ان سے کہا: ”ہم سمجھتی ہیں کہ آپ ہمارا مسئلہ حل نہیں کروا سکیں، لہذا دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور آپ کی خدمت میں عرض کرو کہ آپ کی بیویاں آپ (ﷺ) کو قسم دے کر عرض کرتی ہیں کہ ابو قحافہ کی بیٹی کے معاملے میں ہم سے عدل کریں۔“

حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں: ”اللہ کی قسم! میں تو آپ (ﷺ) کے ساتھ اب اس مسئلہ میں کبھی کوئی بات نہیں کروں گی۔“ ازواجِ مطہرات نے یہ سنا تو اپنے میں سے حضرت زینب بنت جحشؓ کو بھیجا۔ ازواجِ مطہرات میں سے یہ وہ خاتون تھیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں میرے جوڑ کی تھیں، لیکن یہ بات میں بہر حال کہوں گی کہ میں نے ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جو حضرت زینب سے بڑھ کر دیندار ہو، اللہ سے ڈرنے والی ہو، گفتگو میں سچی ہو، رشتے ناتے جوڑنے والی ہو، خیرات کرنے والی، نیک کاموں اور صدقات کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے والی ہو اور دل کی فیاض ہو، مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان میں یہ مشکل بھی تھی کہ

وہ بہت تیز تھیں، جلد غصہ میں آ جاتی تھیں لیکن یہ غصہ اترا بھی جلد ہی جاتا تھا اور وہ فوراً پسا ہو کر گھل مل جاتی تھیں۔

بہر حال! ان خوبیوں کی حامل حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کی طرح چادر میں میرے ہمراہ موجود تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اندر آ گئیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگیں: ”اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی بیویوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ سے ابو قحافہ کی بیٹی کے بارے میں عدل و انصاف کا تقاضا کر رہی ہیں۔“ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی بات کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوئیں اور کافی دیر تک مجھے سناتی چلی گئیں۔ میرا حال یہ تھا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کی جانب دیکھے جا رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جواب میں بولنے کی اجازت دیتے ہیں کہ نہیں؟ آخر کار میں نے محسوس کر لیا کہ میں بدلے میں بولنا شروع کروں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برا نہیں منائیں گے، کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو متواتر بولے جا رہی تھیں، چنانچہ اب میں بھی شروع ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا میں نے تھوڑی ہی دیر میں زینب رضی اللہ عنہا کو چپ کرا دیا۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمانے لگے: ”کیوں! کیسا رہا، یہ بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔“

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جواب دینے لگی تو میں نے دیکھا زینب رضی اللہ عنہا کا منہ خشک ہو گیا ہے، اسے جواب دینے کی ہمت نہیں رہی تو اب میں نے دیکھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مارے خوشی کے دمک رہا تھا۔“

[ السنن الکبریٰ للنسائی : ۲۹۰/۵، ح : ۸۹۱۴، ۸۹۱۵ و إسناده حسن لذاته و

۴۵۴، ۴۵۳/۶، ح : ۱۱۴۷۶، ۱۱۴۷۷ و إسناده حسن لذاته۔ مسند أحمد : ۹۳/۶، ح :

۲۴۶۷۴ و إسناده حسن لذاته ]

سبحان اللہ! قربان جاؤں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھی کچھ نہیں کہا اور جب انھوں نے خوب چڑھائی کر دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے

خاص انداز میں جواب دینے کی اجازت دے دی اور جب بدلے میں انھوں نے چپ کر دیا تو اللہ کے رسول ﷺ خوشی سے مسکرانے لگے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی سوکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خوبیاں اور نیکیاں کس پیارے انداز سے بیان کر رہی ہیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یہ خوبی کہ غصہ آ گیا اور پھر جلد ہی اتر بھی گیا۔ جی ہاں! مومن اور مومنہ کی یہی شان ہے کہ فطری تقاضوں کا ظہور بے شک ہوتا رہے، مگر وہ ظہور اپنی حدود میں رہے، حدود کو عبور نہ کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اللہ کے غصے کا اظہار شروع ہو جائے۔

پہلی بیوی نہیں بھولتی :

قارئین کرام! رسول کریم ﷺ کی عائلی زندگی کے گلستان میں یہ ایک اور گلستہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں: ”مجھے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں غیرت آئی اس قدر رسول اللہ ﷺ کی کسی اور بیوی کے معاملہ میں نہیں آئی، حالانکہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تک نہیں تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ حضرت خدیجہ کا تذکرہ بہت کثرت سے کرتے تھے، جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کر دیتے اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیتے۔ اس پر میں نے ایک بار کہہ ہی دیا: ”یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی عورت تھی ہی نہیں۔“

یہ سن کر آپ ﷺ کہنے لگے: ”وہ ایسی (خوبیوں کی حامل) تھی اور ایسی تھی اور میری اس سے اولاد بھی تھی۔“

[ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجہ..... الخ : ۳۸۱۸۔

مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خدیجہ..... الخ : ۲۴۳۵ ]

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی پیار و محبت کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ کو باور کراتی ہیں کہ جب مجھ جیسی جوان، خوبصورت، ذہین و فطین بیوی موجود ہے تو پھر ایک بوڑھی اور فوت شدہ بیوی کو اس قدر کثرت سے یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اس خیال کا پیدا ہونا ایک

فطری تقاضا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس تقاضے کو بالکل نہیں جھٹلایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ نہیں کہا لیکن اپنے جذبات کا اظہار ضرور کر دیا کہ وہ بے شک بوڑھی تھی، مگر وہ وہی تھی :

① جو مشکل ترین حالات میں مونس و غمخوار ثابت ہوئی۔

② اس کا مال و دولت میرے قدموں میں ڈھیر ہوا۔

③ نبوت ملنے کے بعد پہلا دلاسا اسی نے دیا۔

④ زینب، کلثوم، رقیہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہن جیسی بیٹیاں اسی سے ملیں، بیٹے بھی اسی سے ملے۔

سوائے ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ محمد (ﷺ) اپنی

اس اولین بیوی کو کیسے بھول جائے۔ عائشہ! تمہاری بات اپنی جگہ مگر محمد (ﷺ)

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احسانات کو کیسے بھول سکتا ہے؟

دودو، تین تین، چار چار بیویاں کرنے والو! شادیاں بے شک کرو مگر اسوۂ رسول ﷺ

اور معاشرت کا محمدی انداز بھی سامنے رکھو، اگر اتنی ہمت نہیں ہے اور ہاں! یاد رکھو! استطاعت

نہیں ہے، استطاعت مال کا بھی نام ہے، عقل کا بھی نام ہے، حکمت و دانائی کا بھی نام ہے،

حوصلے اور صبر کا بھی نام ہے تو پھر قرآن یہی کہتا ہے کہ پھر ایک ہی پر گزارہ کر لو۔

پیالہ ٹوٹ گیا:

قارئین کرام! باغیچہ رسول ﷺ کے آنگن میں یہ ایک اور واقعہ رونما ہوا ہے، حضرت انس

بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ مومنوں کی روحانی ماؤں میں سے کسی

ایک کے گھر میں تھے..... کسی دوسری زوجہ محترمہ نے ایک پیالہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت

میں بھیج دیا، جس میں کھانے کی کوئی شے تھی..... گھر کی مالکہ نے پیالہ لانے والے کے ہاتھ کو

جھٹک دیا۔ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ پیالے کے دونوں

نکڑوں کو باہم ملا رہے تھے، گرے ہوئے کھانے کو اٹھا کر پیالے میں رکھ رہے تھے اور فرما

رہے تھے: ”تمہاری ماں کو غیرت آگئی (کہ اس کے گھر میں اس کی سوکن نے اللہ کے

رسول ﷺ کو کھانا کیوں بھیجا ہے) لہذا یہ کھا لو۔“ چنانچہ (جو موجود تھے) انھوں نے کھانا کھایا

اور مومنوں کی ماں کہ جن سے یہ برتن ٹوٹا تھا وہ اپنے گھر میں پڑا ایک اور برتن لے آئیں۔ آپ ﷺ نے یہ صحیح و سالم پیالہ کھانا لانے والے کے ہاتھ واپس بھیج دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی گھر میں رہ گیا کہ جس گھر والی نے اسے توڑا تھا۔“

[ ابن ماجہ، أبواب الأحکام، باب الحکم فیمن کسر شیئاً: ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، صحیح۔

النسائی: ۳۴۰۸ و إسناده حسن لذاته ]

قارئین کرام! جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری روحانی ماں کو غیرت آگئی“ کہ آج ان کے شوہر اللہ کے رسول ﷺ ان کے گھر میں ہیں، لہذا آپ کی خدمت کرنا، آپ کی محبتیں سمیٹنا اور کھانے کھلانا ان کی قسمت میں آیا ہے تو دوسری بیوی اپنی باری کا انتظار کرے، ان کی باری میں دخل اندازی کیوں کرے؟ غیرت کا یہ ایک فطری تقاضا تھا، جو اپنی حدود سے تھوڑا سا تجاوز کر گیا..... لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا انداز یہاں بھی ملاحظہ ہو کہ اگر فطری ردعمل حدود سے قدرے تجاوز بھی کر جائے تو اللہ کے رسول ﷺ غضبناک نہیں ہو رہے ہیں، وہاں جو کوئی موجود تھے، ایک برتن لانے والا اور شاید اس وقت گھر میں کوئی اور لوگ بھی تھے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اپنی زوجہ محترمہ کو ندامت و خلیجان میں مبتلا نہیں ہونے دیا اور خود ہی دفاع شروع کر دیا کہ چلو کوئی بات نہیں، بس تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی، جس کی وجہ سے پیالے کے ساتھ یہ حادثہ رونما ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے گرا ہوا کھانا بھی خود ہی اٹھا لیا.....

سبحان اللہ! رسول رحمت ﷺ نے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی کہ اب اس کھانے کو اٹھاؤ وغیرہ وغیرہ، پھر وہ گرا ہوا کھانا کھا بھی لیا اور دوسرا کام جو ہوا وہ بھی باکمال تھا۔ ہماری روحانی اماں جان کو احساس ہو گیا کہ غلطی تو ہو گئی اب مداوا انھوں نے اس طرح کیا کہ اسی جیسا پیالہ لا کر اپنے شوہر جناب رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر رکھ دیا، آپ ﷺ نے یہ نیا پیالہ کھانا بھیجنے والی کے گھر میں بھیج دیا اور یوں معاملہ خوش اسلوبی سے ختم ہو گیا۔

میں کن خیالوں میں گم تھی مگر.....؟ :

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی مبارک ایک ایسا باغ ہے کہ جس میں انواع و اقسام کے پھل اور سایہ دار درخت ہیں، جس درخت کا بھی پھل کھاؤ اس کا ذائقہ باکمال



ہے، مٹھاس میں عجب بہار، رنگ میں قوس و قزح کا امتزاج اور موسم ایک ہے اور وہ ہے بہار ہی بہار..... آئیے! میں آپ کو حیات رسول ﷺ کے ایک سدا بہار باغ میں لے جاؤں، وہاں ایک پھل دار درخت کا پھل کھلاؤں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کتاب الصلوٰۃ (۴۸۶۳-۴۸۶۴) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث لائے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں: ”فتح مکہ کے بعد جب سورہ نصر نازل ہوئی تو آپ ﷺ کثرت کے ساتھ اپنے اللہ کے حضور استغفار اور تسبیح کرنے لگے، ان دنوں ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو (اپنے حجرے میں) نہ پایا۔ مجھے خیال آیا کہ آپ ﷺ اپنی کسی دوسری بیوی کے پاس گئے ہوں گے، چنانچہ یہ خیال آتے ہی میں ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ کہیں نہ ملے، تو واپس آ گئی۔ اب کیا دیکھتی ہوں کہ آپ ﷺ تو رکوع و سجود میں گرے ہوئے ہیں، اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے بے ساختہ کہا: ”میرے ماں باپ قربان! میں کن خیالوں میں مگن ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ کس کام میں مصروف ہیں؟“

یہاں بھی وہی غیرت کا معاملہ ہے کہ باری تو میری ہے اور آپ ﷺ کسی دوسری بیوی کے گھر نہ چلے گئے ہوں لیکن جب حقیقت حال واضح ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اپنے گمان کی اصلاح کرتی ہیں، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایسا کریں کہ باری کسی کی ہو اور آپ کسی دوسری کے ہاں جا کر رات بسر کریں۔ آپ ﷺ نے ظاہری معاملات میں پورا پورا عدل و انصاف کیا، اخراجات میں، رات گزارنے اور دیگر معاملات میں۔ ہاں! یہ بھی فرمایا کہ دل پر میرا اختیار نہیں، یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ کسی کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ کم ہے۔ اولاد کا معاملہ بھی تو ایسا ہی ہے کہ ایک ہی باپ کے سارے بیٹے ہیں مگر کسی کے ساتھ محبت زیادہ ہے اور کسی کے ساتھ کم ہے۔ جائداد جب تقسیم ہوگی تو وہ محبت کی بنیاد پر نہیں ہوگی بلکہ بیٹے کے ناتے کی وجہ سے ہوگی۔ اللہ بھی ظاہری معاملات پر گرفت کرے گا، دل کی چاہتوں اور محبتوں پر نہیں۔ سبحان اللہ! کیا دین فطرت ہے، جو دے کر گئے ہیں جناب رسول اکرم ﷺ۔

## روحانی مائیں:

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ، حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد جس خاتون سے شادی کی وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے خاوند حضرت حمیس بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔

پانچویں زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے خاوند حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شہید کی بیوہ کے ساتھ شادی کی، تاکہ شہید کی بیوہ کی دلجوئی ہو جائے اور انہیں احساس ہو جائے کہ شہداء کے وارث بے یار و مددگار نہیں چھوڑے جائیں گے۔

چھٹے نمبر پر زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی رمیہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ احد کی جنگ میں لڑتے ہوئے زخمی ہوئے اور پھر انہی زخموں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے شہید کی بیوہ کی تکریم کی، ان سے شادی کی اور شہید کی اولاد کی پرورش اور تربیت کی۔

ساتویں نمبر پر حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے بارے میں ہم تفصیل کے ساتھ بنو مصطلق کے غزوہ میں ذکر کر چکے ہیں۔ الغرض، یہ سردار کی بیٹی تھیں، قیدی بن گئیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے شادی کی تو ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، باپ بھی مسلمان ہو گیا اور یہی اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد تھا۔

آٹھویں نمبر پر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا ذکر بھی تفصیل سے گزر چکا ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا نکاح اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر کے برادری کے بت کو توڑا اور پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلام کی مطلقہ سے شادی کر کے

یہ سبق چھوڑا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے بھی شادی ہو سکتی ہے، نیز حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے یہ اعزاز و افتخار کی بھی بات تھی کہ زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نباہ نہیں ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے خود نکاح کر لیا۔

نویں نمبر پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، خیبر کی جنگ میں وہ قیدی بن گئی تھیں، ان کے بارے میں بھی تفصیل گزر چکی ہے۔ ان کے خاوند اور باپ مارے گئے تھے، سردار کی بیٹی تھیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں اعزاز بخشا اور آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ تھیں اللہ کے رسول کی شادیاں، ہر شادی اپنے اندر ایک عظیم مقصد لیے ہوئے ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے پیش نظر تھا۔ یہ مقصد اسلام کی اشاعت اور انسانیت کے ساتھ شفقت تھا۔

دسویں زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کا نام رملہ تھا، یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، وہ دور جاہلیت میں اسلام کا شدید دشمن تھا مگر بیٹی نے اسلام قبول کیا، ان کا خاوند عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان تھا، دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی، وہاں عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے لیے دیار غیر میں یہ ایک بہت بڑا دھچکا اور صدمہ تھا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے دلجوئی کی اور نکاح کر لیا۔ حبشہ میں نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ سے کر دیا۔ بعد میں آپ مدینہ آ گئیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے حرم میں شامل ہو کر مومنوں کی ماں بن گئیں۔

گیارہویں زوجہ محترمہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے عمرہ کیا تو مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ اسی طرح دو لوندیاں بھی آپ ﷺ کے حرم میں تھیں، جن میں سے ایک حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا۔ الغرض، جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی 9 ازواج مطہرات موجود تھیں جن کو اللہ نے سورہ احزاب میں مومنوں کی ماںیں قرار دیا، جی ہاں! جب آپ ﷺ کی ازواج مطہرات مومنوں کی ماںیں بن گئیں تو آپ ﷺ مومنوں اور مسلمانوں کے روحانی باپ بن گئے۔

روحانی بیٹوں کو جس روحانی ماں نے سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ انھوں نے جو احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے۔ ان کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نمبر ہے، ان سے روایت ہونے والی احادیث کی تعداد تین سو اٹھتر ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے پھتر احادیث مروی ہیں، حضرت ام حبیبہ سے پندرہ احادیث اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پانچ احادیث، حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے نو احادیث اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث مروی ہیں۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ جب وہ اللہ کے رسول کے گھر آئیں تو یہاں حکمران مدینہ ﷺ کے گھر میں تنگی ترشی سے وقت گزارا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے گھر والوں کو متواتر دو دن پیٹ بھر کر جو کی روٹی تک میسر نہ ہوتی۔ عام کھانا کھجور تھا، وہ بھی فتح خیبر کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کو ملیں، ایسے دن بھی آئے کہ ایک ماہ بلکہ دو دو ماہ تک اللہ کے رسول ﷺ کے گھروں میں چولہوں میں آگ نہیں جل سکی۔

دکھوں اور غموں کی وادی:

قارئین کرام! آئیے اب دیکھتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو ایک ایسی وادی میں کھڑے ہوئے جو دکھوں اور غموں کی وادی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ ابھی اس دنیا میں نہ آئے تھے کہ والد محترم حضرت عبداللہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو والدہ محترمہ حضرت آمنہ اس دنیا سے چلی گئیں۔ آٹھ سال کو پہنچے تو اپنے پوتے کی راہ نکلنے والا دادا عبدالمطلب اس دنیا سے چلا گیا۔ جناب ابو طالب جو آپ ﷺ کے چچا تھے اور قریش مکہ کی ایذاؤں کے سامنے ایک رکاوٹ تھے، وہ بھی دنیا چھوڑ گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی جدائی کا گھاؤ لگا گئیں۔

مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول ﷺ آئے تو احد میں محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

جنگ موتہ میں چچا زاد بھائی حضرت جعفر شہید ہوئے۔ تین بیٹیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں۔ آخری بیٹیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

صحیح بخاری، کتاب الجنائز (۱۲۸۵) میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی کے جنازے میں موجود تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ بیٹی کو لحد میں اتارنے سے قبل قبر کے پاس بیٹھ گئے، میں دیکھ رہا تھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔“

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر اپنے بیوی بچوں کے لیے مہربان اور محبت کرنے والا ہو۔“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ہم نے دیکھا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو گود میں لیا، اسے چوما اور پھر سوگھا، اس کے بعد وہ وقت بھی ہم نے دیکھا جب ابراہیم آخری سانس لے رہے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہ رہے تھے۔“

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو عرض کرنے لگے: ”اور آپ بھی اے اللہ کے رسول! (ﷺ) (رورہے ہو)؟“ آپ ﷺ نے جواب دیا: ”اے عوف کے بیٹے! یہ رونا تو رحمت ہے۔“ پھر آپ ﷺ کے آنسو دوبارہ چھلک پڑے اور فرمایا:

”آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی بولیں گے جس بول پر ہمارا رب خوش ہو۔ باقی بات یہ ہے کہ اے ابراہیم! تیری جدائی کے دکھ سے ہم بہت غمزدہ ہیں۔“

[ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ (( إنا بك لمخزونون )) : ۱۳۰۳۔ مسلم، کتاب الفضائل باب رحمته ﷺ ..... الخ : ۲۳۱۵، ۲۳۱۶ ]

قارئین کرام! آپ ﷺ کے شیر خوار بیٹے ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ مصریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ جب آپ ﷺ کی بیٹی کے لخت جگر فوت ہوئے تو اس وقت بھی آپ ﷺ کے

آنسو چھلک پڑے۔ صحیح بخاری میں ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بتلاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جی کی جانب پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے، لہذا تشریف لائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام لانے والے کے ذریعے بیٹی کو سلام بھیجا اور یہ پیغام دیا:

«إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»

”کیا شک ہے، اللہ ہی کا وہ تھا جو اس نے لے لیا اور جو دیا تھا تو وہ بھی اسی کا تو تھا

اور ہر ایک کا اللہ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، لہذا صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔“

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دوبارہ پیغام بھیجا اور قسم دی کہ ابا جی میرے پاس بہر صورت پہنچیں۔ پیغام ملتے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی چل دیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے ہاں آئے تو بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس وقت بچے کی جان نکل رہی تھی، یہ منظر دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ رحمت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے اور اللہ بھی اپنے

انہی بندوں پر مہربان ہوتا ہے جو دوسروں کے لیے رحم دل ہوتے ہیں۔“

[بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: «يعذب الميت»..... الخ: ۱۲۸۴]

یہود کے ساتھ بھی تکریم انسانیت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ پھر جو شخص جنازے کے ساتھ جائے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک میت کو رکھ نہ دیا جائے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو اسے دیکھ کر اللہ کے

رسول ﷺ کھڑے ہو گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! یہ جنازہ تو یہودی عورت کا تھا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا شک ہے موت ایک پریشانی ہے لہذا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔“

حضرت ابن ابی لیلیٰ بتلاتے ہیں کہ قیس بن سعد اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما قادسیہ میں تھے وہاں ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں اصحاب سے پوچھا گیا کہ یہ تو یہیں کے رہنے والے کفار ہیں جن کا جنازہ ہے، ان دونوں نے جواب دیا: ”اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے بھی ایک جنازہ گزرا تھا اس پر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ سے بھی کہا گیا تھا کہ یہ تو یہودی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿الْيَسْتُ نَفْسًا﴾

”کیا یہ انسانی جان نہیں؟“

[ رواہ مسلم فی کتاب الحنائن ]

قارئین کرام! یہ ہے تکریم انسانیت اور انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور نغمساری جس کا مظاہرہ اللہ کے رسول ﷺ نے خود کیا اور ایسا سبق دیا کہ صحابہ بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ جی ہاں! ایسا کیوں نہ ہو؟ کہ وہ قرآن جو رحمتہ للعالمین ﷺ کے دل پر نازل ہوا، ذرا ملاحظہ ہو اس قرآن کے ایک فرمان نے رہتی دنیا تک تکریم انسانیت کا کیا لازوال سبق دیا، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ [الإسراء: ۷۰]

”بلاشبہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دار بنایا۔“

قارئین کرام! اللہ کا دیا ہوا یہ پیغام جو تکریم انسانیت کا علمبردار ہے اس قدر عالمگیر ہے کہ اس میں اولاد آدم کی بات ہے۔ کسی نسل، رنگ اور مذہب کی بات نہیں ہے، اس عالمگیر پیغام پر عمل کر کے جس پیغمبر نے دکھلایا ہے وہ پیغمبر واقعی انسانیت کا پیغمبر ہے۔ ہمدرد، نغمسار اور سراپا رحمت ہے۔

اس برحمت پیغمبر نے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکالا تھا تو ان کی کرتوتوں اور غیر انسانی محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حکومتوں کی وجہ سے، آہ! یہ یہودی اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ مغرب جو آج محض اسلام اور مسلم دشمنی میں یہودیوں کا طرفدار ہے، اسی مغرب میں ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ کیا کیا..... اور ذرا حالیہ تاریخ پر نگاہ تو ڈالیں خود سارے یورپ نے یہودیوں کے ساتھ کیا کیا، ایک ہلکی سی جھٹک ملاحظہ ہو:

- ۱۔ ۱۳۰۶ء میں فرانس نے دیس نکالا دیا۔
- ۲۔ ۱۳۴۹ء میں فرانس نے دیس نکالا دیا۔
- ۳۔ ۱۳۶۰ء میں ہنگری نے دیس نکالا دیا۔
- ۴۔ ۱۳۷۰ء میں بیلجیم نے دیس نکالا دیا۔
- ۵۔ ۱۳۸۰ء میں سلواکیہ نے دیس نکالا دیا۔
- ۶۔ ۱۳۲۰ء میں آسٹریا نے دیس نکالا دیا۔
- ۷۔ ۱۴۴۴ء میں نیدر لینڈ نے دیس نکالا دیا۔
- ۸۔ ۱۴۹۵ء میں لٹویا نے دیس نکالا دیا۔
- ۹۔ ۱۴۹۶ء میں پرتگال نے دیس نکالا دیا۔
- ۱۰۔ ۱۵۱۵ء میں جینیوا نے دیس نکالا دیا۔
- ۱۱۔ ۱۵۴۰ء میں اٹلی نے دیس نکالا دیا۔
- ۱۲۔ ۱۶۶۹ء میں ویاتانے دیس نکالا دیا۔
- ۱۳۔ ۱۷۴۴ء میں سلواکیا نے دیس نکالا دیا۔
- ۱۴۔ ۱۸۹۱ء میں باسکونے دیس نکالا دیا۔

قارئین کرام! یہودیوں کی جلا وطنی کے واقعات جو یورپ میں ہوئے ہم نے آدھے بھی نہیں لکھے۔ اس کثرت سے جلا وطنیوں کو دیکھ کر ایک معروف یہودی مصنف برنارڈ لازارے کو ۱۸۹۴ء میں یہ کہنا پڑا۔

”اگر یہودیوں کو کسی ایک ملک سے، ایک مذہب یا ایک مخصوص نسل کے لوگوں نے اس طرح بار بار بے دخل اور جلا وطن کیا ہوتا تو ان پر متعصب ہونے کا الزام لگایا جا سکتا تھا، لیکن



مختلف ملکوں میں مختلف مذاہب اور نسلوں کے لوگوں نے یہودیوں کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ برائی کی جڑ یہودی ہیں ان کو نکالنے والے نہیں۔“

قربان جاؤں حسن انسانیت جناب محمد کریم، رسول رحمت ﷺ پر کہ یہود سے بے شمار زخم کھانے کے باوجود شہری زندگی میں ان کو تکریم انسانیت کا حق دیتے ہیں۔  
رسول رحمت، جانوروں کے لیے بھی رحمت:

صحیح مسلم (۱۷۳۱/۳) میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو کمانڈر کو بطور خاص ہدایت دیتے کہ دیکھنا کوئی بچہ نہ مارا جائے۔ الغرض، آپ ﷺ تو جانوروں پر بھی بے حد مہربان تھے۔

صحیح بخاری (۵۵۱۵) اور صحیح مسلم (۱۹۵۸) میں ہے، حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گزر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ چند لوگوں نے ایک زندہ مرغی باندھ رکھی ہے اور وہ اسے تیروں سے مار رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ دیکھا تو کہا: ”کس نے یہ حرکت کی؟ جس کسی نے ایسا کیا اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر لعنت کی ہے۔“  
سپین اور یورپ کے ملکوں میں ”بل فائینگ“ کا کھیل بھی اسی طرح کا ظالمانہ کھیل ہے، جس میں فائیر بیل پر بیٹھ کر اسے خنجر مارتا ہے اور مار مار کر اسے جان سے مار دیتا ہے۔ جانوروں پر ایسا ظلم جو لوگ کرتے ہیں وہ لعنتی ہیں، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ جی ہاں! ظالم بھلا کس طرح اللہ کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں بکری ذبح کرتا ہوں اور اس پر مجھے رحم آتا ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:  
«وَالشَّاءُ اِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللّٰهُ»

[مسند احمد: ۳۴۱۵، ح: ۲۰۳۶۳ و ۴۳۶۱۳، ح: ۱۵۵۹۲ و

إسناده صحيح]

”اگر تو بکری پر بھی رحم کرے گا تو اللہ تجھ پر مہربانی کرے گا۔“

صحیح مسلم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:  
محکمہ دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

«إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَ إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ ، وَ لِيُحَدِّثْ أَحَدُكُمْ شُفْرَتَهُ ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

[مسلم، کتاب الصيد و الذبائح، باب الأمر بإحسان ..... الخ : ۱۹۵۵]

” بلاشبہ اللہ نے ہر شے پر احسان کو فرض قرار دیا ہے، لہذا جب تم (قاتل کو) قتل کرو تو قتل میں احسان کرو۔ جب تم (جانور) ذبح کرو تو ذبح میں احسان کرو، تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچائے۔“

قارئین کرام! اللہ نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: ۲۱/۱۰۷]

”ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

آپ ﷺ جانوروں کے لیے بھی رحمت تھے۔ امام احمد ابن حنبل صحیح سند کے ساتھ اپنی مسند میں حدیث لائے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک انصاری شخص کو منع کیا کہ وہ اونٹ کو تکلیف پہنچائے، آپ ﷺ نے اسے کہا:

”اس جانور کے معاملے میں تو اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا، وہ جانور کہ جس کے رب نے تجھے مالک بنایا ہے، اس نے میرے پاس تیری شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے جبکہ کام اس سے پورا لیتا ہے۔“

[مسند احمد : ۱/۲۰۴، ۲۰۵، ح : ۱۷۴۵، ۱۷۵۴ و إسناده صحيح۔ أبو داؤد :

۲۵۴۹ و إسناده صحيح]

اللہ اللہ! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی بات سمجھ لی۔ یہ ان لوگوں کے لیے انتباہ ہے جو اپنے جانوروں پر ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں، یا ان کو بھوکا رکھتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو علاج نہیں کرواتے۔ قربان ایسے شفیق اور مہربان رسول مکرّم ﷺ پر کہ جنہوں نے انسانوں ہی کے نہیں جانوروں کے حقوق سے بھی آگاہ کر دیا۔

اے اللہ! ہمارے پیارے مصطفیٰ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، ہمیں انسانیت کے ساتھ شفقت و مودت کا درس دے گئے ہمیں انسانیت کے لیے پیکرِ رحمت و الفت بنا اور اسی طرح آپ ﷺ ہمارے لیے اپنی عالمی زندگی کا جو بہترین نمونہ چھوڑ گئے، اس پر بھی عمل کی توفیق عطا فرما کہ آپ ﷺ نے جس خاتون سے بھی نکاح کیا اسے اپنے سے جدا نہیں کیا، ہمیں بھی علیحدگیوں کی خجالتوں سے محفوظ فرما۔ (آمین)

### گھریلو مصروفیات:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر میں اخلاق کریمانہ کے پھول یوں بھی کھلاتے چلے گئے کہ امام محمد بن حبان اپنی صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث لائے ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا: ”گھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی مصروفیت کیسی ہوتی تھی۔“ تو فرمایا: ”آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، آپ ﷺ:

- ۱۔ گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ ان کا ہاتھ بٹاتے۔
- ۲۔ اپنے گھر میں اپنے ہاتھ کے ساتھ مختلف امور انجام دیتے۔
- ۳۔ بکری کا دودھ دودھ دیتے۔
- ۴۔ جوتا سی لیتے۔
- ۵۔ پانی کا مشکیزہ اٹھا لیتے۔
- ۶۔ اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے۔
- ۷۔ اپنے کام خود کر لیتے۔
- ۸۔ کپڑے صاف کر لیتے۔“

[ ابن حبان: ۵۶۷۵ و إسناده حسن لذاته، ۵۶۷۶ حسن، ۵۶۷۷ و إسناده صحيح۔

مسند أحمد: ۲۵۶/۶، ح: ۶۱۹۴، و إسناده صحيح، ۱۰۶/۶، ۱۶۷، ۲۵۳۴۱ صحيح ]

اے اللہ! تیرے پیارے رسول ﷺ ہمارے لیے اپنی خانگی زندگی کا جو نمونہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمیں اپنے گھروں میں ایسا ہی بنا دے، تاکہ ہمارا گھر بھی اخلاق و محبت کا گلشن بن جائے۔

(آمین بارب العالمین)

## جسم اطہر..... قبر مبارک میں

### وفات اور جذبات :

- ۱۔ آپ ﷺ ۶۳ سال کی عمر میں دارفانی کو خیر باد کہہ کر دار ابدی میں گئے۔  
[بخاری، کتاب المغازی، باب وفاة النبی ﷺ ووفاته: ۴۴۶۶]
- ۲۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غم و اندوہ کا اظہار یوں کیا:  
”ہائے ابا جان! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے ابا جان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے، ہم جبریل کو آپ کی وفات کی خبر سناتے ہیں۔“  
[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ۴۴۶۲]
- ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”اللہ کی قسم! میں نے جس جس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو گئے تو میں اس کی گردن اپنی اس تلوار سے اڑا دوں گا۔“  
[طبرانی کبیر: ۵۶/۷، ۵۷، ح: ۶۳۶۷ و [إسناده صحيح۔ ابن حبان: ۶۸۷۵ و [إسناده صحيح [مزید کہنے لگے: ”رسول اللہ ﷺ فوت نہ ہوں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو تباہ نہ کر دے۔“  
[مسند أحمد: ۲۱۹/۶، ۲۲۰، ح: ۲۵۸۴۱ و [إسناده حسن لذاته، یزید بن ہانوس صدوق حسن الحدیث، وثقه ابن حبان، الثقات: ۵۴۸/۵۔ والدارقطنی و ابن عدی (إشارة) والحاکم والذہبی بتصحیح حدیثہ، تہذیب التہذیب: ۴۰۶/۴۔ مستدرک حاکم: ۳۹۲/۲ ح: ۳۴۸۱ و ۵۷۶/۴، ۵۷۶، ح: ۸۷۱۷]
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

«وَلَكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَعْيشَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَدُبِّرَنَا يَقُولُ حَتَّى يَكُونَ آخِرَنَا»

” لیکن میں تو یہ امید رکھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک زندہ رہیں گے کہ ہمیں ہمارے معاملات سمجھائیں گے اور ہم سب میں سے خود آخر میں فوت ہوں گے۔“

[ ابن حبان: ۷/۶۶۲۰ و إسناده صحيح۔ سیرة ابن ہشام: ۴/۳۱۱، ۳۱۲، و إسناده حسن لذاتہ ]  
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قطعاً یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کبھی فوت نہیں ہوں گے۔

یاد رہے! جسم اور روح کے ملاپ کا نام زندگی ہے اور دونوں کے مابین جدائی کا نام موت ہے۔  
۴۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خبر سن کر آئے، اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور آپ ﷺ پر جھک گئے۔ آپ ﷺ (کی پیشانی) کو بوسہ دیا اور رو دیے اور پھر لوگوں میں آئے۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احوال ملاحظہ کیے تو اللہ کی حمد و ثنا کے بعد تمام لوگوں سے یوں خطاب فرمایا:

« مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ »

”لوگو سنو! جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا اسے آگاہ ہو جانا چاہیے کہ محمد (ﷺ) وفات پا چکے ہیں اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ سن لے، اللہ زندہ ہے، اس کے لیے موت نہیں ہے۔“

اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَكُنْ بِوَجْهِ اللَّهِ سَبِيحًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾

[ آل عمران: ۱۴۴ ]

”اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں، تو کیا تم لٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (اسلام چھوڑ دو گے؟) اور اگر کوئی لٹے پاؤں پھر بھی جائے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اور شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ جلد ہی اچھا بدلہ عطا کرے گا۔“

[ بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته: ۴۴۵۴ ]

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے قرآن کی اس آیت کی تلاوت سنی تو حیران و ششدر رہ گیا، میری ٹانگیں میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کرنے لگیں اور آخر کار میں زمین پر گر گیا اور مجھے پتا چل گیا:

« اَنَّ النَّبِيَّ قَدْ مَاتَ »

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۴۴۵۴۔ ابن حبان: ۶/۶۶۲۰ صحیح]

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔“

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ”یہ آیت بھی اللہ کی کتاب میں ہے۔ میرا تو شعور ہی جواب دے گیا تھا کہ یہ آیت بھی قرآن میں ہے۔“

[مسند أحمد: ۶/۲۱۹، ۲۲۰، ح: ۲۵۸۴۱ و اسنادہ حسن لذاتہ]

۷۔ لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے جب یہ آیت سنی تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی جس کی وہ تلاوت کر رہے تھے۔

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ: ۴۴۵۴]

۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”اس دن جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ تشریف لائے تھے، ہر شے روشن ہو کر چمک اٹھی تھی اور جب وہ دن آیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو مدینے کی ہر شے پر اندھیرا چھا گیا۔“

[الترمذی، کتاب المناقب، باب «سلوا اللہ لی الوسيلة»: ۳۶۱۸ اسنادہ حسن

لذاتہ۔ ابن ماجہ: ۱۶۳۱ اسنادہ حسن لذاتہ۔ ابن حبان: ۶۶۳۴ و اسنادہ حسن لذاتہ]

غسل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب مجھے موت آ جائے تو مجھے میرے کنویں غرس کے پانی کی سات مشکوں سے غسل دینا۔“

[ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۴۶۸۔ و اسنادہ حسن لذاتہ۔ عباد بن یعقوب و اسماعیل بن عبد اللہ صدوقان و ثقہما الجمهور حدیثہما لاینزل عن درجۃ الحسن]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتلاتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تو آپ کی قمیص نہیں

اتاری گئی بلکہ قیص کے اوپر ہی سے پانی ڈال دیا گیا۔ قیص کے کپڑے ہی کو جسم پر مل دیا جاتا اور پانی انڈیل دیا جاتا، یوں آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔

[أبو داؤد: ۳۱۴۱ و إسناده حسن لذاته۔ سیرة ابن هشام: ۳۱۳/۴ و إسناده حسن لذاته، ابن حبان: ۶۶۲۷، ۶۶۲۸ و إسناده حسن لذاته]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو غسل دیا، کسی فوت ہونے والے جسم پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ بالکل نہ تھے۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر جس طرح زندگی میں عمدہ تھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی عمدہ اور نفیس تھا۔“

[طبقات ابن سعد: ۲/۲۱۵ و إسناده صحيح۔ ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل النبي ﷺ: ۱۴۶۷ و إسناده صحيح۔ مستدرک حاکم: ۱/۳۶۲، ح: ۱۳۳۹ و إسناده صحيح]

ثقف تابعی امام محمد بن مسلم الزہری فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس، حضرت عباس کے بیٹے فضل اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے غلام صالح نے غسل دیا۔

[طبقات ابن سعد: ۲/۲۱۳ و إسناده صحيح]

کفن:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”اللہ کے رسول (ﷺ) کو تین چادروں میں لپیٹ کر کفن دیا گیا، یہ چادریں یمن کی بنی ہوئی سفید روئی کی تھیں۔“

[بخاری، كتاب الجنائز، باب الثياب البيض للكفن: ۱۲۶۴]

جنازہ:

لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”کیا اللہ کے رسول ﷺ کا جنازہ پڑھا جائے گا؟“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”ہاں!“ لوگوں نے پوچھا: ”کیسے پڑھا جائے گا؟“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”چند لوگ کمرے میں داخل ہو جائیں، اللہ اکبر کہیں، نماز پڑھیں، مسنون دعائیں مانگیں اور وہ نکل آئیں، پھر دوسرے لوگ داخل ہو جائیں۔ الغرض، اس طرح لوگ داخل ہوتے جائیں اور (بغیر امام کے) یوں کرتے چلے جائیں۔“

[طبرانی کبیر: ۷/۵۷، ح: ۶۳۶۷ و إسناده صحيح۔ طبقات ابن سعد: ۲/۲۲۱]

و إسناده صحيح عن أبي عسيم رضى الله عنه۔ مسند أحمد : ٨١ / ٥ ، ح : ٢٠٧٦٦  
و إسناده صحيح عن أبي عسيب رضى الله عنه ]

نبی تو اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، اللہ کا محبوب ہوتا ہے، معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اسے جنازے کی کوئی ضرورت نہیں، جب شہید کو جنازے کی ضرورت نہیں تو نبی کو بھلا کیسے ضرورت ہو سکتی ہے؟ اور پھر سارے نبیوں کے امام خاتم الانبیاء، صاحب حوض کوثر، رب العالمین کے محبوب کو امتیوں کی نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لہذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مزاج شناس رسول ﷺ تھے، نے کہہ دیا کہ بھئی جاؤ، دعائیں مانگو، درود پڑھو، اکیلے جنازے کی دعائیں پڑھتے ہوئے نماز پڑھو، جو بھی کرو گے، سب کچھ اپنے ہی لیے کرو گے، اپنے ہی درجات بلند کرو گے۔ رسول اکرم ﷺ تو اپنے اللہ کے ہاں جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین محل میں جا چکے۔

دفن:

۱۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”کیا اللہ کے رسول ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟“ جواب دیا: ”ہاں!“ لوگوں نے پوچھا: ”کہاں؟“ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپ ﷺ کی روح قبض کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح کو اسی جگہ قبض کیا جو انتہائی عمدہ اور پاکیزہ تھی۔“  
[ طبرانی کبیر : ٥٧ / ٧ ، ح : ٦٣٦٧ و إسناده صحيح ]

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب اللہ کے رسول ﷺ فوت ہوئے تو آپ کے صحابہ نے کہا: ”آپ ﷺ کو دفن کہاں کیا جائے؟“ تو میرے والد محترم ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جہاں آپ نے وفات پائی ہے وہیں آپ ﷺ کو دفن کیا جائے۔“

[ طبقات ابن سعد : ٢ / ٢٢٣ و إسناده صحيح۔ ترمذی : ١٠١٨ ]

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

« حَيْثُ قُبِضَ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَقْبِضُهُ إِلَّا فِي بُقْعَةٍ طَيِّبَةٍ »

”آپ ﷺ کو وہیں دفن کیا جائے جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی ہے۔  
یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو (اور باقی انبیاء و رسل کو) (بہت) پاکیزہ جگہ میں



وفات دی ہے۔“

[طبرانی کبیر: ۵۷/۷، ح: ۶۳۶۷ و [سنادہ صحیح ]

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر میں ”لحد“ بنائی گئی (یعنی ایک طرف سے قبر کھودی گئی) ”لحد“ کو کچی اینٹوں کے ساتھ بند کیا گیا۔

[مسلم، کتاب الجنائز، باب فی اللحد ..... الخ: ۹۶۶]

ثقة محدث امام محمد بن مسلم الزہری التابعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو لحد میں حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور آپ ﷺ کے غلام صالح (رضی اللہ عنہ) نے لٹایا۔

[طبقات ابن سعد: ۲/۲۳۰ و [سنادہ صحیح ]

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ سوموار کے دن فوت ہوئے ..... منگل کا دن گزر گیا ..... پھر اسی رات کو بدھ کے دن صبح ہونے سے قبل آپ کو دفن کر دیا گیا۔

تابعی کبیر ثقہ و متقن محدث امام ابوسلمہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُفِنَ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ»

”یقیناً رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔“

[التمهيد: ۲۵۴/۶ و [سنادہ حسن لذاتہ ]

مشہور ثقہ و متقن امام عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی بھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔

[البداية والنهاية: ۲/۲۸۴ و [سنادہ حسن۔ عبدالحمید بن بکار و ثقہ ابن حبان و

روی عنہ ابوزرعة الرازی و يعقوب بن سفيان الفسوي وهما لا يرويان إلا عن ثقہ

عندهما خصوصاً ابو زرعه إلا نادراً ]

لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور (مؤرخین) کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ آپ ﷺ

کو بدھ کی رات دفن کیا گیا تھا۔

[البداية والنهاية: ۲/۲۸۴]

۶۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جب دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے

اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اے انس! (رضی اللہ عنہ) تمہارے دلوں نے کیسے

گوارا کیا ہوگا جب تم لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر مٹی ڈالی ہوگی۔“

[بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ..... الخ: ۴۶۶۲۔ ابن حبان: ۶۶۲۲ و إسناده صحيح]

**خوف اور خدشہ:**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«وَلَوْلَا ذَلِكَ لَابْرَزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنِّي أَخْشَى أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»

”اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ لوگ آپ (ﷺ) کی قبر پر عبادت شروع کر دیں گے تو آپ (ﷺ) کی قبر کو کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ بس خدشہ مجھے اس بات کا ہے کہ قبر کو کہیں سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔“

[بخاری، کتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱۳۳۰]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے اللہ سے یوں فریاد کرتے ہیں:

«اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَنَسًا يُعْبَدُ»

”اے میرے اللہ! میری قبر کو آستانہ اور عبادت گاہ نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔“

[مسند أحمد: ۲/۲۶۶ ح: ۷۳۵۸ و إسناده صحيح۔ مسند الحمیدی بتحریفات

الأعظمی: ۲/۴۴۵ ح: ۱۰۲۵ و إسناده صحيح۔ التمهید: ۱۷۶/۵، ۱۷۷ و

حزمة ابن المغيرة ثقة صدوق]

قارئین کرام! اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا کو اس طرح شرف قبولیت سے نوازا ہے کہ چودہ سو سال ہو گئے، آپ ﷺ کی قبر مبارک موجودہ سعودی عرب کے دور تک ہر قسم کی پوجا و پرستش سے پاک ہے۔ نہ وہاں میلا ہے نہ عرس، نہ چادریں چڑھانے کی رسومات ہیں اور نہ اور کوئی غیر شرعی اور خلاف سنت آلاش۔ جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا وہاں اب نور الدین زنگی کے ہاتھوں بنائی ہوئی مضبوط عمارت ہے، جو گنبد خضریٰ کے نام سے معروف ہے۔

## امت سے خلیفہ اول کا پہلا خطاب :

انصار اور مہاجرین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق اپنا حکمران منتخب کر لیا۔ سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد خطاب فرماتے ہوئے کہا: ”اے لوگو! مجھے تمہارے امور کا نگران بنا دیا گیا ہے، حالانکہ میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں، اگر تو میں اچھا کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو، اگر غلط کرنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو، یاد رکھو! سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارے اندر جو کمزور خیال کیا جاتا ہے وہ میرے ہاں طاقتور ہے، جب تک کہ میں اس کا حق اسے لوٹا نہ دوں اور اللہ نے چاہا تو تمہارے اندر جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے (کسی کمزور کا) حق واپس نہ لے لوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ بیٹھتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری پھیل جائے اللہ اسے عام آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔

لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے لگوں تو تمہارے ذمے میری کوئی اطاعت نہیں۔“

[ البدایہ والنہایہ : ۶۹۲/۳، ۶۹۳ و إسناده حسن لذاتہ۔ سیرة ابن ہشام : ۴/۳۱۰،

۳۱۱ و إسناده حسن لذاتہ ]

## اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملاقات :

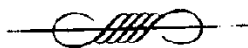
میرے اللہ! تجھ سے ملاقات کا بے حد شوق اور اشتیاق ہے۔ جب میں اس دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان میں جاؤں گا تو تیری رحمت، چاہت اور فضل کے ساتھ تیرا دیدار کروں گا۔ میرے مولا! تیرے قرآن نے بتلایا ہے کہ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی۔ میں خواہش کروں گا، میرے ابا جان مولانا نذیر احمد (رحمۃ اللہ علیہ) اور والدہ محترمہ، جنہوں نے میری دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، جن کی وجہ سے میں تیرے محبوب اور خلیل جناب محمد کریم ﷺ کی سیرت پر کتاب لکھنے

کے قابل ہوا، میں نے تیری دی ہوئی ہمت، توفیق اور استطاعت کے مطابق سیرت کے موتی پروئے جو سچے بھی ہیں اور سچے بھی ہیں۔ میرے والدین کو میرے ہمراہ کر دے، مجھے اس کتاب کا ایک نسخہ یہاں جنت میں دے دے۔ پھر میں وہ نسخہ لوں گا، اپنے محبوب رسول مکرم و معظم ﷺ کے محل کے باہر دستک دوں گا۔ پیارے رسول ﷺ سے بغلگیر ہو کر ملوں گا۔ آپ ﷺ کا ماتھا مبارک چوموں گا اور پھر ”سیرت کے سچے موتی“ کا نسخہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

وہاں جی بھر کے آپ ﷺ کا دیدار اور باتیں کروں گا۔ (ان شاء اللہ)  
میرے مولا! یہ کتاب مجھ سے میرے بھائی مولانا سیف اللہ قصوری صاحب نے لکھوائی۔ جس جس نے بھی جو جو حصہ ڈالا، ہم سب کا یہ عمل قبول فرمائے۔ میرا جو بھائی اور بہن بھی سیرت کے ان موتیوں کو لوگوں کی جھولیوں میں بکھیرے، ان سب سمیت ہم سب کو جنت الفردوس میں اپنے حبیب ﷺ سے ملا دے۔ آمین! یا ارحم الراحمین۔

امیر حمزہ

0300-4078618



# سیدنا ابو بکر صدیق مکرمی

اسلام کی نشر و اشاعت کا عالمی مرکز  
دارالاندلس  
میلیات روڈ، چورچوس لاهور، پاکستان  
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andalus.com